فتاوی رضویّہ
مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات
امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ
۸
رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَايَا النَّبَوِيَّة فِي الْفَتَاوى الرِّضْوِيَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہشتم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوھاری دروازہ، لاھور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)
۷۶۵۷۳۱۴

کتاب________________فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم
تصنیف________________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات__________حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور
پیش لفظ________________مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح______________(۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد رب نواز
باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
ترتیبِ فہرست____________حافظ محمد عبدالستار سعیدی
کتابت________________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پروف ریڈنگ______________(۱) مولانا نظیر احمد سعیدی (۲) مولانا محبوب احمد چشتی
پیسٹنگ________________محمد سہیل عمر
صفحات________________۶۶۴
اشاعت________________محرم الحرام ۱۴۱۶ھ / جون ۱۹۹۵ء
مطبع________________آر اینڈ ڈبلیو، ایس پرنٹرز لاہور
ناشر________________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت________________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمدللہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصہ شہود پرلانے کے لئے "رضافاؤنڈیشن" کے نام سے قائم شدہ ادارہ انتہائی سرعت اور کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے، اس سے قبل فتاوٰی رضویہ کی سات مجلدات آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرعنایت سے آٹھویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری نے کیاہے جبکہ جلد ششم وہفتم کاترجمہ بھی انہی کی رشحات قلم کانتیجہ ہے۔

جلدہشتم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد سوم میں سے باب احکام المساجد سے جلد سوم کے آخرتک ۳۳۷ سوالوں کے جوابات پرمشتمل ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل نو مستقبل ابواب زیربحث ہیں:

(۱) باب احکام المساجد

(۲) باب ادراك الفریضة

(۳) باب قضاء الفوائت

(۴) باب سجود السھو

(۵) باب سجود التلاوۃ

(٦) باب صلوٰۃ المسافر

(٧) باب الجمعۃ

(٨) باب العیدین

(٩) باب الاستسقاء

اس کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل چھ رسائل بھی پیش نظر جلد میں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

(١) التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد (١٣٠٧ھ)

صحن مسجد کے مسجد ہونے کا بیان

(٢) مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان (١٣٢٠ھ)

تعریف حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق

(٣) رعایۃ المذھبین فی الدعاء بین الخطبتین (١٣١٠ھ)

دو خطبوں کے درمیان دعا کرنے کا طریقہ

(٤) اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ (١٣٢٠ھ)

اذان ثانی مسجد سے باہر دینے کا بیان

(٥) سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید (١٣٣٩ھ)

نماز عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت

(٦) وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید (١٣١٢ھ)

نماز عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا بیان

مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہ ہوسکے:

(١) شمامۃ العنبر فی النداء بازاء المنبر

اذان جمعہ بیرون مسجد محاذیء منبر چاہئے

(٢) لوامع البہافی المصر للجمعۃ والاربع عقیبہا

جمعہ کے لئے شہر شرط ہونے اور احتیاطی ظہر کے بیان میں

(٣) احسن المقاصد فی بیان ماتنزہ عنہ المساجد

مسجد میں کیا کیا کام ناروا ہیں

(۴) مایجلی الاصر عن تحدید المصر

شہر کی تعریف، جمعہ وعیدین کہاں جائز ہیں

رسالہ جلیلہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید جواس سے پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں تھا وہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی کے ترجمہ کے ساتھ اس جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالدائم دائم ایڈیٹر ماہ نامہ جام عرفان، خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور ہزارہ کا فتاوٰی رضویہ کے خطبہ سے متعلق وہ مقالہ جو ۷ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل میں پڑھا گیا جلد ہشتم میں شامل کیا جارہا ہے۔

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
جون ۱۹۹۵ء

مولانا قاضی عبدالدائم دائم
ایڈیٹر ماہنامہ جام عرفاں
خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور

فتاوٰی رضویہ کا خطبہ

- علم و فضل کا شہ پارہ ________ فکر و فن کا مہ پارہ
- فصاحت و بلاغت اور براعتِ استہلال کا دمکتا ہوا شہکار
- کتب فقہ اور ائمہ کرام کے ناموں کا مہکتا ہوا گلزار

سلسبیل و کوثر و تسنیم کی موج رواں
کیف آگیں، جاں فزا تحریر شاہ احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفِرِّدِ
وَصَلٰوته، دَوْمًا عَلٰى خِيْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ هُمْ مَأْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِیْ
فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ بِکِتَابِهٖ وَبِاَحْمَدٖ

(امام احمد رضا)

ارشاد ربّانی ہے: وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔
اعلیحضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالٰی اسی فرمان خداوندی پر عمل کرتے ہوئے یوں زمزمہ سرا ہوتے ہیں: ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہاں "سخن" سے مراد منظوم کلام ہے، لیکن درحقیقت امام احمد رضا کی شاہی ہر نوع سخن میں مسلم ہے ـــــ خواہ نظم ہو یا نثر۔
مزید کمال کی بات یہ ہے کہ کلام وبیان پر آپ کی قدرت کسی ایک زبان سے مختص نہیں ہے، بلکہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں سے جس زبان کو ذریعہ اظہار بنانا چاہیں، اس کے تمام الفاظ آپ کے بے پایاں حافظے میں متحضر ہو جاتے ہیں اور ان میں سے آپ جس کو موقع ومحل کے لحاظ سے موزوں سمجھتے ہیں، اس کو اتنی خوبصورتی اور تناسب سے استعمال میں لاتے ہیں کہ خوش گفتاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور نثر میں بھی نظم کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

مسجّع الفاظ کی ایسی لڑیاں اور مقفی جملوں کی ایسی مالائیں آپ کے منظوم و منثور کلام میں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ان کا احاطہ از بس دشوار ہے؛ تاہم ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز "فتاوٰی رضویہ" کا عربی خطبہ ہے، جو بلاشبہ فصاحت و بلاغت کاایک اچھوتا شاہکار ہے۔ دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل اس بلاغت پارے کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبے کے جملہ لوازمات و مناسبات۔ یعنی اللہ تعالٰی کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف، صحابہ اور اہلبیت کی مدح، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت پر درود وسلام۔ یہ تمام چیزیں کتب فقہ اور ائمہ کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں یعنی کتب فقہ کے ناموں اور ائمہ کے اسماء گرامی کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اُٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھل پڑے ہیں، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہو گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسنات بدیعیہ از قسم براعت استہلال ورعایت سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اتنی قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑا۔ نہ جملوں کی بے ساختگی میں کہیں جھول پیدا ہوا، نہ تراکیب کی برجستگی میں کوئی خلل واقع ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o

اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش تونہیں کہ اس ضیابار خطبے کی تمام خوبیاں گنائی جائیں، تاہم چند دلآویز جھلکیاں خوش ذوق قارئین وسامعین کی نذر ہیں ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

حمدباری تعالٰی

فقہ حنفی میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے، اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، دُرَر، غُرَر بھی بلند پایہ فقہی تصانیف ہیں، امام احمد رضا نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا، کہیں حرف جر وغیرہ کا اضافہ کرکے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالٰی کی بہترین حمد بن گئے ہیں، فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ هُوَ الْفِقْهُ الْاَکْبَرُ وَالْجَامِعُ الْکَبِیْرُ لِزِیَادَاتِ فَیْضِهِ الْمَبْسُوْطِ الدُّرَرِ الْغُرَر (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالٰی کے پھیلے ہوئے فیض کے شفاف اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے)

سبحان اللہ، کیا دلپذیر حمد ہے!

یعنی فیضان الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تابناک ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچیے کہ جس فیض کے اضافے اور زیادات اس قدر منزہ اور روشن ہوں اس فیض کی اپنی شفافیت وتابندگی کا کیا عالم ہوگا! پھر صاحب فیض جل وعلا کی تابانی ودرخشانی کی تو بات ہی نہ پوچھئے کہ وہ انسانی فہم وادراک سے ماوراہے اور زبان وبیان اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔ بقول شیخ سعدیؒ:

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم	وزہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر	ماہمچناں دراول وصف توماندہ ایم

جزاک اللہ، اے امام احمد رضا! کیا البیلی اور انوکھی حمد بیان کی ہے آپ نے، اللہ رب العٰلمین کی!

لیکن واضح رہے سامعین وقارئین کرام! کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے، جبکہ امام احمد رضا درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ یعنی ع:

حمدِ بیحد مر خدائے پاک را

لیکن محض "حمد بے حد" کہہ دینے سے وہ بات نہیں بنتی جو امام احمد رضا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰی کے فیض مبسوط کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے فیض کی کوئی انتہا نہیں۔ اور غیر متناہی فیض کی زیادات، غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی، اور امام احمد رضا اللہ تعالٰی کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں۔ **الجامع لزیادات فیضه**________

کیا کمال درجے کا اغراق فی المبالغہ ہے! "حمد بے حد" یا "بے انتہا تعریف" میں اس مبالغے کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

صلوٰۃ وسلام اور اس کے ضمن میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا نے پہلے تو ائمہ فقہ کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرورعالم کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات۔ اس کے بعد اسماء کتب سے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہیں البتہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا نے مندرجہ بالا تمام محاسن و لطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے، یعنی سرور کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کردی ہے اور یوں اہلسنت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے دیا ہے۔

امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سب کے، بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں، لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں۔ اپنے نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں: ؎

ان کو تملیک ملیک الملک سے
مالک عالم کہا پھر تجھ کو کیا!

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے۔

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اب دیکھئے کہ ائمہ کرام کے اسماء والقاب سے کس طرح اپنے عقیدے کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ لِلرُّسُلِ الْکِرَام * مَالِکِیْ وَشَافِعِیْ اَحْمَدُ الْکُرَام۔

(اور صلوٰۃ والسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر، جو میرے مالک ہیں اور میرے لئے شفاعت کرنے والے ہیں، ان کا نام احمد ہے، بہت ہی عزت والے ہیں، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد)

ائمہ مذاہب اربعہ کے معروف القاب واسماء مذکور ہیں، انہی کے ساتھ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے۔

تھوڑا آگے بڑھئے اور اہل سنت کے ایک اور عقیدے کی ترجمانی کا انداز دیکھئے۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل اور مبدا ہیں۔

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
وگر ہرچہ موجود شد فرعِ تست

یہی عقیدہ امام احمد رضا کا ہے: ؎

اصل ہر بود و بہبود، تخمِ وجود
قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام

اس عقیدے کے اظہار کے لئے آپ نے امام اعظم کے تین مشہور شاگردوں یعنی امام محمد، امام حسن ابن زیاد اور امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب کیا اور انہیں اس طرح یکجا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا بھی اظہار ہوگیا، آپ کے حسن وجمال کا بھی بیان ہوگیا، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ

حسن یوسف پر تو حسن مصطفیٰ ہے، بلکہ خود یوسف علیہ السلام فرع مصطفیٰ اور ابن مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یقول الحسن بلا توقف

محمد الحسن ابو یوسف

آپ کے جمال بے مثال کو دیکھ کر خود حسن بغیر کسی توقف کے پکار اٹھتا ہے کہ حسن والے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در حقیقت یوسف علیہ السلام کے 'اَبْ'، اور اصل ہیں۔

ایک یوسف علیہ السلام پر ہی کیا موقوف۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی اصل ٹھہرے تو ظاہری وجود میں جو آپ کے جدِّ امجد ہیں، یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام، وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے آپ کے پسر قرار پاتے ہیں۔ "حدائق بخشش" میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا:

ان کی نبوت، ان کی ابوّت ہے سب کو عام اُمّ البشر عروس انہی کے پسر کی ہے

"ظاہر میں میرے پھول، در حقیقت میں میرے نخل" اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اور یوسف علیہ السلام کے حسن پر ہی کیا منحصر۔ اہل سنت کے نزدیک تو تمام انبیاء و رسل کے جملہ کمالات بارگاہ مصطفوی کا فیضان و عطا ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِس

غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَم

(تمام انبیاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بحر کرم سے ایک چُلّو کے یا آپ کی باران رحمت سے ایک چھینٹے کے طلبگار ہیں)

اور امام احمد رضا یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں:

لا ورب العرش! جس کو ملا ان سے ملا

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی عقیدے کو 'فتاویٰ رضویہ' کے خطبے میں تلمیح کے انداز میں بیان کیا ہے:

اَلْبَحْرُ الرَّائِق ÷ مِنْهُ يَسْتَمِدُّ كُلُّ نَهْرٍ فَائِق۔

"البحر الرائق" اور "النہر الفائق" "کنز الدقائق" کی دو شرحیں ہیں۔ اعلیٰحضرت نے "منہ یستمد کل" کا اضافہ کرکے کیا ایمان افروز معنی پیدا کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انہی سے مدد لیتی ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل وکمال کے بحر ذخّار ہیں اور باقی انبیاء ورسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں۔ ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں وہ پانی بہتاہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتاہے اور کہیں بارش بن کر برستاہے، کہیں برف بن کر گرتاہے۔

منقبت

اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف متفق ہوں توفقہاء ان کو "شیخین" کہتے ہیں اور اگر قاضی ابویوسف اور امام محمد کااتفاق ہوتو ان کو "صاحبین" کہاجاتاہے اور اگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ایک رائے ہوتو ان کو "طرفین" کالقب دیا جاتاہے۔ اب امام احمد رضاکا کمال دیکھئے کہ انہوں نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پر منطبق کردیا اور فرمایا:

لَاسَیَّمَا الشَّیْخَیْنِ الصَّاحِبَیْن ÷ اٰلاٰخِذَیْنِ مِنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ بِکَلَا الطَّرْفَیْن۔

(خصوصًا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ بزرگ ساتھی جو شریعت وحقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں)

غرضیکہ کیاکیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں کہ ع

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں

مگر فی الحال اختصار کے پیش نظر اتناہی کہوں گا کہ اتنے اوصاف ومحاسن پر مشتمل خطبہ آج تک نہیں لکھاگیا۔ باقی خصوصیات کو چھوڑیئے، صرف ایک خصوصیت پر نظر ڈال لیجئے، آپ کو میرے دعوے کی صداقت کایقین آجائے گا۔ اور وہ حیرت افزا خصوصیت یہ ہے کہ اس خطبے میں مجموعی طور پر نوے ۹۰ کتابوں اور اماموں کے نام مذکور ہیں اور جس خوبی ولطافت سے مذکور ہیں اس پر فصاحت ناز کرتی ہے اور بلاغت جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ فصاحت وبلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبے تک ہی محدود نہیں، بلکہ پورا فتاوٰی تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالامال ہے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے توسینکڑوں صفحات درکار ہیں؛ تاہم ایک امتیازی کمال کی طرف اہل ذوق کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتاہوں۔ احمد رضاکا معمول ہے کہ اگر کسی سوال کاجواب زیادہ تفصیل سے دیناہوتو اس کو مستقل رسالہ بنادیتے ہیں اور باقاعدہ اس کانام رکھتے ہیں۔ یہ اس قدر موزوں، مناسب اور واقع کے مطابق ہوتاہے کہ پڑھنے والا امام احمد رضاکی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتاہے۔ ہرنام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات مشترک ہوتی ہیں:

(۱) ہر نام عربی میں ہوتا ہے خواہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔
(۲) ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔
(۳) ہر نام اسم با مسمّٰی ہوتا ہے، یعنی نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالے کا موضوع کیا ہے۔
(۴) ہر نام تاریخی ہوتا ہے، یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سَن پر دلالت کرتا ہے جس میں وہ رسالہ لکھا گیا۔

مثال کے طور پر رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام انتہائی آب وتاب سے چھپنے والی فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد میں گیارہ رسالے ہیں ان میں سے بطور نمونہ صرف تین نام پیش خدمت ہیں:

(ا) اگر امام ابو حنیفہ اور صاحبین ومتاخرین فقہاء کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتوٰی ہوگا؟ امام صاحب کے؟ صاحبین ودیگر فقہاء کے؟ یا بعض معمولات میں امام صاحب کے قول پر اور بعض صاحبین ودیگر فقہاء کی رائے پر؟ اس مسئلے کی توضیح کے لئے امام احمد رضا نے جو رسالہ لکھا اس کے نام سے ہی ان کی تحقیق واضح ہو جاتی ہے۔

اجلی الاعلام، ان الفتوی مطلقا علی قول الامام

(واضح اعلان کہ فتوٰی بہر صورت امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے)

(ب) کون سی نیند ناقض وضو ہے اور کون سی نہیں۔ اس کی تفصیلات سے قوم کو آگاہ کرنے کے لئے جو رسالہ لکھا اس کا نام ہے:

نبه القوم، ان الوضوء من ای نوم

(قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضوء ہے)

(ج) حالت جنابت میں قرأت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں؟ ان مسائل سے پردہ اٹھانے والے رسالے کا نام ہے؟

ارتفاع الحجب، عن وجوه قرأة الجنب

(پردوں کا اُٹھ جانا، ان تمام صورتوں سے جو جنبی کی قرأت سے متعلق ہیں)

تینوں رسائل کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں جن میں سے پہلی تین تو واضح طور پر نظر آرہی ہیں؛ البتہ چوتھی خصوصیت یعنی نام کا تاریخی ہونا، استخراج کا تقاضا کرتی ہے۔ نبه القوم کا استخراج درج ذیل ہے کیونکہ یہ نام تینوں میں مختصر ہے، باقیوں کو اس پر قیاس کر لیجئے۔

نبہ القوم ن، ب، ہ، ا، ل، ق، و، م

٥٠+٢+٥+١+٣٠+١٠٠+٦+۴٠ ____________ = ٢٣۴

ان الوضوء من ای نوم ا، ن، ا، ل، و، ض، و، م، ن، ا، ی، ن، و، م +

١+٥٠+١+٣٠+٦+٨٠٠+٦+۴٠+٥٠+١+١٠+٥٠+٦+۴٠ = ١٠٩١ ١٣٢٥

١٣٢٥ اس کا مجموعہ اعداد ہے اور یہی سن تاریخ ہے۔

امام احمد رضا کے سوا ایسے عمدہ، اعلٰی، دلنشین اور فکر و فن کے شہکار نام کون رکھ سکتا ہے! تاریخ میں کسی ایک فاضل کا نام بتادیجئے جس نے اتنے رسالے لکھے ہوں اور ان کے ایسے خوبصورت نام رکھے ہوں!

بلاشبہ امام احمد رضا متنبّی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہیں؛

مضت الدھور وما اتین بمثلہ

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

وصلی اللہ علی سیّدنا ومولٰینا محمد وعلٰی اٰلہ واصحابہ وذریاتہ اجمعین

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اُن کے مولٰی کے ان پر کروروں درود — اُن کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف — چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب — تاابد اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعوٰی نہیں — شاہ کی ساری اُمّت پہ لاکھوں سلام

اٰمین یارب العٰلمین!

فہرست مضامین

زبان عرب میں مسقف حصے کو شتوی اور اور غیر مسقف کو صیفی کہتے ہیں۔	۶۱	مسجد میں پیڑ بونا ممنوع، ہاں اگر اس میں مسجد کی منفعت ہو تو جائز ہے۔	۶۵
صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرانا غرض واقفین کے خلاف ہے۔	۶۱	جامع مسجد بخارامیں درخت لگانے کی اجازت مشائخ نے ضرورت وحاجت کی وجہ سے دی۔	۶۶
عام مسلمین صحن مسجد کو مسجد ہی سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گرمیوں میں فجر ومغرب وعشاء کی نمازیں صحن میں پڑھتے ہیں، ان کے حفاظ تراویح وہیں پڑھاتے ہیں، معتکف وہاں بیٹھتے اور ذکر وعبادت میں مشغول رہتے ہیں۔	۶۲	دروازہ مسجد پر جو دکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں۔	۶۶
مسجدیتِ صحن سے انکار اجماع کے خلاف ہے۔	۶۲	دروازہ مسجد پر بنی ہوئی دکانوں کی چھت پر کھڑے ہونے والے نمازیوں کی اقتداء صحیح ہے۔	۶۶
حق مسجد کی رعایت اتباع جماعت سے اہم واقدم ہے۔	۶۲	فناء وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فناء ہو۔	۶۶
جس مسجد میں کوئی نمازی نہ آئے تو اس مسجد کا مؤذن اذان دے، اقامت کہے اور اکیلے نماز پڑھے، یہ اس کے لئے دوسری مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔	۶۲	اگر فناء کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ متصل بہ فناء ہے تو اس سے دور لازم آئے گا۔	۶۶
صحن مسجد کو مسجد نہ ماننے کے نزاع بے جا کا انجام مساجد کو ویران کرنا ہے۔	۶۳	یہ ادعا کہ صحن وفناء کا مفہوم واحد ہے جہل شدید ہے۔	۶۶
زمانہ نبوی میں مسجد نبوی کی حدود کیا تھیں یعنی اس کا طول وعرض کتنا تھا۔	۶۴	جنبی کا صحن مسجد میں جانا جائز نہیں۔	۶۷
صفہ جو کہ مسجد شریف کی جانب شام جنوب رویہ ایک مسقف دالان تھا جزء مسجد تھا اور اہل صفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اس میں سکونت رکھتے تھے۔	۶۴	اگر پانی کا چشمہ مسجد میں ہے اور اس کے سوا کہیں نہ ملے تو جنبی تیمّم کرکے وہاں جاسکتا ہے۔	۶۷
اصحاب صفہ قراء تھے۔	۶۴	صحن مسجد کا جزء مسجد ہونا اجلی بدیہیات ہے۔	۶۷
محراب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محراب امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب شمال ہے۔	۶۵	بارہ ائمہ دین کی تصریحات کہ صحن مسجد بھی مسجد ہے۔	۶۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب احکام المسجد

احکام مسجد کا بیان

مسئلہ ۱۱۱۵: از لکھنو محلّہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ ۵ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین جواب اس مسئلہ کا کہ سقفِ مسجد پر بسبب گرمی کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

مکروہ ہے کہ مسجد کی بے ادبی ہے، ہاں اگر مسجد جماعت پر تنگی کرے نیچے جگہ نہ رہے تو باقی ماندہ لوگ چھت پر صف بندی کر لیں یہ بلا کراہت جائز ہے کہ اس میں ضرورت ہے بشرطیکہ حال امام مشتبہ نہ ہو۔

فی العلمگیریۃ الصعود علی کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الااذاضاق المسجد فحٍ لایکرہ الصعود علی سطحہ لضرورۃ کذا فی الغرائب[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	عالمگیری میں ہے ہر مسجد کے اوپر چڑھنا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے وقت اس کے اوپر جماعت کرانا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہو جائے تو ضرورت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں۔ جیسا کہ غرائب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۲/۲

التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد ۱۳۰۷ھ

(اس بارے میں عمدہ رہنمائی کہ مسجد کا صحن مسجد ہی ہوتا ہے)

مسئلہ ۱۱۱۶: از قصبہ کٹھور، اسٹیشن سائن ضلع سورت، ملک گجرات، مسجد پُرب والے، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربی کھٹور وسیٹھ بانا بھائی صاحب مہتمم مدرسہ ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت اس صحنِ مسجد کے حکم پر موسم گرما میں ہمیشہ نماز فرض باجماعت مغرب وعشاء وفجر اور کبھی عصر بھی ادا کی جائے، اور یہ مسجد چونکہ برسرِ بازار واقع ہے اس واسطے آمد ورفت نمازیوں کی زیادہ ہے عصر ومغرب کو کبھی جماعت ہوچکی ہو تو اکثر آدمی آکر اُس صحن پر اکیلے فرض نماز پڑھ لیتے ہیں کبھی دو چار آدمی آگئے تو وہاں پر جماعت بھی کرلیتے ہیں اور موسم اعتدال ربیع وخریف میں بھی کبھی معمولی جماعت صحنِ مذکور پر ہوجایا کرتی ہے، اب صحنِ مذکور کو حکم مسجد کا دیا جائے یا نہیں؟ اس پر جنبی وغیرہ ناپاک آدمی کا بلاعذر شرعی کے جانا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص باہم مناظرہ کرتے ہیں ایک کے نزدیک صحن مذکور مسجد ہے اور جنبی کا اس پر جانا حرام، اور دوسرے کے نزدیک مصلی عید کے حکم میں ہے جنبی کو اس پر جانا جائز ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ ہمارے شہر سُورت میں اندرون مسجد کو جماعت خانہ اور صحنِ مسجد کو خارج بولتے ہیں، دوسری دلیل یہ کہ فنا اور حریم مسجد اور صحنِ مسجد باعتبار مفہوم کے متحد ہیں فنا اور حریم مسجد پر جب جنبی کو جانا جائز ہو تو صحن پر بھی جائز ہوگا کس واسطے کو فناء کو حکم مصلی عید کا ہے اور علمائے سورت میں سے دو۲ عالم صحن مذکور حکم مسجد کا فرماتے ہیں ان دونوں عالموں میں سے ایک عالم صاحب اس شخص کے جو صحنِ مسجد کو خارج مسجد کہتا ہے استاد بھی ہیں، اب ہر ایک مناظرین مرقومہ بالا میں سے ایک دوسرے کو مفسد کہتا ہے مفسد فی الدّین ہے اور مصلح عندالشرع کون؟ اور لفظ فناء مسجد اور حریم مسجد کے معنی صحن مسجد کے سمجھنا صحیح ہیں یا غلط؟ اور دوسرے یہ کہ ساکنانِ شہر سورت کا عرف کہ

اندرون مسجد جماعت خانہ اور صحنِ مسجد خارج مسجد بولنا یہ عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟ اور کس قدریں نمازیں ہر سال میں اُس صحن پر ادا کی جائیں کہ وہ صحن مسجد بن جائے؟ اُس صحن کی مسجد بن جانے میں سوائے نماز کے اور کوئی دوسری شرط بھی عندالشرع معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

صحنِ مسجد قطعاً جزء مسجد ہے جس طرح صحنِ دار جزءِ دار، یہاں تک کہ اگر قسم کھائی زید کے گھر نہ جاؤں گا، اور صحن میں گیا بیشک حانث ہو گا کما یظھر من الھدایۃ والھندیۃ والدرالمختار وردالمختار و عامۃ الاسفار (جیسا کہ ہدایہ، ہندیہ، دُرمختار، ردالمختار اور عام کتب میں ہے، ت) اسی طرح اگر قسم کھائی مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا ہر گز حانث نہ ہوا، ولہٰذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا، یہ مسئلہ اپنی نہایت وضاحت وغایت شہرت سے قریب ہے کہ بدیہیات اولیہ سے ملتحق ہو، جس پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہد عدل، جن کے بعد اصلاً احتیاج دلیل نہیں، ہاں جو دعوٰی خلاف کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے، اور ہر گز نہ لاسکے گا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ[1] (یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ت) مدعیِ خلاف نے کہ صحنِ مسجد کے مسجد نہ ہونے پر دو دلیلیں پیش کیں، ایک عام جس میں دلیل کی صورت بھی نہیں بلکہ محض دعوٰی ہے دلیل ہے دوسری خاص مساجد سورت سے متعلق دونوں محض باطل وزاہق۔ فقیر غفراللہ تعالٰی اس مسئلہ واضحہ کی ایضاح کو بحکم ضرورت صرف دس وجہیں ذکر کرتا ہے جن سے حکم انجلائے تام پائے اور دونوں دلیل خلاف کا ازالہ وہام ہو جائے، اسی کے ضمن میں اِن شاء اللہ تعالٰی تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہو جائے گا۔

فاقول: وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی ہی توفیق اور تحقیق عطا کرنے والا ہے،

اوّلاً: مسجد اس بُقعہ کا نام ہے جو بغرض نمازِ پنجگانہ وقف خالص کیا گیا وتمام تعریفہ مع فوائد قیودہ فی الوقف من کتابنا العطایاالنبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مسجد کی کامل تعریف اور اس کے تمام قیود کے فوائد کی تفصیل ہمارے فتاوٰی "العطایا النویہ فی الفتاوی الرضویۃ" کے باب الوقف میں ملاحظہ کیجئے۔ت) یہ تعریف بالیقین صحن کو بھی شامل 'اور عمارات و بنایا سقف وغیرہ ہر گز اس کی ماہیت میں داخل نہیں یہاں تک کہ اگر عمارت اصلاً نہ ہو صرف ایک چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کر دیں قطعاً مسجد

ہو جائے گااور تمام احکامِ مسجد کا استحقاق پائے گا۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی علمگیریہ وغیرہا میں ہے

رجل له ساحة امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة ان قال صلوا فیها ابدا او امرهم بالصلٰوة مطلقا و نوی الابد صارت الساحة مسجدا لو مات لا یورث عنه [1] اھ ملخصًا	ایک آدمی کی کھلی جگہ ہے لوگوں سے کہتا ہے کہ یہاں نماز ادا کرو، اب اگر اس نے یہ کہا کہ یہاں ہمیشہ تم نماز پڑھو، یا اتنا کہا نماز پڑھو مگر نیّت ہمیشہ کی، تو وہ جگہ مسجد کہلائے گی ____ اگر وُہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ زمین وراثت میں شامل نہ ہو گی اھ ملخصًا (ت)

پھر مسقف وغیرہ مسقف میں فرق کرنا اسے مسجد اسے فناء مسجد ٹھہرانا محض بے معنی۔

ثانیًا ہر عاقل جانتا ہے کہ مسجد ومعبد ہو یا مسکن ومنزل ہر مکان کو بلحاظ اختلافِ موسم دو حصّوں پر تقسیم کرنا عادات مطردئہ بنی نوع انسان سے ہے جس پر معظم معمورۃ الارض میں تمام اعصار وامصار کے لوگ اتفاق کئے ہوئے ہیں ایک پارہ مسقف کرتے ہیں کہ برف وبارش وآفتاب سے بچائے، دوسرا کُھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے، ہوا لینے، گرمی سے بچنے کے کام آئے، زبانِ عرب میں اوّل کو شتوی کہتے ہیں اور دوم کو صیفی کما افادہ العلامة بدرالدین محمود العینی فی کتاب الایمان من البنایة شرح الهدایة (جیسا کہ علامہ بدرالدین محمود عینی نے بنایہ شرح الہدایہ کے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے۔ت) یہ دونوں ٹکڑے قطعًا اس معبد یا منزل کے یکساں دو ۲ جزء ہوتے ہیں جن کے باعث وہ مکان ہر موسم میں کام کا ہوتا ہے اور بالیقین مساجد میں صحن رکھنے سے بھی واقفین کی یہی غرض ہوتی ہے ورنہ اگر صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرائے تو کیا واقفین نے مسجد صرف موسم سرماو عصرین گرما کے لئے بنائی تھی کہ ان اوقات میں تو نماز مسجد میں ہو باقی زمانوں میں نمازوں اعتکاف کے لئے مسجد نہ ملے یا ان کا مقصود یہ جبر کرنا تھا کیسی ہی حبس وحرارت کی شدت ہو مگر ہمیشہ مسلمان اسی بند مکان میں نماز پڑھیں، معتکف رہیں، ہوا اور راحت کا نام نہ لیں، یا انھیں دُنیا کا حال معلوم نہ تھا کہ سال میں بہت اوقات ایسے آتے ہیں جن میں آدمی کو درجہ اندرونی میں مشغولِ نماز وتراویح واعتکاف ہونا درکنار دم بھر کو جانا ناگوار ہوتا ہے، اور جب کچھ نہیں تو بالجزم ثابت کہ جس طرح انھوں نے اپنے چین کے لئے مکانِ سکونت میں صحن ودالان دونوں درجے رکھے ہیں یونہی عام مسلمان کی عام اوقات میں آسائش وآرام کے لئے مسجد کو بھی انہی دو ۲ حصّوں پر تقسیم کیا۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق بہ مطبوعہ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ / ۲۵۵

ثالثًا : اب نمازیوں سے پوچھئے آپ اذان سن کر گھر سے کس ارادہ پر چلتے ہیں، یہی کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے یا کچھ اور، قطعًا یہی جواب دیں گے کہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، اب دیکھئے کہ وہ موسم گرما میں فجر و مغرب و عشاء کی نمازیں کہاں پڑھتے ہیں اور اُن کے حفّاظ قرآن مجید کہاں سناتے ہیں اور اُن کے معتکف کہاں بیٹھتے اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے ہیں، خود ہی کھل جائے گا کہ مسلمانوں نے صحن کو بھی مسجد سمجھا ہے یا نہیں تو مسجدیت صحن سے انکار اجماع کے خلاف۔

رابعًا : بلکہ غور کیجئے تو جو صاحب انکار رکھتے ہیں خود اُنہی کے افعال اُن کی خطا پر دال، اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہوں تو لاجرم موسم گرما میں عام مسلمانوں کی طرح صحن ہی پر پڑھتے ہوں گے پھر ان سے پوچھئے آپ گھر چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھنے کیوں آئے، اور جب یہ مسجد نہیں تو یہاں نماز پڑھنے میں کیا فضیلت سمجھی، فضیلت در کنار داعی اللہ کی اجابت کب کی، اور حدیث لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد[1] (مسجد کے پڑوسی کی نماز، مسجد کے علاوہ نہیں ہو سکتی۔ت) کی تعمیل کہاں ہوئی اور سنتِ عظیمہ جلیلہ کس واسطے چھوڑی، کہا کوئی ذی عقل مسلمان گوارا کرے گا کہ مکان چھوڑ کر آوازِ آذان سُن کر نماز کو جائے اور مسجد ہوتے ساتے مسجد میں نہ پڑھے بلکہ اس کے حریم و حوالی میں نماز پڑھ کر چلا آئے، کیا اہل عقل ایسے شخص کو مجنون نہ کہیں گے، تو انکار والوں کا قول و فعل قطعًا متناقض، اگر یہ عذر کریں کہ جہاں امام نے پڑھی مجبوری ہیں پڑھنی ہوئی ہے تو محض بیجا و نامعقول و ناقابل قبول، آپ صاحبوں پر حقِ مسجد کی رعایت اتباعِ جماعت سے اہم واقدم تھی، جب آپ نے دیکھا کہ سب اہل جماعت مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھتے ہیں آپ کو چاہئے تھا خود مسجد میں جا کر پڑھتے، اگر کوئی مسلمان آپ کا ساتھ دیتا جماعت کرتے ورنہ تنہا ہی پڑھتے کہ حقِ مسجد سے ادا ہوتے۔ یہاں تک علما اس تنہا پڑھنے کو دوسری مسجد میں باجماعت پڑھنے سے افضل بتاتے ہیں نہ کہ غیر مسجد میں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر خزانۃ المفتین پھر ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔

یذھب الی مسجد منزله ویؤذن فیه ویصلی وان کان واحدًا لان لمسجد منزله حقا علیه فیؤدی حقه مؤذن مسجد لایحضر مسجده احد قالوا یؤذن ویقیم ویصلی وحده فذالك احب من ان یصلی فی مسجد اٰخر۔[2]	آدمی اپنے محلّہ کی مسجد میں جائے اس میں آذان دے اور نماز پڑھے اگرچہ تنہا ہو کیونکہ اس پر محلّہ کی مسجد کا حق ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے، ایسی مسجد کے مؤذن کے بارے میں جس میں کوئی نہیں آتا فقہاء نے کہا ہے کہ وہ وہاں تنہا ہی آذان دے کر اور نماز پڑھے یہ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے

[1] مستدرک حاکم کتاب الصّلوٰۃ لاصلوٰۃ لجار المسجد الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

تنبیہ: انھیں وجوہ سے ظاہر ہوگیا کہ اہل سورت کا خاص درجہ شتوی کو جماعتِ خانہ کہنا ایک اصطلاح خاص ہے اور صیفی یعنی صحن کو خارج اسی معنی پر کہتے ہیں کہ اُس جماعتِ خانہ مصطلحہ سے باہر ہے نہ بایں معنی کہ جزءِ مسجد نہیں، اور اگر مسجد ہی کہتے ہوں تو یہ کہنا ایسا ہے جیسے علماءِ کرام ظاہر بدن کو خارج البدن فرماتے ہیں جس کے یہ معنی کہ بدن بیرونی حصّہ نہ یہ کہ بدن سے باہر، یونہی خارج مسجد یعنی مسجد کا بیرونی ٹکڑا، نہ یہ کہ مسجد سے خارج۔ اور بالفرض اگر انھوں نے اپنی اصطلاح میں مسجد صرف شتوی یعنی مسقف ہی کا نام رکھا ہو تو اسے مسجد نہ کہنے کا حاصل اس قدر ہوگا کہ درجہ شتویہ نہیں نہ یہ کہ شرعًا مسجد نہیں، اُن کے افعال دائمی یعنی موسم گرما میں ہمیشہ جماعت مغرب وعشاء وفجر صحن ہی پر پڑھنا اور آذان سننے پر مکانوں سے بارادہ صلوٰۃ فی المسجد آکر یہاں جماعت کرنا جس کی تصریح سوال میں موجود۔ اور رمضانِ گرما میں یہیں تراویح پڑھنا، معتکف رہنا کہ عادۃً بالقطع معلوم ومشہود، اس مراد مقصود پر شاہد مبین ومفید تعیین وموِرث یقین، کمالایخفی علی صبی عاقل فضلا عن فاضل (جیسا کہ کسی عاقل بچے سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر خفی رہے۔ت)

خامسًا: طرفہ یہ کہ انکار کرنے والے حلتِ دخول جنب میں بحث ونزاع کرتے ہیں اُن کے قول پر یہ معاذاللہ صراحۃً بدعتِ شنیعہ مسلمانوں سے علی الدوام والالتزام واقع ہوتی ہے یعنی گرمی میں مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں جماعت پڑھنا اور حقِ مسجد تلف کرنا اس پر کیوں نہیں انکار کرتے بلکہ اس میں تو خود بھی شریک ہوتے ہیں کہ خلاف میں اپنی بھی تکلیف ہے، اب اگر وہ اپنے قول باطل پر اصرار کرکے اسی فکر میں پڑیں کہ نماز صحن مطلقًا بند کردی جائے اور ہمیشہ ہر موسم ہر وقت کی جماعت اندر ہی ہوا کرے، اور بالفرض اُن کی یہ بات خلق کو نماز صحن سے مانع آئے تو دیکھئے موسم گرما میں کتنی مسجدیں نماز وجماعت وتراویح واعتکاف سے معطل محض ہوئی جاتی ہیں کہ لوگ جب صحن سے روکے جائیں گے اور اندر ان افعال کی بجاآوری سے بالطبع گھبرائیں گے، لاجرم مسجد کے آنے سے باز رہیں گے اور اگر ایک دو نے یہ ناحق وبے سبب کی سخت مصیبت گوارا بھی کرلی تو عام خلائق کا تنفر قطعی یقینی، تو اس نزاع بیجا کا انجام معاذاللہ مساجد کا ویران کرنا اور اُن میں ذکر ونماز سے بندگانِ خدا کو روکنا ہے۔

قال اللہ عزوجل	اللہ عزوجل نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا [1]۔	مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا یاد کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اب صحن کو مسجد نہ ماننے والے غور کریں کہ کس کا قول افساد فی الدین تھا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] القرآن ۲/ ۱۴

سادسًا: اس مسئلہ جلیلہ کو کلماتِ ائمہ کرام ہی سے استخراج کرنا چاہئے تو بوجوہ کثیرہ میسر، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد مبارک حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمانہ اقدس میں جنوبًا شمالًا یعنی دیوارِ قبلہ سے پائینِ مسجد تک سو گز طول رکھتی تھی اور اسی قدر شرقًا غربًا عرض تھا اور پائین میں یعنی جانبِ شام ایک مسقف دالان جنوب رویہ تھا جسے صفّہ کہتے اور اہل صفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُس میں سکونت رکھتے یہ بھی جزءِ مسجد تھا، علامہ رحمۃ اللہ سندی تلمیذ امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام منسک متوسط اور مولانا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

(حدہ) ای حدود المسجد الاول (من المشرق من وراء المنبر نحو ذراع ومن المغرب الاسطوانۃ الخامسۃ من المنبر ومن الشام حیث ینتھی مائۃ ذراع من محرابہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) وھو معلوم لاھل المدینۃ بالعلامۃ الموضوعۃ[1] اھ ملخصًا۔	(اس کی حد) یعنی مسجد اول کی حدود (منبر کی دوسری طرف مشرق کی طرف ایک گز کے برابر ہے، اور جانبِ مغرب پانچویں ستون تک اور جانبِ شام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محراب سے سو گز ہے) اور نشانات مخصوصہ کی وجہ سے اہل مدینہ کو معلوم ہے اھ تلخیصًا۔ (ت)

علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اھل الصفۃ فقراء المھاجرین ومن لم یکن لہ منھم منزل یسکنہ فکانوا یاوون الی موضع مظلل فی مسجد المدینۃ۔[2]	اہل صفّہ مہاجر فقراء میں سے تھے اور جس کے لئے گھر نہ ہوتا وُہ وہیں ٹھہرتا، پس صفّہ مسجدِ نبوی میں ایک چھتدار جگہ میں رہتے تھے۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابوقلابۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قدم رھط من عکل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکانوا فی الصفۃ، وقال عبدالرحمٰن	باب لوگوں کا مسجد میں سونے کے بارے میں، ابوقلابہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کا ایک وفد رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور وہ صفہ میں تھے

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ المشرفۃ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۴۳

[2] مجمع بحار الانوار لفظ صفف کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان اصحاب الصفۃ الفقراء[1]	حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے۔(ت)

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الصُفّۃ بضم الصاد و تشدید الفاء موضع مظلل فی اخریات المسجد النبوی تاوی الیہ المساکین۔[2]	الصُفّہ، صاد پر پیش، فاء پر تشدید، مسجد نبوی کے آخری حصہ میں وہ چھتی ہوئی جگہ جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔(ت)

اب مشاہدہ کرنے والا جانتا ہے کہ محرابِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ محراب امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب شمال ہے، پائین مسجد کو پیائش کرتے آیئے تو سو گز کی مساحت ایک حصّہ صحن میں آئے گی، اور قطعًا معلوم کہ زمانہ اقدس میں جس قدر بنائے مسجد تھی اُس میں کمی نہ ہوئی بلکہ افزونیاں ہی ہوتی آئیں تو واجب کہ اس وقت بھی یہ سو گز مع صحن تھی اور جبکہ صفہ تک جزءِ مسجد تھا کما ظھر مما نقلنا من العبارات (جیسے کہ ہماری نقل کردہ عبارات سے ظاہر ہے۔ت) تو کیونکہ معقول کہ بیچ میں صحن خارج مسجد گنا جائے۔

سابعًا علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے کہ اُس سے نماز کی جگہ رُکے گی مگر جبکہ اس میں منفعتِ مسجد ہو اس طرح کہ زمین مسجد اس قدر گل ہو کہ ستون بوجہ شدتِ رطوبت نہ ٹھہرتے ہوں تو جذب تری کیلئے پیڑ بوئے جائیں کہ جڑیں پھیل کر زمین کی نم کھینچ لیں۔ ظہیریہ وخانیہ وخلاصہ وہندیہ و بحر الرائق وغیرہا میں ہے،

یکرہ غرس الشجر فی المسجد لانہ یشبہ بالبیعۃ تکون فیہ منفعۃ للمسجد بان کان الارض نزۃ لا تستقر اسا طینھا فیغرس فیہ الشجر لیقل النزۃ۔[3]	مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بیعۃ(گرجے) کی مشابہت ہے اور نماز کی جگہ مشغول کرنا ہے۔ البتہ اس صورت میں جائز ہوگا جب اس میں کوئی نفع ہو، مثلًا زمین سیلابی ہے اس پر ستون کھڑے نہیں ہوتے تو اس میں درخت لگائے جائیں تاکہ سیلابیت کم ہوجائے۔(ت)

ظہیریہ کے لفظ یہ ہیں:

فتغرس لتجذب عروق الاشجار ذلک	پس درخت لگائیں تاکہ ان کی جڑیں اس تری کو جذب

[1] صحیح البخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۳

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/۴۳۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

النز فحِ یجوز و الافلا وانما جو زمشائخنا فی المسجد الجامع ببخاری لما فیه من الحاجة اھ۔[1]	کرلیں، تواب درخت لگانا جائز ہوگا ورنہ نہیں، ہمارے مشائخ نے بخارا کی جامع مسجد میں درخت لگانے کو جو جائز قرار دیا ہے اس میں یہی ضرورت وحاجت پیش نظر ہے اھ (ت)

ظاہر ہے کہ ستون مسجد مسقف ہی میں ہوتے ہیں اور پیڑ درجہ اندرونی میں نہیں بوئے جاتے بلکہ سائے میں پرورش نہیں ہوتے معہذا جب تری کی وہ بیشتری کہ ستون نہیں ٹھہرتے تو ایسی رطوبت پھلواری وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے پودوں سے دفع نہیں ہوسکتی، نہ ان کی جڑیں اتنی پھیلیں کہ اطراف سے جذب کرلیں اور بڑے پیڑ اندر بوئے جانا معقول نہیں تو واجب کہ اس سے مراد صحن مسجد میں بونا ہے اور اسے انھوں نے مسجد میں بونا قرار دیا________ جب تو غرس فی المسجد کی صورت جواز میں رکھا، اور مثالِ ظہیریہ نے تو اس معنی کو خوب واضح کردیا۔ قطعًا معلوم کہ جامع بخارا نامسقف نہیں نہ زنہار اُس کے درخت زیرِ سقف ہیں بلکہ یقینًا صحن میں بوئے گئے، اور اسی کو علمائے کرام نے غرس فی المسجد جانا۔

ثامنًا علماء فرماتے ہیں دروازہ مسجد پر جو دُکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں کہ مسجد سے متصل ہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

یصح الاقتداء لمن قام علی الدکاکین التی تکون علی باب المسجد لانها من فناء المسجد متصلة بالمسجد۔[2]	اس شخص کی اقتداء درست ہے جو اس دکان پر کھڑا ہے جو مسجد کے دروازے پر ہے کیونکہ یہ فنائے مسجد میں ہونے کی وجہ سے مسجد سے متصل ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جو دُکانیں دروازہ پر ہیں صحن مسجد سے متصل ہیں نہ درجہ مسقفہ سے، تو لاجرم صحنِ مسجد مسجد ہے، اور یہیں سے ظاہر کہ صحن کو فنا کہنا محض غلط ہے اگر وہ فنائے مسجد ہوتا تو دکانیں کہ اس سے متصل ہیں متصل بہ فنا ہوتیں، نہ متصل بہ مسجد، پھر ان دکانوں کے فنا ٹھہرنے میں کلام ہوتا کہ فنا وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فنا ہو، ورنہ اس تعریف پر لزوم دَور کے علاوہ متصل بالفنا بھی فنا ٹھہرے تو سارا شہر یا لااقل تمام محلّہ فنائے مسجد قرار پائے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور یہ ادعا کہ صحن وفنا کا مفہوم واحد

---

[1] بحر الرائق بحوالہ الظہیریۃ فصل لمافرغ من بیان الکراہۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳۲/۱

جہل شدید ہے کہ کسی عاقل سے معقول نہیں، شاید یہ قائل اُن دکانوں کو بھی صحن مسجد کہے گا۔

تاسعًا انصاف کیجئے تو یہ خاص جزئیہ بھی یعنی صحنِ مسجد میں جنب کا جانا ناجائز ہونا کلماتِ علما سے مستفاد ہوسکتا ہے، ائمہ فرماتے ہیں جنب کو مسجد میں جانا جائز نہیں مگر جبکہ پانی کا چشمہ مسجد میں ہو اور اس کے سوا کہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے لے آئے۔ مبسوط وعنایہ وردالمحتار و فتاوٰی حجہ و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا اسفار میں ہے:

واللفظ للثلثة الاول مسافر مر بمسجد فیه عین ماء وهو جنب ولایجد غیره، فانه یتیمم لدخول المسجد لان لاجنابة تمنعه من دخول المسجد علی کل حال عندنا۔[1]	پہلی تین کتب کے الفاظ یہ ہیں: ایک جنبی مسافر ایسی مسجد سے گزرا جس کے اندر پانی کا چشمہ ہے اور اس کے علاوہ وہ پانی نہیں پاتا تو وہ دخول مسجد کے لئے تیمّم کرے کیونکہ ہمارے نزدیک ہر حال میں جنابت اسے دخول مسجد سے مانع ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ عامہ بلاد میں عامہ مساجد جماعات مسقف ہوتی ہیں اور چشمہ آب عادۃً صحن ہی میں ہوتا ہے اور کلماتِ فقہاء امورِ عادیہ غالبہ ہی پر مبتنی ہوتے ہیں، بہت نادر ہے کہ حصّہ اندرونی میں چشمہ آب ہو، توانھوں نے صحن ہی میں جنب کو جانے پر یہ احکام فرمائے **فافھم وتبصر** (پس سمجھو اور غور کرو۔ت) ان کے سوا اور بہت وجوہ کثیرہ سے استنباط ممکن مگر بعد اُن دلائل قاہرہ کے جو ابتدًا زیر گوش سامعین ہوئے حاجتِ تطویل نہیں۔

عاشرا یاھذا اُن براہینِ ساطعہ کے بعد صحن مسجد کا جزء مسجد ہونا اجلٰی بدیہیات تھا جس پر اصلًا تصریح کتب کی احتیاج نہ تھی بلکہ جو اسے مسجد نہیں مانتا وہی محتاج تصریح و قطعی تھا اور ہرگز نہ دکھاسکتا نہ کبھی دکھاسکے، تاہم فقیر نے بطور تبرع یہ چار استنباط بھی کلمات ائمہ سے ذکر کئے کہ یہ بدیہی مسئلہ اپنے غایت وضوح واشتہار کے باعث اس قبیل سے تھا جس پر خادمِ فقہ کو کتبِ ائمہ میں تصریح جزئیہ ملنے کی امید نہ ہوتی کہ ایسی روشن ومشہور باتوں پر فقہائے کرام کم توجہ فرماتے ہیں۔ مثلًا اگر کوئی اس امر کی تصریح کتابوں سے نکالنا چاہے کہ مسجد کے درجہ شتوی میں جسے اہل سورت جماعت خانہ کہتے ہیں تین در ہیں بائیں طرف کا در بھی جزءِ مسجد ہے اور اس میں بھی جنب کو جانا ممنوع یا نہیں تو غالبًا ہرگز اس کا جزئیہ نہ پائے گا مگر بحمد اللہ تعالٰی جب فقیر یہاں تک لکھ چکا مسئلہ کا خاص جزئیہ کلمات علماء میں یاد آیا جس میں ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ مسجد کے صیفی وشتوی یعنی صحن ومسقف دونوں درجے یقینا مسجد ہیں۔ اب سنئے [1]امام طاہر بن عبدالرشید بخاری فتاوٰی خلاصہ پھر [2]امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق پھر [3]امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین پھر [4]امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر پھر [5]علامہ عبدالرحمٰن بن محمد رومی مجمع الانہر شرح

---
[1] المبسوط للسرخسی باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

الملتقی الابحر پھر [6] علامہ سیّدی احمد مصری حاشیۂ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح پھر [7] خاتم المحققین سیدی محمد بن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

واللفظ للخلاصة ولخزانة رجل انتهى الى الامام والناس فى الصلوة الفجر ان رجاان ان يدرك ركعة فى الجماعة ياتى بركعتى الفجر عند باب المسجد وان لم يمكن ياتى بهما فى المسجد الشتوى ان كان الامام فى الصيفى وان كان الامام فى الشتوى هو ياتى فى الصيفى وان كان المسجد واحدا يقف فى ناحية المسجد الا يصليهما مخالطا للصف مخالفا للجماية فان فعل ذلك يكره اشد الكراهة اھ۔[1]	خلاصہ اور خزانہ کی عبارت یہ ہے: ایک آدمی مسجد میں پہنچا، امام اور لوگ نماز فجر ادا کر رہے تھے اب اگر آنے والا شخص امید رکھتا ہے کہ اسے ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل جائے گی تو وہ مسجد کے دروازہ کے پاس دو [2] سنّتیں ادا کرے، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو مسجد شتوی (یعنی سردیوں والے حصّہ) میں دو رکعات ادا کرے، جب امام صیفی مسجد (یعنی گرمیوں والے حصّہ) میں ہو اور اگر اس کا عکس ہو یعنی امام شتوی مسجد میں ہو تو یہ صیفی میں پڑھے۔ اگر مسجد واحد ہی ہو تو مسجد کے ایک گوشے میں ادا کرے اور ان دو [2] رکعتوں کی ادائیگی کے لئے صف کے متصل کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ جماعت کی مخالف ہے۔ اگر ایسا کیا تو یہ شدید مکروہ ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله عند باب المسجد اى خارج المسجد كما صرح به القهستانى[2] الخ۔ **اقول:** ويو ضحه قول الهداية و الهندية يصلى ركعتى الفجر عند باب المسجد ثم يدخل۔[3]	ماتن کا قول "مسجد کے دروازے کے پاس" یعنی مسجد سے باہر، جیسے کہ قہستانی نے اس پر تصریح کی ہے الخ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہدایہ اور ہندیہ کے الفاظ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ فجر کی سنّتیں مسجد کے دروازے پر پڑھ کر مسجد میں داخل ہو۔ (ت)

امام ابوالبرکات [8] حافظ الدین نسفی کافی شرح میں فرماتے ہیں:

الافضل فى السنن المنزل ثم باب المسجد	سنتوں کے لئے افضل مقام گھر ہے اور اگر امام مسجد

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصّلوۃ الجنس فی السنن مطبوعہ نوکشور لکھنؤ ۱/۶۱ و ۶۲

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۶

[3] الھدایۃ باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۳۲

ان کان الامام یصلی فی المسجد ثم المسجد الخارج ان کان الامام یصلی فی الداخل او الداخل ان کان فی الخارج[1] اھ ملخصًا	میں جماعت کروارہا ہو تو مسجد کا دروازہ بہتر مقام ہے، اگر امام داخل مسجد میں جماعت کروارہا ہو تو پھر خارج مسجد اسی طرح امام خارج مسجد ہو تو سنتوں کے لئے داخل مسجد بہتر ہے اھ تلخیصًا (ت)

۹ محقق علّامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر ۱۰ علامہ سیّدی احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

السنة فی السنن ان یاتی بها فی بیته او عند باب المسجد وان لم یمکنه ففی المسجد الخارج[2] الخ	سنّتوں کے لئے سنت یہ ہے کہ انھیں گھر میں ادا کرے یا مسجد کے دروازے کے پاس، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو تو پھر صحنِ مسجد میں ادا کرے الخ (ت)

۱۱ منیہ و شرح ۱۲ صغیر منیہ للعلامہ ابراہیم الحلبی میں ہے:

(السنة) المؤكدة (فی سنة الفجر) هو ان لایاتی بها مخالطاللصف ولاخلف الصف من غیر حائل و (ان یاتی بها) اما (فی بیته) وهو الافضل (او عند باب المسجد) ان امکن بان کان هناك موضع لائق للصلاة (وان لم یمکنه) ذلك (ففی المسجدالخارج) ان کانوا یصلون فی الداخل و بالعکس ان کان هناك مسجدان صیفی شتوی[3] اھ	(سنّت) مؤکدہ (فجر کی سنتوں میں) یہ ہے کہ انھیں صف کے متصل اور بغیر رکاوٹ کے صف کے پیچھے بھی ادا نہ کرے (انھیں بجالائے) یا (گھر میں) اور یہی افضل طریقہ ہے، یا (مسجد کے دروازے کے پاس) اگر ممکن ہو یعنی اگر وہاں نماز ادا کی جاسکتی ہو (اور اگر ممکن نہ ہو) یہ بات (تو پھر صحنِ مسجد میں) اگر لوگ داخل مسجد نماز ادا کررہے ہوں اور عکس کی صورت میں عکس ہوگا اگر وہاں دو مساجد صیفی اور شتوی ہیں اھ (ت)

امام محقق ۱۳ علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں اسی قول منیہ کے نیچے فرماتے ہیں، المسجد الخارج صحن المسجد[4] اھ (مسجد خارج سے مراد صحنِ مسجد ہے اھ۔ت)

---

[1] کافی شرح وافی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۰۰

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۲۰۴

[4] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی بحوالہ حلیہ امیر الحاج مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۹۴

دیکھو اول کی سات کتابوں میں صیفی و شتوی دونوں کو مسجد فرمایا اور آٹھ سے گیارہ تک چار کتابوں میں انھیں مسجد داخل و مسجد خارج سے تعبیر کیا۔ صغیری نے ان عبارات شتی کا مصداق واحد ہونا ظاہر کر دیا، اور حلیہ میں تصریح فرمادی کہ مسجد بیرونی صحنِ مسجد کا نام ہے، تو صاف واضح ہوگیا کہ صحنِ مسجد قطعًا مسجد ہے جسے علماء کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں **والحمدللہ علٰی وضوح الحق** (حق کے واضح ہو جانے پر اللہ کی حمد ہے۔ت) ان نصوص صریحہ کے بعد اُن استنباطول کی حاجت نہ تھی مگر کیا کیجئے کہ فقیر انھیں پہلے ذکر کر چکا تھا معہذا اُن کے ابقا میں طالبان علم وخادمانِ فقہ کی منفعت کہ اقوال علماء سے استنباطِ مسائل کا طریقہ دیکھیں **وباللہ التوفیق** اب کہ بحمداللہ کالشّمس علٰی نصف النہار واضح وآشکار ہوگیا کہ صحنِ مسجد بالیقین جزءِ مسجد ہے تو اس کے لئے تمام احکامِ مسجد آپ ہی ثابت، جن کا ثبوت صحن پر نمازیں پڑھے جائے خواہ کس شرط پر اصلًا موقوف نہیں کہ مسجد مذہب راجح پر واقف کے صرف اس کہنے سے کہ میں نے اس زمین کو مسجد کیا اور دوسرے مذہب پر ایک قول مصحح ظاہر الروایہ میں دو آدمیوں کی جماعت بااذان واقامت بلکہ واقف کے سوا ایک ہی شخص کی اذان واقامت ونماز بر ہیئتِ جماعت اور ایک قول ظاہر الروایہ میں سوائے واقف ایک ہی آدمی کی منفردًا نماز پڑھ لینے سے بجمیع اجزاہٖ مسجد ہو جاتی ہے تو ہر ہر جزء میں جداگانہ نماز ہونے کی بالاجماع حاجت نہیں، مذہب اول پر تو خود ظاہر کہ مطلقًا نماز کی شرط ہی نہیں صرف قول کفایت کرتا ہے اور ثانی پر بھی واضح کہ منفرد کی نماز زیادہ دو شخصوں کی جماعت ہر پارہ مسجد کو شامل نہیں ہو سکتی **کما لایخفی فوضح المقصود والحمدللہ العلی الودود** (جیسا کہ واضح ہے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو بلند اور محبت کرنے والا ہے۔ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے: **یزول ملکہ عن المسجد بقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی (وفی الدرالمنتقی و قدم فی التنویر والدرروالوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء اھ ش) و شرط محمد و الامام الصلٰوۃ فیہ بجماعۃ (واشتراط الجماعۃ لانھا المقصودۃ من المسجد، ولذا شرط ان تکون جھرا**	اس کی ملکیت مسجد سے ان الفاظ سے زائل ہو جاتی ہے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا ہے یہ ثانی امام (ابویوسف) کے نزدیک ہے (الدرالمنتقی میں ہے کہ تنویر، درر اور وقایہ وغیرہ میں قول ابویوسف کو مقدم ذکر کیا، اور آپ جانتے ہیں کہ ان کا قول وقف اور قضاء میں راجح ہے اھ ش) امام محمد اور امام صاحب نے اس میں جماعت کے ساتھ نماز کو بھی لازم وشرط قرار دیا ہے (جماعت کا شرط قرار دینا اس لئے ہے کہ مسجد سے مقصود ہی یہی ہے اسی لئے یہ شرط ہے

بأذان واقامة والالم یصر مسجدا قال الزیلعی: وهذه الروایة هی الصحیحة وقال فی الفتح: ولو اتحد الامام والمؤذن وصلی فیه وحده صار مسجدا االاتفاق لان الاداء علی هذاالوجه کا لجماعة، لکن لوصلی الواقف وحده فالصحیح انه لا یکفی اھ ش) وقیل: یکفی واحد و جعله فی الخانیة ظاهر الروایة (وعلیه امتون کا لکنز و الملتقی وغیرهما وقد علمت تصحیح الاول و صححه فی الخانیة ایضًا وعلیه اقتصر فی کافی الحاکم فهو ظاهر الروایة ایض اھ ش)[1] (مختصرا) واللّٰهسبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	کہ وہاں اذان واقامت بلند آواز سے ہوں ورنہ وہ مسجد قرار ہی نہ پائے گی۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے، اور کہا کہ فتح میں ہے کہ اگر امام اور مؤذن ایک ہی آدمی تھا اور اس نے وہاں تنہا نماز ادا کی تو وہ بالاتفاق مسجد ہی قرار دی جائے گی کیونکہ اس طریقہ پر ادائیگی جماعت ہی کی طرح ہے لیکن اگر وقف کرنے والے نے فقط نماز ادا کی تو صحیح یہی ہے کہ یہ کافی نہیں اھ ش) ایک قول یہ ہے کہ ایک آدمی کا نماز ادا کرلینا بھی کافی ہے اور اسے خانیہ نے ظاہر الروایہ قرار دیا ہے (اور متون میں یہی ہے جیسے کہ کنز، ملتقی وغیرہ، اور آپ اول کی تصحیح جان ہی چکے، اور اسی کو خانیہ نے صحیح کہا، اور حاکم نے کافی میں اسی پر اقتصار کیا، پس یہی ظاہر روایت ہے ایضًا اھ ش) مختصرًا۔ واللّٰهسبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۱۷: از بری سال مرسلہ جان محمود ساکن چاند

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں ایک مسجد مدت سے قائم ہے اور وہ خود متولی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ہمیشہ پڑھی جاتی ہے ابھی متولی مسجد نے ایک شخص کو کسی وجہ سے منع کیا کہ وہ اس مسجد میں نہ آئے جب اُس کو منع کیا تو وہ شخص اور چند مصلی مجتمع ہو کر دوسری جگہ پر ایک مسجد نئی بناکرلی اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اگر بلند آواز سے اذان کہے تو احتمال سنائی کی ہے، اس صورت میں دونوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ایک میں، اگر ایک میں ہے تو اوّل یا ثانی، اگر صورت، مذکورہ میں منع کرنا کسی مصلی کو شرعًا کوئی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بحوالة الکتاب توجروا یوم الحساب۔

[1] ردالمحتار علی الدرار لمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۵/۴

الجواب:

جو شخص موذی ہو کہ نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے. برا بھلا کہتا ہے شریر ہے اُس سے اندیشہ رہتا ہے ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے، اور اگر بد مذہب گمراہ مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا نیچری یا تفضیلی وغیرہا ہے اور مسجد میں آکر نمازیوں کو بہکاتا ہے اپنے مذہب ناپاک کی طرف بلاتا ہے تو اسے منع کرنا اور مسجد میں نہ آنے دینا ضرور واجب ہے۔

فقد نص فی العینی ثم المختار وغیرھما من معتمدات الاسفار، باخراج کل موذ و لو بلسانه۔[1]	علامہ عینی نے تصریح کی ہے پھر در مختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے کہ ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے نکال دیا جائے خواہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔(ت)

یونہی جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذاللہ گندا دہن یا گندا ابغل یا جس نے خارش وغیرہ کے باعث گندھک ملی ہو اسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلا یقربن مصلانا[2] (رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ ہرگز ہماری نمازگاہ کے قریب نہ آئے۔(ت) اور بلاوجہ شرعی اپنی کسی رنجش دنیوی کے باعث مسجد سے کسی مسلمان کو روکنا سخت گناہ ہے۔

لقوله تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی میں کوشاں ہو۔(ت)

اور مسجد جبکہ نہ نیت خالصہ بنائی جائے تو پہلی مسجد کے کسی قدر قریب ہو کچھ حرج نہیں۔

لما فی الاشباہ والدر ان لاھل المحلة جعلوا المسجد الواحد مسجدین[4]	اشباہ اور در میں ہے کہ اہل محلّہ کے لئے جائز ہے کہ ایک مسجد کو وہ دو مساجد بنالیں۔(ت)

مگر جمعہ قائم کرنے کے لئے ضرور ہے کہ امام جمعہ وہ ہو جسے بادشاہِ اسلام نے امامِ جمعہ مقرر کیا یا وہ جسے اس نے اپنا نائب کیا اور یہ نہ ہو تو وہ جسے اہل اسلام جمع ہو کر امامِ جمعہ مقرر و معین کریں، ہر شخص جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کرسکتا۔

---

[1] دُر مختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[2] مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب فیمن اکل ثوما الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۱۷

[3] القرآن ۲/۱۱۴

[4] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۵، ۲۳۴، در مختار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

کما نصوا علیہ معتمدات المذھب (جیسا کہ اس پر معتمدات مذہب نے تصریح کی ہے۔ت)

اس طرح کا امام اگر اس دوسری مسجد کو میسر ہوگا تو اس میں بھی جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱۸ تا ۱۱۲۱: از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلّہ ڈیڈ روڈ مسئولہ کھتری عمر ابوبکر صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل ذیل میں:

(۱) صحن مسجد داخل مسجد ہے یا خارج مسجد ہے؟

(۲) اذان ثانی جمعہ جو صحن مسجد میں پڑھی جائے تو داخل مسجد قرار پائے گی یا نہ؟

(۳) کوئی شخص باوجود داخل مسجد ہونے کے صحن مسجد میں نماز پڑھے تو اُس کو مسجد کا پورا ثواب ملے گا یا کم؟

(۴) جنازہ مسجد میں یا صحن مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صحنِ مسجد جزوِ مسجد ہے کما نص علیہ فی الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) اُس میں نماز مسجد ہی میں نماز ہے، پٹے ہوئے درجے کو مسجد شتوی کہتے ہیں یعنی موسم سرما کی مسجد اور صحن کو مسجد صیفی یعنی موسم گرما کی مسجد۔ اذان مسجد میں منع ہے، نہ دالان میں اجازت ہے نہ صحن میں۔ مسجد میں جنازے کے لئے اجازت نہیں ھوالصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) صحن کسی حکم میں مسجد سے جدا نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲۲: از پیلی بھیت محلّہ بھُورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ فصیل حوض خارج مسجد ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے، نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا، اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۲۳: از ترپول سولول ڈاک خانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک جگہ بستی میں بستی کے سارے مسلمان مل کرکے مسجد بنوایا لیکن زمین دوسرے آدمی کے نام سے، جس کے نام سے زمین ہے وہ دعوٰی کرتا ہے کہ وہ مسجد ہماری ہے ہم جس کو حکم دیں گے وہ نماز پڑھے گا اور ہم جس کو حکم دیں گے وہ امامت کرے گا۔ وہ جسے روک دیتا ہے اس مسجد میں اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اُس

مسجد کو کیا کہا جائے گا؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ [1] مساجد خاص اللہ کی ہیں۔ ان میں کسی کا کوئی دعوی نہ زمین والے کو نہ عملے والوں کا، اور بلاوجہ شرعی کسی سنی مسلمان کو مسجد سے منع کرنا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے،

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا [2]	اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجد کو روکے اُن میں اللہ کا نام لیا جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

مگر اُس کے منع کرنے سے نہ مسجد میں کوئی نقصان آئے گا نہ وہ جسے منع کیا اُسے مسجد میں نماز پڑھنا منع ہو جائے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۴: از شہر رانچی قصاب محلّہ مرسلہ شیخ ولی محمد سوداگر چرسہ ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد وہابی جو تقلید کو بدعت کہے، ائمہ مجتہدین پر طعن کرے، ختم نبوت اور کرامات اولیا کا قائل نہ ہو۔ جناب ولی الاولیاء غوث الاعظم پر طعن کرے، انعقاد مجلس میلاد اور یارسول اللہ کہنے کو بدعت کہے، آمین بالجہر و رفع الیدین کرے وغیرہ وغیرہ، ایسے شخص کی اقتداء اور اس کی موانست و مکالمت صوم وصلٰوۃ جائز ہے یا نہیں؟ ایسے عقیدہ والوں کو واسطے دفع فتنہ وفساد کے جو موجب اس کا خلاف عقیدت باہمی سے مسجد میں نہ آنے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بحسبِ فرمانِ شرع شریف بحوالہ کتب ارشاد ہو۔

الجواب:

ایسا شخص کافر و مرتد ہے، اس کے مرتد ہونے کے لئے صرف انکار خاتمیت ہی کافی ہے۔ قال اللہ تعالٰی وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ [3] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اور لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ ت) تتمۃ الفتاوٰی اور الاشباہ النظائر میں ہے:

ان لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات۔ [4]	اگر کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن، ۷۲/ ۱۸

[2] القرآن، ۲/ ۱۱۴

[3] القرآن، ۳۳/ ۴۰

[4] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۶

تقلید کو بدعت کہنا، ائمہ مجتہدین پر طعن کرنا اور بے تقلید امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رفع یدین اور جہر سے آمین کہنا خباثات وعلاماتِ غیر مقلدی ہیں، اور کراماتِ اولیاء سے انکار اور حضور سیّد الاولیاء پر طعن گمراہی وبد نصیبی، اور مجلس میلاد پاک اور یارسول اللہ کہنے کو بدعت کہنا شعار وہابیت ہے اور وہابی لوگ وغیر مقلدین زمانہ پر حکم کفر ہے جس کی تفصیل الکوکبۃ الشھابیۃ اور سل السیوف الھندیۃ اور حسام الحرمین سے روشن۔ شخص مذکور کے پیچھے نماز باطل محض ہے، اور اس سے مجالست وموانست حرام۔

قال اللہ تعالٰی	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد
وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1] ۔	آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)
وقال اللہ تعالٰی وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [2] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ (ت)

دفع فتنہ وفساد بقدرِ قدرت فرض ہے، اور مفسدوں موذیوں کو بشرطِ استطاعت مسجد سے روکا جائے گا۔
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے پھر درمختار میں ہے: **ویمنع منہ کل موذ و لو بلسانہ** [3]۔ (اور ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اگرچہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲۵: از دیرم گام ضلع احمد آباد گجرات جامع مسجد مرسلہ سیّد غلام محی الدین صاحب ۱۳ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیرمگام گجرات میں جو عیدگاہ ہے اُس پر چند لوگ جن کا چار پانچ نفر سے زیادہ عدد نہیں خود بخود بلا اجازت بانیِ مسجد وبلا اجازت مسلمانان شہر ایسے قابض ومتصرف ہوگئے ہیں کہ گویا وہ مالک ہی ہیں، چنانچہ علی الاعلان اس امر کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اس مسجد میں سوائے ہمارے دوسرے کا حق نہیں جس کو ہم چاہیں گے امام بنائیں گے، اور امام جو بناتے ہیں تو ایسا کہ جس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تمام مسلمانانِ شہر اور اہل علم حضرات کراہت کرتے ہیں اور یہ کراہت شرعی ہوئی نہ مخالفت ذاتی پر قابضین کی قلیل جماعت کے عقائد کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح ثانی کو حرام قطعی سمجھتے ہیں، اور مسجد پر تصرفات میں سے یہ بھی ہے کہ اہل شہر کے ساتھ نماز پڑھنے میں مزاحمت کرتے ہیں، آیا اہل شہر کو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری عیدگاہ قرار دیکر اہل شہر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] القرآن ۱۱/ ۱۱۳

[3] درمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

الجواب:

اہل شہر کواُس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اُن لوگوں کو مزاحمت کا کوئی حق نہیں، اگر وُہ مانع آئیں گے سخت ظالم ہوں گے۔

قال اللہ تعالٰی وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔(ت)

اور ایسا امام کہ وہ مقرر کریں معتبر نہ ہوگا، امام وہی مانا جائے گا جسے عام مسلمانان شہر حسب شرائط شرعیہ مقرر کریں گے، اس کے سوا وہ امام جسے وہ پانچ چھ برخلافِ شہر مقرر کریں نماز عید باطل محض ہوگی، اہل شہر اگر کسی وجہ سے اس عیدگاہ میں نماز نہ پڑھ سکیں دوسری جگہ پڑھیں اگرچہ کسی میدان میں کہ عیدگاہ میں، عمارت کی حاجت نہیں، اور اگر دوسری عیدگاہ ہی تعمیر کرنی مناسب ہو تو انھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۶: از مرادآباد مرسلہ مولوی عبدالباری ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد فراغت نماز جمعہ کے مقتدیوں کو اپنے پیچھے قطعی نماز نہ پڑھنے دے اور خود اذکار وغیرہ سے مشغول رہے اور مصلّی سے لے کر مسجد کے دروازے تک سیدھ میں کوئی نمازی نماز نہ پڑھنے پائے بلکہ اگر کسی نے نیّت بھی باندھ لی تو وہ نیت جبراً تڑوادے اس لئے کہ اس کے نکلنے میں حرج ہوگا کیونکہ اس کی عادت ہے بعد فراغت جمعہ بہت دیر کے بعد وہ اپنے حجرہ میں جاتا ہے، تو اتنی دیر تک کوئی مصلی اس کے محاذ اور عقب میں نماز نہ پڑھے، اگر کسی ناواقف نے ایسا کر بھی لیا تو اس پر نہایت تشدد کرتا ہے، یہ کہاں تک روا ہے؟

الجواب:

اللہ عزّوجل فرماتا ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ [2]۔ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں،

اُن میں کسی کا ذاتی دعوی نہیں پہنچتا۔ اور فرماتا ہے: وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ [3]۔اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں نامِ الٰہی لیئے جانے سے روکے، یہ سب ظلمِ شدید ہے اور بندھی ہوئی

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن ۷۲/ ۱۸

[3] القرآن ۲/ ۱۱۴

نیت تُڑوادینا اشد ظلم، وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ[1] (اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۷: از شہر کہنہ محلّہ بخار پورہ مسئولہ عبدالرحمان بیگ صاحب ۵صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جو قدیمی تعمیر کردہ اہلسنت وجماعت کی ہے اور زمانہ قدیم سے آج تک مسجد مذکورہ پر قبضہ بھی اہلسنت والجماعت کا، ایسی مسجد میں شیعہ وسُنّی ہر دو فریق کا باہم نماز پڑھنا اور اذان واقامت بھی ہر دو فریق کی ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اہل سنّت کی مسجد میں روافض کا کوئی حق نہیں، اہل سنت کی معتمد کتابوں خلاصہ وفتح القدیر وعلمگیری وتنویر الابصار ودرمختار میں تصریح ہے کہ روافض کافر ہیں اور کافر کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔ عبارت یہ ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ تعالٰی، فھو کافر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	رافضی جب شیخین کریمین کو گالی دے یا ان پر لعنت کرے (والعیاذ باللہ تعالٰی) تو وہ کافر ہوگا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۸: از ملک بنگالہ قصبہ گوری پور ضلع میمن سنگھ مرسلہ میاں عبدالجلیل ۱۸ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بڑا فتان ومفسد ہے، جماعت المسلمین بوجہ اس کے افتراق ہوگیا ہے، لوگ دُوسری مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور وہ مفسد امام اس قوم باغین کا ہے اور یہ بغاوت دینی نہیں بلکہ محض نفسانیت ہے اس صورت میں اس مسجد کھنہ کو مسجد ضرار کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مسجد کُہنہ اُن کے جانے اور نماز پڑھنے پڑھانے سے مسجدِ ضرار نہیں ہوسکتی ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداء افساد فی الدین وتفریق بین المومنین کے لئے بنائی گئی ہو۔

قال تعالٰی "وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" الی قولہ تعالٰی "اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ لوگ جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو، اور کفر کے سبب، اور مسلمانوں مین تفرقہ ڈالنے کو" (اللہ تعالٰی کے اس قول تک) "

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] خلاصہ الفتوی کتاب الفاظ الکفر مطبوعہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ / ۳۸۱

جُرُفٍ هَارٍ [1] الایۃ	یا وہ جس نے اپنی نیو چُنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے "الآیۃ (ت)

تعمیر شدہ مسجد میں مفسدین کا جانا خواہ ان کا قبضہ و تسلط ہو جانا اُسے مسجد ضرار نہیں کر سکتا، جیسے واقعہ حرہ میں لشکریان یزید یا حادثہ نجد میں بتعان نجدی بلید کا مساجد طیبہ حرمین محترمین میں مفسدانہ دخل، والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۹: از گوہالباڑی ضلع مالوہ انگریز آباد ڈاکخانہ بھولاہاٹ مرسلہ شیخ غریب اللہ صاحب ۴ رجب ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں مسلمانان ہم قوم ہم مذہب قریب دو اڑھائی سو گھر کے رہتے ہیں اور ایک مسجد پختہ عرصہ دس بارہ برس سے کہ بنوائی ہوئی انھیں مسلمانان کی ہے اور ایک دل ایک رائے ہو کر اسی مسجد میں نماز پنجگانہ جمیع مسلمانان باشندہ بستی مذکورہ ادا کرتے ہیں اتفاق وقت کہ بعد چند سال کے دو مسلمان رئیس میں جو رہنے والے اسی بستی کے ہیں جھگڑا و تکرار دنیاوی در بارہ زمین خواہ کسی امر دنیاوی کے برپا ہوا اور ہنوز ہے یا نہیں ہے کہ منجملہ دو کے ایک نے بلا سبب اپنے زور نفسانی و ضد میں آکر چالیس پچاس گھر مسلمانوں کو شامل اپنے لے کر اُس مسجد مذکورہ سے روگرداں ہوا اور ہو کر ایک مسجد گیاہی جسے پھوس کہتے ہیں اپنے مکان کے قریب تعمیر کرا کر نماز پنجگانہ مع ہمراہیان خود ادا کرتا ہے تو کیا رہتے ہوئے مسجد پختہ کے کہ مسجد ہذا سے مسجد گیا اندازی دو سو قدم پر واقع ہے اور ان دونوں کے راستہ درمیان کسی طرح کا خوف جان ومال کا نہیں ہے نماز پنج وقتی مسجد گیاہ میں ادا ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواز ولاجواز سے جہاں تک تعمیل فرما کر ممتاز فرمایا جائے گا عین نوازش و اکرام ہے اور ان دونوں رئیسوں کا بلکہ سائر مسلمانان کا فیصلہ ہے مکرر آنکہ اُن لوگوں نے جتنے روز تک اُس مسجد گیاہ میں جان بوجھ کر نماز پڑھی تو اُن سبھوں کی نماز ہوئی یا نہیں، اور بصورت نکلنے حکم جواز آمنّا صدقنا و بصورت نکلنے ناجواز ان مسلمانوں روگردانوں پر از روئے شرع شریف کے کیا لازم آسکتا ہے اور ان لوگوں کو جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے پر کیا حکم مطابق شرع کے جاری کیا جائے گا اور وہ لوگ کیا کہے جا سکتے ہیں؟ آگاہ فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جتنی نمازیں ان لوگوں نے اس نئی مسجد میں پڑھیں ان کی صحت اور ان سے ادائے فرض میں تو اصلاً شبہہ نہیں اگرچہ یہ مسجد انھوں نے کسی نیت سے بنائی ہو،

[1] القرآن ۹/ ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجد اوطھورا فایمارجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل[1]۔	کیونکہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: میری خاطر ساری زمین مسجد اور پاک کردی گئی ہے، میرا امتی جہاں نماز کاوقت پائے وہاں ہی ادا کرلے (ت)

ہاں یہ کہ وہ مسجد شرعًا مسجد ہوئی یا نہیں، اور اس میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں اور یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے ہوئے یا نہیں۔ یہ امور اُن لوگوں کی نیت پر موقوف ہیں، اگر یہ مسجد انھوں نے بغرض نماز خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگرچہ اس پر باعث باہمی رنجش ہوئی کہ بسبب رنج ایک جگہ جمع ہونا مناسب نہ جانا اور نماز بمسجد ادا کرنی نہ چاہی، لہٰذا یہ مسجد بہ نیت بجاآوری نماز ہی بنائی تو اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز وثواب ہونے میں کوئی شبہ نہیں لانہ وقف صدر عن اھلہ فی محلہ علی وجھہ (کیونکہ یہ وقف ہے اہل وقف سے محلِ وقف میں طریق کے بمطابق وقف ہوئی ہے۔ت) اور اس نیت کی حالت میں یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے بھی نہیں ٹھہر سکتے کہ اُن کا مقصود اپنی نماز باجماعت ادا کرنا ہے، نہ دوسروں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا، یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اہل محلّہ کو جائز ہے کہ بغرضِ نماز ایک مسجد کی دو مسجدیں کرلیں۔ درمختار میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجدین واحد او عکسہ لصلوۃ لالدرس اوذکر[2]۔	اہل محلّہ دو مساجد کو ایک یا اس کا عکس کرسکتے ہیں مگر نماز کے لئے، درس یا ذکر کے لئے ایسا نہیں کرسکتے (ت)

اشباہ میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجد الواحد مسجدین والاولی ان یکون لکل طائفۃ مؤذن[3]۔	اہل محلّہ ایک مسجد کو دو مساجد بناسکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہر گروہ کے لئے الگ مؤذن ہو۔(ت)

اور اگر یہ نیت نہ تھی مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ اس سے مقصود اگلی مسجد کو ضرر پہنچانا اور اس کی جماعت کا متفرق کردینا تھا تو بیشک یہ مسجد نہ ہوئی، نہ اس میں نماز کی اجازت بلکہ نہ اس کے قائم رکھنے کی اجازت، اور اس صورت میں یہ لوگ ضرور تفریق جماعت مومنین کے وبال میں مبتلا ہوئے کہ حرام قطعی وگناہ عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور وہ لوگ جنھوں نے مسجد

[1] صحیح البخاری، کتاب الصّلٰوۃ، باب قول النبی جعلت لی الارض مسجدا الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۲

[2] درمختار آخر باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۴

[3] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۴/ ۶۳۵

نقصان کا ذریعہ، کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔(ت)	ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[1] الاية

مگر نیت امر باطن ہے اور مسلمان پر بد گمانی حرام و کبیرہ، اور ہر گز مسلمان سے متوقع نہیں کہ اس نے ایسی فاسد ملعون نیت سے مسجد بنائی۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: نہ پیچھے لگ اس چیز کے جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ سمع، بصر اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔(ت)	قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾[2]۔

تو بے ثبوت کافی شرعی ہر گز اس بُری نیت کا گمان کرنا جائز نہیں بلکہ اسی پہلی نیت پر محمول کریں گے اور مسجد کو مسجد اور اس میں نماز کو جائز ثواب اور اس کی آبادی کو بھی ضرور سمجھیں گے۔

مسئلہ ۱۱۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد صغیر و کبیر میں کیا فرق ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اس کے ذریعے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ت) تحقیق یہ ہے کہ علمائے کرام ۱۱ مسئلوں میں مسجد صغیر و کبیر میں فرماتے ہیں: ایک مسئلہ صحت اقتدا و اتصال صفوف کہ مسجد بقعہ واحدہ ہے اس میں امام و مقتدی کا فصل مانع صحت اقتدا نہیں اگرچہ امام محراب میں اور مقتدی یا صف قریب باب ہو مگر مسجد کبیر میں حکم مثل صحرا ہے کہ اگر امام و صف میں اتنا فاصلہ ہو جس میں دو صفیں ہو سکتیں تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ دوسرے مسئلہ اثم مرور پیش مصلی کہ مسجد میں دیوار قبلہ تک جائز نہیں جب تک بیچ میں حائل نہ ہو ہاں مسجد کبیر مثل صحرا ہے کہ مصلی جب خاشعین کی سی نماز پڑھے کہ نگاہ موضع سجود پر جمائے رہے تو اس حالت میں جہاں تک اس کی نظر پہنچے کہ نظر کا قاعدہ ہے جہاں جمائی جائے اس سے کچھ آگے بڑھتی ہے وہاں تک گزرنا ممنوع و ناجائز ہے اس سے آگے روا، ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم و وسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے، باقی عام مساجد جس طرح عامہ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں اگرچہ طول و عرض میں سو سو گز ہوں،

---

[1] القرآن ۹/۱۰۷

[2] القرآن ۱۷/۳۶

امام وقع فی القهستانیة عندذکر المسجد الصغیر، هواقل من ستین ذراعاً وقیل من اربعین وهو المختار، کمااشارالیه فی الجواهر [1] وفی الطحطاوی قوله اوبمسجد کبیر هو ماکان اربعین ذراعافاکثر و الصغیر ماکان اقل من ذلك وهوالمختار قهستانی عن الجواهر [2] وفی الشامیة [3] ۔ بمثله بالسند المذکور فرأیتنی کتبت علیه فیما علقت علی رد المحتار مانصه **اقول:** وبالله التوفیق یظهرلی ان هذاخطاء بل الحاصل ههنا فی الصغیر والکبیر ماتقدم فی الکتاب (اعنی ردالمحتار عن الامداد) فی مسئلة الفصل المانع عن الاقتداء انه لایمنع الافی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس وذلك لانهم عللو کراهة المرور بین یدیه فی المسجد الصغیر الی جدارالقبلة بان المسجد بقعة واحدة کما فی شرح الوقایة وفی شرحنا هذاوقد ذکر محشینا فی تقریره مسألة الفصل لمانع فقال بخلاف المسجد الکبیر فانه جعل فیه مانعا الخ فانظر ای کبیر ذٰلك ماهو الا الکبیر جدا	قہستانیہ میں مسجد صغیر کے تذکرہ میں جو ہے کہ وہ ساٹھ گز سے کم ہوتی ہے بعض کے نزدیک چالیس گز، یہی مختار ہے۔ اسی کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ اس کا قول "یا مسجد کبیر جو چالیس گز یا اس سے زائد ہو اور صغیر وہ ہے جو اس سے چھوٹی ہو، یہی مختار ہے"۔ قہستانی عن الجواہر اور شامیہ میں سند مذکور کے ساتھ اسی طرح ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں لکھا، **اقول:** (میں کہتا ہو) اللہ کی توفیق سے مجھ پر یہ واضح ہوا کہ یہ خطاوغلط ہے بلکہ صغیر وکبیر مسجد میں حاصل وہی چیز ہے جو کتاب (یعنی ردالمختار میں امداد کے حوالے سے) اس فصل کے تحت گزرا جو "اقتدا سے مانع کے بیان" میں ہے اس مسجد میں مانع ہے جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً مسجد قدس کیونکہ فقہاء نے مسجد صغیر میں قبلہ کی جانب نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع پر جو علت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد ایک ہی ٹکڑا کی طرح ہے جیساکہ شرح الوقایہ اور ہماری اس شرح میں ہے اور ہمارے محشّی نے فاصل مانع کو بیان کرتے ہوئے کہا بخلاف مسجد کبیر کے، کیونکہ اس میں مانع بنایا گیا ہے الخ غور کرو بڑی کونسی مسجد ہے وہ وہی ہوگی جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً

[1] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۶۸

[3] ردالمحتار باب یفسد الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳۴

کمسجد القدس ، وما ذکر القھستانی عن الجواھر فانما کان فی الدار فی مسئلة الفصل لافی المسجد کما مرت عبارة الجواھر (حیث قال العلامة المحشی[1]) فی القھستانی ف: البیت کا لصحراء والاصح انه کالمسجد، ولھذا یجوز الاقتداء فیه بلا اتصال الصفوف کما فی المنیة اھ ولم یذکر حکم الدارفلیراجع، لکن ظاھر التقیید بالصحراء والمسجد لکبیر جداان الدار کالبیت تامل ، ثم رأیت فی حاشیة المدنی عن جواھر الفتاوی ان قاضی خاں سئل عن ذلك ،فقال، اختلفوا فیه، فقدرہ بعضھم بستین ذراعاوبعضھم قال ان کانت اربعین ذراعافھی کبیرة والا فصغیرة، ھذاھوالمختار اھ وحاصله ان الدار الکبیرة کالصحراء والصغیرة کا لمسجد، وان المختار فی تقدیر الکبیرة اربعون ذراعا[2] **اقول:** وبھذا تلتئم کلماتھم وللہ الحمد۔ فان منھم من قید ھذہ المسئلة با لمسجد الصغیر کمتنا ھذا و	مسجد قدس جو کچھ قہستانی نے جواہر سے نقل کیا ہے وہ گھر میں مسئلہ فصل کے بارے میں ہے نہ کہ مسجد کے بارے میں ، جیسے کہ عبارت جواہر سے گزرا (کیونکہ اسکے الفاظ یہ ہیں کہ علامہ محشی نے قہستانی میں کہا کہ گھر کھلے میدان کی طرح ہے اور اصح یہ ہے کہ بیت، مسجد کی طرح ہوتا ہے اسی لئے اس میں بلا اتصال صفوف بھی اقتدا جائز ہوتی ہے جیسا کہ منیہ میں ہے اھ اور دار کا حکم بیان نہیں کیا، چاہے کہ غور کیا جائے لیکن ظاہرًا صحرا یا مسجد کبیر کو بہت بڑا اقرار دینا اگاہ کر رہا ہے کہ دار کا حکم گھر والا ہے تامل ، پھر میں نے حاشیہ مدنی میں جواہر الفتاوٰی سے دیکھا کہ قاضی خاں سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا اس میں اختلاف ہے بعض نے ساٹھ گز کہا ہے بعض نے کہا کہ اگر چالیس گز ہو تو بڑی مسجد ورنہ چھوٹی، اور یہی مختار ہے اھ حاصل یہ ہے کہ بڑی دار صحرا کی طرح اور چھوٹی دار مسجد کی طرح ہے اگرچہ مختار بڑی مسجد کیلئے چالیس گز ہو نا ہی ہو۔ **اقول:** اس سے فقہاء کی تمام عبارات میں تطبیق ہو گئی وللہ الحمد، کیونکہ بعض نے اس مسئلہ کو مسجد صغیر کے ساتھ مقید کیا ہے جیسے کہ ہمارے

[1] جد الممتار علی رد المحتار باب مایفسد الصلوٰة الخ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/۳۰۰ و ۳۰۱

[2] رد المحتار باب الامامة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۸۵

ف: اعلیحضرت نے یہاں سے اقول تک شامی کی عبارت نقل کی ہے پھر اقول و بھذا تلتئم سے آخر تک اعلیحضرت کا اپنا حاشیہ ہے۔ نذیر احمد

الغرر و النقایۃ والکافی والبر جندی عن المنصوریۃ عن الامام قاضی خاں وظهیرالدین المرغینانی، ومنهم من اطلق کالخلاصۃ و جوامع الفقه کما فی الفتح و المراد واحد فان الصغیر احتراز عن الکبیر جدا، فعامۃ المساجد فی حکم الصغیر فساغ الاطلاق لمن اطلق بل اوضحه جدا کلام العلامۃ الشلبی علی التبیین عن الداریۃ عن شیخ الاسلام ان هذا اعتبار موضع السجود اذاکان فی الصحراء اوفی الجامع الذی له حکم الصحراء امافی المسجد فالحد هوالمسجد اھ فانظر کیف اطلق المسجد واراد به مقابل ذلك الکبیر جدا، وایضا تلتئم کلمات الذخیرۃ فانه ذکر فی الفصل الرابع من کتاب الصلوٰۃ فی مسئله المرور الاصح ان بقاء المسجد فی ذلك کله علی السواء الخ ۔ واستشهد علیه بکلام محمد المطلق فی المساجد، غیر المختص قطعًا بما دون اربعین، ثم اعاد المسئلۃ فی الفصل التاسع فقال ان کان المسجد صغیرا یکره فی ای موضع یمر و الی هذا اشار محمد فی الاصل فذکر ذلك لکلام لمحمد بعینه فعلم ولله الحمد ان المزاد بالمطلق والمقید واحد وهی المساجد کلها سوی ما یمنع فیه الفصل بصفین الاقتداء ولاینا فیه اطلاق من اطلق و قال انما یأثم بالمرور فی موضع السجود کفخر الاسلام وصاحب الهدایۃ والوقایۃ وغیرهم و ذلك لان المساجد

اس متن وغرر، نقایہ، بحر، کافی، اور برجندی میں منصوریہ سے قاضی خاں اور ظہیر الدین مرغینانی کے حوالے سے کہا اور بعض نے اس کو مطلق رکھا مثلاً خلاصہ اور جامع الفقہ، جیسا کہ فتح میں ہے اور مراد ایک ہی ہے کیونکہ صغیر ایسی کبیر سے احتراز ہے جو بہت ہی بڑی ہو تو اکثر مساجد صغیر کا حکم رکھتی ہیں تو جس نے مطلق رکھا اس کا اطلاق جائز ہوگیا بلکہ علامہ الشلبی نے تبیین پر درایہ سے شیخ الاسلام کے حوالے سے خوب واضح کیا ہے کہ موضع سجدہ کا اعتبار تب ہوتا ہے جب صحرا ہو یا ایسی جامع مسجد ہو جو حکم صحرا رکھتی ہو رہا دیگر مسجد کا معاملہ تو وہاں یہ حدِ مسجد ہی ہے اھ آپ غور کریں انھوں نے مسجد کو مطلق رکھا اور اس سے مراد ایسی مسجد لی جو بہت ہی بڑی کے مقابل ہو، اور کلماتِ ذخیرہ بھی جمع ہوگئے کیونکہ انھوں نے کتاب الصلوٰۃ کی فصل رابع میں نمازی کے آگے سے گزرنے کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اصح یہ ہے کہ مسجد کے تمام مقامات اس میں برابر ہیں الخ اور اس پر استشہاد امام محمد کے کلام سے کیا جو مساجد کے معاملہ میں مطلق ہے اور چالیس گز سے کم مسجد کے ساتھ ہر گز مخصوص نہیں، پھر نویں فصل میں دہرایا اور کہا اگر مسجد چھوٹی ہو تو ہر جگہ سے گزرنا مکروہ ہے اور اسی کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا اور امام محمد کی عبارت بعینہٖ نقل کی، ﷲالحمد اس سے واضح ہوگیا کہ یہاں مطلق اور مقید دونوں سے مراد ایک ہی ہے اور تمام مساجد کا معاملہ مساوی ہے سوا ان کے جن میں دوصفوں کا فاصلہ اقتداء کے لئے مانع ہے اور مطلق کہنے والے کا اطلاق جس نے یوں کہا ہے

کبقعة واحدة فأى جدارالقبلة كله موضع السجود كما قاله فى شرح الوقاية بل اشار اليه محمد فى الاصل كما فى الذخيرة فتحصل ولله الحمد ان لاخلاف بينهم وان الممنوع فى المسجدالمرور مطلقا الى جدار القبلة و فى الجامع الكبير جدا والصحراء الى موضع نظرالمصلى الخاشع وبه ظهر ان بحث المحقق فی الفتح وقع مخالفاللمذهب لمااطبقوا عليه فاغتنمه فان هذا التحرير من فيض القدير فاغتنمه فان هذاا تحرير من فيض القدير على العاجزالفقير ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركافيه[1] اهما كتبت عليه والله تعالٰی اعلم	کہ نمازی کے آگے سے جائے سجدہ پر گزرنے والا گنہگار ہوگا، اس کا یہ اطلاق فخر الاسلام، صاحبِ ہدایہ اور وقاریہ وغیرہ کے منافی نہیں ہے، یہ اس لئے کہ مساجد ایک ٹکڑا کی مانند ہوتی ہیں پس وہ قبلہ کی دیوار تک تمام کی تمام موضع سجدہ کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے بلکہ اس کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے ﷲالحمد واضح ہوگیا کہ ان کے درمیان اختلاف نہیں اور گزرنا مسجد میں دیوار قبلہ تک مطلقاً ممنوع ہے، اور بہت بڑی جامع مسجد ہو یا صحرا ہو تو پھر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے نمازی کی نظر کے پھیلاؤ تک آگے سے گزرنا ممنوع ہے، اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فتح میں محقق کی بحث مذہب متعلق علیہ کے خلاف ہے۔ اس تقریر کو غنیمت جان لو کیونکہ اس عاجز فقیر پر رب قدیر کا عطیہ ہے، اللہ ہی کے لئے حمد کثیر مبارک اور طیب ہے، وہ ختم ہوا جو میں نے وہاں لکھا تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳۱: از شہر محلّہ جسولی مسئولہ مولوی غلام جان پنجابی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۶ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے دس برس ہوئے مسجد کے پیچھے جو زید کا مکان مسجد کے متصل بلاخلا تھا اور مسجد کی بنا سے اس کی بنا جداگانہ تھی اور زمین بھی زید کی اپنی موروثی تھی اُس مکان پر زید نے ایک بالاخانہ بنایا اور زید کے نیچے مکان کا چھت مسجد کی چھت کے برابر ہے صرف بالاخانہ مسجد سے اونچا ہے بلکہ بالاخانہ مسجد کے برابر بھی نہیں ہے مسجد کے بائیں جانب طالب علم کے حجرے کے برابر ہے، ہاں کچھ تھوڑا سا کونا بالاخانے کا مسجد کے کونے کے برابر ہے لیکن زید بالاخانہ بنانے کے بعد دل میں نادم ہوا، اور چونکہ روپیہ خرچ ہو چکا تھا اس وجہ سے اس نے بالاخانے کو اکھیڑا نہیں لیکن مسجد کی عزت کی وجہ سے زید مع آل وعیال بالاخانہ میں نہیں رہتا نیچے مکان میں رہتا ہے اب اس بالاخانے کو اکھیڑنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مسجد کی کسی چیز میں تصرف نہ ہو تو اس کا اکھیڑنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] جد المحتار علٰی رد المحتار باب یفسد الصلوٰۃ الخ المجمع الاسلامی بیروت ۱/۰۲-۳۰۱

مسئلہ ۱۱۳۲: از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ محمد عبدالحکیم بیڑی مرچنٹ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قبل سے ہے اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی ہے اور متولی مسجد کا سہ منزلہ مکان مسجد کے متصل ہے بعد انتقال متولی کے لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور عزر یہ ہے کہ جس مسجد کے قریب کوئی اونچی عمارت ہو اس مسجد میں نماز نہیں جائز ہے، لہٰذا لوگوں نے دوسری مسجد متصل پہلی مسجد کے پندرہ قدم کے فاصلہ میں بناتے ہیں اور منع کرنے سے نہیں مانتے حالانکہ اس مسجد کے بنانے سے سابق مسجد کے ویران ہونے کا احتمال ہے لہٰذا حکم خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا ہے؟

الجواب:

یہ محض جاہلانہ باطل خیال ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کعبہ معظّمہ کے گرد مکہ مکرمہ میں بہت بلند بلند کئی کئی منزل کے مکان ہیں کہ بظاہر کعبہ معظّمہ سے اونچے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ نہ کوئی مکان کعبہ معظّمہ سے اونچا ہوسکتا ہے نہ کسی مسجد سے، کعبہ و مسجد ان ظاہری دیواروں کا نام نہیں بلکہ اتنی جگہ کے محاذی ساتوں آسمان تک سب مسجد ہے اس سے اونچا کیا اُس کے کروڑویں حصے برابر کوئی مکان بلند نہیں ہوسکتا اگرچہ سو منزلہ ہو، درمختار میں ہے: **انہ مسجد الی عنان السماء**[1]۔ (یہ آسمان تک مسجد ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذا الی تحت الثرٰی کمافی البیری عن الاسبیجابی[2]۔	اور اسی طرح تحت الثرٰی تک، جیسا کہ بیری میں اسبیجابی سے ہے۔ت)

اس بیہودہ خیال کی بنا پر دوسری مسجد پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر بنانا جس سے پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہنچے خود ہی ممنوع تھا، ایک تو وہ خیال باطل، دوسرے جماعت میں تفریق کہ مسجد ضرار کے اغراض فاسدہ سے ایک غرض ہے۔**قال تعالٰی وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ**[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ت) یہاں تک کہ اس سے مقصود مسجد اوّل کا باطل و معطل کردینا ہے یہ سخت حرام اشد ظلم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا[4] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ تعالٰی کی مساجد سے اس کے نام کے ذکر کو روکتا ہے اور انھیں خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳۲: از موضع بیرا ڈاکخانہ سٹراگنج ضلع ڈھاکہ ملک بنگال مرسلہ مولوی خواجہ شمش الدین محمد فریدی ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار باب مطب فی احکام المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵۶

[3] القرآن، ۹/۱۰۷

[4] القرآن، ۲/ ۱۱۴

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطراف ضلع فرید پور ضلع کھون-ڈامیں قدیم سے ایک مسجد ہے جس میں اہل محلّہ پنجگانہ نماز جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں ان دنوں دنیاوی کسی لین دین کے جھگڑے میں بعض مصلی وغیر مصلی اس مسجد قدیم کے مقابل چار پانچ سو ہاتھ کے فاصلہ میں محض ضد و مخالف سے دوسری ایک مسجد بنائی ہے اور اس مسجد قدیم کے باقی مصلی صاحبوں کو یہاں سے بھگا کرلے جانے کی پوری کوشش کررہاہے تاکہ یہ مسجد ویران ہوجائے اور یہاں پڑھنے والے لوگ اچھی طرح سے ضبط ہوجائیں، مسجد قدیم میں امام ومتولی صاحب ودیگر مصلی صاحبان کبھی کسی کوپڑھنے سے مانع مزاحم نہ ہوا، اور نہ اس لین دین کے جھگڑے میں شامل ہے تاہم چند قدیمی مصلی صاحبوں کو بوجہ عداوت مخالفت یہاں سے بھگالے گیاہے، پس اس صورت میں مسجد جدید میں نماز جائز ہوگی یا حکم میں مسجد ضرار کے ہوگا؟ اگر شرعًا مسجد ضرار قرار پائے بوجہ مخالفت وعداوت وتفریق جماعت تواس مسجد کو کیا کرنا ہوگا؟ اگر شرعًا مسجد جدید ضرار ثابت ہوجائے توجن مولوی صاحبان نے جدید مسجد نماز عدمِ جواز ومسجدِ ضرار فرمایا تھاان عالمو کوگالی دینے وبراکہنے وعداوت رکھنے، حقیر جاننے والے پر شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر واقع میں ایساہی ہے کہ یہ لوگ یہ مسجد اللہ کے لئے نہیں بناتے محض ضد اور نفسانیت اور مسجد قدیم کی جماعت متفرق کرنے کے لیئے بناتے ہیں توضرور وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس حالت میں ان لوگوں کو جو اسے مسجد ضرار کہتے ہیں برا کہنا اور گالی دینا سخت حرام اور موجب عذاب شدید ہے اور اگر واقعی کسی جھگڑے کے سبب وہ مسجد قدیم میں نہیں آسکتے اور وہاں نماز پڑھنے میں صحیح اندیشہ اپنی آبرو وغیرہ کا رکھتے ہیں اس مجبوری سے اس میں آناترک کرکے اور اپنی جماعت کے لئے دوسری مسجد بوجہ اللہ بناتے ہیں تو وہ ہرگز مسجد ضرار نہیں ہوسکتی، جواسے ضرار کہتے ہیں برا کرتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۳۳: از موضع سیسی تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالرحمٰن پدھان ۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے گاؤں کی مسجد پُرانی خام تھی، وہ شکستہ بھی ہے، دوسرے آبادی کم ہوجانے سے ایک کنارے پر آبادی کے ہوگئی ہے جو بہت بے موقع ہے، اس لئے مسجد اندر آبادی جدید تعمیر کرانے کی خواہش ہے، اس واسطے مطابق حکم شرع شریف دوسری جگہ میں مسجد جدید تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں اگر ہوسکتی ہے تو کس طرح؟ خلاصہ حکم سے آگاہی بخشئے۔

الجواب:

مسجد بیچ آبادی میں تعمیر کریں ثواب عظیم پائیں گے، اور اُس پہلی مسجد کا بھی آباد رکھنا فرض ہے، اس کنارے والے پانچوں وقت اس میں نماز پڑھیں واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳۴ تا ۱۱۳۷: از شہر محلّہ گڑھیا موصولہ از شیخ ولایت حسین

ایک مسجد متصل کتب خانہ دو منزلہ پر واقع تھی دیوار زینہ مسجد پر اہل ہنود سے بحق ملکیت تنازعہ ہو کر کل مکانات مع جائے تنازعہ کے اہل اسلام صاحبان بریلی نے بحق مسجد وزیارت مع ایک قطعہ دیگر اراضی ہنود سے خرید لیا، مسجد نہایت چھوٹی ہونے کے سبب توسیع اُس کی ہونا تجویز کیا گیا، انجمن اسلامیہ بریلی نے تمام تعمیر وغیرہ کا انتظام اپنے ذمہ یعنی سپردگی میں لیا اور توسیع مسجد مذکورہ قطعہ اراضی دیگر تجویز کرکے کام تعمیر شروع کیا، مسجد کہنہ کو چھوڑ کر متصل اُس کے دوسری مسجد جدید تعمیر کی اور مسجد کہنہ کو ایسا منہدم کیا کہ نشان تک اُس کا باقی نہ رہا اور جائے مسجد کہنہ کو دیگر دکانات میں بغرض حصولِ زر شامل کرلیا جاتا ہے، سوالات ذیل برائے جواب پیش ہیں:

(۱) بجائے توسیع مسجد کہنہ کے دوسری جگہ جدید مسجد تعمیر ہونا کیا مسجد اول کا حکم بموجب شرع شریف رکھے گی؟

(۲) جگہ مسجد کہنہ منہدمہ کو دیگر تعمیر دنیوی میں شامل کرکے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جن اہل اسلام صاحبان سے یہ فعل مذکورہ بالا ظہور میں آیا حکماً یا عملاً مشیر، ان کے ہے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) بقیہ اہل اسلام کو فاعل مذکور بالا سے کیا عمل درآمد کرنا چاہئے؟

الجواب:

جبکہ اس مسجد جدید کو مسلمانوں نے مسجد کرلیا یہ بھی مسجد ہوگئی، مسجد اول کی اور اس کی دونوں کی حفاظت وآبادی فرض ہے، مسجد اول کو منہدم کرکے تعمیر دنیاوی تعمیر دینی میں ہی میں شامل کردینا حرام حرام سخت حرام ہے، جنھوں نے ایسا کیا ہو اور جو اس میں مشیر ہوں اور جو اسے جائز رکھیں سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہیں:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ [1]	اُن سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکیں اور اُن کی ویرانی میں کوشاں ہوانھیں تو مسجدوں میں قدم رکھنا روانہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

[1] القرآن ۲/۱۱۴ و ۱۱۵

فرض فرض قطعی فرض ہے کہ مسجد اول کو بھی بدستور مسجد رکھیں، اور اگر اُس کی دکانیں کرلی گئی ہوں فرضِ قطعی ہے کہ فوراً فوراً اُن دکانوں کو منہدم کرکے بدستور مسجد کا اعادہ کریں ورنہ عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے، جو نہ مانیں اور قرآن عظیم کی مخالفت پر اڑے رہیں مسلمانوں کو ان سے اجتناب لازم ہے، ان کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کبھی شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجد ویران کرکے اس کا دکانیں کرلے وہ لوگ اگر مخالف خدا سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کوشش کرکے مسجد منہدم کو پھر مسجد کرلیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۳۸: از چھاونی بنمچ توپ خانہ ٹین نزد مسجد حافظ محمد عبدالرؤف خاں پیش امام مسجد

مسجد بنانا فرض ہے یا واجب یا مستحب؟ اور برا ہے وہ پیسہ جو خرچ ہو گارے پتھر میں، اس واسطے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند آدمی حاضر ہوئے عرض کیا، یا امام! ہم ایک مسجد بنواتے ہیں کچھ آپ تبرکات عنایت فرمائے کہ برکت ہو، امام صاحب نے پہلے چہرہ سائلین کی طرف سے پھیر کر خراب منہ بنایا اور ایک درہم نکال کر دے دیا دوسرے روز وہ شخص آئے اور درہم واپس دے کر کہنے لگے کہ حضرت! لیجئے یہ درہم کھوٹا ہے اس کو بازار قبول نہیں کرتا۔ امام صاحب نے وہ درہم لے کر رکھ لیا اور فرمایا خوش ہو کر کہ: خراب ہے وہ پیسہ جو گارے پتھر میں خرچ ہووے۔

الجواب:

یہ شیطانی خیال ہیں اور سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو حکایت نقل کی وہ محض کذب، دروغ اور شیطانی گھڑت ہے۔ ہر شہر میں ایک مسجد جامع بنانا واجب ہے اور ہر محلّہ میں ایک مسجد بنانے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

امر رسول اللہ ببناء المساجد فی الدور و ان تنظف[2]	رسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر محلے میں مسجدیں بنوائی جائیں اور یہ کہ وہ ستھری رکھی جائیں۔

بنائے مسجد میں جو مال صرف ہوتا ہے وہ گارے پتھر میں صرف نہیں ہوتا بلکہ رضائے رب اکبر میں۔ اللہ عزوجل

---

[1] القرآن ۶/۶۸

[2] سنن ابوداؤد باب اتخاذ المساجد فی الدور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۶، سنن ابن ماجہ باب تطہیر المساجد وتطییبہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

فرماتا ہے: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ[1] محلوں میں مسجدیں بلند کرنے کا اللہ نے اذن دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی اللہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ زاد فی روایۃ من در و یاقوت[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے گا۔

مسئلہ ۱۱۳۹: از قطب پور ڈاکخانہ پیر گنج ضلع رنگ پور مسئولہ رحمت اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین کہ ایک مسجد قدیم کو از مال حلال تیار کیا گیا تھا اور وقف بھی کیا گیا اس وقت ایک سود خور کے سود کا مال اور حلال مال دونوں مخلوط ہوگئے، دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی کہ کون حرام کون حلال ہے مسجد قدیم کو تعمیر کیا یعنی گھر کو ٹین دیا در صحن مسجد کو اینٹ سے پختہ کیا اور مصلیوں کے وضو کے واسطے کنواں بنوادیا۔ اب عرض یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مذکور میں اُس مسجد میں نماز پڑھنا فقط جائز نہیں بلکہ اس کا آباد رکھنا فرض ہے اور سود کی مخلوط آدمی سے ٹین اور فرش اور کُنواں بنانے میں مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا بلکہ اس فرش پر نماز جائز ہے اور اس کنویں سے پینا اور وضو کرنا حلال۔ امام محمد فرماتے ہیں: بہ ناخذ مالم تعرف شیأ حراما بعینہ[3]۔ (اسی پر ہمارا عمل ہے جب تک ہم کسی شیئ کو حرام نہ جان لیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۰: از کیس اسٹریٹ صاحب بگانی مرسلہ حکیم سیّد محمد اسمٰعیل صاحب ۲۸ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضور کو ایک امر کی تکلیف دی جاتی ہے اور چونکہ یہ خدا کا کام ہے اور حضور ہم لوگوں کے آقا ہیں، حضور سے دریافت کرنا

---

[1] القرآن، ۲۴/ ۳۶

[2] الصحیح للمسلم کتاب المساجد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۰۱، کتاب الزہد ۲/ ۴۱۱، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب بناء المساجد مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ ظہیریۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

میرا فرض منصبی ہے، ایک مسجد بنانے کی خواہش صرف حضور سے اجازت اس امر کی لینی ہے، یہاں اکثر پرانی اینٹ ملتی ہے اور وہ اینٹ پاک عمدہ ملتی تو اس اینٹ سے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور کی جیسی رائے عالی ہو اس سے بہت جلد بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں، خداوند کریم حضور کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

الجواب:

جناب سید صاحب مکرم اکرمکم وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ! فقیر جبل پور آیا ہوا ہے، آپ کا عنایت نامہ بریلی سے یہاں آیا، ایسے سوالوں کا خیال ادب والے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، مولٰی تعالٰی توفیق وبرکات زاید دے، اینٹ اگرچہ پرانی استعمال شدہ ہے مگر جبکہ پاک ہے مسجد میں لگا سکتے ہیں جیسے زمین مسجد کہ اصل مسجد وہی ہے، پہلے کوئی مکان معبد کفار ہو اور اسے توڑ کر مسجد کیا جاتا ہے، مسجد اقدس مدینہ طیبہ کی زمین میں مشرکین کا قبرستان تھا ان کی قبریں کھدوا کر ان کی ہڈیوں وغیرہا کی نجاستوں سے صاف فرما کر حضورِ انور علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے اسے مسجد فرمایا۔ **و ھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۱: از ہلدوانی ضلع نینی تال مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مکان پختہ وقف کردیا، تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مکان گورنمنٹ نے اُٹھادیا، اس مکان کے بدلے دوسری جگہ زمین دے دی، جو زمین مکان کے عوض میں ملی تھی وہ چند شخص جمع ہو کرکے مبلغ پچاس روپے کو فروخت کردی گئی، آیا زمین کا بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب:

وہ زمین اگر مسلمان نے مسجد کردی تو اسے بیچنا جائز نہیں، اور اگر ہنوز ابھی مسجد نہ کی تھی اور وہ مناسب نہیں اسے بیچ کر دوسری مناسب جگہ مسجد بنانا چاہتے ہیں تو حرج نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴۲، ۱۱۴۳: از قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ مرسلہ حاجی شرف الدین عمر میاں متولی جامع مسجد ۲۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اس قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ میں ایک عیدگاہ قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے، اس کے نزدیک ریل کا احاطہ ہے، اب ریلوے کمپنی والے اس ریل کے احاطے کو بڑھانے کی غرض سے عیدگاہ کو گرا کر اور جاپر بنا دینا چاہتے ہیں، آیا یہ شرع شریف میں درست ہے یا نہیں؟ اگر مسلمانِ ڈبھوئی اس عیدگاہ کو نہ دیں تو ریاست کی جانب سے جبراً گرا دینے کا اندیشہ ہے اس حالت میں کیا کیا جائے؟

(۲) ریاست بڑودہ تعلقہ سنگھیڑا موضع ماکنی کے قریب جنگل میں ایک مسجد قدیم شاہی زمانے کی بنی ہوئی اس

وقت مسمار حالت میں ہے، اس مسجد میں چند قیمتی پتھر، محرابیں، کھمبے وغیرہ جو نقشی کام کئے ہوئے ہیں زمین پر گرے ہوئے ہیں، اس موضع کے ہنود وغیرہ جن کی حالت اچھی ہے اٹھا کرلے جاتے ہیں اور اس موضع کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں کہ اس مسجد کو پھر تعمیر کرسکیں، لہٰذا ان پتھروں کو لے جاکر کسی اور قصبہ کی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان ان پتھروں کو نہ لے جائیں گے تو ہنود لوگوں کا ان پتھروں کو اٹھا کرلے جانے کا اندیشہ ہے۔

الجواب:

(۱) محض اندیشہ کا لحاظ نہیں، واقعی جبر ہو تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر چھوڑ سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

صورتِ مستفسرہ واقعی ہے تو مسلمان ان پتھروں کو دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں کما بینہ فی ردالمحتار (جیسا کہ اسے ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴۴: از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سوائے معتکف اور مسافر کے مقیم یا اہل شہر کو مطلقاً مسجد میں سونا حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اگر بیرونی شہری نہ نیت اس کے کہ نماز صبح باجماعت ملے یا تہجد بھی نصیب ہو کیونکہ اگر گھر میں رہ کر نمازِ صبح باجماعت یا نماز تہجد نہیں ملتی ہے مسجد میں سوئے تو یہ سونا حرام ہے یا مکروہ یا تحریمی یا تنزیہی، نیز مسجد میں کھانا یا پینا سوائے معتکف اور مسافر کے شرعاً حرام ہے یا مباح؟ بظاہر ابن ماجہ[ف] کی کتاب الاطعمہ کی روایت سے اباحت معلوم ہوتی ہے:

عن عبداللہ بن حارث بن جزء قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بخبز و لحم وھو فی المسجد فاکل واکلنا معہ ثم	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے مرعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روٹی اور گوشت لایا گیا، اس وقت

ف: سائل نے ابن ماجہ کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے وہ دراصل دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، اصل عبارتیں یوں ہیں:

(۱) ص ۲۴۵: کنا ناکل علی عھد رسول اللہ علیہ وسلم فی المسجد الخبز واللحم۔

(۲) ص ۲۴۶: اکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعامًا فی المسجد قد شوی فمسحنا ایدینا بالحصباء ثم قمنا نصلی ولم نتوضأ۔ ابواب الاطعمہ میں دونوں حدیثیں انہی الفاظ کے ساتھ ملی ہیں ۱۲۔ **نذیر احمد**

قام فصلی وصلینا معه ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء [1] بینوا توجوا۔	آپ مسجد میں تشریف فرماتھے، آپ نے اسے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ گوشت روٹی کھائی، پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی، اور ہم نے سوائے اس کے کچھ نہ کیا کہ اپنے ہاتھ پتھروں کے ساتھ صاف کئے۔(ت) بیّنواتوجروا۔

الجواب:

مسجد[۱] میں معتکف کو سونا تو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور اس کے غیر کے لئے ہمارے علماء کے تین[۳] قول ہیں: اول یہ کہ مطلقًا صرف خلاف اولٰی ہے:

صححه فی الهندیة عن خزانة الفتاوی ومشی علیه فی جامع الاسبیجابی کما نقله ابن کمال باشا والکافی فی معراج الدرایة والیه یمیل کلام الدر فی الاعتکاف قلت وفیه حدیث ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	اس کی ہندیہ میں خزانۃ الفتاوٰی کے حوالے سے تصحیح کی ہے اور جامع الاسبیجابی نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ اسے ابن کمال باشا نے نقل کیا اور کافی نے معراج الدرایہ میں، اعتکاف میں در کا کلام بھی اسی طرف مائل ہے، میں کہتا ہوں اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔(ت)

دوم مسافر کو جائز ہے اس کے غیر کو منع،

وبه جزم فی الاشباه وعلیه مشی فی الدر قبیل باب الوتر۔	اسی پر اشباہ میں جزم ہے، در میں باب الوتر سے تھوڑا پہلے اسی کو اختیار کیا ہے۔(ت)

سوم معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں:

وبه جزم فی السراجیة وفی جامع الفتاوی ومنیة المفتی وغمزالعیون ومتن الوقایة وغیرها من المعتمدات۔	سراجیہ، جامع الفتاوٰی، منیۃ المفتی، غمزالعیون، متن الوقایہ اور دیگر کتب میں اسی پر جزم کی گیا ہے۔(ت)

اور یہ کراہتِ تحریم ہے،

لقوله یمنع منه وانما المنع عن المکروه	کیونکہ اس کا قول ہے: اس سے منع کیا گیا ہے اور

[1] سُنن ابنِ ماجہ ابواب الاطعمہ مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ص ۲۴۵و۲۴۶

تحریما واما کراهة التنزیه فتجامع الاباحة کمافی ردالمحتار وغیرہ۔	منع مکروہ تحریمی سے ہوتا ہے، کراہت تنزیہی تو اباحت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اقول: تحقیق امر یہ ہے کہ مرخص وحاظر جب جمع ہوں حاظر کو ترجیح ہوگی اور احکام تبدلِ زمان سے متبدل ہوتے ہیں ومن لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل (جو شخص اپنے زمانے کو لوگوں کے احوال سے اگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔ت) اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک ضابطہ کلیہ فرمایا ہے جس سے ان سب جزئیات کا حکم صاف ہو جاتا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لاردها الله علیك فان المساجد لم تبن لهٰذا[1]۔ رواه مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی شخص کو سنے کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز دریافت کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے کہے اللہ تیری گی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے:

اذا رأیتم من یتباع فی المسجد فقولوا لااربح الله تجارتک[2] رو الترمذی وصححه والحاکم عنه رضی الله تعالٰی عنه۔	جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیرے سودے میں فائدہ نہ دے۔اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے۔ کھانے پینے کو نہیں بنیں تو غیر معتکف کو اُن میں ان افعال کی اجازت نہیں اور بلا شبہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے عاری، مسجدیں چوپال ہو جائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی وکل مادی الی محظور محظور (ہر وہ شخص جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہو جاتی ہے۔ت) جو بخیالِ تہجّد یا جماعتِ صبح مسجد میں سونا چاہے تو اسے کیا مشکل ہے

[1] صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب النہی عن البیع فی المسجد مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۸

اعتکاف کی نیت کرلے کچھ حرج نہیں، کچھ تکلیف نہیں، ایک عبارت بڑھتی ہے۔ اور سونا بالاتفاق جائز ہوا جاتا ہے، منیۃ المفتی پھر غمز العیون اور سراجیہ پھر ہندیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

واذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیذکر اللہ تعالٰی بقدر مانوی اویصلی ثم یفعل ماشاء [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب ارادہ کرے کھانے پینے کا، تو اعتکاف کی نیت کرے، پھر مسجد میں داخل ہوجائے۔ پس اللہ تعالٰی کا ذکر نیت کے مطابق کرے یا نماز پڑھے، پھر وہاں جو چاہے کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسجد میں ایسا اکل وشُرب جس سے اس کی تلویث ہو مطلقًا ناجائز ہے اگرچہ معتکف ہو، ردالمحتار باب الاعتکاف میں ہے:

الظاھر ان مثل النوم الاکل والشرب اذا لم یشغل المسجدولم یلوثہ لان تنظیفہ واجب کما امر [2]۔	ظاہر یہی ہے کہ کھانا پینا جبکہ مسجد کو ملوث نہ کرے اور نہ مسجد کو مشغول رہے تو یہ سونے کی طرح ہے کیونکہ مسجد کی نظافت کا خیال نہایت ہی ضروری ہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

اسی طرح اتنا کثیر کھانا مسجد میں لانا کہ نماز کی جگہ گھیرے مطلقًا ممنوع ہے، اور جب ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو معتکف کو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور غیر معتکف میں وہی مباحث واختلاف عائد ہوں گے اور ہمیں ارشاد اقدس کا وہ ضابطہ کلیہ کافی ہے کہ ان المساجد لم تبن لھذا (مساجد اس خاطر نہیں بنائی جاتیں۔ت) اعتکاف نفل کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ طول مدت درکار، صرف نیت کافی ہے، جتنی دیر بھی ٹھرے بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے۔ت) تو اختلاف میں پڑنے کی کیا حاجت، وماکان اقرب الی الادب فھوالاحب فھوالاحب الاوجب نسأل اللہ حسن التوفیق (جوادب کے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ پسندیدہ اور واجب ہوتا ہے، اللہ تعالٰی سے حسنِ توفیق کا سوال ہے۔ت)

رہی حدیث ابن ماجہ، وہ ایک واقعہ عین ہے اور علماء بالاتفاق تصریح فرماتے ہیں کہ وقائع عین کے لئے عموم نہیں ہوتا ممکن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم اس وقت معتکف ہوں اور صحابی کو یہاں مسئلہ اکل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ کہ مامسّتہ النار (وہ چیز جسے آگ چھولے۔ت)

[1] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴۶

[2] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴۶

سے وضو نہیں، علاوہ بریں فعل و تقریر سے قول اور نہج سے خاطر ارجح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۵: از فیض آباد مسجد منوپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبد العلی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو لوگ عرس میں آئیں وہ مسجد ہی میں قیام کریں اور جائے نماز وغیرہ استعمال کریں، کھانا وہاں کھائیں، دنیا کی بات کریں، اشعار پڑھیں، جائز ہے؟

الجواب:

مسجد کو چوپال بنانا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۶: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب رضوی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

امام مسجد اور عوام مسلمین جن کے پاس رہنے سونے کو مکان ہیں وہ مسجد میں کسی وقت سو سکتے ہیں یا نہیں نیز ایسے مسلمان مسافر جو آج کل شہروں میں آیا جایا کرتے ہیں اور چندے لے کر گزارہ کرتے ہیں انھیں مسجدوں میں رکھنا اور وہ وہاں پر بطور گھروں کے رہیں، سوئیں، کھائیں پئیں، جائز ہے؟

الجواب:

صحیح و معتمد یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا، سونا سوا معتکف کے کسی کو جائز نہیں، مسافر یا حضری اگر چاہتا ہے تو اعتکاف کی نیت کیا دشوار ہے، اور اس کے لئے نہ روزہ شرط نہ کوئی مدت مقرر ہے، اعتکاف نفل ایک ساعت کا ہو سکتا ہے۔ مسجد کو گھر بنانا کسی کے لئے جائز نہیں، وہ لوگ بھی بہ نیت اعتکاف رہ سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۷: از بھوساول ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجد خاص میں یا صحن میں اگر واہیات لغویات اور گالی گلوچ ایک دوسرا آپس میں جمع خاص و عام کے روبرو کرے تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسے لوگ گنہگار ہیں اور شرعاً مستحقِ تعزیر، مگر تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اتنا کریں کہ انھیں مسجد سے باہر کر دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۸: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ مولوی بدیع الزمان صاحب بنگالی ۲۷ شوال ۱۳۳۸ھ

مسجد کا ایک امام جو شب و روز مسجد کے حجرہ میں رہتا ہے اور عملیات تعویز گنڈا وغیرہ آیاتِ قرآنی سے کرتا ہے اس کو بصورتِ قیام مسجد ایسا روزگار کرنا اور اس سے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عوضِ مالی پر تعویز دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع و شرا ناجائز ہے، اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور

فنائے مسجد کے لئے حکمِ مسجد، علمگیریہ میں ہے:

یبیع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراۃ والانجیل والفرقان و یاخذ علیھا المال ادفع الی الھدیۃ لایحل لہ ذلك كذا فی لکبرٰی [1]۔	ایک آدمی مسجد جامع میں تعویذ بیچتا ہے، اس تعویذ میں تورات، انجیل اور قرآن لکھتا ہے اور اس پر رقم لیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اس کا ہدیہ مجھے دے تو یہ جائز نہیں۔ الکبرٰی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قیم المسجد لا یجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حدالمسجد أوفی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز و الفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذافی محیط السرخسی [2]۔	مسجد کے منتظم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں یا رہائش گاہ بنائے کیونکہ جب مسجد دکان یا رہائش گاہ بن جائے تو اس کا احترام برقرار نہیں رہتا، اور یہ جائز نہیں۔ فنا مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم مسجد والا ہی ہوتا ہے۔ محیط سرخسی میں یونہی ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۹: یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ایک شخص کچہری میں ملازم ہے فرصت کے وقت دن ورات میں مسجد میں قیام کرکے سوتا ہے اور کھانا وغیرہ کھاتا ہے بہت عرصہ سے، اب منع کرنے پر جواب دیا کہ میں نیتِ اعتکاف کرلیتا ہوں کوئی حرج میرے قیام اور کھانے سونے میں نہیں ہے۔

الجواب:

اگر واقعی وہ ہر بار نیت اعتکاف کرتا اور کچھ دیر ذکر الٰہی کرکے کھاتا سوتا ہے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۰: از بریلی ۴ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عالم اور کوئی شخص مسجد میں سوئے اور مسند تکیہ مسجد میں اندر مسجد کے لگائے اور کھانا مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ کھائے اور اگالدان مسجد میں رکھے اور گھوڑے کی زین اور اور اسباب وغیرہ مسجد میں رکھے یہ سب شرع سے درست ہے نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الفصل الثانی فی الوقف فی المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۶۲

الجواب:

مسجد میں سونا۔ کھانا بحالتِ اعتکاف جائز ہے، اگر جماعت معتکف ہو تو مل کر کھا سکتے ہیں، بہر حال یہ لازم ہے کہ کوئی چیز، شوربا یا شیر وغیرہ کی چھینٹ مسجد مین نہ گرے، اور سوائے حالتِ اعتکاف مسجد میں سونا یا کھانا دونوں مکروہ ہیں خاص کر ایک جماعت کے ساتھ کہ مکروہ فعل کا اور لوگوں کو بھی اس میں مرتکب بناتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یکرہ النوم والاکل فیہ الغیر المعتکف[1]۔	مسجد میں سونا اور کھانا غیر معتکف کے لئے مکروہ ہے (ت)

مسند لگانا اگر براہ تکبّر ہے تو یہ خارج مسجد بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾[2]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ متکبرین کا۔ (ت)

اور اگر براہِ تکبر نہیں کسی دوسرے نے اس کے لئے رکھ دی یہ اس کی خاطر سے بدیں لحاظ کہ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرمائے ہیں:

لایابی الکرامۃ الاحمار[3]۔	عزت واحترام کا انکار کوئی گدھا ہی کر سکتا ہے (ت)

ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو بھی یہ مسجد میں نہ ہونا چاہئے کہ ادب مسجد کے خلاف ہے، ہاں ضعف یا درد کے سبب مجبور ہو تو معذور ہے، اگالدان اگر پیک کے لئے رکھا ہے تو غیر معتکف کو مسجد میں پان کھانا خود مکروہ ہے، اور اگر کھانسی ہے بلغم بار بار آتا ہے اس غرض کے لئے رکھا تو حرج نہیں۔ اور گھوڑے کا زین وغیرہ اسباب بھی بلاضرورت شرعیہ مسجد میں رکھنا نہ چاہئے، مسجد کو گھر کے مشابہ بھی کرنا نہ چاہئے۔ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان المساجد لم تبن لھذا[4] (مساجد ان چیزوں کی خاطر نہیں بنائی جاتی۔ت) خصوصًا اگر چیزیں رکھے جن سے نماز کی جگہ رکے تو سخت ناجائز وگناہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ[5]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے گھروں میں اللہ کا نام لینے سے روکے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۱/۵

[2] القرآن ۳۹/۶۰

[3] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث ۲۵۴۹۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵۵/۹

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۱۰/۱

[5] القرآن ۲/۱۱۴

باایں ہمہ یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ حقیقۃً عالمِ دین ہادیِ خلق سُنّی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اُس پر اعتراض اُس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام حرام اور باعث سخت محرومی اور بدنصیبی ہے، اول تو لاکھوں مسائل واحکام فرق نیت سے متبدل ہو جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انماالاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

علم نیّت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں، عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہو کر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگادیتے اور "کارِ پاکاں راقیاس از خودمگیر" کے، مورد بنتے ہیں، اسی مسئلہ میں دیکھئے شرعًا اعتکاف کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ کسی قدر مدت کی خصوصیت۔ ولہٰذا مستحب ہے کہ آدمی جب مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلے۔ جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب بھی پائے گا۔ علما اعتکاف ہی کی نیّت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اب اُن کو سونا، کھانا، پیک کے لئے اگالدان رکھنا روا ہوگا، اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو جاہل کو سُنی عالم پر اعتراض نہیں پہنچتا، رسول اللہؐ کی حدیث میں عالمِ بے علم کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمھیں روشنی و نفع پہنچائے، احمق وہ جو اس کے جلنے کے باعث اسے بجھادینا چاہے اس سے یہ خود ہی اندھیرے میں رہ جائے گا، علماء کو چاہیئے کہ اگرچہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ اس سے دو فتنے ہیں جو معتقد نہیں ان کا معترض ہو نا غیبت کی بلا میں پڑنا عالم کے فیض سے محروم رہنا، اور جو معتقد ہیں اُن کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا عالم فرقۂ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اُس کا فائدہ ہو مسند ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں اُن کا نفع ہے، حدیث میں ہے:

راس العقل بعدالایمان باللہ التوددالی الناس [2]۔	ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عقلمندی لوگوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ (ت)

دوسری حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں: **بشرواولاتنفروا** [3] ___ (محبت پھیلاؤ

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[2] شعب الایمان فصل طلاقۃ الوجہ وحسن البشر الخ حدیث ۸۰۶۱ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۲۵۵/۶

[3] صحیح البخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامراء علی البعوث الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۸۲/۲

نفرت نہ پھیلاؤ۔ت) احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتادے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۱: الہ آباد مسجد صدر مرسلہ حافظ عبدالمحمید صاحب فتحپوری ۱۶جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

اگر کوئی مسجد میں بآواز بلند درود و وظائف خواہ تلاوت کررہاہو اس سے علیحدہ ہوکر نماز پڑھنے میں بھی آواز کانوں میں پہنچتی ہے لوگ بھول جاتے ہیں خیال بہک جاتا ہے، ایسے موقع پر ذکر بالجہر تلاوت کرنے والے کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی آہستہ پڑھنے کو کہنا بالجہر سے منع کرنا، اگر نہ مانے تو کہاں تک ممانعت کرنا جائز ہے؟ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین؟

الجواب:

بیشک ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ نہی عن المنکر ہے اور کہاں تک کا جواب یہ کہ تاحد قدرت جس کا بیان اس ارشاد اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان[1]۔	جو تم میں کوئی ناجائز بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹادے بند کردے، اور اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا جانے، اور یہ سب میں کمتر درجہ ایمان کا ہے۔(ت)

اور جہاں لوگ اپنے کاموں مشغول ہوں اور قرآن عظیم کے استماع کے لئے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے، ایک تو وہی خللِ اندازیِ نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا، دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لئے پیش کرنا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القراٰن فلا یمکن استماع القراٰن فالاثم علی القارئ، وعلی ھذا الوقرأ علی	فتح میں خلاصہ سے ہے ایک آدمی فقہ لکھ رہاہے اور اس کے پاس دوسرا شخص قرآن کی تلاوت کررہاہے جبکہ قرآن کا سننا ممکن نہیں تو اب گناہ تلاوت کرنے والے پر ہے۔ اسی طرح اگر اُونچی

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۱

السطح والناس نیام یأثم اھ ای لانہ یکون سببا لاعراضھم عن استماعہ الانہ یوذیھم بایقاظھم[1]	جگہ پڑھتا ہے حالانکہ لوگ سوئے ہوئے تھے تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا اس لئے کہ یہ شخص ان کے قرآن سننے سے اعراض کا سبب بنایا اس وجہ سے کہ ان کی نیند میں خلل واقع ہوگا۔ (ت)

اسی میں غنیہ سے ہے:

| یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیھا کان ھوالمضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعًا للحرج[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم | تلاوت کرنے والے پر یہ احترام لازم ہے کہ وہ بازار میں اور ایسے مقامات پر نہ پڑھے جہاں لوگ مشغول ہوں، اگر وہ ایسے مقام پر پڑھتا ہے تو وہ قرآن کا احترام ختم کرنے والا ہے لہٰذا دفع حرج کے پیشِ نظر یہ پڑھنے والا گنہگار ہوگا، مشغول ہونے والے لوگ گنہگار نہ ہونگے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم |

مسئلہ ۱۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین اس مسئلہ میں کہ ایک یا زیادہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں یا بعد جماعت نماز پڑھنے آئے ہیں اور ایک یا کئی لوگ بآوازِ بلند قرآن یا وظیفہ یعنی کوئی قرآن کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ مسجد بھی گونج رہی ہے تو اس حالت میں کیا حکم ہونا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ آدمی کا خیال بدل جاتا ہے اور نماز بھول جاتا ہے۔

الجواب:

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ بآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے، مسجد میں جب اکیلا تھا اور بآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فورًا آہستہ ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۳: از ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ محلّہ توپ خانہ مرسلہ منشی حامد علی خان صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید اگر مسافرانہ طور پر کسی مقام پر وارد ہوا اور وہاں اس کا کوئی ایسا شخص شناسہ نہ ہو کہ جس کے

[1] ردالمحتار فصل فی القراءۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۳

[2] ردالمحتار فصل فی القراءۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۳

مکان میں قیام کرسکے اور بسبب پابندی نماز جماعت وضو وغیرہ کسی مسجد میں ٹھہر جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اس کا سلف سے ثبوت ہے یا نہیں، اور جو شخص زید کو بصورت مذکورہ جبراً مسجد سے نکالے اور کہے کہ یہ مسجد خالد کی ملک ہے اور میں چونکہ ملازمِ خالد ہوں لہٰذا مجھے حکم خالد ہے کہ بے اذن ہمارے کسی کو ہماری مسجد میں نہ رہنے دو اور اس پر بر سر پیکار ہو تو زید کا اخراج عن المسجد بصورت فتنہ وفساد جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کی ملک کی نسبت خالد جانب جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد مذکورہ میں اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے مسافر کو مسجد میں ٹھہرنا بیشک جائز ہے، خود مسجد اقدس میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ واسلم کے عہد اقدس میں حکم انور سے اصحابِ صفّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم قیام پذیر تھے مسجد سے بالجبر اس کا اخراج ظلم ہے **والظلمات یوم القیمۃ** (ظلم قیامت کے روز تاریکیاں ہوگا۔ت) ہاں نظر بحالاتِ زمانہ بعض مساجد میں اجنبی غیر معروف کا قیام نامناسب ووجہِ اندیشہ ہوتا ہے جیسے صدہا سال مسجد مدینہ طیبہ کے دروازے بعد عشا بند کردیتے ہیں اور سوا خدام کے سب لوگ باہر کردئے جاتے ہیں، اگر واقعی ایسی صورت تھی تو بزمی کہنا چاہئے تھا اور مسجد کو خالد کی ملک کہنا ظلم ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں۔ بہر حال اُس مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نہ وہ مسجد ضرار ہو سکتی ہے، یہ جہل محض ہے۔ پھر اگر یہ مسجد اموال وغیرہ سے محل احتیاط مذکور نہیں یا زید مشتبہ نہیں، تو اسے جبراً نکال دینے والے پر لازم ہے کہ اُس سے معافی چاہے کہ مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دینا بہت سخت ہے۔

من اذی مسلمًا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ[1]۔(الحدیث)	جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالٰی کو اذیت دی۔ (الحدیث۔ت)

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ طبرانی اوسط مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۹، کنز العمال حدیث ۴۳۷۰۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۰، مجمع الزوائد باب فیمن یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۱۷۹

زید کو چاہئے کہ اگر مسجد میں قیام کرے سونے اور کھانے سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کرکے کچھ ذکر الٰہی کرکے کھائے سوئے کہ مسجد میں کھانا سونا معتکف کو بلاخلاف جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۴: از شہر کمولا مسئولہ منیر الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور عدم جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مٹی کے تیل میں سخت بدبو ہے اور مسجد میں بدبو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اکل من ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملئکۃ تتاذی ممایتأذی منہ الانس[1]۔ رواہ الشیخان عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس شخص نے اس بدبودار پودے کو کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو بھی ہر اس شیئ سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر علّامہ سید شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ[2]۔	حدیث کے مطابق ہر اس شئ کا یہی حکم ہے جس کی بُو اچھی نہ خواہ وہ شئ کھائی جاتی ہو یانہ۔ (ت)

ہاں مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اس کی بدبو جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہوجائے گا بشرطیکہ اس لونڈر میں اسپرٹ وغیرہ کوئی ناپاک شئی نہ ہو ورنہ ناپاک تیل کا بھی مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے۔ دُرمختار میں ہے:

کرہ تحریما ادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسجد میں نجاست داخل کرنا مکروہ تحریمی ہے، للذا ناپاک تیل کے ساتھ وہاں چراغ جلانا درست نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب من اکل ثوما الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۰۹، صحیح البخاری کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۴۸۹

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

مسئلہ ۱۱۵۵: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں روغن مٹی کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام ہے مگر جبکہ اُس کی بو بالکل دور کردی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۶: از داناپور محلّہ سگونہ مسئولہ محمد حنیف خاں ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جس میں تین دروازے لگے ہیں، صبح کی نماز میں بوجہ سردی کے تینوں دربند کرکے اور چراغ جلاکر لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں اور نماز صبح اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں، ایک شخص کہتا ہے کہ چراغ جلاکر نماز نہ پڑھنا چاہئے منع ہے مگر کوئی ثبوت اس کا نہیں دیتا ہے اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسا کرنے میں شرعًا کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ اور کہاں تک اس کا کہنا صحیح ہے؟ مہربانی فرماکر جواب مع حوالہ کتبِ فقہ شریف عنایت ہو۔

الجواب:

وقت حاجت چراغ جلاکر نماز پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں،

وفیہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ وایقادہ القنادیل فی المسجد الشریف و استحسانہ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لما رأی المسجدین ھو قال نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا[1]۔	اس بارے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، مسجد نبوی میں قندیلوں کا جلانا اور نبی اکرم صلی اللہ عالٰی عنہ کا انھیں پسند کرنا ثابت ہے، اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دونوں مساجد کو روشن دیکھا تو کہا: اللہ تعالٰی عمر (رضی اللہ عنہ) کی قبر کو اسی طرح روشن کرے جیسے انھوں نے مساجد کو روشن کیا۔ (ت)

مگر نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند کرنا ضرور ممنوع وبدعت سیئہ ہے درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد الالخوف علی متاعہ بہ یفتی[2] اھ	مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے جب مسجد کا سامان چوری ہونے کا اندیشہ ہو،

[1] تاریخ الخلفاء فصل فی اولیاتِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ وما کرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

اقول: ھذا فی غیر وقت الصلٰوۃ لقول الشامی الا فی اوقات الصلٰوۃ [1] فکیف عند نفس قیام الصلٰوۃ ھذا مردود باجماع اھل الصلٰوۃ۔	فتوٰی بھی اسی پر ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** یہ وقت نماز کے علاوہ میں ہے، کیونکہ شامی نے کہا مگر اوقاتِ نماز میں دروازہ بند کرنا مکروہ ہے، تو نماز کی جماعت ہورہی ہو تو اس وقت منع کیوں نہ ہوگا! اور اس کے مردود ہونے پر تمام اہل نماز کا اجماع ہے۔(ت)

اس وقت چراغ روشن کرنا بھی اگر اسی کواڑ بند کرنے کی بناپر ہوا گر بند نہ کریں چراغ کی حاجت نہ ہو تو یہ چراغ بھی بے حاجت کہ وہ حاجت بروجہ باطل ہے اور اگر اتنے اندھیرے سے پڑھتے ہیں کہ کھلے کواڑوں میں بھی حاجت چراغ ہو تو یہ خلاف افضل ہے، مذہب حنفی میں نمازِ فجر جس قدر وقت روشن کرکے پڑھی جائے زیادہ اجر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۵۷: از شہر بریلی محلّہ گھیر جعفر خاں محمود علی خاں ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اندرونِ مسجد مرزائی یعنی ٹین کے دالان کے دروں میں بغرض زیبائش مسجد گملے درختاں پھول وغیرہ لٹکائے جانے کے لئے تیار کئے گئے ہین جن مین کہ کھاد وغیرہ پاک مٹی کی دی گئی ہے۔ اب چند حضرات کو اعتراض ہے کہ نئی بات مسجد میں نہیں ہونا چاہئے۔ ازرُوئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر نمازی نگاہ کے سامنے ہوں تو مکروہ ہیں اور زیادہ بلند ہوں تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۸: از منصور پور متصل ڈاکخانہ شیش گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد شاہ خان ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں، مسجد میں اکثر کاپیاں عربی کی ونقشجات وغیرہ چہار جانب دیواروں پر مسجد کی نصب کئے جاتے ہیں منجملہ اُن کے منبر کے قریب دیوار پر عربی مناجات ایسے موقع پر نصب یعنی چسپاں کئے جاتے ہیں کہ بروقت پڑھنے کے امام کے پسِ پشت یا اس سے کسی قدر اونچے یعنی قریب پس گردن عربی مناجات ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسی چیزوں کا دیوارِ قبلہ میں نصب کرنا نہ چاہئے جس سے لوگوں کا نماز میں دھیان بٹے اور اتنی نیچی ہونا کہ خطبہ میں امام کی پشت اس کی طرف ہو، یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ہاں اگر اس سے بلند رہے تو یہ حرج اس میں نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۸

مسئلہ ۱۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سیلمان اشرف صاحب بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلٰیحضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۳۳۲ھ

مسجد مین طلائی نقش ونگار جائز ہے یا نہیں؟ کیا نمازیوں کے پیشِ نظر گُل بوٹے چمکتے دمکتے مخل صلوٰۃ نہیں؟ کیا اس طرح کی زیبائش مسجد کی من جہت معبد ہونے کے شایان شان نہیں؟ محض مختصر جواب اس کا تحریر فرماکر فقیر کو ممنون فرمائیں، یہاں مسئلہ درپیش ہے کالج کی مسجد منقش ومطلا کی جارہی ہے۔ فقط

الجواب:

مساجد میں زینت ظاہری زمانہ سلف صالحین میں فضول وناپسند تھی کہ اُن کے قلوب تعظیم شعائراللہ سے مملو تھے وللہذا احدیث میں مباہاۃ فی المساجد کو اشراط ساعت سے شمار فرمایا، اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

لتزخرفُنّھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی[1]۔	تم مساجد کو اسی طرح مزیّن کروگے جس طرح یہود ونصارٰی نے مزیّن کیں۔ (ت)

تبدل زمان سے علماء نے تزیینِ مساجد کی اجازت فرمائی کہ اب تعظیم ظاہر مورث عظمت فی العیون ووقعت فی القلوب ہوتی ہے فکان کتحلیة المصحف فیه من تعظیمه (یہ ایسے ہی ہے جیسے تعظیم کی خاطر قرآن حکیم کو طلا کی صورت میں لکھا جائے۔ ت) مگر اب بھی دیوار قبلہ عموماً اور محراب کو خصوصاً شاغلاتِ قلوب سے بچانے کا حکم ہے بلکہ اولٰی یہ ہے کہ دیوار یمین وشمال بھی ملہیات سے خالی رہے کہ اُس کے پاس جو مصلّی ہو اُس کی نظر کو پریشان نہ کرے۔ ہاں گنبدوں، میناروں، سقف اور دیواروں کی سطح کہ مصلیوں کے پس پشت رہے گی ان میں مضائقہ نہیں اگرچہ سونے کے پانی سے نقش ونگار ہوں بشرطیکہ اپنے مال حلال سے ہوں، مسجد کا مال اُس میں صرف نہ کیا جائے، مگر جبکہ اصل بانیِ مسجد نے نقش ونگار کئے ہوں یا واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا مالِ مسجد کا فاضل بچا ہو، اور اگر صرف نہ کیا جائے تو ظالموں کے خورد بُرد میں جائے گا پھر جہاں جہاں نقش ونگار اپنے مال سے کرسکتا ہے اس میں بھی دقائق نقوش سے تکلف مکروہ ہے سادگی ومیانہ روی کا پہلو ملحوظ رہے۔ امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط منه کراھة زخرفة المساجد لاشتغال قلب المصلی بذلك اولصرف المال	اس سے مساجد کا مزیّن کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں نمازی کے دل مشغول یا مال کا

[1] الصحیح البخاری کتاب الصّلوٰۃ باب بنیان المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۴

فی غیر وجهه نعم اذاوقع ذلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیه من بیت المال فلا بأس به ولو اوصی بتشیید مسجد وتحمیره وتصفیره ونفذت وصیته لانه قد حدث الناس فتاوی بقدرمااحد ثوا وقد احدث الناس مؤ منهم وکافرهم تشیید بیوتهم و تزیینها ولو بنینا مساجدنا باللبن وجعلنا ها متطامنة بین الدورالشا هقة وربما کانت لاهل الذمة لکانت مستهانة[1]	غلط طور پر استعمال لازم آتا ہے، ہاں جب یہ تزیین مساجد کی تعظیم کی خاطر ہو اور بیت المال سے نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی شخص نے مسجد کو پختہ کرنے اور اسے سرخ وسفید کرنے کی وصیت کی تو اس کی وصیت نافذ ہوگی کیونکہ لوگوں میں فتوی اُن کے حال کے مطابق ہوتا ہے اب لوگ خواہ مومن ہیں یاکافر ہر کوئی اپنے گھر کو مزیّن کررہاہے، اب اگر ہم اپنی مساجد کو کچی اینٹوں سے بنائیں گے اور انھیں بلند عمارات کے درمیان چھوٹا بنائیں تو ان کی توہین ہوگی جبکہ یہ مکانات اہل الذمہ کے بھی ہوسکتے ہیں (ت)

درمختار میں ہے:

(ولا بأس بنقشه خلامحرابه) فانه یکره لانه یلهی المصلی ، ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها ، خصوصا فی جدارالقبلة قال الحلبی وفی حظر المجتبٰی وقیل یکره فی المحراب د ون السقف والمؤخر انتهی وظاهره ان المراد بالمحراب جدارالقبلة فلیحفظ (بجص وماء ذهب) لو(بماله)الحلال (لامن مال الوقت) فانه حرام (وضمن متولیه لو فعل) النقش اوالبیاض الا اذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به کافی، والا اذاکان لاحکام البناء اوالواقف	(مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے مین کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا نقش ونگار نمازی کو مشغول کردیتا ہے، البتہ بہت زیادہ نقش ونگار کے لئے تکلف کرنا خصوصًا دیوارِ قبلہ میں مکروہ ہے۔ حلبی اور مجتبٰی کے باب الخطر میں ہے کہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے چھت یا پچھلی دیوار کا منقش کرنا مکروہ نہیں اھ اور ظاہر یہی ہے کہ محراب سے مراد دیوارِ قبلہ ہے، پس اسے محفوظ کرلو (چونے اور سونے کے پانی سے) اگر (اپنے مال) حلال سے ہو (مال وقف سے نھیں) کیونکہ وہ حرام ہے (متولی نے اگر کیا تو وہ ضامن ہوگا) نقش یا سفیدی البتہ جب ظالموں سے مال وقف کو خطرہ ہو تو کوئی حرج نہیں ،کافی اور اس صورت میں

[1] ارشاد الساری بحوالہ ابن المنیر باب بنیان المسجد مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰

فعل مثله لقولهم انه یعمر الوقف کما کان وتمامه فی البحر[1]۔	جب یہ بنا کی پختگی کے لئے یا واقف نے خود ایسے کیا ہو کیونکہ فقہاء نے فرمایا کہ وقف کی مرمت حسب سابق کرنا ہے۔ اس کی تفصیل بحر میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

واراد وا من المسجد داخله فیفید ان تزیین خارجه مکروه[2] اھ رایتنی کتبت علیه مانصه، **اقول:** فی هذه الاستفادة نظر ظاهر، بل الظاهر منه جوازه بلاکراهة بالشروط الثلثة ان یکون بماله الحلال ولا یتکلف دقائق النقوش لان خارج المسجد لیس محل الهاء المصلی، وفیه تعظیمه فی العیون وزیادة وقعته فی القلوب و تغیب الناس فی حضوره تعمیره، و کل ذلك مطلوب محبوب، وانما الامور بمقاصدها، وانها لکل امرئ مانوی[3] والله تعالٰی اعلم	یہاں انھوں نے داخلِ مسجد مراد لیا ہے جو واضح کررہا ہے کہ باہر مسجد کی تزیین مکروہ ہے اھ میں نے اس پر جو لکھا وہ یہ ہے کہ اس استفادہ میں نظر ظاہر ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ؟ شروط ثلٰثہ کے ساتھ بلاکراہت جائز ہے یہ کہ اپنامال حلال کا ہو اور نقوش میں تکلّف نہ ہو کیونکہ خارج مسجد نمازی کو مشغول نہیں کرتا اس میں دیکھنے میں تعظیم اور دلوں میں وقعت کا اضافہ اور لوگوں کا حضور وآبادی میں شوق کا سبب ہے اور ان میں سے ہر شئی مطلوب محبوب ہے، اور امور کا اعتبار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے، ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۶۰: از فیض آباد مسجد مغلپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی موذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مسجد کے کنارے کسی بزرگ کی قبر ہو اور وہاں گانا مع آلات ڈھولکی وغیرہ ہو اور تماشائی لوگ اندر مسجد کے بلالحاظ پاکی اور ادب کے اور گاگر کے وقت ہجوم ہو لوگ اندر مسجد داخل ہوں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مزامیر کے ساتھ گانا اور اُس کا سننا دونوں حرام ہیں اور حرام فعل کا مسجد میں کرنا اور سخت، اور گاگر کا ہجوم اگر کسی

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۷

[3] جدالممتار علی ردالمحتار باب احکام المسجد المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/۳۱۵

منکر شرعی پر مشتمل نہیں، نہ یہ وقت نماز کا ہو جس سے نمازیوں پر تنگی ہو، نہ یہ لوگ مسجد کی بے حُرمتی کریں تو حرج نہیں، اور بے ثبوت شرعی مسلمانوں کو سمجھ لینا کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہوئے بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۱: از لال پور ضلع پیڑا بنگال مرسلہ مولوی ابوسعید محمد عارف مورخہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی مسجد میں کُرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنے کو بعض لوگ عدمِ سنت کہتے ہیں سنت ہونے کی دلیل چاہتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

واعظ کا کرسی پر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ نماز اور نمازیوں کا حرج نہ ہو، ایک آدھ بار حدیث سے یہ ثابت ہے مگر ایک آدھ بار سے فعل سنت نہیں بن جاتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۲: از چوہڑ کوٹ بارکھاں ملک بلوچستان ۲۱ محرم ۱۳۳۷ھ

مجموعہ فتاوی عبدالحہ صفحہ ۵۵ و مجموعہ فتاوی ہمایونی تصنیف مولٰینا مفتی عبدالغفور نے چارپائی والے مسئلہ مسجد میں جواز لکھا ہے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو آنحضرت اعتکاف کے موقع میں سریر پر سوئے تھے۔

الجواب:

حدیث قولی اور فعلی جب متعارض ہوں تو عمل حدیث قولی پر ہے **ان المسٰجد لم تبن لھذا**[1] (مساجد کی بنا ان چیزوں کے لئے نہیں۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ واسلم اونٹ پر سوار مسجد الحرام شریف میں داخل ہوئے اور یونہی کعبہ معظّمہ کا طواف فرمایا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ زخمی ہوئے خون ان کے زخموں سے جاری تھا اُن کے لئے مسجد اقدس میں خیمہ نصب فرمایا کہ قریب سے عیادت فرمائیں کہ سوا مسجد شریف کے کوئی مکان نشست کا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس نہ تھا۔ کیا ان احادیث سے استناد کرکے کوئی ایسی جراءت کرسکتا ہے؟ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۳، ۱۱۶۴: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ:

(۱) مسجد میں استعمالی جوتا رکھنا چاہئے یا نہیں؟ چونکہ زید نے ایک مولوی صاحب کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ جوتا مسجد کے اند رکھنا حرام ہے اس وجہ سے منع کیا تو جواب ہوا کہ ہر مسجد میں جوتا رکھتے دیکھتے ہیں اور

---

[1] سنن ابن ماجہ باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶، صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۱۰

کہتے ہیں کہ عیدگاہ اور جامع مسجد میں بھی دیکھا اور یہاں تک کہا کہ شرع کی کتابوں میں بھی دیکھا ہے تو جوتا خشک پاک ہے اور مسجد میں کوئی حرج نہیں آیا اس میں کیا حکم ہے؟

(۲) اگر غسل خانہ مسجد کے فرش سے جُدا ہے اور غسل خانہ اتنا تر رہتا ہے کہ پاؤں پر تری لگ جاتی ہے تو جوتا پہن کر جانا چاہئے یا ویسے ہی؟

الجواب:

(۱) اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ جوتا رکھنے کی ہو تو وہیں رکھے جائیں مسجد میں نہ رکھیں اور اگر باہر کوئی جگہ نہیں تو باہر جھاڑ کر تلے ملا کر ایسی جگہ رکھیں کہ نماز میں نہ اپنے سجدے کے سامنے ہو نہ دوسرے نمازی کے، نہ اپنے دہنے ہاتھ کو ہوں نہ دوسرے نمازی کے، نہ ان سے قطعِ صف ہو، اور ان سب پر قادر نہ ہوں تو سامنے رکھ کر رومان ڈال دیں۔

(۲) جوتا پہن کر جانا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۵: یکم ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر نمازی مسجد میں جوتا سامنے رکھتے ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ کہاں منع ہے؟ کس قول سے منع ہے؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احدکم اذا قام فی الصلٰوۃ فانما یناجی ربہ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ فلا یبزقن احدکم قبل قبلتہ، ولکن عن یسارہ او تحت قدمہ[1]۔ رواہ البخاری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ	تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وُہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور رب تعالٰی کو نمازی اپنے اور قبلہ کے درمیان پاتا ہے تو کوئی قبلہ کی جانب نہ تھوکے، البتہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک دے۔ اسے بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرمایا:

اذا قام احدکم الی الصلٰوۃ فلا یبصق	جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرے تو

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۸

امامه . فانما یناجی الله ما دام فی مصلاہ ولا عن یمینه فان عن یمینه ملکا ولیبصق عن یسارہ اوتحت قدمه فیدفنها[1]۔ رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔	سامنے نہ تھوکے کیونکہ جب تک وہ نماز میں ہے اپنے رب سے ہم کلام ہے، نہ ہی دائیں طرف تھوکے کیونکہ اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، البتہ بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لے اور اسے دفن کردے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور فرمایا:

اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیه عن یمینه ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون علی یسارہ احد ولیضعهما بین رجلیه[2]۔ رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم	جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو جوتے نہ دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف کیونکہ وہ کسی کی دائیں جانب ہوگی البتہ اس صورت میں جب بائیں جانب کوئی نہ ہو، اور انھیں اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶۶: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ امام مسجد جامع ۱۹رمضان ۱۳۳۸ھ

مسجد کے چاہ سے عموماً پانی بھرنا اپنے گھروں کو اور ننگے پیروں سے آنا، اور رسی سے بھی وہ خراب پیر لگتے ہیں پھر اس کی چھینٹیں کنویں میں ضرور جاتی ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ پہلے سے یونہی بھرتے آتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

کنویں کی ممانعت نہیں ہوسکتی رسی ڈول اگر مسجد کا ہے اس کی حفاظت کریں، غیر نماز کے لئے اُس سے نہ بھرنے دیں، دربارہ طہارت اوہام کو شریعت نے دخل نہیں دیا ورنہ عافیت تنگ ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسجد میں درخت پھلدار مثلاً جامن مولسری کھنی وغیرہ کے ہو اور پھل اس مقدار پر آیا جس کو فروخت کیا جائے، ایسی صورت میں وہ پھل نمازی یا غیر نمازی بلاکچھ قیمت ادا کئے ہوئے

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب دفن النخامۃ فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۹

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب المصلی اذاخلع نعلیہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۹

کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر یہ کہ مسجد میں درخت بیلہ۔ چنبیلی۔ مولسری کا ہے اس کے پھول نمازی لوگ بلا کوئی قیمت ادا کئے ہوئے گھر کو لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں بے ضرورت شدید درخت بونا منع ہے اور اس کے پھل پُھول بے قیمت نہیں لے سکتے۔ ہندیہ میں ہے:

اذاغرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد کذافی الظھیریہ[1]۔	جب کسی نے مسجد میں پودا لگایا تو وہ مسجد ہی کا ہوگا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی فتاوٰی اھل سمر قند مسجد فیہ شجرۃ تفاح یباح للقوم ان یفطر وا بھذا التفاح قال الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی المختار انہ لایباح کذافی الذخیرۃ[2] اھ **اقول:** وھذا تصحیح صریح من امام جلیل ولا شك انہ ھو قضیۃ الوقفیۃ فان الوقف کما لا یملك لا یباح فیقدم علی مافی صلح الخانیۃ قبیل فصل المھاباۃ۔ طریق غرس فیہ رجل شجرۃ الفرصاد قالو ا لاباس بہ اذاکان لا یضر بالطریق ویطیب للغارس ورقھا واکل فرصا دھا وان کانت الشجرۃ فی المسجد قال الفقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی	فتاوٰی اہل سمر قند میں ہے: ایک مسجد میں ناشپاتی کا درخت ہے لوگوں کا اسکی ناشپاتی کے ساتھ روزہ افطار کرنا مباح ہے، صدرالشہید کہتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ یہ جائز نہیں، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ ایک عظیم امام کی صراحۃً تصحیح ہے اور بلاشبہ یہ معاملہ وقف سے متعلق ہے اور وقف جس طرح کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اسی طرح وہ کسی کے لئے مباح نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ خانیہ میں مہابات کی فصل سے تھوڑا سا پہلے ہے اس پر اس قول کو تقدیم حاصل ہے کہ راستہ میں ایک شخص نے تُوت کا درخت لگادیا تو فقہاء نے فرمایا: جب وہ راستہ کے لئے ضرر رساں نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور درخت لگانے والے کے لئے اس کے پتّے اور پھل کا استعمال مباح ہوگا اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

لا باس باکل توتھا ولایجوز اخذ ورقھا[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	درخت مسجد میں ہے توفقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: اسے اپنے توت کا پھل کھانا جائز اور پتّوں کا لینا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶۸: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل الرحمان صاحب ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساجد میں معاملاتِ دنیا کی باتیں کرنے والوں پر کیاممانعت ہے اور بروزِ حشر کیا مواخذہ ہوگا؟

الجواب:

دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں جاکر بیٹھنا حرام ہے۔ اشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا: "مسجد میں دنیا کی کلام نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔" یہ مباح باتوں کا حکم ہے پھر اگر باتیں خود بری ہوئیں تو اس کا کیاذکر ہے، دونوں سخت حرام در حرام، موجب عذاب شدید ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۹: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش محرر دفتر ججی غازی پور ۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں شور وشر کرنااور دنیا کی باتیں کرنااور اسی طرح وضو میں درست ہے یا نہیں، اور اپنے پاس سے غیبت کرنے والوں اور تہمت رکھنے والوں اور جن میں شیوہ منافقت کامفسدہ کاانداز پایا جائے نکلوادینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں شور وشر کرنا حرام ہے، اور دنیوی بات کے لئے مسجد می بیٹھنا حرام، اور نماز کے لئے جاکر دنیوی تذکرہ مسجد میں مکروہ اور وضو میں بے ضرورت دنیوی کلام نہ چاہئے۔ اور غیبت کرنے والوں اور تہمت اٹھانے والوں منافقوں مفسدوں کو نکلوادینے پر قادر ہو تو نکلوادے جبکہ فتنہ نہ اُٹھے ورنہ خود اُن کے پاس سے اٹھ جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۰: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالبعلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد ویران شدہ یعنی چھت وغیرہ اُس کا گر گیا صرف دیواریں ودیگر آثار اُس کے سب نمودار ہیں اُس مسجد کے متعلق جو دُکان ہو اُس کا کرایہ دوسری مسجد پر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلح فیما یجوز لاحد الشریکین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۱

خرچ ہوسکتا ہے یانہ؟اوراس کرایہ میں سے دوسری مسجد کے پیش امام کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نہیں جائز، بلکہ اس کے کرایہ سے اُسی مسجد کی تعمیر کریں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۱: از مرادآباد محلّہ اصالت پورہ مسئولہ کارد علی صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحنِ مسجد میں کچھ قبریں آگئی ہیں اور ان قبروں میں فرش پختہ بنادیا گیا ہے اب کوئی نشان قبر کا صحنِ مسجد میں معلوم نہیں ہوتا البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فلاں فلاں کی قبریں ہیں لہٰذا یہ معلوم کرنا ہے کہ اس صحن مسجد میں کہ جہاں قبریں تھیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟اور جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں ہوگئیں یا نہیں؟ سوال کاجوب بحوالہ کتب احادیث ارقام فرمائیں۔

الجواب:

مسلمانوں کی قبریں ہموار کرکے صحن مسجد میں شامل کرلینا حرام ہوااور ان قبروں پر نماز حرام ہے اور ان کی طرف نماز حرام ہے، قبراوپر کے نشان کا نام نہیں کہ اس کے مٹنے سے قبر جاتی رہے بلکہ اس جگہ کا نام ہے جہاں میّت دفن ہے، جتنی نمازیں اس طرح پڑھی گئیں سب پھیری جائیں اور قبروں کے نشان بدستور بنادئے جائیں کہ مسلمان ان پر پاؤں رکھنے اور چلنے اور ان پر اور ان کی طرف نماز پڑھنے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۲: از شاہی علاقہ رام پور مرسلہ نادر شاہ خاں وانعام اللہ خاں ۶ جمادی الآخری ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جامع مسجد کے یمین ویسار قبرستان خام ہے نشانِ قبور موجود ہیں، قبرستان کو نئی مٹی سے یا پختہ چبوترہ باندھ کرفرش مسجد کابڑھالیاجائے ایسا کہ بلکل نشانِ قبر بالکل ظاہر نہ رہے تواس پر نمازپڑھنادرست ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز وحرام ہے مسلمان کی قبرپر پاؤں رکھنا بھی حرام، اور قبرپر نمازپڑھنی حرام، اور حرام تواس ناجائز فعل میں قبروں کی بھی بے عزتی ہےاور نماز کا بھی نقصان۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۳: منشی مردان علی از بجنور محلّہ قاضی خاں:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد بجنور جو محلّہ قاضیان میں واقع ہے اس کافرش موجودہ شرقاً وغرباً یعنی عرض میں بہت کم ہے کہ جو بعض جمعہ کو نمازیوں کے لئے کافی نہیں ہوتا للہذا اس کے فرش بڑھانے کی تدبیر درپیش ہے درصورت بڑھانے فرش کے کما نطقت بہ احادیث جمۃ وقد صرح علمائنا ان المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام کما فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرھما۔

ایک قبر پختہ جس کا حضیرہ زمین سے قریب بارہ گرہ کے اونچا بناہوا ہے بیچ فرش میں پڑ گئی، صاحبِ قبر کے انتقال کو قریب سو سال کے گزری ہوں گی

لہٰذا علمائے دین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس قبر کو کیا کیا جائے تاکہ نماز میں کچھ حرج نہ ہو، یا فرش کے برابر کردی جائے یا اونچی رہنے دی جائے؟ درصورت بحالت موجودہ رکھنے قبر کے، نماز میں کچھ حرج ہوگا یا نہیں؟ ورثائے صاحبِ قبر سوائے ایک شخص کے قبر کو برابر کرنے کے لئے راضی ہیں اگر برابر کرنا درست ہو تو یہ بھی مع حوالہ کتبِ فقہ تحریر کیا جائے کہ کتنے میعاد کے بعد برابر کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قبر مسلمان کو برابر کردینا کہ لوگ اس پر چلیں پھریں، اٹھیں بیٹھیں، نماز پڑھیں، محض حرام ہے۔

کما نطقت بہ احادیث جمۃ وقد صرح علمائنا ان المرور فی سکۃ حادثہ فی المقابر حرام [1] کما فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرھما۔	جیسے کہ اس پر تمام احادیث شاہد عادل ہیں اور ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قبرستان میں نئے بنائے گئے رستے پر چلنا حرام ہے، جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پھر اس برابر کرنے سے نماز کا بھی کچھ آرام نہیں بلکہ نقصان ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا حرام، اور قبر کی طرف بے حائل نماز پڑھنا بھی مسجد صغیر میں مطلقاً حرام اور کبیر میں اتنے فاصلے تک حرام کہ جب نماز خاشعین کی پڑھی اور قیام میں موضع سجود پر نظر جمائے تو قبر تک نگاہ پہنچے، اور عام مساجد صغیر ہیں، مسجد کبیر ایسی ہے جیسے جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، اوپر کا بلند نشان حقیقت قبر میں داخل نہیں تو اس کے برابر کردینے سے قبر قبر ہی رہے گی غیر قبر نہ ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصلٰوۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذلک [2]۔	قبر پر اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ؐ نے منع فرمایا ہے (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنۃ اللہ علی الیھود النصارٰی اتخذوا قبورا انبیاء ھم مساجد [3]۔ رواہ الشیخان وغیرھما عن ام المؤ منین الصدیقۃ	اللہ تعالٰی کی لعنت ہو یہود و نصارٰی پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اسے بخاری و مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صایقہ

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۲۲۹/۱

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز، مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر، ۶۶۷/۱

[3] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۶۲/۱، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۲۰۱/۱

وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبر کو فرش کے برابر کریں اور اگر فرش اونچا ہو کر آئے گا تو قبر جس قدر نیچی ہو رہنے دیں اور اس کے گرداگرد ایک ایک بالشت کے فاصلے سے ایک چار دیواری اٹھائیں کہ سطح قبر سے پاؤ گز یا زیادہ اونچی ہو، ان دیواروں پر پتھر ڈال دیں یا لکڑیاں چن کر پاٹ دیں کہ چھت ہوجائے۔ اب یہ ایک مکان ہوگیا جس کے اندر قبر ہے، اب اس کی چھت پر اور اسی کی دیوار کی طرف ہر طرح نماز جائز ہوگئی کہ یہ نماز قبر پر یا قبر کی طرف نہ رہی بلکہ ایک مکان کی چھت پر یا اس کی دیوار کی جانب ہوئی اور اس میں حرج نہیں۔ مسلک متقسط (ف) میں ہے:

ان کان بین القبر والمصلی حجاب فلا تکرہ الصلٰوۃ[1]۔	اگر قبر اور جائے نماز کے درمیان پردہ ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (ت)

خلاصہ وذخیرہ وغیرہما میں ہے:

ھذا اذا لم یکن بین المصلی وھذہ المواضع حائل کالحائط وان کان حائطًا لاتکرہ[2]۔	یہ اس وقت ہے جب جائے نماز اور ان مقامات کے درمیان پردہ مثلاً دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، اور اگر دیوار ہے تو کراہت نہیں۔ (ت)

اور بہتر یہ ہے کہ ان مختصر دیواروں میں جنوبًا شمالًا دیوار جانب قبلہ میں بھی باریک جالیاں رکھیں، اس سے دو (۲) فائدے ہوں گے: **اوّلًا** میت کی قبر تک ہواؤں کا آنا جانا کہ بحکم حدیث موجب نزول رحمت ہے۔ دوم جالیاں دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ قبر نہیں اور اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں اندیشہ نہ کرے گا ورنہ ناواقف اُسے بھی قبر جان کر احتراز کرے گا اور صحن مسجد کے اندر اتنی جگہ تین چار گرہ بلندی رہنے کو جاہل نادانوں کی طرح ناگوار نہ جانیں کہ اس میں میت واحیاء و مسجد و قبر کی بھلائی ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے) واللہ تعالٰی اعلم

ف: کتاب مذکور کے الفاظ یوں ہیں: بل لایکون بینہ وبینہ من جدارہ والا فلا تکرہ الصلٰوۃ۔ **نذیر احمد**

[1] مسلک متقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم الخ مطبوعہ دار لکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۶۰

مسئلہ ۱۱۷۴: از شہر الہ آباد زیر جامع مسجد چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبوساز ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید و تفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے، بعد گفتگو بسیار کے یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے تحریریں ہوجائیں اور رجسٹری کردی جائے، منتظمانِ مسجد لکھ دیں کہ ہم مدرسہ نہ اٹھائیں گے، جب تک مدرسہ تین شرائط پر قائم رہے گا۔ ایک یہ کہ سات آٹھ برس کے لڑکے نہ داخل ہوں، دوسرے مدرسہ میں تعلیم ہندی ناگری انگریزی غیر مذہب کی تعلیم نہ داخل ہو، مدرسہ مسجد کی کسی چیز پر قبضہ نہ کرے۔ مہتمم مدرسہ نے اس کو تسلیم کیا اور تحریر کردیا کہ ہم اس کے پابند رہیں گے، بکر کہتا ہے کہ یہ تحریر کرنا اور رجسٹری کرانا جائز نہیں ہے منتظمین کو شرعًا یہ حق حاصل نہیں کہ اس قسم کی تحریر کرائیں اور رجسٹری کرائیں۔ زید کہتا ہے کہ یہ سب جائز ہے جو کام مسجد میں جائز ہیں اس کی مزاحمت کسی کو جائز نہیں لہذا عدم مزاحمت کی توثیق کرانا شرعًا کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ کوئی متولی کسی نمازی سے کہہ دے یا لکھ دے کہ ہم تم کو نماز سے کبھی نہ روکیں گے جب تک تم کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ گے اور مسجد میں فساد کی بات نہ کروگے لہذا کس کا قول صحیح ہے زید کا یا بکر کا؟ بینوا توجروا

الجواب:

مسجد میں تعلیم بشرائط جائز ہے:

(۱) تعلیم دین ہو۔

(۲) معلم سنی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بددین کہ وہ تعلیم کفر وضلال کرے گا۔

(۳) معلم بلااُجرت تعلیم کرے کہ اجرت سے کار دنیا ہوجائے گی۔

(۴) ناسمجھ بچے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔

(۵) جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔

(۶) غل شور سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔

(۷) معلم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھے سے قطعِ صف نہ ہو۔

ان شرائط کا اگر وثیقہ لکھا جائے کیا مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے وہ تحریر کہ لکھانا چاہتے ہیں اس کی پہلی شرط ان میں کی چوتھی اور دوسری ان میں کی پہلی ہے اور تیسری کوئی خاص تعلیم کی نہیں مطلقًا ہے اس کا لکھا لینا بھی اچھا ہے گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو بضرورت معلم باجرت کو اجازت ہے مگر نہ مطلقًا، یونہی سلائی پر سینے والا درزی اگر حفاظت اور اس میں بچوں کو نہ آنے دینے کے لئے مسجد میں بیٹھے اور اپنا سیتا بھی رہے تو اجازت دی ہے یوں ہی غیر نماز کے وقت متعلمان علم دین کو تکرار علم میں رفع صوت کی حدیث میں فرمایا:

اپنی مساجد کو اپنے بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔ (ت)	جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم [1]۔

بحرالرائق میں ہے:

فقہاء نے فرمایا کہ مسجد میں کوئی عمل جائز نہیں یعنی مسجد میں کوئی کاروبار جائز نہیں کیونکہ وہ خالصۃ اللہ تعالٰی کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے تو اب وہ عبادت کے علاوہ کسی دوسری شے کا محل نہیں بن سکتی البتہ اس صورت میں مثلاً کوئی درزی وہاں اس لئے بیٹھ کر کام کرتا ہے کہ بچے داخل نہ ہوں اور مسجد کی حفاظت ہو، تو چونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ بھی کپڑے کو لپیٹتے وقت سخت آواز سے کپڑے کو نہ جھاڑے اسی طرح اگر وہاں کوئی لکھتا ہے اور اس کا معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر معاوضہ نہیں لیتا تو مکروہ نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ اس وقت ہے جب قرآن اور علم لکھ رہا ہو کیونکہ یہ عبادت ہے، لیکن یہ کتابت سکھانے والے لوگ جن کے پاس بچے اکٹھے ہوں اور شور ہوتا ہو وہ جائز نہیں اگرچہ عملاً شور نہ ہو کیونکہ یہ کاروبار ہے نہ کہ عبادت، کیونکہ وہ تو معاوضہ واجر کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالٰی کی رضا کے حصول کی خاطر، بلکہ یہ رزق کمانے کے لئے ہے، اور بچوں کو قرآن کی تعلم دینے والے کا حکم بھی کاتب کی طرح اگر معاوضہ کی خاطر ہے تو جائز نہیں اور اگر رضائے الٰہی کے لئے ہے تو کوئی حرج نہیں اھ (ت)	قالوا ولایجوز ان تعمل فیہ (ای فی المسجد) الصنائع لانہ مخلص للہ تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادۃ غیر انھم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیہ لمصلحتہ من دفع الصبیان و صیانۃ المسجد لاباس بہ للضرورۃ ولایدق الثوب عند طیہ دقا عنیفا والذی یکتب ان کان باجر یکرہ وانکان بغیر اجر لایکرہ قال فی فتح القدیر ھذا اذا کتب القران والعلم لانہ فی عبادۃ اماھو لاء المکتبون الذین یجتمع عند ھم الصبیان واللغط فلا ولولم یکن لغط لانھم فی صناعۃ لاعبادۃ اذھم یقصدون الاجارۃ لیس ھو للہ تعالٰی بل للارتزاق ومعم الصیان القرآن کا لکتاب ان کان لاجر لا وحسبۃ لاباس بہ [2] اھ

فتاوٰی خلاصہ میں قبیل کتاب الحیض ہے:

وہ استاد جو بچوں کو معاوضہ کے لئے پڑھاتا ہے اگر گرمی	المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس

[1] سنن ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۵۸/۸

[2] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر وغیرہ لایکرہ وفی نسخۃ القاضی الامام رحمہ اللہ وفی اقرار العیون جعل مسئلۃ المعلم کمسألۃ الکاتب والخیاط فان کان یعلم حسبۃ لاباس بہ وان کان باجریکرہ الا اذا وقع ضرورۃ[1]۔	وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو مکروہ نہیں، اور قاضی امام رحمہ اللہ کے نسخہ اور اقرار العیون میں مسئلہ معلم کو مسئلہ کاتب اور مسئلہ درزی کی طرح ہی قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ رضائے الٰہی کے لئے تعلیم دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز جب ضرورت ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اذا ضاق فللمصلی ازعاج القاعد ولم مشتغلا بقراءۃ او درس[2]۔	جب نمازی کے لئے جگہ تنگ ہو تو بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا سکتا ہے خواہ وہ تلاوت میں مصروف ہو یا تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول وکذا اذالم یضق ولکم من قعودہ قطع للصف[3]۔	میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا حکم ہے جس کے بیٹھنے کی وجہ سے صف منقطع ہو رہی ہو اگرچہ تنگی نہ ہو (ت)

درمختار مکروہات وممنوعات مسجد میں ہے:

ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ[4]۔	ذکر بلند آواز سے کرنا منع ہے مگر اس شخص کے لئے جو فقہ کی تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاان یشوش جھر ھم علی نائم اومصلی اوقارئ الخ[5]۔	البتہ اس صورت میں بھی جائز نہیں جب ذکر بالجہر سے کسی سونے والے کی نیند، کسی نمازی کی نماز یا تلاوت کرنے والے کی تلاوت میں خلل کا اندیشہ ہو۔ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی قبیل کتاب الحیض مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۲۹
[2] درمختار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴
[3] ردالمحتار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۰
[4] درمختار، قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳
[5] ردالمحتار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۸

مناقب کردری میں ہے:

عن ابن عیینة قال مررت بہ (ای بالامام رضی اللہ تعالٰی عنہ) وھو مع اصحابہ فی المسجد قد ارتفعت اصواتھم فقلت یا ابا حنیفة ھذا المسجد والصوت لایرفع فیہ فقال دعھم فانھم لایفقھون الابہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ابن عیینہ سے ہے کہ میں ان (امام رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس سے گزرا آپ شاگردوں کے ساتھ مسجد میں تھے لیکن ان کی آواز بلند تھی، میں نے کہا: اے ابو حنیفہ! یہ مسجد ہے اس میں آواز بلند نہیں ہونی چاہئے۔ فرمایا: ان کو چھوڑدو کیونکہ دینی علوم کو اس آواز کے بغیر حاصل نہیں کرسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷۵: سائل مذکور الصدر: ایک مسجد قدیم چندہ کے روپیہ سے از سرِ نو تعمیر کی گئی اس کی مغربی دیوار پر عبارت ذیل تین پتّھر میں کندہ کرکے ہر سہ محراب کے اوپر چسپاں کی گئی، عبارت یہ ہے: "یہ جامع مسجد مع دکانات جنوبی وشرقی وحمام شاہی عہد کے بنے ہوئے ایک عرصہ تک متولیوں کے اہتمام میں رہی، آخری متولی کی بے ایمانیوں سے حمام مسجد سے نکل گیا اور مسجد کی مغربی دیوار پر ایک شخص کا دو منزلہ مکان بن گیا، مغربی دیوار اور گنبد کی دیوار شق ہوگئی، مکاناتِ مسجد کی نسبت متولی مذکور نے اپنی خانگی جائداد ہونے کا دعوی کیا، بالآخر متولی بحکم کچہری تولیت سے خارج کردیا گیا اور مسجد دکانات کا انتظام کچہری کی طرف سے کمیٹی کو سپرد ہوا، اس کمیٹی نے حمام کو واپس لے کر جزوِ مسجد قرار دیا، اور اس وقت سے مسجد کی زینت وآبادی میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی، مسجد کی مغربی دیوار اور گنبد کی ڈاٹ شق ہوجانے سے مسجد کے گرجانے کا اندیشہ تھالہٰذا مسجد کی کل موجودہ عمارت بنیاد سے از سرِ نو کمیٹی کے زیرِ اہتمام تعمیر کی گئی تعمیر کاکام ۱۳۳۱ھ میں شروع ہوا ۱۳۳۶ھ میں ختم ہوا، تعمیر میں چالیس ہزار روپیہ خرچ ہوا، جس میں سے ایک ہزار نو سو دکانات کے کرایہ سے ملا باقی چندہ جمع کیا گیا، ضلع الہ آباد کے علاوہ دیگر اضلاع کے مسلمانوں اور والیان ملک نے بھی چندہ عطافرمایا، دکانات زیریں مسجد مع حمام وقف ہیں ان کی آمدنی اخراجات مسجد میں صرف ہوئی ہے، اللہ تعالٰی اس مسجد کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھے اور جملہ مسلمانان معاونین مسجد کو جزائے خیر عطا فرمائے، ناظرین ارکان کمیٹی وسیکریٹری ودیگر کارکنان کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔ سید امیر الدین احمد غفرلہ المخاطب بہ خان بہادر سیکریٹری

[1] المناقب للکردری الامام ابو حنیفہ واصحابہ قاسوا علی السنة مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲/ ۷۳

کمیٹی انتظام جامع مسجد چوک الہ آباد ساکن دائرہ شاہ رفیع الزمان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ واقع محلّہ یحیٰی پور شہر الہ آباد"
زید کہتا ہے کہ بچند وجوہ یہ عبارت چسپاں کرانا مغربی دیوار پر درست نہیں ہے، **اوّل** یہ کہ در مختار میں لکھا ہے کہ مغربی دیوار پر نقش کرنا درست نہیں ہے،

وھو ھذا (ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فانه یکرہ لانه یلھی المصلی ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا خصوصاً فی جدار القبلة قاله الحلبی وفی حظر المجتبٰی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر اھ وظاھرہ ان المراد بالمحراب جدار القبله فلیحفظ[1]۔	اور وہ یہ ہے (مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے وہ نمازی کو مشغول کردیتا ہے اور باریک نقش ونگار کے لئے تکلف کرنا خصوصًا دیوار قبلہ میں مکروہ ہے حلبی نے کہا کہ المجتبٰی کے باب الحظر میں ہے کہ بعض کے نزدیک محراب میں نقش ونگار مکروہ، مگر چھت یا پچھلی دیوار پر مکروہ نہیں۔ اور اس سے ظاہر ہورہا ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی دیوار ہے، اسے محفوظ کرلو۔ (ت)

اور یہاں نحوھا کا لفظ بھی ہے کہ جو ہر ایک ایسی چیز کو شامل ہے کہ جس سے دل بٹنے کا اندیشہ ہو۔
دوم یہ کہ اس میں متولی سابق کی خیانت لکھی ہے جن کو اس لقب سے یہاں ہر شخص جانتا ہے وہ اپنے کردار کو پہنچ بھی چکے اور کچہری نے بھی ان کو تولیت سے علیحدہ کردیا لیکن وہ جب دنیا سے رحلت فرمائیں گے تو ان کی برائی ہمیشہ کے لئے کندہ رہے گی اور لوگ برائی سے ان کو یاد کریں گے، اور حدیث شریف میں منع ہے
سوم یہ کہ ایسے موقع پر کسی کا نام ہونا شہرت اور ریا سے خالی نہیں اور یہ غیر مستحسن ہے جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

وعن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه واسلم من بنی للہ مسجدا ای معبدا فیتناول معبد الکفرۃ فیکون للہ لاخراج ما بنی معبدالغیر اللہ قاله ابن الملك والاظھر ان یکون المسجد علی	حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لئے مسجد (عبادت گاہ) بنائی، یہ کافروں کے عبادت خانے کو بھی شامل ہے۔ اب "اللہ کی خاطر" سے وہ عبادت گاہ خارج ہوجائے گی جو

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹

بأبه ویکون لله لا خراج ما بنی للریا والسمعة ولذاقیل من کتب اسمه علی بنا ئه دل ذلك منه علی عدم اخلاصه قال ابن حجر وھو ظاھر مالم یقصد بکتابة اسمه نحو الدعاوالترحم وفیه ان الدعاء والترحم یحصل مجملاومبھما فلا یحتاج الی تعیین الاسم[1]۔	غیر اللہ کی خاطر ہو۔ یہ ابن الملک کا قول ہے۔ اور اظہر یہی ہے کہ مسجد کا یہی حکم ہے اب "اللہ کی خاطر" سے وہ مسجد نکل جائے گی جو ریا اور دکھاوے کی خاطر ہو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے مسجد پر اپنا نام لکھا تو یہ عدم اخلاص پر دلیل ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں یہی ظاہر ہے جب تک نام لکھنے سے مقصود دعا ورحمت نہ ہو اس پر اعتراض یہ ہے کہ دعا ورحمت مجملاً ہو جاتی ہے لہذا نام کی تعیین کی ضرورت نہیں۔ (ت)

چہارم یہ کہ ایک خاص ایسے شخص کے نام ہونے سے اس کا اور اس کے خاندان کا ایک قسم کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور آئندہ یہ مسجد کی آمدنی کے حق میں نہایت مضر ہوگا جیسا کہ تمام اوقاف میں ہو رہا ہے بہر حال اگر اس میں کوئی اختلاف بھی کرے تو اختلافی بات مسجد میں رہنا اچھا نہیں، احتیاط کا یہی منشا ہے کہ یہ پتھر نہ رہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ پتھر چسپاں کرنا درست ہے بہت مساجد میں ایسے کتبے لگے ہوئے ہیں اور نماز میں وہاں نظر لے جانے کی ضرورت کیا ہے اور نام کندہ کرانا دعا کے واسطے ہے اور اس خیال سے کہ کسی منتظم ذمہ دار کے نام ہونے کی ضرورت ہے، بہر حال زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس سوال کا جواب رمضان ۱۳۳۷ھ میں دیا جاچکا ہے اس کی نقل مرسل ہے وہی جواب ہے اس میں دیوار قبلہ پر نام کا سوال زائد ہے، بیشک دیوار قبلہ میں عام مصلیوں کے موضع نظر تک کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جس سے دل بٹے اور ہو تو کپڑے سے چھپا دی جائے۔ احمد وابوداؤد عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دعاہ بعد دخوله الکعبة فقال انی کنت رأیت قرنی الکبش حین دخلت البیت فنسیت ان آمرك ان تخمرھا فخمرھما فانه لاینبغی ان یکون فی قبلة البیت شیئ	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دخول کعبہ کے بعد انھیں بلایا اور فرمایا جب میں بیت اللہ میں داخل ہو تو میں نے دنبے کے دو ۲ سینگ دیکھے مجھے تجھ سے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ انھیں ڈھانپ دو، کیونکہ قبلہ بیت اللہ میں ایسی کسی

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۹۳

یلھی المصلی [1]۔	شیئ کا ہونا مناسب نہیں جو نمازی کو مشغول کردے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ معظّمہ میں تشریف فرماہوئے عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلید بردار کعبہ کو طلب فرماکر ارشاد فرمایا: ہم نے کعبہ میں دنبے کے سینگ ملاحظہ فرمائے تھے (دنبہ کہ سیدنا سمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کا فدیہ ہوااس کے سینگ کعبہ معظّمہ کی دیوار غربی میں لگے ہوئے تھے) ہمیں تم سے یہ فرمانا یاد نہ رہاکہ ان کو ڈھانک دواب ڈھانکو کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز ایسی نہ چاہئے جس سے دل بٹے۔ہاں اگراتنی بلندی پر ہو کہ سر اٹھا کر دیکھنے سے نظر آئے تو یہ نمازی کا قصور ہے، اسے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوۃ اولتخطفن ابصارھم [2] ۔ رواہ احمد و مسلم والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یاتواس سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائیگی یعنی واپس نہ آئے گی اندھے ہوجائیں گے۔ اسے امام احمد مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

نام کندہ کرانانیت پر ہے، اگر بہ نیت دعا ہے بے شبہہ رواہے اور مبہم دعا کافی ہونا بالتعیین دعا چاہنے کا نافی نہیں، اور اگر مقصود نام بیشک حرام ہے، مگر مسلمان پر بدگمانی کس نے جائز کی، یہ امر قلب ہے وہ جانے اور اس کا رب۔ پہلی جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ میں بھی اس کا جواب جاچکا تھا یہی حکم تھا، وہ مجمل ہے یہ قدرے مفصل۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷۶: از شہر دفتر انجمن خادم المسلمین مسئولہ گوہر علی حسینی معتمد انجمن ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ سقف مساجد پر بخیال شوکت اسلام اسلامی سیاہ جھنڈا یعنی لوائے اسلام نصب کرنا جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

شوکت اسلام اطاعت اسلام میں ہے، مسجد پر جھنڈا ایک نئی بات ہے، اور کوئی مزاحمت ہو تو سبکی و خفت، اور اس کا اندیشہ نہ ہو تو فی نفسہٖ کوئی حرج نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

[1] مسند امام احمد بن حنبل مروی از امراۃ ام عثمان بن طلحہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۳۸۰

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب النہی عن رفع البصر الی السماء الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱

مسئلہ ۱۱۷۷: از بھیرہ شاہ پور ملک پنجاب دروازہ ملتانی مسئولہ فضل حق صاحب چشتی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب سلطان العلماء المتبحرین برہان الفضلاء والمتصدرین کنز الہدایۃ والیقین شیخ الاسلام والمسلمین مولٰینا مفتی العلامہ شاہ احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مرزائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسجد میں راگ منع ہیں اور حتی الامکان منع ہیں، چونکہ مولود بھی راگ ہیں اس لئے یہ قطعًا جائز ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مجلس میلاد مبارک کہ روایات صحیحہ سے ہو اور اشعار کہ پڑھے جائیں مطابق شرع مطہر ہوں اور الحان سے پڑھنے والے مرد غیر امرد ہوں، مسجد میں بھی جائز ہے کہ مساجد ذکر الٰہی کے لئے بنیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بھی ذکر الٰہی ہے، حدیث میں ہے رب عزوجل نے کریمہ ورفعنا لک ذکرک کے نزول کے بعد کہ ہم نے بلند کیا تمھارے لئے تمھارا ذکر، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیج کر ارشاد فرمایا: **اتدری کیف رفعت لك ذکرک**[1] جانتے ہو میں نے تمھارا ذکر تمھارے لئے کیونکر بلند فرمایا؟ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی: تو خوب جانتا ہے۔ فرمایا: **جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی**[2] میں تمھیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جو نے تمھارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ قادیانی مرتدین ہیں ان کی بات پر کان لگانا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۸: مسجد میں مسائل کا بطور وعظ کے قبل نماز کے کوئی نفل پڑھتا ہو کوئی سنتیں بیان کرنا چاہئے یا نہیں، یا بعد نماز کے؟

الجواب:

مسائل قبل نماز خواہ بعد نماز، ایسے وقت بیان کئے جائے کہ لوگ سننے کے لئے فارغ ہو، نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] کتاب الشفاء لا باب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیۃ ترکی ۱/۱۵، تفسیر در منثور آیۃ ورفعنا لک ذکرک کے تحت مذکور ہے منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۶/ ۳۶۴

[2] کتاب الشفاء الباب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیہ فی البلاد العثمانہ ترکی ۱/۱۵

مسئلہ ۱۱۷۹: از جاورہ مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب یکم رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں اگر نماز کے واسطے صفیں باندھ کر منتظر جماعت یا خطبہ بیٹھے ہوں اور مشغول ذکر الٰہی ہوں اس صورت میں کسی حاکم یا مشائخ یا رئیس یا بادشاہ یا خود امام مسجد کے آجانے پر کسی شخص کو یا عام لوگوں کو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا یا استقبال کو بڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ لوگ جماعت یا خطبہ کے انتظار میں نہ ہوں اور ابھی امام خطبہ کے ہئے نہیں گیا تو باپ یا پیر یا استاذ علم دین کے لئے ہر شخص قیام کرسکتا ہے، اور اگر عالم دین کا تشریف لانا ہو تو تمام مسجد قیام کرے، ان کی تعظیم بعینہٖ اللہ ورسول کی تعظیم ہے جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، باقی صرف دینوی عزت یا توانگر رکھنے والے کے لئے بلاضرورت و مجبور جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸۰: غرہ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مقام پر بہت قبریں ہوں اس مقام کو پاٹ کر اس پر مسجد بنائی جائے اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ قبرستان عامہ مسلمین کے خاص موضع قبور پر مٹی ڈال کر چبوترہ بنایا اور اس پر عمارت قائم کرکے اسے مسجد ٹھہرایا یہ قطعًا ناجائز و باطل ہے، نہ وہ مسجد مسجد ہوسکتی ہے **فان الوقف لایملك فلا یوقف مرۃ اخری علی جھۃ اخری** (کیونکہ وقف کسی کی ملکیت نہیں رہتا لہٰذا دوبارہ کسی دوسرے پر وقف نہیں کیا جاسکتا۔ت) نہ اس میں نماز مباح **لان القبر لا یخرج عن القبریۃ باضافۃ تراب علیہ فھی صلٰوۃ علی القبر ثم ھو تصرف فی الوقف بما لیس لہ و تغییر لہ عما قد کان لہ فلا یجوز** (کیونکہ قبر پر مٹی زیادہ ڈالنے سے قبر، قبریت سے خارج نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ نماز قبر پر ہوگی پھر یہ وقف میں ایسا تصرف و تبدیلی ہے جو اس کے لئے جائز نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸۱تا۱۱۸۴: از میرٹھ علاقہ جودھپور متصل مسجد جامع چوٹھ کی گلی مرسلہ مولوی عبدالرحمان صاحب وکیل کچامن ۸ ذی الحجہ یوم چہار شنبہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرۃ ذیل کے جوابات میں:

(۱) ہمارے ادھر ایک قوم ہے جس کا پیشہ شراب کشید کرنے کا ہے اور مذہبًا مسلمان ہے اس قوم میں کچھ آدمیوں نے دوچار پشت سے شراب کی کشید موقف کردی ہے اور دوسرے پیشے مثلًا پیشہ بساطی

اور معماری وغیرہ وغیرہ جن سے اکل حلال میسر ہوسکتا ہے اختیار کرلئے ہیں ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں ہم لوگوں کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا قوم کے بعض مسلمان ابھی تک شراب کشید کرتے ہیں مگر وہ نماز اور روزہ کے پابند ہیں، یہ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اسی میں وضو بناتے ہیں مگر مسجد میں جب داخل ہوتے ہیں اس وقت شراب سے بدن کو ملوث نہیں رکھتے بلکہ کپڑوں سے اور بدن کی طہارت سے داخل ہوتے ہیں اس صورت میں ان کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور وضو کرنے دیں یا منع کیا جائے اور جماعت مین شریک کریں یانہ کریں؟

(۳) وہ مسلمان جنھوں نے شراب ترک کردی ہے ان کے یہاں کی دعوت قبول کی جائے یا نہیں اور ان کی بنا کردہ مسجد میں امامت کرنے والے کے حق میں شریعت سے کیا حکم ہے؟

(۴) قوال یعنی بڑھ مچھے اور طوائف بڑھیا کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مسجد کہ ان لوگوں نے بعد توبہ مال حلال سے بنائی ہے بیشک مسجد شرعی ہے اور اس میں نماز فقط ہوسکتی ہی نہیں بلکہ اس کے قرب وجوار والوں اہل محلّہ پر اس کا آباد رکھنا واجب ہے، اس میں اذان واقامت وجماعت وامامت کرنا ضرور ہے اگر ایسانہ کریں گے گنہگار ہوں گے، اور جو اس میں نماز سے روکے گا وہ ان سخت ظالموں میں داخل ہوگا جن کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ[1]	اس سے بڑھ کر کون ظالم جو اللہ کی مسجدوں سے روکے ان میں خدا کا ذکر ہونے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اور ان تائبوں کی دعوت بھی قبول کی جائے کہ اب اس کا مال بھی حلال ہے اور توبہ سے گناہ بھی زائل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له[2]۔ رواہ ابن ماجة بسند حسن والبیہقی	جس نے گناہ سے توبہ کرلی وہ ایسے ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ اسے ابن ماجہ نے بسند حسن، بیہقی نے سنن

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳، السنن الکبرٰی کتاب الشہادات باب شہادت القاذف مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۵۴

فی السنن والطبرانی فی لکبیرعن عبداللّٰہ بن مسعود والحکیم الترمذی عن ابی سعید الخدری والبیہقی فی الشعب والسنن وابن عساکر عن ابن عباس وفی السنن عن عقبۃ الخولانی والاستاذ القشیری فی رسالتہ والدیلمی وابن النجار عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم	میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی علیہ سے، حکیم ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی علیہ سے، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور سنن میں عقبہ خولانی سے، اور استاد القشیری نے اپنے رسالہ میں، اور دیلمی اور ابن نجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور ان میں جو لوگ اب تک اس فسق عظیم میں مبتلا ہیں اگرچہ مستحق لعنت خدا ہیں مگر جبکہ پاک بدن پاک کپڑوں سے مسجد میں آتے ہیں تو انھیں وضو و مسجد و جماعت سے نہیں روک سکتے، اگر ان کے آنے سے فتنہ نہ ہو، یونہی قوال کو بھی، اور عورتیں اگرچہ پارسا اور بڑھیا ہوں مسجد سے ممنوع ہیں خصوصاً ناپیشہ فاحشات کہ ان کے باہمی وہ رسوم سنے گئے ہیں جن کا بعد ایمان قائم رہنا سخت دشوار ہے، قوال وغیرہ جو مسلمان مرے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاتا ہو چند صور استثنائی مذکورہ فقہیہ کے سوا سب جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت برا کان او فاجر و ان ھو عمل الکبائر [1]۔ رواہ ابوداؤد و ابو یعلٰی والبیہقی بسند حسن صحیح عن ابی ھریرۃ ومعناہ لابن ماجۃ عن واثلۃ بن الاسقع وللطبرانی فی الکبیری وابی نعیم فی الحیلۃ عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے وہ نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد، ابویعلی اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور معنًا اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین سے روایت کیا ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸۵: از بریلی مسئولہ شیخ العزیز بسطامی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزمع ائمہ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳، سنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ خلف من لایحمد فعلہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۱۱۲ و ۸/۱۸۵

بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں، پس یہ جائز ہے یا نہیں ؟**بینوا توا جروا**

الجواب:

جب دریاں سپرد کردیں ملک مسجد ہو گئیں، جب تک ناقابل استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

باب ادراک الفریضۃ

(نماز فرض کو پانے کا بیان)

مسئلہ ۱۱۸۶: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیندار و مفتیان ورع شعار دریں مسئلہ کہ مردے نیت چہار رکعت نماز سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت نماز باتمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخاست دراں وقت کسے تکبیر نماز فرض گفت اداکندہ نفل وسنت بر چہار رکعت تمام نماید یا بردو رکعت اکتفا ساز دو رکعت باقیہ رانجواند یانہ؟ **بینوا توجروا**	علماء شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چار رکعت نماز سنت یا نفل کی نیت کرکے شروع کی ابھی دوسری رکعت کی طرف اٹھا تھا کہ نماز فرض کی جماعت کے لئے تکبیر ہوگئی نفل وسنت ادا کرنے والا چار رکعت پوری کرے یا دو پر اکتفاء کرلے باقی دو رکعات ادا کرے یانہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مصلی نفل از آغاز ثنا تا انجام تشہد درہر چہ کہ باشد چوں ہنوز در شفع اول ست وبہر شفع دوم یعنی رکعت ثالثہ قیام نکردہ کہ جماعت فرض قائم شد لاجرم بر ہمیں دو رکعات پیشیں اکتفا نماید وبجماعت درآید	نفل ادا کرنے والا نمازی ثنا سے تشہد کے آخر تک جو پہلی دو رکعت میں ہے ابھی تیسری رکعت کی طرف اس نے قیام نہیں کیا تھا کہ جماعت فرض کھڑی ہوگئی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ انھیں دو رکعات پر اکتفا کرے

فی الدرالمختار الشارع فی نفل لایقطع مطلقا ویتمہ رکعتین [1]۔ و دو رکعت کہ باقی ماند قضائے آنہا برذمہ اش نیست زیرا کہ ہر شفع نفل نماز جداگانہ است تا در شفع دوم آغاز تکرد واجب نشد وچوں واجب نشد قضا نیامد۔

فی الدرالمختار لاقضاء لونوی اربعا و قعد قدرالتشہد ثم نقض [2]۔ وہمیں سب حکم سنن غیر راتبہ مانند چار رکعت قبلیہ عصر و عشاء کہ آنہم نافلہ بیش نیست اما سنن راتبہ رباعیہ کہ قبلیہ ظہر وجمعہ است وہمچو سائر رواتبہ حکمہا دارد فائق بر احکام نفل مطلق ایں جا علماء را معرکے عظیم ست بسیاری آنہارا نیز در حکم مذکور ہمرنگ نوافل داشتہ اند پس اگر جماعت ظہر قائم شد یا امام بخطبہ جمعہ رفت ہر کہ در شفع اول سنت است ہمیں بر دو رکعت سلام وہد ایں [1] ست روایت نوادر از امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کما فی الھدایۃ واز امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نیز کما فی فتح القدیر وبہ میں [3] قول رجوع فرمود امام شیخ الاسلام علی سغدی کما فیہ ایضا و قاضی [4] نسفی نیز کما فی الشامی عن الوجیز و فی غنیۃ الحلبی من الاوقاف المکروھۃ عن قاضی خاں

اور جماعت میں شریک ہو جائے درمختار میں ہے نوافل میں شروع ہونے والا انھیں مطلقاً قطع نہیں کرسکتا بلکہ دو رکعات پوری کرے۔ اور جو دو رکعات باقی تھیں ان کی قضا اس کے ذمہ نہیں کیونکہ نوافل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے جب تک دوسرے شفع کا آغاز نہیں کیا جاتا وہ لازم نہیں ہوگا۔ درمختار میں ہے قضا لازم نہیں اگرچہ نمازی نے چار کی نیت کی تھی اور اس نے مقدار تشہد بیٹھ کر نماز توڑ دی۔ اور غیر مؤکدہ سنن کا حکم بھی یہی ہے مثلاً عصر اور عشاء کی پہلی سنتیں، ان کا درجہ بھی نوافل کا ہے لیکن وہ چار سنن موکدہ جو مثلاً ظہر اور جمعہ سے پہلے ہیں تو ان کا حکم نوافل سے فائق ہوتا ہے اس جگہ علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے اکثر نے ان سنن موکدہ کو نوافل کا درجہ دیا ہے اب اگر جماعت ظہر کھڑی ہو گئی یا امام نے خطبہ شروع کردیا تو جو شخص سنن کی پہلی دو رکعات میں ہے وہ دو رکعت پر سلام کہہ دے۔ یہ روایت نوادر امام ابویوسف سے ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور امام اعظم سے بھی مروی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور اس قول کی طرف امام شیخ الاسلام علی سغدی نے رجوع کیا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور قاضی نسفی نے بھی یہی کہا ہے جیسا کہ شامی میں وجیز سے اور حلبی کی غنیہ کے اوقاف مکروہہ

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۷/۱

وامام[5] بقالی رانیز ہمیں سو میل ست کما قالہ الکمال وشمس[6] الائمہ سرخسی راہم کماذکر ایضا وتبعہ فی الغنیۃ وفی مراقی الفلاح واقرہ فی ردالمحتار وللعبد الضعیف فیہ وقفۃ واللہ تعالٰی اعلم ۔ وظاہر[7] ہدایہ اختیار اوست کما فی الشامی وظاہر[8] کافی شرح وافی للامام النسفی نیز کما رایتہ فیہ وبرہمیں[9] جزم کردہ است علامہ[10] طرابلسی در برہان و مواہب الرحمٰن و مولٰی خسرو در درر وعلامہ کرکی[11] در فیض وظاہر اعلامہ[12] علی مقدسی رانیز ہمیں سو میلان ست کما فی ردالمحتار وعلامہ[13] ابراہیم حلبی در متن ملتقی ہمبریں اعتماد کرد وقول دیگر رابلفظ قیل آورد ودر خانیہ[14] اول الصلوٰۃ فصل معرفۃ الاوقات فرمود بہ اخذ المشائخ ودر فتح انہ اوجہ تلمیذ[16] محقق علامہ محمد حلبی در حلیہ پس از نقلش فرماید ھو کما قال در نور الایضاح[17] علامہ شرنبلالی ونیز در ادراک الفریضہ از حاشیہ اوبر درر الحکام است ھو الاوجہ خاتمہ المحققین علامہ شامی نیز ہمیں را تایید وتشیید کرد بریں قول ایں دو رکعت کہ گزاردہ است نفل محض گرد دو دو باقی راقضا نیست علی ما ھو ظاھر الروایۃ و ارجع التصحیحین کما حققہ فی ردالمحتار باز بعد از فرض بلکہ علی اولی الترجیحین عندی کما حققتہ علی ھامش حاشیۃ الشامی پس از سنت بعدیہ ایں سنن قبلیہ را ادا کند تاہم سنت ادا شود و ہم فضل جماعت واستماع خطبہ از دست نرود

میں قاضی خاں سے ہے، اور امام بقالی نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ شیخ کمال نے فرمایا، اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی یہی فرمایا جیسا کہ یہ بھی مذکور ہے اور اسی کی اتباع غنیہ اور مراقی الفلاح اور ردالمحتار میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ لیکن اس عبد ضعیف کو اس میں توقف ہے ظاہرًا ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں ہے اور کافی شرح وافی للامام نسفی سے بھی یہی ظاہر ہے جیسا کہ میں نے اسے دیکھا ہے، اور اسی پر علامہ طرابلسی نے برہان اور مواہب الرحمٰن میں جزم کیا، ملا خسرو نے درر، علامہ کرکی نے فیض اور علامہ علی مقدسی نے بھی ظاہرًا اسی کی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور دوسرے قول کو لفظ "قیل" کے ساتھ بیان کیا، خانیہ نے باب الصلوٰۃ کی فصل فی معرفۃ الاوقات میں فرمایا کہ مشائخ نے اسی پر عمل کیا ہے۔ فتح میں ہے کہ یہی مختار ہے، تلمیذ محقق علامہ محمد حلبی نے حلیہ میں اسے نقل کرکے کہا وہ اسی طرح ہے جو انھوں نے فرمادیا ہے، نورالایضاح میں علامہ شرنبلالی اور اس کے ادراک الفریضہ کے حاشیہ میں درر الحکام سے ہے کہ یہی مختار ہے، خاتمہ المحققین علامہ شامی نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے، اس قول پر یہ جو رکعات ادا کی گئی ہیں محض نفل ہیں اور باقی دونوں کی قضا نہیں جیسا کہ ظاہر الروایت سے واضح ہے اور دونوں اقوال کی تصحیح میں یہی راجح ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے، پھر فرض کے بعد

فی نور الایضاح وشرحه مراقی الفلاح العلامة الشرنبلالی ان کان فی سنة الجمعة فخرج الخطیب او فی السنة الظهر فاقیمت الجماعة سلم علی رأس رکعتین، وھوالاوجه لجمعه بین المصلحتین، ثم قضی السنة اربعاً بعدالفرض مع مابعده فلا یفوت الاستماع ولاداء علی وجه اکمل[1] اھ مخلصاً۔

قول دیگر آنکہ مصلی ایں دو سنت ہر چہار رکعت اتمام کند اگر چہ ہنوز تحریمہ بستہ است کہ جماعت ظہر یا خطبہ جمعہ آغاز نہادند زیراکہ ایں ہمہ رکعات ہمچو نماز واحد ست لہٰذا در قعدہ اولی درود نخواند نہ در شروع ثالثہ ثنا و تعوذ آرد و چوں در شفع اولیں خبر بیع شنود و بشفع دوم انتقال نمود شفعہ ساقط نشود و ہمچناں زن مخیّرہ را اختیار از دست نرود و کذلک تا از ہر چہار فراغ نیابد خلوت بازن صحیح نشود و کمال مہر لازم نیاید کل ذلك فی تبین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام العلامة الزیلعی، امہ مشائخ بترجیح و تصحیح ایں قول تصریح نمودہ اند، امام ولوالجی و صاحب مبتغی

بلکہ میرے نزدیک دونوں ترجیحات میں سے پہلی ہے جیسا کہ میں نے شامی کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے ان میں پہلی سنتوں کو بعد کی سنتوں کے بعد ادا کرلے تاکہ سنت ادا ہو جائے اور فضیلت جماعت اور خطبہ کی ساعت کا ثواب بھی ہاتھ سے نہیں جائیگا۔ نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے اگر نمازی جمعہ کی سنتیں ادا کر رہا ہے اور خطیب آگیا یا ظہر کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو تکبیر جماعت کہی گئی تو دو رکعات پر سلام پھیر دے کیونکہ دونوں مصلحتوں کو جمع کرلیناہی مختار ہے پھر فرائض کے بعد ان پہلی چار سنتوں قضا کرلے تو اب خطبہ کا سننا (جو فرض تھا) فروت نہ ہوا اور ادائیگی بھی وجہ کامل پر ہوگی اھ تلخیصًا

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں سنتوں (قبل از ظہر و جمعہ) کی چار چار رکعت پوری کرلے اگرچہ خطبہ جمعہ یا ظہر کی جماعت کھڑی ہو جائے کیونکہ یہ تمام نماز واحد کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے قعدہ میں درود اور تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ نہیں پڑھا جاتا، جب کسی نے پہلی دو رکعات میں خرید وفروخت کی خبر سنی اور وہ دوسری دو رکعات میں شروع ہوگیا تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوجاتا۔ اسی طرح صاحب اختیار عورت کا اختیار بھی ساقط نہیں ہوتا ــــــ اسی طرح جب تک وہ چار رکعات سے فارغ نہیں ہوجاتا عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں پائی جائیگی

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۵

و ۳صاحب محیط و ۴علامہ شمنی فرمودند الصحیح انه یتمها اربعا[1] کما فی البحر من ادراك الفریضة خود ۵علامہ زین در بحر بعد نقلش فرمود الظاهر ما صحح المشائخ لانه لاشك ان فی التسلیم علی رأس الرکعتین ابطال وصف السنیة لا لا کمالها وتقدم انه لا یجوز[2] الخ برادرش ۶علامہ عمر بن نجیم در نہر ادرامقرر داشت کما فی ردالمحتار در فتاوی صغری ۷فرمود علیه الفتوی ۸علامہ شرنبلالی در جمعہ غنیہ ذوی الاحکام فرماید قوله وان کانت سنة الجمعة یسلم علی راس الرکعتین، **اقول:** الصحیح خلافه وهو انه یتم سنة الجمعة اربعا، وعلیه الفتوی کما فی الصغیری، وهو الصحیح کما فی البحر عن الولوالجیة والمبتغی لانها بمنزلة صلوة واحدة واجبة اھ[3] ۹امام ظہیر الدین مرغینانی در ظہیریہ فرمود هو الصحیح[4] امام ظہیر الدین مرغینانی ظہیریہ میں فرماتے ہیں یہی صحیح ہے کما فی ۱القہستانی والغنیة شرح المنیة من الاوقات المکروهة و ۲ہمچناں در سراج وہاج ست[5] جیسا کہ قہستانی اور غنیہ شرح منیہ کے اوقات مکروہہ میں ہے اسی طرح سراج وہاج میں ہے کما فی ۲الهندیة ۳امام سرخسی فرماید هو	مہر کامل لازم نہ ہوگا۔ یہ تمام گفتگو امام علامہ زیلعی کی تبیین حقائق شرح کنزالدقائق میں ہے۔ عام مشائخ نے اسی قول کو ترجیح اور اسی کی تصحیح پر تصریح کی ہے۔ ۱امام ولوالجی، صاحب ۲مبتغی، صاحب ۳محیط اور ۴علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات پوری کرے، جیسا کہ بحر کے ادراک الفریضہ میں ہے، خود ۵علامہ زین بحر میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ظاہر یہی ہے جس کی تصحیح مشائخ نے فرمائی ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دو رکعات کے بعد سلام وصف سنیت کے ابطال کے لئے ہے نہ کہ ان کے اکمال کے لئے، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ جائز نہیں الخ، ان کے بھائی ۶علامہ عمر بن نجیم نے نہر میں اسی کو ثابت رکھا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، فتاوٰی صغرٰی میں فرمایا "فتوٰی اسی پر ہے ۸"علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام کے جمعہ میں فرمایا ماتن کا قول اگر نماز جمعہ کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو دو رکعتوں پر سلام پھیر لے **میں کہتا ہوں** کہ صحیح اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار رکعتیں ادا کرے اسی پر فتوی ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اور یہی صحیح ہے

[1] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۲/۲

[2] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۲/۲

[3] غنیۃ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام باب الجمعہ مطبعہ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱۴۱/۱

[4] غنیۃ المستملی بحوالہ المرغینانی الشرط الخامس ھو الوقت مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۴۲

[5] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی الدراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۲۰/۱

الاصح [1] کمافیہا ایضا علامہ غزی [۱۴] در متن تنویر الابصار فرمود علی الراجح علامہ [۱۵] دمشق در در مختار تقریر ش کرد و گفت خلافا لما رجحه الکمال [2] و در جمعة تبعا للبحر فر مود یتم فی الاصح [3] در مجمع [۱۶] الانہر گفت صححه اکثر المشائخ [4] هم در آنست الصحیح انه یتم [5] تا آنکہ محرر مذہب حضرت امام [۱۷] محمد ظاہر الروایۃ ست بایں معنی ایما فرمود ناھیک بحجۃ وقدوۃ محقق علی الاطلاق در فتح فرماید الیه اشار فی الاصل [6]۔	جیسے بحر میں ولوالجیہ اور المبتغی سے ہے کیونکہ یہ بمنزل ایک نماز واجبہ کے ہے اسی سے فتاوٰی ہندیہ میں ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے اور اسی میں یہ بھی ہے علامہ غزی نے متن تنویر الابصار میں فرمایا کہ راجح یہی ہے، علامہ دمشقی نے در مختار میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے یہ مخالف ہے اس بات کے جس کو کمال نے ترجیح دی اور باب جمعہ میں بحر کی اتباع میں فرمایا اصح قول یہی ہے مجمع الانہر میں فرمایا اکثر مشائخ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات ادا کرے حتی کہ محرر مذہب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے مبسوط جو کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے میں اسی کی طرف اشارہ کیا اور یہی حجت کافی ہے قدوۃ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا اسی کی طرف (امام محمد نے) اصل میں اشارہ فرمایا ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی الباب العاشر فی ادراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰

[2] در مختار، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

[3] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

[5] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

[6] فتح القدیر، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۱

اقول: دیدی کہ ہر جانب قوتے ست بس علیہ و رفعتے شامخۂ جلیلہ امام دلیل قول اول کہ امام ابن الہمام قدس سرہ ذکر فرمود گوبدل چسپندہ تر باش لکن عامہ تصحیحات صریحہ ایں طرف ہجوم آوردہ ولفظ **ھو الصحیح** کہ از جمہور ائمہ طراز دامن قول شد بر لفظ ھو اوجہ کہ از امام محقق علی اطلاق نصیبہ قول اول ست گراں سنگیہا دارد ہم از روئے مادہ وہم از راہ ہیئت وہم از جہت زوائد **کما لایخفی علی الفقیہ النبیہ العارف باسالیب الکلام** آں طرف اگر بہ اخذ المشائخ ست کہ بظاہر مراد بایشاں مشائخ خود امام قاضی خان ست ایں طرف **صححہ اکثر المشائخ** ست و نیز آنکہ از عامہ الفاظ اکد ست واقوی اعنی لفظ **علیہ الفتوی** باز آں طرف اگر از حضرات شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت نوادر ست ایں جانب اشارہ اصل نہ چیزے ست سہل علماء سپید گفتہ اند کہ مفہوم متون بر منطوق فتاوٰی تقدم دارد علامہ سیدی احمد حموی در غمز العیون نگار و **غیر خاف ان مافی المتون والشروح ولوکان بطریق المفہوم مقدم علی مافی الفتاوی وان لم یکن فی عبارتھا اضطراب**[1] وپیداست کہ نسبت انوادر بہ اصول ہیچو نسبت فتاوٰی ست بمتون و باالآخر مسئلہ ازاں قبیل ست کہ انسان ہر دو قول

اقول: (میں کہتا ہو) آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف قوت ہے، تو نہایت بلند اور جلیل رفعت دونوں میں ہے پس قول اول پر جو دلیل امام ابن ہمام قدس سرہ نے ذکر کی ہے وہ اگرچہ دل کو پسند ہے لیکن عام تصحیحات صریحہ کا ہجوم اس طرف زیادہ ہے کہ جہاں لفظ "ھو الصحیح" ہے جو کہ جمہور ائمہ کا خاص انداز جس کو دوسرے قول نے اپنے دامن میں لے رکھا ہے اور لفظ "ھو اوجہ" جو کہ محقق علی الاطلاق کی طرف سے قول اول کے لئے مزید وزنی ہے ہیت، مادہ اور زائد امور، ہر لحاظ سے، جیسا کہ کلام کے اسلوب سے واقف فقیہ اور ماہر پر مخفی نہیں، اس طرف اگر مشائخ کی پسند ہے جو کہ بظاہر خود امام قاضی خاں سے مراد ہے تو دوسری طرف بھی "صححہ اکثر المشائخ" اور "صححہ المشائخ" کے الفاظ ہیں نیز وہاں "علیہ الفتوی" کے الفاظ بھی ہے جو کہ عام الفاظ کی نسبت زیادہ تاکید اور قوت پر دال ہے اگر وہاں (پہلے قول) کی طرف نوادر روایت کے مطابق شیخین (امام اعظم وامام ابویوسف) رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب مذکور ہے تو یہاں (دوسرے قول) کے لئے اصل (مبسوط امام محمد) کا اشارہ موجود ہے جبکہ اصل کا اشارہ کوئی معمولی بات نہیں ہے مشہور علماء کا قول ہے کہ "متون" کا مفہوم بھی فتاوٰی کے "منطوق" (ظاہر عبارت) پر مقدم ہے۔ علامہ سیدی احمد حموی نے غمز العیون میں لکھا ہے کہ مخفی نہیں کہ

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر ولمأذون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۷۹/۲۲

بر ہر خواہد عملی نماید ہیچ جائے ملامت نیست ومن فقیر بقول اخیر خود را مائل ترمی بینم بوجوہے کہ شنیدی ومی شنوی **فاقول:** بر دلیل قول اول می تواں گفت کہ سنت چوں از وقت خود برگشت نقصان پذیرفت وسنت بروجہ سنت ادا نشد وسنن مکملات فرائض ست وشک نیست کہ تکمیل کامل اکمل از تکمیل ناقص ست پس نقصان سنن بنقصان فرائض منجر شود پس در تسلیم بر رکعتین ہم ابطال وصف سنیت ست بے آنکہ بروجہ سنت انجبار یابد وہم انعدام تکمیل فرض ست علی الوجہ الاکمل بخلاف اتمام کہ سنت از نقصان محفوظ مطلق ماند و درفرض اگر حتے از اکملیت فوت شود حتے دیگر بدست آید **ھذا ماورد علی قلبی والعلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم۔**

متون اور شروح میں جو بات بطور مفہوم ہے وہ فتاوٰی واضح اقوال پر مقدم ہے، حاصل یہ کہ نوادر کا مقابلہ اصول سے ایسے ہے جیسا کہ فتاوٰی کا متون سے ہے یعنی اصول کے اشارہ کو نوادر کی تصریحات پر ترجیح ہے غرضیکہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے دونوں اقوال میں سے جس پر انسان چاہے عمل کرے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں خود دوسرے قول کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں اس کے وجوہ کچھ تو آپ نے سن لئے اور کچھ کو سنیں گے **فاقول:** پہلے قول کی دلیل پر کہا جاسکتا ہے کہ جب سنت اپنے وقت سے مؤخر ہوجائے تو وہ ناقص ہوجاتی ہے اور یہ سنت بطریق سنت ادا نہ ہوگی جبکہ سنتیں فرائض کو کامل بناتی ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ کامل چیز کا مکمل کرنا زیادہ کامل ہوتا ہے ناقص چیز کی تکمیل کے مقابلہ میں، تو یوں سنت کا نقصان فرض کے نقصان کا باعث ہوتا ہے تو جب دو رکعتوں پر سلام سنت کے وصف میں نقصان ہے جو کہ پورا نہیں ہوتا، تو اس سے فرض کی تکمیل میں عدم لازم آئے گا کہ فرض اکمل نہ ہوسکے گا برخلاف اس بات کے کہ جب سنت کو تام کیا جائے تو وہ نقصان سے مطلقاً محفوظ رہے گی تو اس سے اگر چہ فرض کے اکمل ہونے میں فرق آیا مگر دوسری وجہ (سنتوں کی تکمیل) سے متبادل کمال حاصل ہوجائے گا۔ یہ ہے وہ جو میرے دل میں ڈالا گیا اور حقیقی علم میرے رب کو ہے، میرا رب ہر چیز کا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۸۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نماز فجر کا کرکے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدہ اخیرہ میں ہے، جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہے، اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم و

آکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکہ امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدرالمختار اذاخاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها الجماعة اکمل[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے جب کسی کو یہ خطرہ ہو کہ اگر فجر کی سنتیں ادا کیں تو جماعت فوت ہوجائے گی تو وہ سنتیں ترک کردے کیونکہ جماعت اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۸: ۱۵ رمضان المبارک

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فرض تنہاپڑھ چکا تھااب مسجد میں جماعت قائم ہوئی اور یہ اس وقت مسجد میں موجود ہے تواب اسے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ظہر وعشاء میں ضرور شریک ہوجائے کہ اگر تکبیر سن کر باہر چلاگیا یا وہیں بیٹھا رہا تو دونوں صورت میں مبتلائے کراہت وتہمت ترک جماعت ہوا اور فجر وعصر ومغرب میں شریک نہ ہو کہ قول جمہور پر تین رکعت نفل نہیں ہوتے اور چوتھی ملائے گا تو بسبب مخالفت امام کراہت لازم آئے گی اور فجر وعصر کے بعد تو نوافل مکروہ ہی ہیں اور ویسے بیٹھا رہے گا تو کراہت اور اشد ہوگی لہٰذا ان نمازوں میں ضرور ہوا کہ باہر چلاجائے

قال العلامة الشرنبلالی رحمة الله علیه فی نورالایضاح وشرحه مراقی الفلاح ان خرج بعد صلوٰة منفردالایکره لانه قد اجاب داعی الله مرة فلا تجب علیه .ثانیا الا انه یکره خروجه اذا اقیمت الجماعة قبل خروجه فی الظهر و فی العشاء لانه یجوز النفل فیهما مع الامام یتهم بمخالفة الجماعة کالخوارج و الشیعة وقد قال	علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح میں فرمایا جب تنہا نماز ادا کرکے کوئی مسجد سے باہر نکلا تو کراہت نہیں کیونکہ اس نے ایک دفعہ اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہا ہے لہٰذا دوبارہ اس پر واجب نہیں البتہ اس صورت میں کراہت ہوگی جب اس کے نکلنے سے پہلے ظہر اور عشا کی جماعت کے لئے تکبیر کہہ دی گئی کیونکہ ان میں امام کے ساتھ نوافل ادا کرسکتا ہے تاکہ

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم فیقتدی فیھما ای الظھر والعشاء متنفلا لدفع التھمۃ عنہ ۔ یکرہ جلوسہ من غیر اقتداء لمخالفۃ الجماعۃ بخلاف الصبح العصر والمغرب لکراھۃ النفل ، والمخالفۃ فی المغرب [1] الی آخرہ قال العلامۃ الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فی الحاشیۃ المراقی قولہ لکراھۃ النفل ای بعد الصبح العصر و فی النھر ینبغی ان یجب خروجہ لان کراھۃ مکثہ بلاصلوٰۃ اشد [2] واللہ تعالٰی اعلم سبحنہ اتم واحکم	جماعت کی مخالفت کی تہمت اس پر نہ لگے مثلاً خوارج اور شیعہ وغیرہ سے نہ کہا جائے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مقامات پر نہ کھڑا ہو لہٰذا وہ شخص ظہر و عشاء میں نفل کی نیت سے اقتدا کرے تاکہ اس پر تہمت نہ لگے۔ اور اقتداء نہ کرتے ہوئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ جماعت کی مخالفت ہے۔بخلاف صبح، عصر اور مغرب کے کیونکہ یہاں نفل مکروہ ہیں، اور مغرب میں (امام) کی مخالفت لازم آئے گی الخ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حاشیہ المراقی میں کہا ماتن کا قول نفل مکروہ ہونے کی وجہ سے یعنی صبح اور عصر کے بعد، نہر میں ہے کہ ان اوقات میں مسجد سے چلے جانا واجب ہے کیونکہ بغیر نماز کے وہاں ٹھرنا یہ زیادہ ناپسند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ سبحٰنہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۹: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۳۲۵ھ

فجر کی سنت وقت قائم ہوجانے جماعت کے کب تک ادا ہوجانا چاہئے اور جو رہ جاتی ہیں تو کیا بعد فرضوں کے بھی ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر جانے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجاؤں گا تو سنتیں پڑھ لے اگرچہ التحیات ہی ملتی سمجھے ورنہ فرضوں میں شریک ہوجائے، اور اول سنتوں کو قضا کرنا چاہے تو بعد بلندیِ آفتاب کرے فرضوں کے بعد طلوع سے پہلے جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

مسئلہ ۱۱۹۰: از چمن سرائے سنبھل مرسلہ احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نزدیک علمائے حنفیّہ اہلسنت وجماعت کے صبح کی سنت اگر فرض جماعت سے ہوتے ہوں توپڑھے یا نہیں؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر فرض نماز کی دوسری رکعت کا رکوع بھی مل جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لے ورنہ سورج نکلنے پر ادا کرے، بعض کا قول ہے قاعدہ اخیرہ کی شرکت بھی کافی ہے سنت کو پہلے پڑھے، بعض کہتے ہیں کہ جس وقت تکبیر اولیٰ فرضوں کی ہو ترک سنت کرے فرضوں میں فورًا شریک ہوجائے اور پھر نماز سنت نہ بعد سلام پڑھے وقت ہونے پر نہ بعد طلوع آفتاب۔

الجواب:

تیسرے شخص کا قول محض باطل ہے اور پہلے دو قول صحیح ہیں اور ان میں دوسرا اصح ہے اگر تشہد تک بھی جماعت میں ملنا دیکھے تو صبح کی سنتیں صف سے دور ادا کرکے شامل ہوجائے، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ سنتیں پڑھنے میں جماعت بلکل فوت ہوجائے گی تو اس وقت نہ پڑھے اور جماعت میں شریک ہوجائے پھر فرض نہیں پڑھ سکتا جب تک آفتاب بلند نہ ہو اگر پڑھے گا گنہ گار ہوگا، ہاں بعد بلندی پڑھے تو مستحب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب قضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان)

مسئلہ ۱۱۹۱: ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوت جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیااب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہر گز نہ پڑھے، ہمارے سب ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدھا فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع الکراھۃ النفل بعدا لصبح وامابعد طلوع الشمس فکذلك عندھما، وقال محمد احب الی ان یقضیھا الی زوال کما فی الدرر [1]۔	جب فجر کی سنتیں تنہا فوت ہوجائیں تو بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا نہ کی جائیں کیونکہ نمازِ فجر کے بعد نوافل مکروہ ہیں، رہا معاملہ طلوعِ فجر کے بعد کا، تو شیخین کے نزدیک قضا نہیں، اور امام محمد نے فرمایا کہ زوال تک سنتیں قضا کر لینا میرے نزدیک پسندیدہ ہیں جیسا کہ درر میں ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۰

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کر دینا ناواقفی سے ناشئ، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضاء ہوگئیں کہ ان کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی اور ہرگز نہ ہوں گی الا تری الی قولہ لا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقد سمی صلٰوتہا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (کیا آپ نے ان کے یہ الفاظ نہیں دیکھے کہ بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے سنتیں قضا نہ کی جائیں تو انھوں نے فرائض کے بعد طلوع سے پہلے ان کی ادائیگی کو قضا کا نام دیا ہے۔ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۲: از کلکتہ ٹارنب براہ ڈاکخانہ ویلزلی اسٹریٹ ۶ مرسلہ رشید احمد خاں ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب بعد آداب کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ اگر زید برابر نماز پڑھتا رہے لیکن یکم جنوری سے ۱۵ تک قضا ہوگئی ۱۶ سے پھر پڑھی اور قضا بھی ترتیب وار ادا کرنے لگا ۲۰ تک برابر پڑھتا رہا پھر پانچ روز کی قضا ہوگئیں ۲۵ سے شروع کی تو قضا کس طرح ادا کرے یعنی ترتیب وار جیسی یکم جنوری کی صبح پھر ظہر ومغرب وعشا پھر یا ایسے ہی ۱۵ تاریخ تک رفتہ رفتہ دو چار یوم میں ادا کر چکا اب ۱۵ سے ۲۰ تک تو پہلے ہی پڑھ چکا ہے ۲۰ سے ۲۵ تک کے قضا پھر اسی طور پر ادا کرے یا کیا حکم ہے؟ باقی آداب!

الجواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید پر نہ ان ۱۵ دن کی قضا میں ترتیب ضرور تھی نہ ان پانچ دن کی قضا میں ضرور ہے اسے اختیار ہے ان میں جو نماز چاہے پہلے ادا کرے جو چاہے پیچھے کہ قضا نمازیں جب پانچ فرضوں سے زائد ہو جاتی ہیں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یعنی باہم ان میں بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیر کا اختیار ہوتا ہے اور ان میں اور وقتی نماز میں بھی رعایت ترتیب کی حاجت نہیں رہتی پھر ان نمازوں کے حق میں ترتیب نہ باہمی نہ بلحاظ وقتی کوئی کبھی عود نہیں کرتی اگرچہ ادا کرتے کرتے چھ سے کم رہ جائیں مثلاً اب اسی صورت میں زید پر پانچ دن کی پچیس نمازیں ہیں جب دو ہی رہ جائیں گی تو بھی اسے اختیار ہے کہ اس کی ادا سے پہلے وقتیہ نماز پڑھ لے، ہاں اصح مذہب پر اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نماز نیت میں معین مشخص ہو جائے ھو الاحوط من تصحیحین (دونوں تصحیحوں میں احوط یہ ہے۔ت) مثلاً دس فجریں قضا ہیں تو یوں گول نیت نہ کرے کہ فجر کی نماز کہ اس پر ایک فجر تو نہیں جو اسی قدر بس ہو بلکہ تعیین کرے کہ فلاں تاریخ کی فجر، مگر یہ کیسے یاد رہتا ہے اور ہو بھی تو اس کا خیال حرج سے خالی نہیں لہٰذا اس کی سہل تدبیر یہ نیت ہے کہ پہلی فجر جس کی قضا مجھ پر ہے، جب ایک پڑھ چکے پھر یوں ہی پہلی فجر کی نیت کرے کہ ایک تو پڑھ لی اس کی قضا اس پر نہ رہی نو ۹ کی ہے اب ان میں کی پہلی نیت میں آئے گی یونہی اخیر تک نیت کی جائے، اسی طرح باقی سب نمازوں

میں کہے اور جس سے ترتیب ساقط ہو، جیسے یہی دس یا چھ فجر کی قضا والا پہلی کی جگہ پچھلی بھی کہہ سکتا ہے نیچے سے اوپر کو ادا ہوتی چلی جائے گی، ردالمحتار میں ہے:

لایلزم الترتیب بین الفائتة والوقتیة ولابین الفوائت اذاکانت الفوائت ستا کذا فی النھر[1]۔	جب فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں تو فوت شدہ نمازوں کے درمیان اور فوت شدہ اور وقتی نمازوں کے درمیاں ترتیب لازم نہیں رہتی، جیسا کہ نہر میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ولایعود لزوم الترتیب بعد سقوطه بکثرتھا، ای الفوائت بعود الفوائت الی القلة بسبب القضاء لبعضھا علی المعتمد، لان الساقط لایعود[2]۔	اکثر فوت شدہ نمازوں کو قضا کرلینے پر ترتیب لوٹ نہیں آتی یعنی اگر فوت شدہ نمازیں کثیر تھیں ان میں سے اکثر قضا کرلیں اور باقی تھوڑی رہ گئیں تو معتمد قول کے مطابق ترتیب نہیں لوٹتی، کیونکہ ساقط لوٹ کر نہیں آتا۔(ت)

اسی میں ہے:

یعین ظھر یوم کذا علی المعتمد والاسھل نیته اول ظھر علیه اواخر ظھر[3] الخ وتمامه فی رد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معتمد قول کے مطابق اس بات کا تعین کیا جائے کہ فلاں دن کی ظہر ہے، اور سب سے آسان یہ ہے کہ اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت کرلی جائے۔ اس کی تمام تفصیل ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۳: ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی سنتیں بعد جماعت فرض کے مسبوق ادا کرے، درست ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سنت فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئیں ان کی قضا کرے تو بعد بلندی آفتاب

[1] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۸

[2] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

[3] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۷

پیش از نصف النہار شرعی کرے، طلوع شمس سے پہلے ان کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع ومکروہ ہے۔

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے"صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں"واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۹۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز بوقت خطبہ کے جائز ہے، اور عمرو کہتا ہے بوقت خطبہ کے جائز نہیں اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے لا صلوٰۃ و لاکلام (اس وقت نہ نماز ہے نہ گفتگو۔ت) ان دونوں میں کون حق پر ہے اور کون مطابق حدیث شریف کے عمل کرتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو صاحب ترتیب نہیں اسے قضانماز بھی خطبہ کے وقت ادا کرنی جائز نہیں کہ بعد کو بھی پڑھ سکتا ہے اور صاحب ترتیب کو وقتی نماز سے پہلے قضاکاادا کرنا ضرور، ورنہ وقتی بھی نہ ہوگی، ایسے شخص نے اگرابھی قضائے فجر ادانہ کی اور خطبہ شروع ہوگیاتو اسے قضاپڑھنے سے ممانعت نہیں بلکہ ضرور ولازم ہے ورنہ جمعہ بھی نہ ہوگا، ہاں بلاعذر شرعی اتنی دیر لگائی کہ خاص خطبہ کے وقت پڑھنی پڑے اسے بھی جائز نہیں۔

لتادیہ الی ترك الاستماع وھو فی نفسہ محظور و کل مادی الی محظور محظور۔	کیونکہ اس میں خطبہ کا عدم سماع لازم آرہاہے جو فی نفسہٖ ممنوع ہے اور ہروہ شیئ جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہوتی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اذا اخرج الامام فلا صلوٰۃ ولاکلام الی تمامھا خلا قضا فائتۃ لم یسقط الترتیب بینھا وبین الوقتیۃ فانھا لاتکرہ[2]۔	جب امام جمعہ آجائے تواتمام جمعہ تک نہ نماز ہے نہ کلام، البتہ فوت شدہ نماز کی قضامکروہ نہیں کیونکہ فوت شدہ اور وقتی نماز کے درمیان ترتیب ساقط نہیں ہوئی تھی۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لاتتحری الصلوٰۃ ابل غروب الشمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲ و ۸۳

[2] درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

سراج وغیرہ میں ہے: لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا لا[1] (جمعہ کی صحت کے پیش نظر ہے ورنہ نہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قولہ فانھا لاتکرہ (بل یجب فعلھا قولہ والا لا) ای وان سقط الترتیب تکرہ[2]۔ انتھی واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول" کیونکہ اس میں کراہت نہیں" بلکہ اس کا کرنا واجب ہے (ورنہ نہیں) یعنی اگر ترتیب ساقط ہوچکی ہو تو کراہت لازم آئے گی انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی سنت فجر کی قضا ہوگئیں اب وہ قضا کرے یا نہیں اور اگر قضا کرے تو کس وقت، اور یہ سنتیں بیٹھ کر بھی بلاعذر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سنت فجر بلامجبوری ومعذوری بیٹھ کر نہیں ہوسکتیں، اور اگر مع فرض قضا ہوئی ہوں توضحوہ کبرٰی آنے تک ان کی قضا ہے اس کے بعد نہیں، اور اگر فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئی ہیں تو بعد بلندی آفتاب ان کا پڑھ لینا مستحب ہے قبل طلوع روا نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

سنۃ الفجر لا یجوزان یصلیھا قاعدامع القدرۃ علی القیام ولذاقیل انھا قریبۃ من الواجب کذا فی التاتار خانیۃ ناقلا عن النافع ولا یجوز اداءھا راکبا من غیر عذرکذا فی السراج الوھاب والسنۃ اذافاتت عن وقتھا لم یقضھا الارکعتی الفجر اذافاتتا مع الفرض یقضیھما بعد طلوع الشمس الٰی وقت الزوال ثم یسقط ھکذا فی محیط السرخسی وھوالصحیح ھکذا فی البحر الرائق واذافاتتابدون الفرض	فجر کی سنتیں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ واجب کے قریب ہیں۔تاتار خانیہ میں نافع سے اسی طرح منقول ہے، بغیر عذر کے سواری کی حالت میں بھی انھیں ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور سنتیں اگر اپنے وقت سے قضا ہوجائیں توان کی قضا نہیں البتہ اگر فجر کی سنتیں فرائض کے ساتھ رہ جائیں تو طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے پہلے قضا کی جائیں، اس کے بعد ساقط ہوجائیں گی۔ اسی طرح محیط سرخسی میں ہے کہ یہی صحیح ہے، اسی طرح البحرالرائق میں ہے

[1] سراج الوہاج

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۲

لایقضی عندھما خلا فالمحمد رحمۃ اللہ تعالٰی کذافی المحیط السرخسی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب یہ سنیتں فرض کے بغیر رہ جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کی قضا نہیں، امام محمد کی رائے اس کے خلاف ہے (کہ قضا کی جائیں) جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۶: ۲ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی چار سنتیں قبل عشاکے فوت ہوگئیں مثلاً جماعت قائم ہوگئی نہ پڑھنے پایا شریک ہوگیا، اب بعد نماز ان کی قضا جائز ہے یا نہیں؟ علمائے عصر سے بعض مولویوں نے فرمایا قضا کرے اور ان کے خلاف بعض عالموں نے فتوی لکھا کہ ان کی قضا نہیں وہ مستحب ہیں اور قضا سنت مؤکدہ کی ہے، نہ مستحب کی۔ جب اس کا محل جاتا رہا پڑھنا بھی دور ہوا، اور بعض اجلہ فضلانے یہ تحریر فرمایا کہ ان کی قضا خلاف قیاس وخلاف اجماع فقہا ہے، اور اگر لازم سمجھے گا تو بدعت مذمومہ ہوگا، اس صورت میں قول فیصل کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب قول فیصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ سنتیں اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں، علامہ علائی درمختار میں فرماتے ہیں:

امّاماقبل العشاء فمندوب لایقضی اصلا[2]۔	عشاکے فرائض سے پہلے جو رکعتیں ہیں وہ مستحب ہیں ان کی قضا نہیں۔(ت)

لیکن اگر کوئی بعد دوسنت بعد یہ کے پڑھے تو کچھ ممانعت نہیں، علامہ طحطاوی حاشیہ شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں:

لامانع من قضاء التی قبل العشاء بعدھا[3]۔	عشا کی پہلی سنتوں کو عشا کے بعد ادا کرلینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔(ت)

ہاں اس شخص سے وہ سنن مستحبہ ادانہ ہوں گی جو عشاسے پہلے پڑھی جاتی تھیں بلکہ ایک نفل نماز مستحب ہوگی جیسے تراویح

---

[1] فتاوی ہندیہ باب فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۲

[2] درمختار، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۰۰

[3] حشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۶

وسنت مغرب ودو۲ سنت عشا کہ ان کی قضا نہیں، پھر اگر کوئی آجکی فوت شدہ تراویح کل پڑھے تو نفل ہوں گے نہ سنن وتراویح نہ شرعاً مکروہ وقبیح۔ علامہ امین الدین محمد ردالمحتار میں انہی سنن عشا کی نسبت فرماتے ہیں:

لو قضاها لاتکون مکروهة بل تقع نفلا مستحبا لا علی انها هی التی فاتت عن محلها کما قالوه فی سنة التراویح[1]۔	اگر انھیں قضا کرلیا جائے تو کراہت نہیں بلکہ نفل مستحبہ ہوجائیں گی اور یہ اپنے محل سے فوت ہونے والی نماز نہیں بلکہ (یہ نئی نماز ہوگی) جیسا کہ فقہاء نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے۔(ت)

تنویر الابصار ودرمختار کی مبحث تراویح میں ہے:

لا تقضی اذافاتت اصلا ولا وحده فی الاصح فان قضاها کانت نفلا مستحبا ولیس بتراویح کسنة مغرب وعشا[2]۔	جب تراویح فوت ہوجائیں توان کی قضا نہیں نہ جماعت سے نہ اکیلے، اصح قول کے مطابق۔ اور اگر کوئی قضا کرلیتا ہے تو نفل مستحب بن جائیں گی اور یہ نماز تراویح نہ ہوگی جیسا کہ مغرب وعشا کی سنتوں کا حکم ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام وتنقیح مرام یہ ہے کہ حقیقۃً قضا نہیں مگر فرض یا واجب کی،

الاداء فی محل اداء النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم داخل فی مطلق السنة فما ادی فی غیر المحل لا یکون سنة فلا یکون قضاء اذا القضاء مثل الفائت بل عینه عندالمحققین نعم ما عین له النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم محلا بعد فوته فیقع سنة فیکون قضاء حقیقة.	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادائیگی کے محل میں ادا مطلق سنت میں شامل ہے لہٰذا جو اس کے علاوہ وقت میں ادا ہوں گے وہ سنت ہی نہیں ہوں گے لہٰذا قضا کہاں! کیونکہ قضاء فوت شدہ کی مثل بلکہ محققین علماء کے ہاں عین نماز ہوتی ہے، ہاں فوت ہونے کے بعد جس کا وقت خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمادیا وہ ادائیگی سنت ہوگی اور قضا بھی حقیقی ہوگی۔(ت)

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۳۱

[2] درمختار باب الوتر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۸

باقی نوافل وسنن اگرچہ موکدہ ہوں مستحق قضا نہیں کہ شرعًا لازم ہی نہ تھی جو بعد فوت ذمہ پر باقی رہیں،

في الهداية الاصل في السنة ان لاتقضى الاختصاص القضاء بالواجب[1] اهـ وتمام تحقيقه في الفتح۔	ہدایہ میں ہے سنت میں اصل یہ ہے کہ اس کی قضا نہیں کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اھ اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے۔(ت)

مگر بعض جگہ برخلاف قیاس نص وارد ہوگیا وہی سنتیں جو ایک محل میں ادا کی جاتی تھیں بعد فوت دوسری جگہ ادا فرمائی گئیں جیسے فجر کی سنتیں جبکہ فرض کے ساتھ فوت ہوں بشرطیکہ بعد بلندیٔ آفتاب و قبل از زوال ادا کی جائیں یا ظہر کی پہلی چار سنتیں جو فرض سے پہلے نہ پڑھی ہو تو بعد فرض بلکہ مذہب ارجح پر بعد سنت بعدیہ کے پڑھیں بشرطیکہ ہنوز وقت ظہر باقی ہو نص على كل ذلك في غير ما كتاب كردالمحتار (اس پر متعدد کتب مثلًا ردالمحتار میں تصریح ہے۔ت) ان شرائط کے ساتھ جب یہ دونوں سنتیں بعد فوت پڑھی جائیں گی تو بعینہا وہی سنتیں ادا ہوں گی جو فوت ہوئی تھیں اور ان کے سوا اور فوت شدہ سنتیں یا یہی سنتیں بے مراعات ان شرائط کے پڑھی جائیں گی تو صرف نفل ہوں گی نہ سنت فائتہ۔ بالجملہ جو یہ کہے کہ ان کی قضا کا حکم ہے وہ خطا پر ہے اور جو کہے ان کی قضا ممنوع ہے وہ بھی غلطی پر ہے اور جو کہے ان کی قضا نہیں مگر بعد کو پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں وہ حق پر ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۷: مسؤلہ حافظ مولوی عبدالوحید صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی سنتیں قضا قبل طلوع شمس کے پڑھنا بہتر ہے اور عمر کہتا ہے بعد کو بہتر ہے اول حدیث پر عمل کرنا چاہئے، اور عمر کہتا ہے دوسری حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

اگر صبح کی نماز اور سنتیں بسبب خوف جماعت خواہ کسی اور وجہ سے رہ گئیں تو ان کی قضا اگر کرے تو بعد بلندی آفتاب پڑھے قبل طلوع نہ صرف خلاف اولٰی بلکہ ناجائز وگناہ وممنوع ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نهى رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم عن الصلٰوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طلوع سحر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے

[1] الہدایۃ باب ادراک الفریضہ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ دستگیر کالونی کراچی ۱/۱۳۳

تغرب[1]۔	منع کیا ہے۔(ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولابعد العصر حتی تغرب الشمس[2]۔	صبح کے سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں۔(ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن الصلٰوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلٰوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عصر کے بعد غروبِ آفتابتک اور صبح کے بعد طلوع آفتابتک نماز سے منع فرمایا ہے۔(ت)

علما فرماتے ہیں اس مضمون کی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں ذکرہ المناوی فی التیسیر فی شرح الجامع الصغیر (اسے امام مناوی نے التیسیر فی شرح الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ نفل قصدا و لو تحیۃ مسجد وکل ماکان واجب لغیرہ کمنذور ورکعتی طواف والذی شرع فیہ ثم افسدہ ولوسنۃ فجر بعدصلٰوۃ فجر و عصر[4] اھ ملخصًا	نماز فجر اور عصر کے بعد وہ تمام نوافل ادا کرنے مکروہ ہیں جو قصدًا ہوں اگرچہ تحیۃ المسجد ہوں، اور ہر وہ نماز جو غیر کی وجہ سے لازم ہو مثلًا نذر اور طواف کے نوافل اور ہر نفل نماز جس میں شروع ہوا پھر اسے توڑ ڈالا اگرچہ وہ فجر اور عصر کی سنتیں ہی کیوں ہوں اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الکراھۃ ھنا تحریمیۃ ایضاً کما صرح بہ فی الحلیۃ ولذا عبرفی الخانیۃ و	یہ کراہت تحریمہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح حلیہ میں ہے، اسی لئے خانیہ اور خلاصہ میں عدم جواز سے تعبیر کیا گیا

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب الصلوۃ بعد الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب لاتتحرالصلوۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۳

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوۃ بعد الفجر باب الصلوۃ بعد الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲ و ۸۳

[4] درمختار کتاب الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

الخلاصة بعدم الجوازوالمراد عدم الحل[1]۔	اوراس سے مراد یہ ہے کہ حلال نہیں۔(ت)

امام احمد وترمذی وحاکم بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا بعد ماتطلع الشمس[2]۔ قال الحاکم صحیح و اقرہ الذھبی فی التلخیص۔	جس نے صبح کی سنت نہ پڑھی ہوں وہ بعد طلوع آفتاب پڑھے امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے تلخیص میں اس کی صحت کو برقرار رکھا۔(ت)

رہی حدیث ابوداؤد:

حدثنا عثمٰن بن ابی شیبة ثنا ابن نمیر عن سعد بن سعید ثنی محمد بن ابراھیم عن قیس بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا صلی بعد صلٰوۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلٰوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما فصلیتھما الان ، فسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔ و رواہ ابن ماجة حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة ثنا عبداللہ بن نمیر الخ سندا و متنا نحوہ غیر انہ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ الصبح مرتین[4]۔	عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابن نمیر نے سعد بن سعید سے کہ محمد بن ابراہیم نے قیس بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو بعد صلٰوۃ صبح دو رکعتیں پڑھتے دیکھا فرمایا صبح کی دو ہی رکعتیں ہیں؟ اس شخص نے عرض کی سنتیں میں نے نہ پڑھی تھیں وہ اب پڑھ لیں، اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اسے ابن ماجہ نے سنداً و متناً روایت کیا ہے اور کہا ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبداللہ بن نمیر سے بیان کیا الخ البتہ ان الفاظ کے علاوہ کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صبح کی نماز دو دفعہ ہے؟(ت)

---

[1] درالمحتار کتاب الصلٰوۃ ، مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۲۷۶/۱

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی اعادتہا بعد طلوع الشمّس مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۵۷/۱

[3] سنن ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب من فاتتہ متی یقضیہا ، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۸۰/۱

[4] سنن ابن ماجہ ، باب فی ماجاء فیمن فاتتہ الرکعتان الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۲

اور اسی حدیث میں ترمذی کی روایت یوں ہے:

حدثنا محمد بن عمر و السواق نا عبدالعزیز بن محمد عن سعد بن سعید عن محمد بن ابرھیم عن جدہ قیس قال خرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فاقیمت الصلٰوۃ فصلیت معه الصبح ثم انصرف النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فوجدنی اصلی فقال مهلا یاقیس اصلاتان معا، قلت یارسول اللّٰه انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا[1]۔	محمد بن عمر والسواق نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن محمد نے سعد بن سعید سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم سے، انھوں نے اپنے دادا حضرت قیس سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جماعت کے لئے تکبیر کہی گئی میں نے آپ کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی، پھر رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چہرہ اقدس پھیرا تو آپ نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، فرمایا: اے قیس! ٹھر جا، کیا دو نمازیں اکٹھی ہو گئی ہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میں فجر کی سنتیں ادا نہیں کر سکا۔ فرمایا تواب حرج نہیں۔ (ت)

جس میں بیان ہے کہ وہ شخص خود ہی قیس تھے ان کا وہ عذر سن کر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تواب حرج نہیں یہ حدیث ان احادیث جلیلہ صحیحہ کے مقابل لانے کے قابل نہیں،

اوّلاً: اس کی سند منقطع ہے خود امام ترمذی نے بعد روایت حدیث فرمایا:

اسناد هذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراهیم التیمی لم یسمع من قیس[2]۔	اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم التیمی نے حضرت قیس سے سماع نہیں کیا۔ (ت)

ثانیا: خود سعد بن سعید پر اس کی سند میں اختلاف کیا گیا، بعض نے صحابی کو ذکر ہی نہ کیا، جامع ترمذی میں ہے:

وروی بعضهم هذا الحدیث عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراهیم ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم خرج فرأی[3] قیسا۔	بعض نے یہ حدیث اس سند سے بیان کی ہے سعد بن سعید، محمد بن ابراہیم سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم تشریف لائے اور قیس کو دیکھا۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاءفی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/۵۷

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاءفی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/۵۷

[3] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاءفی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/۵۷

ثالثًا: عامہ رواۃ نے اسے مرسلًا روایت کیا خود انھیں سعید کے دونوں بھائی عبد ربہ بن سعید ویحیٰی بن سعید کہ دونوں سعد سے اوثق واحفظ ہیں مرسلًا روایت کرتے جامع ترمذی میں ہے: **انما یروی ھذا الحدیث مرسلًا**[1]۔ (یہ حدیث مرسلًا مروی ہے۔ت) سنن ابی داؤد میں ہے:

روی عبد ربہ و یحیی ابنا سعید ھذا الحدیث مرسلا ان جدھم عـــہ زید اصلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	سعید کے بیٹے عبدربہ اور یحیٰی دونوں نے اس حدیث کو مرسلًا روایت کیا کہ ان کے دادا زید نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ (ت)

رابعًا: مدار اس روایت کا سعد بن سعید پر ہے جامع ترمذی میں ہے:

حدیث محمد بن ابرھیم لانعرفہ مثل ھذا الامن حدیث سعد بن سعید[3]۔	ہم محمد بن ابرہیم سے مروی اس حدیث کو سعد بن سعید کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے۔ (ت)

اور سعد باوصف توثیق مقال سے خالی نہیں، ان کا حافظہ ناقص تھا، امام احمد نے انھیں ضعیف کہا، امام نسائی نے فرمایا قوی نہیں، امام ترمذی نے فرمایا **تکلموا فیہ من قبل حفظہ**[4] یعنی ائمہ حدیث نے ان سعد میں ان کے حافظہ کی طرف سے کلام فرمایا۔ لاجرم تقریب میں ہے: **صدوق سیئ الحفظ**[5] آدمی سچے ہیں حافظہ برا ہے۔

عـــہ وقع فی نسخ السنن الثلث التی عندی ان جدھم زید وھو مشکل فان جد یحیٰی قیس لازید وقد انکرہ الحافظ فی الاصابۃ فقال بعد ذکر الروایۃ ھکذا قرأت ۱۲ منہ (م)	میرے پاس تینوں سنن کے نسخوں میں یہ ہے کہ ان کے جد کا نام زید ہے لیکن یہ محل اشکال ہے کیونکہ یحیٰی کے جد کا نام قیس ہے زید نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس کا انکار کیا اور روایت ذکر کرنے کے بعد کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ، ۱/ ۵۷

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب من فاتتہ متی یقضیہا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۰

[3] جامع الترمذی ابواب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۵۷

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ سعد بن سعید نمبر ۸۷۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ہند ۳/ ۴۷۱

[5] تقریب التہذیب ترجمہ سعد بن سعید نمبر ۲۲۴۴ حرف السین المہملۃ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۴۳

ان وجوہ کی نظر سے یہ حدیث واحد خود ان احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابل نہ ہو سکتی خصوصًا اس حالت میں کہ وہ مثبت ممانعت ہیں اور یہ ناقل اجازت، اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب دلائل حلت وحرمت متعارض ہوں حرمت وممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹۸: ۴ صفر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنن اربعہ جو بروز جمعہ قبل از خطبہ پڑھی جاتی ہیں اگر وہ کسی عذر سے ترک ہوجائیں تو بعد خطبہ اور فرضوں کے ان کی ادا ہے یا نہیں؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب وتوجروا عند اللہ الوھاب**

الجواب:

ہے اور سنتوں ہی کی نیت کرے وہ سنت ہی واقع ہوں گی،

فی الدرالمختار بخلاف سنہ الظھر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی، ثم یأتی بھا علی انھا سنۃ فی وقتہ ای الظھر [1]۔	درمختار میں ہے کہ بخلاف ظہر کی سنتوں کے اور اسی طرح جمعہ کی سنتوں کے اگر ایک رکعت کے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو سنتیں چھوڑ کر امام کی اقتداء کرے پھر ان کو وقت ظہر میں ادا کرے۔(ت)

ہاں اگر وقت ظہر نکل گیا تو اب قضا نہیں لما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹۹: ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض فجر کی جماعت سے پڑھے اور سنت اس کی فوت ہوئیں بوجہ ادائے فرض کے اب ان سنتوں کو بعد ادائے فرض پڑھے یا بعد طلوع آفتاب اور وقت بھی ادائے سنت کا باقی ہو اور کسی کے فرض وسنت دونوں فوت ہوئے ہوں تو ان سنت وفرض کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے اور سنت کی قضا کس وقت تک چاہئے؟

الجواب:

جب فجر کے فرض پڑھ لئے تو آفتاب بلند ہونے سے پہلے سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں اگرچہ فجر کا ابھی ایک گھنٹا وقت باقی ہو، ہاں بعد بلندیٔ آفتاب پڑھے اور جس کے فرض وسنت دونوں فوت ہوئے ہوں وہ طلوع کے بعد استواء سے پہلے فرض وسنت دونوں کی قضا کرے، اور اگر یہ وقت بھی گزر گیا بعد زوال فرضوں کی قضا

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۰

پڑھے تواب سنتوں کی قضا نہیں والمسائل مبسوطۃ فی الدر وغیر عامۃ الاسفار الالغر (ان مسائل کی تفصیل در اور دیگر کتب مبارکہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۰: از ملک بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ چندراگنج موضع ودالیا مرسلہ محمد ابراہیم ۶ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص عمر بھر نماز کبھی نہیں پڑھی اب یہ شخص مرگیا تو اس وقت اس کی قضائے عمری کی کیا صورت ہے اس کا اگر کوئی تدارک ہوسکے تو کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

اگر وقت بلوغ معلوم نہ ہو تو مرد کے لئے اس عمر سے بارہ برس اور عورت کے لئے ۹ برس کم کریں اور باقی تمام برسوں کے دن کرکے ہر دن کی نماز کے لئے آٹھ سو دس تولے گیہوں کہ سو روپے بھر کے سیر سے کچھ کم نو سیر ہوئے یا سولہ سو بیس تولہ جو یا ان کی قیمت ادا کریں کل کے ادا کی طاقت نہ ہو تو جس قدر پر قدرت ہو محتاج کو دے کر قابض کردیں محتاج اپنی طرف سے پھر ان کو ہبہ کردے یہ قبضہ کرکے پھر کفارہ میں محتاج کو دیں وہ بعد قبضہ پھر ان کو ہبہ کردے، یہ پھر قبضہ کرکے کفارہ میں دیں یونہی دور کرتے رہیں یہاں تک کہ ادا ہوجائے۔ عورت کی عادت حیض اگر معلوم ہو تو اس قدر دن اور نہ معلوم ہو تو ہر مہینے سے تین دن نو برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک مستثنٰی کریں مگر جتنی بار حمل رہا ہو مدت حمل کے مہینوں سے ایام حیض کا استثناء نہ کریں عورت کی عادت دربارہ نفاس اگر معلوم ہو تو ہر حمل کے بعد اتنے دن مستثنٰی کرے اور نہ معلوم ہو تو کچھ نہیں کہ نفاس کے لئے جانب اقل میں شرعًا کچھ تقدیر نہیں ممکن ہے کہ ایک ہی منٹ آکر فورًا پاک ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خام علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خان رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے محقق دین ومفتیان مدقق پابند شرع متین دریں مسئلہ کہ اکثر عوام الناس درآخرر جمعہ رمضان المبارک نماز قضائے عمری پنجوقتہ متخلف امام می خوانند درست است یا ممنوع زیرا کہ نماز قضا بدون ادا ساقط و دور نمی شود اگر کسے بروز جمعہ آخری رمضاب شریف قضائے نماز تمام عمر بہ نیت قضائے عمری بخواہد کہ ادا شود تعجب ست انتہی و نیز صورت نماز قضائے روز متفرقہ چیست یعنی

علمائے دین ومفتیان شرع میتن اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عوام الناس امام کی اقتداء میں پانچ وقتی نماز قضا عمری پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ قضا نماز جب تک ادا نہ کی جائے ساقط نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی شخص رمضان کے آخری جمعہ کو تمام عمر کی قضا نمازوں کی نیت سے قضا عمری پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تمام عمر کی نمازیں ساقط ہوجائیں گی اس پر

قضائے عصریکے روز سہ شنبہ ونماز قضائے عصر دوم چہار شنبہ اگرایں ہر دومردم نماز قضائے عصر جداگانہ بجماعت ادا نمازیند درست ست یا منع چراکہ نماز ہر دومردم روز یکے نیست علاوہ بریں امام صاحب ترتیب ست و مقتدیان ازیں خوبی عاری پس چنیں امام قضائے یقینی مقتدیان کہ اکثر قضائے نماز ذمہ اوست فارغ الذمہ میشوند یا حکم آں چہ۔اعنی پس ادا کنندہ نفل نماز فرض بچہ طور ادامی شود بشرح بسیط بیان فرمایند بحوالہ عبارت کتب رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔	تعجب ہے انتہی، مختلف دنوں کی نمازوں کی قضاء کی صورت کیا ہے؟ مثلاً ایک آدمی کی منگل کی عصر اور دوسرے کی بدھ کی عصر قضا ہو گئی ہے اگر دونوں عصر کی قضا آپس میں باجماعت ادا کرتے ہیں تو یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ دونوں کی نماز ایک دن کی نہیں۔ علاوہ ازیں امام صاحب ترتیب ہے لیکن مقتدی صاحب ترتیب نہیں اس طرح کے امام کے پیچھے مقتدیوں کی قضا نمازیں ساقط ہو جائینگی یا ان کا حکم کیا ہے یعنی نفل ادا کرنے سے فرض کس طرح ساقط ہو سکتے ہیں؟ عبارت کتب کے حوالہ جات سے تفصیلاً بیان فرمائیں تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ (ت)

الجواب:

ایں طریقہ کہ بہر تکفیر صلوات فائتہ احداث کردہ اند بدعت شنیعہ دردین نہادہ اند حدیثش موضوع و فعلش ممنوع وایں نیت واعتقاد باطل ومدفوع، اجماع مسلمین بربطلان ایں جہالت شنیعہ وضلالت فظیعہ قائم ست حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند: من نسی صلٰوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلک[1] ہر کہ نمازے فراموش کرد چوں یاد آید آں نماز باز گزارد جزایں مر اورا کفارہ نیست اخرجہ احمد والبخاری ومسلم واللفظ لہ والترمذی	فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو طریقہ (قضائے عمری) ایجاد کر لیا گیا ہے یہ بدترین بدعت ہے اس بارے میں جو روایت ہے وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے یہ عمل سخت ممنوع ہے، ایسی نیت واعتقاد باطل ومردود، اس جہالت قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کرلے، اس کا کفارہ سوائے اس کی ادائیگی کے کچھ نہیں اسے امام احمد، بخاری، مسلم (مذکورہ الفاظ بھی اس کے ہیں) ترمذی، نسائی اور دیگر محدثین نے حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب موقیت الصلٰوۃ باب من نسی صلٰوۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۴، صحیح مسلم باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۴۱

والنسائی وغیر ھم عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔علامہ علی قاری رحمۃ الباری در موضوعاتِ کبیر گوید:	انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔علامہ قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں کہتے ہیں: حدیث "جس نے
حدیث "من قضی صلٰوۃ من الفرائض فی اخر جمعۃ من رمضان کان ذلك جابرا لکل صلٰوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ"باطل قطعا لانہ مناقض للاجماع علی ان شیأ من العبادات لاتقوم مقام فائتۃ سنوات [1]الخ امام ابن حجر مکی در تحفہ شرح منہاج الامام النووی باز علامہ زرقانی درشرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی فرمایند:	رمضان کے آخری جمعہ میں ایک فرض نماز ادا کرلی اس سے اس کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کا ازالہ ہوجاتا ہے" یقینی طور پر باطل ہے کیونکہ اس اجماع کے مخالف ہے کہ عبادات میں سے کوئی شیئ سابقہ سالوں کی فوت شدہ عبادات کے قائم مقام نہیں ہوسکتی الخ، امام ابن حجر کی تحفہ شرح منہاج للامام النووی میں پھر علامہ زرقانی شرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں: اس سے بھی بدتر وہ طریقہ ہے جو
اقبح من ذلك مااعتید فی بعض البلاد من صلٰوۃ الخمس فی ھذہ الجمعۃ عقب صلٰوتھا زاعمین انھا تکفر صلٰوۃ العام اوالعمر المتروکۃ و ذلك حرام لوجوہ لاتخفی [2]۔	بعض شہروں میں ایجاد کرلیا گیا ہے کہ جمعہ کے بعد پانچ نمازیں اس گمان سے ادا کرلی جائیں کہ اس سے سال یا سابقہ تمام عمر کی نمازوں کا کفارہ ہے اور یہ عمل ایسی وجوہ کی بناپر حرام ہے جو نہایت ہی واضح ہیں۔
واقتدائے قاضی عصر امروز بقاضی عصر دیرروز نارواست زیر اکہ اتحاد نماز شرط صحت اقتدا ست وہمچناں اقتدائے مفترض بمتنفل نیزکہ زنہار درست نباشد پس بدیں صور تہاذمہ از نماز فارغ نشود۔فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح	باقی آج کی عصر قضا کرنے والے کی اقتداء میں کل کی عصر قضا کرنے والا نماز ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اقتداء کے لئے نماز کاایک ہونا شرط ہے اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا ہرگز درست نہیں لہذا اس صورت میں نمازوں کا ذمہ ساقط نہیں ہوگا۔نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں

[1] الاسرار الموضوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۹۵۳ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ بیروت ص ۲۴۲
[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ واماحفیظۃ رمضان دارالمعرفۃ بیروت ۷/۱۱۰

شرط صحة الاقتداء ان لایکون الامام مصلیا فرضا غیرفرض المأموم کظهر وعصر وظهر ین من یومین [1] اھ ملخصا وفی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار لا مفترض بمتنفل ومفترض فرضا آخر کمصلی ظهر أمس بمصلی ظهر الیوم، لان اتحاد الصلوتین شرط [2] انتهت ملخصة واللہ تعالٰی اعلم	ہے اقتدا کے لئے یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی کے فرائض الگ الگ نہ ہوں مثلاً ایک ظہر اور دوسرا عصر یا دونوں دو دنوں کی ظہر ادا کر رہے ہوں (تو پھر اقتداء جائز نہ ہوگی) تلخیصا، تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ فرض ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کرسکتا اسی طرح ایک اور فرض پڑھنے والا ہے دوسرا دوسرے فرض والا ہے ان کا ایک دوسرے کی اقتداء کرنا بھی جائز نہیں مثلاً کل کی ظہر پڑھنے والے کی آج کی ظہر پڑھنے والا اقتدا کرے کیونکہ دونوں کی نمازوں کا ایک ہونا شرط ہے انتہت تلخیصًا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس پر قضا نماز زیادہ ہوں وہ ان کی نیت کیونکر کرے اور قضا میں کیاکیا نماز پھیری جاتی ہے اور جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کی ادا سخت دشوار ہے تو آیا اس کے لئے کوئی تخفیف نکل سکتی ہے جس سے ادا میں آسانی ہوجائے کہ ادا میں جلدی منظور ہے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشاء کے تین وتر۔ اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی، اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نماز میں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلی کی جگہ صرف ایک بار کہے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کرلے اس وقت سجدہ سے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۵۸

[2] ردالمحتار معہ الدر المختار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۹

سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہو سکتی ہے، دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری ور چوتھی رکعت میں **الحمد** شریف کی جگہ **سبحان اللہ، سبحان اللہ ،سبحان اللہ** تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضرور ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر **سبحان اللہ** شروع کریں اور **سبحان اللہ** پورے کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جھکائیں، یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں **الحمد** اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں، تیسری تخفیف پہلی **التحیات** کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف **اللھم صلی علی محمد والہ** کہہ کر سلام پھیر دیں چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ **اللہ اکبر** کہہ کر فقط ایک یا تین بار **رب اغفر لی** کہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۳: از مولوی عبداللہ صاحب مدرس منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ قضائے عمری نماز ادا کرنے کی حالت میں جو نفل ہر وقت کی نماز میں پڑھے جاتے ہیں وہ قبول ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:

خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۴: کتاب ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایک شخص تین بجے رات سے جاگتا رہا اور وقت نماز صبح صادق سو گیا اور آفتاب نکل آیا تو وہ وقت کی نماز پڑھے ثواب اس کو ادا کا ملے گا وقت میں قضا کا لفظ نہ کہے۔

الجواب:

اس نماز کے قضا ہو جانے میں شک نہیں کہ نماز کے لئے شرعاً اوقات معین ہیں،

قال اللہ تعالٰی إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے،

اور قضا ہو جانے کے یہی معنی ہیں کہ شرعاً جو وقت مقرر فرمایا گیا تھا وہ جاتا رہے، رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلوٰۃ اولا واخرا و ان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر و ان اخر وقتھا	بیشک ہر نماز کے لئے اول واخر ہے اور بیشک نماز صبح کا اول وقت طلوع فجر کے وقت ہے اور اس کا

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

حین تطلع الشمس[1]۔ رواہ الترمذی والامام الطحاوی بسند صحیح عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مطولا وھذا مختصر۔	آخر طلوع شمس پر ہے، اسے امام ترمذی اور امام طحاوی نے بسند صحیح اعمش سے انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تفصیلاً روایت کیا ہے اور یہ مختصر ہے

امام طحاوی فرماتے ہیں:

| ھذا اتفاق المسلمین ان اول وقت الفجر حین تطلع الفجر واٰخر وقتھا حین تطلع الشمس[2]۔ اما ما ذکر فی بعض کتب الفقۃ مرفوعا من نام عن صلٰوۃ اونسیھا فلیصلھا اذاذکرھا فان ذلك وقتھا **فاقول:** الحدیث فی الصحیحین بلفظ من نسی صلٰوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلك[3] اخرجاہ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وفی لفظ لمسلم عنہ من نسی صلٰوۃ او نام عنھا فکفارتھا ان یصلھا اذاذکرھا[4] وفی اٰخر لہ انہ فلیصلھا اذاذکرھا فان اللہ عزوجل یقول اقم الصلٰوۃ لذکری[5] ولہ عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ فلیصلھا | یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اجمع ہے کہ نماز صبح کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور طلوع شمس پر جاتا رہتا ہے۔ جو بعض کتب فقہ میں مرفوعًا روایت مروی ہے کہ جو شخص نماز سے سوگیا اسے بھول گیا تو وہ جب یاد آجائے اسی وقت نماز ادا کرے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے۔ **فاقول:** (میں کہتا ہوں) اس حدیث کو بخاری ومسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز بھول گیا وہ یاد آنے پر ادا کرے اس نماز کا کفارہ سوائے اس کے کچھ نہیں مسلم شریف میں انہی سے یہ روایت ان الفاظ میں ہے جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا یا سوگیا نماز رہ گئی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے۔ مسلم کی دوسری روایت جو اسی صحابی سے مروی ہے یہ الفاظ ہیں کہ جب نماز |

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب منہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۲

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

[3] صحیح البخاری باب من نسی صلٰوۃ فلیصل اذا ذکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴، صحیح مسلم باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۴۱

[4] صحیح مسلم، باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ، نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۴۱

[5] صحیح مسلم، باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ، نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۴۱

حین ینتبه لها فاذاکان الغد فلیصلها عند وقتها[1] وله کالستة الا البخاری والترمذی عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه کا خر الفاظه عن انس رضی الله تعالٰی عنه وللترمذی وصححه والنسائی فی حدیث ابی قتادہ رضی الله تعالٰی عنه فلیصلها اذا ذکرها [2] ومثله لابی یعلی والطبرانی فی الکبیر عن ابی حنیفه رضی الله تعالٰی عنه ونحوہ لھذا فی الاوسط عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ولمالك فی موطاہ عن زید بن اسلم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا رقد احدکم عن الصلٰوۃ اونسیها ثم فزع الیها فلیصلها کما کان یصلیها لوقتها [3] وللطبرانی عن میمونة بنت سعد رضی الله تعالٰی عنها اذا ذکرها فلیصلها ولیحسن صلٰوته ولیتوضا فلیحسن وضوئه فذلك کفارته [4] و لیس فی شی من ذلك "فان ذلك وقتها" بل قد ارشد صلی الله تعالٰی علیه وسلم	یاد آئے تو اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے نماز میری یاد کے لئے قائم کرو۔اور مسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ وہ شخص جب بیدار ہو تو ادا کرے اور جب دوسرا دن آئے تو اسے وقت پر ادا کرے۔ بخاری کے سوا صحاح ستہ میں ایسے ہی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مروی ہیں، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث میں ہے، پس اسے پڑھ لے جب اسے یاد ائے، ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے ابویعلی اور المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ حدیث امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے، اسی طرح اوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور امام مالک کے موطا میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اسے بھول جائے پھر اسے نماز کے (قضا) ہونے کا خوف لاحق ہوا تو اسے اسی طرح ادا رکھے جس طرح وقتی نماز

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۹

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی النوم عن الصلٰوۃ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/۲۵، سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/۷۱

[3] موطاامام مالک کتاب وقوت الصلٰوۃ باب النوم عن الصلٰوۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۰

[4] المعجم الکبیر مروی از میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا مطبوعہ المکتبۃ بیروت ۲۵/ ۳۵

فی حدیث ابی قتادة رضی الله تعالٰی عنه بقوله فاذاکان الغد فلیصلها عند وقتها ان الذی یصلی الیوم لیس لوقته والیه یومی حدیث زید فلیصلها کما کان یصلیها لوقتها نعم للطبرانی فی الاسط و البیهقی فی السنن من نسی صلٰوۃ فوقتها اذا ذکرها[1] وقد نص البیهقی علی تضعیفه فانی تقوم به الحجة بل ولئن صح لم یقادح الاجماع علی انه یقبل التاویل ای انه یطالب بها الان کما یطالب بها فی وقتها۔	ادا کرتا ہے۔ طبرانی میں حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ جب اسے یاد آئے ادا کرے اور اچھی طرح وضو کرے پس یہی اس کا کفارہ ہے۔ ان تمام روایات میں یہ الفاظ کہ "یہی اس کا وقت ہے" ہرگز نہیں ہیں بلکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ابو قتادہ کے الفاظ "دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ادا کرے" کے ذریعے یہ رہنمائی عطافرمائی ہے کہ آج اس نے جو نماز پڑھی وہ وقت پر نہ تھی حدیث زید کے الفاظ اسے اسی طرح ادا کرے جیسے وقتی ادا کرتا ہے" بھی اسی طرف اشارہ کررہے ہیں، ہاں طبرانی نے اوسط اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ جو نماز بھول گیا اس کا وقت وہی ہے جب اسے یاد آئے لیکن امام بیہقی نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح کردی ہے تو یہ روایت دلیل کیسے بن سکتی ہے، بلکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اجماع کو توڑ نہیں سکتی، علاوہ ازیں اس کی تاویل کرنا درست ہے کہ جب نماز یاد آئی ہے تو اس سے اس کی ادائیگی کا اسی طرح مطالبہ ہے جیسے کہ اس کے وقت میں تھا۔ (ت)

وقت میں قضا کا لفظ کہنے کی تو کوئی حاجت اس میں بھی نہیں جبکہ جیتے جاگتے قصداً معاذاللہ قضا کردی ہو بلکہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قضا بہ نیت ادا اور ادا بہ نیت قضا دونوں صحیح ہیں مگر اس سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں جبکہ وہ یقینا قضا ہے تو قضا کہنے میں کیا مضائقہ رکھا ہے، رہا ادا کا ثواب ملنا یہ اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اگر وہ جانے گا کہ اس نے اپنی جانب سے کوئی تقصیر نہ کی صبح تک جاگنے کے قصہ سے بیٹھا تھا اور بے اختیار آنکھ لگ گئی تو ضرور اس پر گناہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اما انه لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصلی الصلٰوۃ حتی یجیئ وقت الصلٰوۃ الاخری[2]۔ رواہ مسلم عن	سو جانے کی وجہ سے نماز رہ گئی تو گناہ نہیں لیکن جس شخص نے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آگیا تو یقینا گنہ گار ہوگا۔ اسے مسلم نے حضرت ابو قتادہ

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فیمن نام عن الصلٰوۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۳۲۲/۱، سنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ باب لا تفریط علی من نام عن صلٰوۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲۱۹/۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۳۹/۱

ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وللنسائی وا لترمذی وصححہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ[1]۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نسائی اور ترمذی نے اسی صحابی سے ان الفاظ میں روایت کی ہے سو جانے کی صورت میں گناہ نہیں البتہ بیداری میں گناہ ہے۔ (ت)

اور جب اس کی جانب سے کوئی تقصیر نہیں تو امید یہی ہے کہ ثواب نماز کامل عطا ہو مگر اس سے وہ نماز قضا سے خارج نہ ہو جائے گی ثواب کامدار نیت پر ہے، بے کئے ثواب محض نیت پر مل جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ جو نماز کے قصد پر چلا اور جماعت ہو چکی جماعت کا ثواب پائے گا لیکن اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ جماعت فوت نہ ہوئی وھذا اظاھر جدا (یہ بلکل واضح ہے۔ ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۵: از نجیب اباد ضلع بجنور محلّہ مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھکیدار ۱۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ

قضا نماز کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تنہا پڑھنا افضل ہے یا باجماعت؟ اور مسجد میں یا مکان پر؟ اگر جماعت ہو سکتی ہے تو صبح و عشا و مغرب کی نماز خاموش پڑھنا چاہیئے یا باآواز؟ اور ہر ایک قضا عین وقت ہی پر پڑھی جائے مثلاً عشاء کی عشاء کے وقت اور ظہر کی ظہر کے وقت علی ہذالقیاس یا حتی الامکان جلد بلاتعین وقت؟

الجواب:

اگر کسی امر عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہو گئی تو جماعت سے پڑھیں، یہی افضل و مسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اگرچہ قضا ہو۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی رہی تو گھر میں تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے قضا حتی الامکان جلد ہو، تعیین وقت کچھ نہیں ایک وقت میں سب وقتوں کی پڑھ سکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ قضاءھا فیہ (ای فی المسجد) لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ بزازیۃ[2]۔	مسجد میں نماز کی قضا مکروہ ہے کیونکہ تاخیر معصیت ہے جس کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، بزازیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی الامداد انہ اذاکان التفویت الامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ	امداد میں ہے جب نماز کا فوت ہونا کسی عام امر کی وجہ سے ہو تو اب مسجد میں قضا کے لئے اذان مکروہ نہیں

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلوٰۃ مطبوعہ المکتبہ السّلفیہ لاہور ۱/۷۱، جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ ماجاء فی النوم عن الصلوٰۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۵

[2] درمختار باب الاذان، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۷

کفعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ التعریس [1]۔	کیونکہ وہ علت معدوم ہے جیسے کہ سرور علام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں کیا تھا۔(ت)

در مختار میں ہے:

یجھر الامام وجوبا فی الفجر و اولی العشائین اداء وقضاء [2] واللہ تعالٰی اعلم	امام فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں جہرًا قرأت کرے خواہ نماز ادا پڑھائے یا قضا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰۶: از نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ امانت علی شاہ ۱۷رمضان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی بہت نمازیں قضا ہوگئی ہیں یا اس نے دیر سے نماز شروع کی تو اس کو کیا کرنا چاہئے کہ اس کی پچھلی نمازیں پوری ہوجائیں؟

الجواب:

ان نمازوں کی قضا کرے جس قدر روز پڑھ سکے اسی قدر بہتر ہے مثلًا دس دن کی روز پڑھے یا آٹھ کی یا سات کی اور چاہے ایک وقت میں پڑھے یا متفرق اوقات میں، اور ہر بار یوں نیت کرے کہ سب میں پہلی وہ نماز مجھ سے قضا ہوئی، جب ایک پڑھ لی پھر یوں نیت کرے یعنی اب جو باقیوں میں پہلی ہے، اخیر تک اتنی پڑھے کہ اب اس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ رہے، قضا ہر روز کی صرف بیس رکعت ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۷و۱۲۰۸: دبیر انجمن نعمانیہ لاہور ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) ایک شخص جس نے اپنی چالیس سال کی عمر تک باوجود مسلمان کہلانے کے نماز روزہ حج زکوٰۃ ادانہ کی ہو یا کبھی کچھ کرلیا اور کبھی کچھ نہیں اور بعد ازاں وہ تائب ہوا اور تجدید ایمان کی اور کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ اس شخص کو بھی ان عبادات کا اعادہ فرض ہوگا یا تجدید ایمان کی کافی ہوگی کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تمام نقائص کو رفع کردیتا ہے اور کسی کبائر وغیرہ کا بھی وہ جواب دہ نہیں رہتا۔

(۲۲) اگر اس کی عمر ایسی مدت تک پہنچ گئی ہے کہ وہ سب قضا نمازیں کھڑے ہوکر ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر ادا کرنے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں۔؟

الجواب:

(۱) نماز روزہ وحج زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جتنے دنوں ادا نہ کرے گا اس کی قضا اس پر

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۸

[2] در مختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۹

فرض رہے گی کافر کا اسلام لانا اس کے اگلے کبائر کو محو کر دیتا ہے، مسلمان صرف تجدید اسلام سے اپنے گناہوں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک توبہ نہ کرے، فرائض ترک کئے ہیں اس سے توبہ میں یہ بھی شرط ہے کہ ان کی قضا کرے صرف زبانی توبہ توبہ نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہے کھڑا ہونا فرض ہے اگرچہ لکڑی یا آدمی یا دیوار کے سہارے سے جتنی اس طور سے پڑھ سکے کھڑے ہو کر پڑھے، جب تک تھک جائے تھم جائے، اس طرح ادا میں اگر قصور کرے گا اور موت آگئی تو امید ہے کہ مولٰی تعالٰی باقی نمازیں معاف فرمائے گا **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۹: جس شخص نے نماز صبح نہ پڑھی ہو تو اس کی جمعہ اور عید کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ **واللہ تعالٰی اعلم**

الجواب:

عید کی نماز تو مطلقاً ہو جائے گی اور جمعہ کی بھی اگر صاحب ترتیب نہ ہو یعنی اس کے ذمہ پانچ نمازوں سے زیادہ قضا جمع ہو گئی ہوں اگرچہ ادا کرتے کرتے اب کم باقی ہوں، اگر صاحب ترتیب ہے تو جب تک صبح کی نماز نہ پڑھ لے جمعہ نہ ہوگا اگر صبح کی نماز اسے یاد ہے اور وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ صبح کی نماز پڑھے تو ظہر کا وقت ہی نکل جائے اور یہ جمعہ میں ہونا متوقع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۰: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اس پر کفارہ صوم وصلوٰۃ کا واجب تھا بسبب غربت کے، حیات میں ادا نہ کیا، اب اس کے وارثوں نے قرض لے کر اس کی جانب سے ایک قرآن شریف ہدیہ مسکین کو دے دیا اس صورت میں کفارہ مذکورہ ذمہ زید سے ساقط ہوا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بازار کے بھاؤ سے وہ نسخہ مصحف شریف جس قیمت کا تھا بقدر اس کے کفارہ ادا ہونے کی امید ہے مثلاً دو روپیہ ہدیہ کا تھا تو دو روپے کے گیہو جتنے کفارے کو کافی ہوں وہی ادا ہو سکتا ہے باقی نماز روزے زید کے ذمے بدستور رہے، قرآن مجید بیشک بے بہا ہے اس کے ایک کلمے ایک حرف کی برابر ساتوں آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے برابر نہیں ہو سکتے، مگر ان امور میں اعتبار مالیت کا ہے، قرآن عظیم مال نہیں۔ ہاں یہ کاغذ وجلد جو متضمن نقوش ہیں یہ مال انھیں کی قیمت ملحوظ ہوگی وبس، ورنہ یوں تو جس پر دس کروڑ روپے کسی کے قرض آتے ہوں ایک کلمہ اللہ پرچہ پر لکھ کر دے دے اور دین سے ادا ہو کر بے شمار اس کا اس پر فاضل رہے **وھذا کلہ ظاھر جدا** (اور یہ سارا اچھی طرح واضح ہے۔ت) **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۱: ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرگیا اس نے عمر بھر نماز نہ پڑھی یا کبھی پڑھی اس کی عمر ستر پچھتّر برس کی ہوئی کفارہ نماز کے بہت سے گیہوں یا جوَ ہوں گے اور اس قدر مال نہیں تواس کے ادا ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً بارہ برس ادنٰی مدت بلوغ کی نکال کر ساٹھ برس کی نمازیں اس کے ذمہ تھیں سال کے دن تین سو پچپن ہیں تو ایک سال کی نمازوں کے فدیے دوہزار ایک سو تیس ہوئے اور ساٹھ برس کے ایک لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو ایک نماز کا فدیہ گیہوں سے نصف صاع یعنی بریلی کی تول سے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور انگریزی سیر سے کہ اسی روپیہ بھر کا ہے پونے دو سیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا یعنی ایک سیر تیرہ چھٹانک پانچواں حصہ چھٹانک کا کم اس مقدار کو ۲۱۳۰ میں ضرب دیں تو سال بھر کی نمازوں کا کفارہ ہو اور ۱۲۷۸۰۰ میں ضرب دیں تو ساٹھ سال کا، یہ تقریبًا پونے پانچ ہزار من گیہوں ہوئے اس قدر دینے کی طاقت نہیں تو جتنے کی قدرت ہو اس قدر فقیر کو دے کر مالک کردے قبضہ دلادیں پھر فقیر اپنی طرف سے انھیں ہبہ کردے یہ پھر دوبارہ نیت کفارہ اسے دے کر قبضہ دلادیں وہ پھر انھیں ہبہ کردے یہ سہ بارہ ایسا ہی کریں یہاں تک کہ یہ الٹ پھیر اس مقدار کو پہنچ جائے جتنے بڑی مقدار سے دور کریں گے جلد ختم ہوگا دور کے لئے یہ بھی کرسکتے ہیں کہ کسی سے مثلاً سو روپیہ کی تھیلی قرض لے کر وہ کفارے میں فقیر کو دیں اور یوں ہی الٹ پھیر کریں کہ روپے سے دور آسان ہوگا، اخیر میں فقیر کو کچھ دے کر راضی کریں۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

ان لم یکن لہ مال یستقرض نصف صاع ویعطیہ المسکین علی الوارث ثم الوارث علی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوٰۃ نصف صاع کما ذکرنا [1] اھ وتفصیل الکلام فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر میت کا مال نہیں تو نصف صاع قرض لے کر مسکین کو دیا جائے پھر وہ مسکین اسے وارث پر صدقہ کرتے جائیں یہاں تک کہ ہر نماز عوض نصف صاع ہوجائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ۔ اور تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۲: کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا اور اس کی نمازیں وروزہ قضا ہیں

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ التاسع عشر فی الفوائت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۹

اس کے ورثا ان کا فطرہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور اس مقام پر آبادی اہل ہنود رعیت و مسلمان رعیت وسادات کی ہے جو بوجہ قحط سال انتہا درجہ کے محتاج ہیں اور ذوالقربٰی اور ہمسایہ بھی احتیاج رکھتے ہیں تو اس فطرہ کو ان سب پر تقسیم کرنا جائز یا ناجائز، اور دینا اولٰی اس میں سے کس گروہ کو ہے، متوفی کی سکونت سے دور مقامات میں طلباء دین کو دینا اولٰی ہے یا مذکورین سابقین جو اسی آبادی میں اور قرب وجوار میں محتاج ہیں اور ایک نماز و روزہ کے فطرہ کو پورا ایک شخص کو دینا جائز ہے یا اس کی قیمت کرکے نقد دینا جائز ہے یا نہیں، اگر نماز وروزہ کا غلہ یا قیمت حساب لگا کر مساکین پر کم وبیش تقسیم کردے تو جائز ہے یا نہیں یعنی ایک سو نمازیں اور پچاس روزہ کا فطرہ پیمائش کرکے انبار کیا یا اس کی قیمت جمع کی اور پانچسو مساکین پر تقسیم کرنا منظور ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

یہ صدقہ حضرات سادات کرام کے لائق نہیں اور ہنود وغیرہم کفار ہند اس صدقے کے لائق نہیں ان دونوں کو دینے کی اصلاً اجازت نہیں، نہ ان کے دیے ادا ہوں۔ مسلمین مساکین ذوالقربی غیر ہاشمین کو دینا دونا اجر ہے مدرسہ دینیہ کے طلبہ علم دین کے صحیح العقیدہ کو بھیجنے کی اجازت ہے اگرچہ وہ دوسرے شہر میں ہوں حتی کہ زکوۃ بھی۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلہاالا الی قرابۃ او احوج اواصلح وانفع للمسلمین او الی طالب علم[1]۔	زکوۃ کی رقم کا دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب دوسرے مقام پر رشتہ دار یا زیادہ محتاج یا زیادہ صالح یا مسلمانوں کا زیادہ نفع ہے یا طالب علم ہو۔(ت)

اقارب وجیران اور دور کے طلبہ علم دونوں میں ایک ایک وجہ اولیت کی ہے جو اسے انفع معلوم ہو اس پر عمل کرے چاہے اناج دے یا اس کی قیمت ایک فقیر کو متعدد نمازوں روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے جب تک وہ اس کے دینے سے مالک نصاب نہ ہو جائے ہاں مدیون ہو تو بقدر دین ہزار نصابوں کی مقدار ایک کو دے سکتا ہے کسی فقیر کو ایک کفارہ کی مقدار سے کم نہ دے بلکہ پوری مقدار یا مقادیر یا اس کی یا ان کی پوری قیمت ہو احتیاط اس میں ہے خروجا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کے لئے۔ت) درمختار میں اسی کفارہ کے بارے میں ہے:

لوادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز	اگر فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو یہ جائز نہیں اور اگر اسے

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

ولو اعطاہ الکل جاز[1]۔	تمام دے دیا تو جائز۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

هذا ثانی قولین حکاهما فی التتار خانیة بدون ترجیح وظاهر البحر اعتمادہ والاول منهما انه یجوز کما یجوز فی صدقة الفطر[2]۔	یہ ان دو اقوال میں سے دوسرا ہے جنھیں تتارخانیہ میں بغیر ترجیح کے نقل کیا اور بحر سے اسی پر اعتماد کا اظہار ہو رہا ہے اور پہلا قول یہ ہے کہ یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح صدقۃ الفطر میں جائز ہے۔(ت)

یہاں یہ ظاہر ہوا کہ سو نمازوں اور پچاس کا فدیہ ڈیڑھ سو مساکین سے زائد کو نہ دیا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۳: از موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۳۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملک پنجاب میں رواج ہے کہ میت کے جنازہ کے وقت اسقاط کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث سے بحالت وصیت اس کا فدیہ ادا ہو سکے یا وصیّت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں اس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہو سکتا ہے مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیت فدیہ دیں فقیر اس سے لے کر پھر وارث کو ہبہ کردے یہ پھر بہ نیت فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کردے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہو جائے یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔

فی الدرالمختار لومات وعلیه صلوٰت فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة نصف صاع من بر کالفطرة وکذاحکم الوترو	درمختار میں ہے اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے اور اس پر نمازیں ہیں اور وہ اپنے کفارہ کی وصیت کر جاتا ہے تو ہر نماز کے عوض فطرہ کی طرح گندم کا نصف صاع دیا جائے گا

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

[2] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۳

الصوم وانما یعطی من ثلث مالہ ولولم یترك مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ الفقیر ثم ید فعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم [1]	وتر اور تراویح کا بھی یہی حکم ہے اور یہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اور اگر میّت نے مال ہی نہیں چھوڑا تو وارث نصف صاع قرض لے کر کسی فقیر کو دے اور پھر فقیر نصف وارث کو دے، اسی طرح دیتے رہیں یہاں تک کہ تمام نمازوں کا عوض ہو جائے۔(ت)

اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا یعنی کلام الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی طرح قیمت معتبر ہوگی اور جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکہ ادا ہوگا وھذا ظاھر جدا (یہ نہایت ہی واضح ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۴: از دھولقہ ضلع احمد آباد گجرات مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

بخدمت ہادی برحق مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام برکاتہ گزارش یہ ہے کہ ہم قصبہ دھولقہ کے رہنے والے ہیں ہم لوگ بالکل سیدھے سادھے لوگ اور صرف راہ حق کے تلاش کرنے والے ہیں، کسی فریق پارٹی سے ہمیں کوئی لگاؤ یا تعلق نہیں، آپ کے حکم پر ہمیشہ گردن جھکانے کو تیار ہیں مگر ہم لوگوں اردو کی معمولی لیاقت کے اور علم نہیں ہے آپ کا ایک فتوٰی اول گجراتی کتاب میں چھپا ہے اور دوسری ایک تحریر مولوی علاء الدین صاحب پر آئی ہوئی چھپی ہے، ان دونوں تحریروں کو سمجھنے کی ہم لوگ لیاقت نہیں رکھتے اس لئے خدمت والا میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اس قصبہ میں چھبیس سیر گیہوں فی سیر ۸۰ روپیہ کے حساب سے اور نقد سوا روپیہ اور ایک کلام اللہ شریف اتنی چیزوں کا حیلہ اس طرح کرتے ہیں کہ جنازہ کا امام کچھ پڑھتا ہے کیا پڑھتا ہے وہ ہمیں معلوم نہیں بعد پڑھنے کے حاضر فقیروں میں تین دور کرادیتا ہے اور پھر وہ چیزیں امام وغیرہ بانٹ لیتے ہیں، یہ حیلہ شریعت کے مطابق ہے اور جائز ہے یا نہیں صرف مختصر جواب اردو آسان لفظوں میں ہوگا تو بھی ہماری کافی تسلی ہوگی۔

الجواب:

امام جنازہ جو کچھ پڑھتا ہے اگر اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو (مثلاً یہ نہ ہو کہ اس میت کے گناہ ہم نے اپنے سر لئے یا اس کا عذاب و ثواب ہمارے اوپر کہ ایسا کہنا شریعت میں حرام ہے) اور وہ لوگ جن پر ان چیزوں کا دور کراتا ہے، فقیر محتاج زکوٰۃ لینے کے قابل ہوں تو اس چھبیس سیر گیہوں کی جو قیمت وہاں اس وقت

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۱

بازار کے بھاؤ سے ہو اور اس مصحف شریف کا جو ہدیہ وہاں اس وقت ہو اور وہ سوا روپیہ ان کے مجموعہ کو ان دور والے محتاجوں مصرف زکوٰۃ کے سہ چند میں ضرب دینے سے جو حاصل ہو یہ مال جتنے نمازوں کا کفارہ ہو اس قدر کا ہو گیا اگر میت پر زیادہ کفارہ تھا تو باقی اس کے ذمہ پر رہا مثلاً وہ گیہوں تین روپے کے ہوں اور وہ مصحف پونے تین روپے ہدیہ کا ہو تو یہ اور وہ سوا روپیہ مل کر سات روپیہ کا مال ہوا اب اگر دور میں اس فقیر میں اور ان پر تین بار دور ہوا تو گویا تیس [۳۰] فقیروں کو سات سات روپے دیئے گئے مجموع دو سو دس [۲۱۰] روپے ہوئے، میت پر نماز روزے وغیرہ کا مطالبہ اگر اس قدر یا اس سے کم تھا تو سب ادا ہو گیا اور زیادہ کا تھا تو جتنا زائد تھا باقی رہا مثلاً اس کے نماز روزوں کے حساب سے جتنے گیہوں کفارہ کے ہوتے ان کی قیمت وہاں سے وقت کے بھاؤ سے ہزار روپے تھی اور یہ دو سو دس [۲۱۰] روپے ہوئے تو سات سو نو [۷۰۹] روپے کا مطالبہ میت پر رہا اور اگر دور والوں میں بعض وہ ہوں کہ اگرچہ فقیر بنتے ہیں مگر مالدار ہیں حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن [۵۶] روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان کے شامل ہونے سے دور میں حرج نہ آئے گا فقط اتنا ہوگا کہ دور میں ان کا شمار نہ ہوگا مثلاً دس فقیروں پر دور کیا اور ان میں تین [۳] غنی تھے سات ہی پر دور سمجھا جائے گا صورت مذکورہ میں تیس [۳۰] فقیروں کی جگہ اکیس [۲۱] ہی رکھے جائیں گے اور دو سو دس [۲۱۰] روپے کی جگہ ایک سو سنتالیس [۱۴۷] روپے کا کفارہ ادا ہوگا، ہاں اگر ان میں کوئی بھی محتاج نہ ہو اسب غنی تھے تو بیشک کفارہ بالکل ادا نہ ہوگا، غرض یہ حیلہ یا تو بالکل کافی ہے جبکہ میت پر مطالبہ اسی قدر یا اس سے کم ہو ورنہ نافع ضرور ہے جبکہ ان دور والوں میں ایک بھی فقیر ہو کہ آخر کچھ نہ کچھ مطالبہ تو میّت پر سے کم ہوا، ہاں جیسے بہت عوام دور ہی نہیں کرتے ایک مصحف شریف دے دیا اور سمجھ لئے کہ عمر بھر کا کفارہ ادا ہو گیا یہ محض مہمل و باطل ہے، یونہی یہاں جب پورے مطالبہ کے قدر نہ تو اس سے بالکل ادا سمجھ لینا غلط و باطل ہے پھر بھی اس سے اس حیلہ کا جتنا فائدہ ہے زائل نہیں ہوتا، بعض کو کل سمجھ لینا ان کی غلطی ہے جیسے کسی کے ہزار روپے زید پر قرض ہوں اور زید سو [۱۰۰] روپے ادا کرے اور سمجھ لے کہ سب ادا ہو گیا تو یہ اس کی غلطی ہے مگر اس غلطی کے سبب وہ سو [۱۰۰] روپیہ جو ادا کئے باطل نہ ہو جائیں گے وہ فائدہ اسے حاصل رہے گا کہ اب [۱۰۰۰] ہزار کی جگہ [۹۰۰] نو سو کا مطالبہ اس پر رہا، بہر حال اس میں فائدہ ضرور ہے مگر اس طرح کی کوئی خلاف شرع بات نہ کہی جاتی ہو، جس کی مثال اوپر گزری، بغیر اس کے اسے مطلقاً ناجائز بتانے والا محض غلطی پر ہے، البتہ مسلمانوں کے مناسب یہ ہے کہ وہ طریقہ دور کا کریں جس سے میت پر سے باذنہ تعالیٰ سب مطالبہ ادا ہو جائے اس کا بیان ہمارے فتوی میں مفصل موجود ہے اور اس پر یہ اعتراض کہ قرآن مجید کا صدقہ حرام بلکہ کفر ہے جہل و حماقت ہے ورنہ [۱] مسکین طالب علم کو قرآن مجید دینا حرام و کفر ہو، اسے صدقہ کہہ کر نہ دے ہبہ رکھے جب بھی تو صدقہ ہی ہوگا جیسا کہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبۃ للفقیر صدقۃ علی الغنی ھبۃ [1]۔	ہبہ فقیر کے لئے صدقہ اور صدقہ غنی کے لئے ہبہ ہو جاتا ہے ۔(ت)

اور محققین کے نزدیک یہاں نفس قربت مؤثر وان کان الاثر اشد مع الاسقاط (اگرچہ اثر اسقاط کے ساتھ اشد ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الذی نعقلہ ان کلا من التقرب و الاسقاط موثر [2]۔	ہم یہ سمجھے کہ تقرب اور اسقاط دونوں ہی مؤثر ہیں۔(ت)

پھر "قرآن مجید وقف کرنے کا جواز کتب مذہب میں مصرح ہے۔ در مختار میں ہے:

وفی الدرر وقف مصحفا علی اھل مسجد للقرأۃ ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیہ [3]۔	درر میں ہے اگر کسی نے برائے تلاوت اہل مسجد کے لئے قرآن وقف کیا تو وہ اسے محفوظ رکھیں تو جائز ہے اور اگر مسجد کے لئے وقف کیا تو بھی جائز ہے اور اس سے تلاوت بھی جائز ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ان یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط و ھو انہ اذا ذکر للوقف مصرفا لا بد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ کالفقراء اواستعمالا بین الناس کالیتامی والزمنی لان الغالب فیھم الفقر فیصح للاغنیاء والفقراء منھم ان کانوا یحصون والا فلفقرائھم فقط [4]۔	ماتن کا قول "اگر اسے وہ محفوظ رکھیں" یہ اس ضابطہ پر مبنی ہے جس کا تذکرہ شمس الائمہ نے کیا کہ جب واقف وقف کے لیے کوئی مصرف بیان کرے تو ضرور ہے کہ لوگوں میں اس کی حاجت و ضرورت بیان کرے خواہ وہ ضرورت حقیقۃً ہو مثلاً یتامی اور بے دست و پا لوگ کیونکہ ان میں اغلب طور پر فقر ہوتا ہے پس اغنیاء و فقراء کے لئے یہ صحیح ہوگا جبکہ وہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں ورنہ فقط فقراء کیلئے ہوگا۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲
[2] فتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر
[3] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۰/۱
[4] ردالمحتار کتاب الوقف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۳

وقف بھی صدقہ ہی ہے بلکہ صدقہ جاریہ مستمرہ حتی کہ اگر خاص چند اغنیاء پر ہو جب بھی اس کا آخر فقراء کے لئے ہونا لازم، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یستامرہ فیھا فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انه لایباع ولا یوھب ولا یورث و تصدق بھا فی الفقراء و فی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف[1]۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اس کے بارے میں آپ سے رہنمائی حاصل کی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو اسے (منتقل ہونے سے) روک لیں اور صدقہ کردیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے صدقہ کردیا اسی طرح کہ نہ اسے بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اسے فقراء، قریبی رشتہ دار، غلاموں کی آزادی، راہ خدا میں، مسافروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ کردیا۔ (ت)

یہ حدیث محرر المذہب سیدنا امام محمد نے مبسوط میں یوں روایت فرمائی:

اخبرنا صخر بن جویرۃ مولی عبداللہ بن عمر ان عمر بن الخطاب کان له ارض تدعی ثمغا وکان نخلا نفیسا فقال یارسول اللہ انی استفدت مالا ھو عندی نفیس افاصدق به فقال رسول اللہ صلی علیه وسلم تصدق باصله لایباع ولا یوھب ولا یورث ولکن تنفق ثمرته فتصدق به عمر فی سبیل اللہ وفی الرقاب وللضیف وللمسافر و	ہمیں صخر بن جویرہ جو کہ عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک ثمغ نامی زمین کا ٹکڑا تھا اور وہاں نہایت اچھا کھجوروں کا باغ تھا انھوں نے حضور اکرم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے ایسا مال حاصل کیا ہے جو میرے نزدیک نہایت ہی قیمتی ہے کیا میں اسے صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا اصل صدقہ کردو اس طرح کہ نہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس کا وارث بنایا جائے لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے

[1] صحیح مسلم باب الوقف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۴۱

لابن السبیل ولذی القربی [1] الحدیث۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے راہ خدا غلاموں کی آزادی، مہمان نوازی، مسافر، ابن سبیل اور قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کردیا۔ (ت)

صحیح بخاری کے بھی بعض طرق میں بالفاظ امام محمد ہے: تصدق باصله لایباع [2]۔ الحدیث (اس کا اصل صدقہ کردو اسے فروخت نہ کیا جائے الحدیث۔ ت)

مانعین ۳کیا کہتے ہیں اُس صورت میں جبکہ مثلاً کوئی اہل خیر سو ۱۰۰مصحف شریف ان کے مدرسہ یا یتیم خانے میں بھیجے کہ ان میں غربا کے بچے اور یتامٰی پڑھا کریں اس کا یہ فعل حسن و باعث ثواب ہے یا حرام و موجب عذاب بلکہ معاذ اللہ کفر، اور ۴اگر اس نے نذر مانی ہو کہ اللہ تعالٰی کے لئے دس مصحف شریف فقرائے مسلمین کو دوں گا تو یہ نذر حلال ہے یا حرام و کفر، اور ۵اگر وصیت کی ہو کہ میری ملک کے مصاحف سب میرے بعد فقرائے مسلمین کے دے دیئے جائیں اور وہ ثلث مال سے زائد نہ ہوں تو یہ وصیت صحیح یا باطل اور یہ دینا وصی پر واجب ہے یا حرام، پھر یہ حکم صرف مصحف شریف کے لئے یا کتب حدیث و فقہ کے لئے بھی، طرفہ یہ کہ مانعین کے امام الطائفہ گنگوہی کے فتاوی حصہ ۳ میں ہے:

سوال: خرید کر قرآن دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: زکوۃ کے روپے سے قرآن کتاب کپڑا وغیرہ جو کچھ خرید کر دے دیا جائے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے اھ اور بات یہ ہے مانعین حقیقت امر سے غافل ہیں جو اس کی تحقیق بازغ کا طالب ہو ہمارے فتاوی کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۵: از ریاست رام پور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اور نٹیل کالج ۱۷صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ اسقاط جو ملک افغانستان میں مروج ہے وہ شرعاً ثابت اور مستحسن ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، اور فدیہ صوم اگرچہ منصوص ہے لیکن فدیہ صلوۃ پر کون سی نص ہے اور یہ یعنی دوران قرآن کیوں متروک العمل ہے اور یہ ہندوستان میں کیوں مروج نہیں، بر تقدیر ثانی یہ عبارت فتاوی سمرقندیہ کی بالکل غلط ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے:

لما صنف الامام الربانی محمد بن حسن الشیبانی فی کتاب الحیل فی کل باب انکر	جب امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی نے ہر معاملہ کے بارے میں کتاب الحیل لکھی تو اس پر علماءِ بغداد نے

[1] سنن الدار قطنی باب کیف یکتب الحبس مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۴/ ۱۹۳

[2] صحیح البخاری باب الوقف و کیف یکتب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۹

علیه علماء البغداد بلغوا تلك القصة الی خلیفة البغداد فقال الخلیفة ارسل الی ذلك فان كان موافقا للاصول فبها والا فنخرقه فقال ان العلماء احساد واوانكر و ا حسدا فجاء الامام بذلك الكتاب الی الخلیفة فنظر فیه فتعجب فطلب العلماء و قال انظروا فیه بدقة النظر من غیر حسد فلما رأوه قالوا فقد احسن محمد ضاعف الله اجره الی الابد ثم سئل الخلیفه عن الامام ای اصل اخرجت تلك المسائل قال اخرجت من قصة ایوب ویوسف وسنة حیلة الرباء والحد فقال الخلیفة للعلماء من انكرالحیلة فقد انكر القراٰن والحدیث واجماع العلماء فالتعزیز واجب علیه فلما حول ورقة وقع النظر علی حیلة الاسقاط فقال الامام اسهل طریقته ان یبیع الوارث علی الفقیر مصحفا قابل القراءة ثم یهب الفقیر للوارث ثم فثم حتی یتم لعل الله یجعل فدیة الصوم والصلٰوة والزكوٰة وغیرها فقال العلماء قلت قولا حسنا بارك الله فی عمرك فاكتب فی كتابك فكتب الامام تلك الحیلة فی كتابه فشاع فی زمان الخلیفة (الدرالبرر للامام الغز الی) قال الشارح السمر قندی	اعتراض کیا یہ بات خلیفہ بغداد کو پہنچی تو اس نے کہا وہ کتاب مجھے لاکر دو اگر اس کی عبارات اصول کے موافق ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم اسے جلادیں گے اور علماء نے اعتراض حسداً کیا تھا، امام نے کتاب خلیفہ وقت کو دی اس نے جب اسے پڑھا تو بہت متعجب ہوا، علماء کو طلب کیا اور کہا حسد سے بالاتر ہو کر دقّتِ نظر سے اس کا مطالعہ کرو، جب انھوں نے اس کتاب کو پڑھا تو سب کہنے لگے کہ امام محمد نے بہت خوب کام کیا ہے اللہ تعالٰی تا قیامت ان کو اجر عطافرمائے، پھر خلیفہ نے امام سے پوچھا ان مسائل کا استنباط کرتے وقت کونسی اصل آپ کے پیش نظر تھی، توانہوں نے فرمایا میں نے حضرت ایوب، حضرت یوسف علیہم السلام کے واقعات اور حیلہ ربا کی سنت اور حد سے انہیں مستنبط کیا ہے خلیفہ نے علماء سے کہا جو شخص حیلہ کا انکار کرتا ہے اس نے تو قرآن، حدیث اور اجماع کا انکار کیا تو اس پر تعزیر لازم ہے۔ جب خلیفہ نے کتاب کا ایک ورق اٹھایا تو اس کی نظر حیلہ اسقاط پر پڑی، امام نے کہا کہ حیلہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وارث محتاج کو قابل قرأت قرآن بیچ دے پھر وہ فقیر اس وارث کو ہبہ کردے، پھر اسی طرح مسلسل کیا جائے حتی کہ پورا ہوجائے شاید اللہ تعالٰی اسے روزہ، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا فدیہ بنادے۔ علما نے کہا کہ آپ نے بہت خوب بات فرمائی ہے اللہ تعالٰی تمھاری عمر میں برکت دے پس اسے اپنی کتاب میں تحریر فرمادو اور یہ طریقہ خلیفہ کے دور میں مروج رہا الدر البرر للامام غزالی۔ شارح سمر قندی نے فرمایا، ہمیں

حدثنا عباس بن سفیان عن ابن عتبه عن ابن عوف عن محمد عن عبدالله قال قال عمر ایهاالمؤمنون اجعلوا القراٰن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقوا وقولوا اللهم اغفرلهذا المیت بعزة القراٰن وتناولوا بایدیکم وفعل عمر فی اٰخر خلافته فی وفاة امرأة ملقبة الحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لجزء من القراٰن فمالوا الی عمر ولم یشتهر فی خلافة عثمان ثم اشتهر فی خلافة هارون الرشید من غیر انکار دوران القراٰن بحیلة الاسقاط فاصله ثابت عن عمر وهذا وان لم یذکر فی کتب المشهورة من الاحادیث ولکنه مشهور فی بعض الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المورخ اللبیب صاحب الفتوح اخبرنا ابوعاصم عن ابن جریج عن ابن شهاب عن ابن سلمة عن ابن موسٰی قال فعل عمر دوران القراٰن لجزء منه بحلقة عشرین رجلا بعد صلوٰة الجنازه لامرأة ملقبه بحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لرجل من الانصار ما حفظنا اسمه فانکار مطلقة الحیلة وعن حیلة الاسقاط فسق لانه ثبت عن عمر، اخبرنا سعید بن ایوب عن جمیع عن عبدالله بن ابی بکر انه اوجد عمر بدور القراٰن

عباس بن سفیان نے ابن عتبہ سے انہوں نے ابن عوف سے انہوں نے محمد انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے اہل ایمان! قرآن کو مردوں کی نجات کے لئے وسیلہ بناؤ اور حلقہ بناکر یوں عرض کرو اے اللہ! اس میت کو عزّت قرآن کی برکت بخش دے اور اسے ایک دوسرے کے ہاتھ میں دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں حبیبہ بنت عربد زوجہ ملاب کی وفات کے موقعہ پر قرآن کے ایک حصہ سے ایسا کیا، لیکن یہ عمل خلافت عثمان میں مشہور نہ ہوا پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں قرآن کا دور حیلہ اسقاط کے لئے بغیر کسی اعتراض کے مشہور ہوا تو اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت اور یہ بات اگرچہ مشہور کتب احادیث میں نہیں لیکن کتب تاریخ میں سند قوی کے ساتھ مشہور ہے جیسا کہ عظیم مورّخ صاحب الفتوح نے بیان کیا کہ ہمیں ابو عاصم نے ابن جریج سے انہوں نے ابن شہاب، انہوں نے ابن سلمہ، انہوں نے ابن موسٰی سے بتایا کہ حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں قران کے ایک جز کو لیا دیا اور یہ اس خاتون کے جنازہ کے بعد کیا جو ملاب انصاری کی بیوی اور حبیبہ بنت عربد کے لقب سے مشہور تھی اس کا نام محفوظ نہیں، تو مطلقًا حیلہ کا انکار کفر اور حیلہ اسقاط کا انکار فسق ہے کیونکہ یہ حضرت عمر سے ثابت ہے، ہمیں سعید نے ایوب سے انہوں نے جمیع سے انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے بتایا کہ نماز جنازہ کے بعد قرآن کا دور حضرت عمر رضی اللہ

بعد صلوٰۃ الجنازہ انتھی فتاوی سمر قندی من عتبہ۔	تعالٰی عنہ نے ایجاد کیا انتہی، فتاوٰی سمرقندی میں عتبہ کے حوالے سے منقول ہے۔(ت)

نیز اس میں دورانِ قرآن کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف ہے وہ صحیح ہے یا نہیں اور اس کی سند کیسی ہے؟

الجواب:

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے سوا اور حضرات سے جو کچھ روایات بے سروپا اس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل وافتراء ہیں، نہ یہ عبارت فتاوٰی سمرقندیہ میں ہے اس پر بھی افترا ہے، اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بنا سکا اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ وائمہ کی طرف منسوب کیا مسئلہ دور عامہ کتب متداولہ مذہب میں مصرح ہے خود مصحف شریف سے یا کسی مال سے مگر ہر بار کے دینے میں اتنا ہی مجرا ہوگا کہ بازاری نرخ سے وہ مصحف شریف جتنے ہدیہ کا ہے یہ جاہلانہ خیال کہ یہ تو بے بہا ہے ایک ہی دفعہ میں اگلے پچھلے بلکہ سات پشت کے سب کفارے ادا ہو جائیں گے محض جاہلانہ خیال باطل ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا بمالا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے جس پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ت) فدیہ صلوٰۃ پر اگرچہ نصِ شارع علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نہ آیا نص مجتہد مذہب ہے وکفی بہ حجۃ (یہ دلیل کے لئے کافی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

باب سجود السھو
(سجدۂ سہو کا بیان)

مسئلہ ۱۲۱۶: ۷ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص الحمد شریف پڑھ کر سوچتا رہا کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس میں کچھ دیر لگ گئی تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر بقدر ادائے رکن ای مع سنتہ کما فی الغنیۃ (یعنی سنت کے مطابق جیسے غنیہ میں ہے۔ ت) یعنی مثلاً جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا اتنے وقت تک سوچتا رہا تو سجدہ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

التفکر الموجب للسھو مالزم منہ تاخیر الواجب اوالرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن اوالواجب قدر اداء رکن و ھوالاصح [1] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم	ایسا سوچنا جو سہو کا سبب ہے وہ ہوگا جو واجب یا رکن کو اپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً اداء رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کرلیا جائے یہی اصح ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۸

مسئلہ ۱۲۱۷: ۲۳جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں بعد فاتحہ کے **واذکر فی الکتٰب موسٰی** سے **ووھبنالہ** تک کہ تین آیات قصار ہوگئیں پڑھ کر بند ہوگیا کسی قدر تامل کرکے پھر دوبارہ واذکر سے **ووھبنالہ** تک پڑھا پھر سہ بارہ یہی تک پڑھ کرکچھ تامل کیاجب آگے نہ چلارکوع کردیا، اس صورت میں امام پر سجدہ سہوہ آیا یانہیں؟ اگر آیا اور نہ کیاتو فاسد ہوئی یا کیسی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگرایک بار بھی بقدرادائے رکن مع سنت یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک تامل کیا سجدہ سہو واجب ہوا، ردالمحتار میں ہے:

التفکرالموجب للسھو مالزم منہ تاخیرالواجب اوالرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن اوالواجب قدر اداء رکن وھو الاصح[1]۔	ہر وہ تفکر سہوکا موجب ہے جو واجب یارکن کواپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً اداء رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کرلیاجائے یہی اصح ہے۔(ت)

اگرنہ کیانمازمکروہ تحریمی ہوئی جس کااعادہ واجب، درمختار میں ہے:

تعاد وجوبا فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ[2]۔	دانستہ یانادانستہ سجدہ سہونہ کیاتو نماز کالوٹاناواجب ہے۔(ت)

اصل حکم یہ ہے مگر علماء نے جمعہ وعیدین میں جبکہ جمع عظیم کے ساتھ اداکئے جائیں بخوف فتنہ سجدہ سہوکاترک اولٰی رکھاہے۔ درمختار میں ہے:

السھو فی صلوٰۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ التطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم فی الدرر[3]۔	سہو نماز عید جمعہ فرض اور نوافل میں برابر ہے، متاخرین کے نزدیک پہلی دو نماز (نماز جمعہ وعید) میں دفع فتنہ کی وجہ سے سجدہ سہونہ کرنا مختار ہے، جیساکہ بحر کے باب الجمعہ میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھااور درر میں اسی پر جزم ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار باب سجودالسہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۸

[2] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[3] درمختار باب سجودالسہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

ردالمحتار میں ہے:

فی جمعة حاشیة ابی السعود عن العزمیة انه لیس المراد عدم جوازه بل الاولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنه۔[1]	حاشیۃ ابوالسعود کے باب الجمعہ میں عزمیہ کے حوالے سے ہے کہ اس سے مراد سجدہ سہو کا عدم جواز نہیں بلکہ اس لئے اولی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلانہ ہوں۔(ت)

بس جہاں جمعہ بھی جماعت عظیم سے نہ ہوتا ہو بلاشبہ سجدہ کرے، اگر نہ کیا اعادہ کرے، اگر وقت نکل گیا ظہر پڑھ لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قیده الوافی بما اذا حضر جمع کثیر و الا فلا داعی الی الترک۔[2]	وافی نے اس بات کے ساتھ مقید کردیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب حاضرین کثرت کے ساتھ ہوں، اور اگر اتنا کثیر اجتماع نہیں تو پھر سجدہ سہو کے ترک کی ضرورت نہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

المرجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعده۔[3]	ترجیح یہی ہے کہ وقت کے اندر یا وقت کے بعد نماز کو لوٹایا جائے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نماز جمعہ رکعت اول میں بقدر ما یجوز به الصلوٰۃ کے پڑھ کر ایک منٹ سے زیادہ ساکت رہااور تمام کرنے نماز کے سجدہ بھی نہ کیا جب لوگوں نے کہا تم نے سجدہ سہو نہیں کیا تو جواب دیا کہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے کیا، آیا یہ قولِ زید صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ نماز کامل ہوئی یا ناقص؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایک منٹ تو بہت ہوتا ہے اگر بقدر تین تسبیح کے بھی ساکت رہا تو سجدہ سہو لازم ہے، اصل حکم یہی ہے، ردالمحتار میں خاص اس کی تصریح ہے مگر نماز جمعہ میں جبکہ ہجومِ نمازیاں کثیر ہو سجدہ سہو ساقط کردیا گیا ہے کما فی ردالمحتار ایضاً (جیسا کہ ردالمحتار میں بھی ہے۔ت) پس اس نماز میں ہجوم کثیر تھا زید نے سجدہ سہو کا

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۶

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۶

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۶

ترک بجا کیا اور اگر تھوڑے آدمی تھے تو بے جا اور سخت بے جا، اور وہ ناقص نماز ہوئی ظہر کا اعادہ کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واکرم**

مسئلہ ۱۲۱۹: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدہ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہوا یا نہیں؟ اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت اولٰی میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی، اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے،

فی ردالمحتار لو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ و ھوا لرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ماقبلھا۔[1]	ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے تین نوافل ایک قعدہ کے ساتھ ادا کئے تو مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے ان کو جائز کہنا چاہئے مگر اصح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ رکعت (آخری) باطل ہو جائے گی جس کے ساتھ قعدہ نہیں کیونکہ ایک نفل مشروع نہیں لہذا پہلے بھی فاسد ہوں گے۔ (ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدہ اولٰی نہ کیا تو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے کما صرح بہ فی ردالمحتار عن النھر الفائق عن الزاھدی (جیسا کہ ردالمحتار میں نہر الفائق سے زاہدی کے حوالے سے ہے۔ ت) اور دونوں قعدے کئے تو قطعًا چاروں رکعتیں ہو گئیں ولا کراھۃ ایضا کمایفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل فیھا مثنی مثنی کما لایخفی (اب بھی کراہت نہیں جیسے کہ ردالمحتار میں مذکور علت اسی کا فائدہ دیتی ہے البتہ دو رکعات افضل ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲۰: اگر امام پر سہوا ہوا اور سجدہ نہ کرے تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور ان پر سے سجدہ سہو ساقط ہو جائیگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک۔ فی التنویر یجب (ای سجدۃ السھو) علی منفرد و مقتد بسھو امام ان	تنویر میں ہے (سجدہ سہو) تنہا نماز والے پر بھی واجب، اور امام کی سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۱۲

سجد امامه [1] اھ ملتقطا قلت فالشرط یفید انه ان لم یسجد الامام لم یجب علی المقتدی وبالسقوط صرح فی البحر الرائق نعم بقی نقصان یظهر ان یعید لانجبارہ ان اطلع علیه وهذا لاینافی فی الصحة اذ الصحیح یقابل الفاسد والفاسد هوالباطل فی العبادات کما صرح به ائمتنا فی غیر ما کتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم	لازم ہوتا ہے بشرطیکہ امام سجدہ کرے اھ تلخیصا، میں کہتا ہوں یہ شرط بتارہی ہے کہ اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی پر لازم نہ ہوگا، بحرالرائق میں ہے اس کے ساقط ہونے کی تصریح ہے، وہاں نقص باقی رہ جائے گا، اور اگر امام کی غلطی پر مطلع ہوجائے تو کمی کے ازالے کی خاطر نماز لوٹالی جائے، لیکن یہ صحت ہے اور عبادات میں فاسد باطل ہی ہوتا ہے جیساکہ مختلف کتب میں ہمارے ائمہ نے تصریح کی ہے ۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۱: ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے لگا تو اس صورت میں کیا حکم ہے لوٹ آئے یا نہ لوٹے؟ اور اگر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے کے قریب تھا اس کے بعد لوٹ آیا تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر ہوجائے گی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ابھی قعود سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہب اصح میں اس پر سجدہ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہوگیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدہ سہو واجب، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو پلٹنے کا اصلاً حکم نہیں بلکہ ختم نماز پر سجدہ سہو کرلے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت برا کیا گناہگار ہوا، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہوجائے، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے، مگر مذہب اصح میں نماز یوں بھی نہ جائے گی صرف سجدہ سہو لازم رہے گا۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار (سهوا عن القعود الا ول من الفرض) ولو عملیا اماالنفل فیعود مالم یقید بالسجدۃ	تنویر الابصار، ردالمحتار اور در مختار میں ہے کہ (اگر فرض کا قعدہ اول بھول گیا) اگرچہ وہ فرض عملی ہو، رہا معاملہ نفل کا تو لوٹ آئے جب تک رکعت کا سجدہ نہیں کیا

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

(ثم تذكره عاداليه) وتشهد ولا سهو عليه فى الاصح (مالم يستقم قائما) فى ظاهر المذهب وهوالاصح فتح [1] يعنى اذاعاده قبل ان يستقيم قائما وكان الى القعود اقرب فانه لاسجود عليه فى الاصح وعليه الاكثر. اما اذا عاد وهو الى القيام اقرب فعليه سجود السهو كما فى نورالايضاح و شرحه بلا حكاية خلاف فيه وصحح اعتبار ذلك فى الفتح بما فى الكافى ان استوى النصف الاسفل وظهره بعد منحن فهو اقرب الى القيام وان لم يستو فهو اقرب الى القعود [2] وان استقام قائما لايعود وسجده للسهو فلو عادالى القعود لا تفسد لكنه يكون مسيئا [3] اى ياثم كما فى الفتح فلوكان اماما لا يعود معه القوم تحقيقا للمخالفة ويلزمه القيام للحال شرح المنية عن القنية [4]۔ ويسجد لتاخير الواجب وهوا الحق بحر [5] اھ ملخصا۔ والله تعالٰی اعلم۔

(پھر اسے یاد آیا تو اس کی طرف لوٹ آئے) اور تشہد پڑھے اور اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں (جب تک وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا) ظاہر مذہب کے مطابق، اور یہی اصح ہے فتح۔یعنی سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے لوٹا حالانکہ قعود کے قریب تھا، تو اب اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اکثریت کی یہی رائے ہے، اور اگر لوٹا لیکن قیام کے قریب تھا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو جائے گا جیسا کہ نورالایضاح اور شرح میں اسے بلااختلاف ذکر کیا ہے اور کافی کی اس عبارت کو فتح میں صحیح اعتبار کیا ہے کہ اگر نصف سیدھا مگر پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو نمازی قیام کے قریب، اور اگر برابر نہیں تو نمازی قعود کے قریب ہوگا، اور اگر کھڑا ہو گیا نہ لوٹا تو سجدہ سہو کرے اور اگر اب بھی واپس لوٹ آتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گناہگار ہوگا جیسا کہ فتح میں ہے اگر وہ امام ہے اور کھڑا ہو کر واپس لوٹے تو مقتدی اس کی موافقت میں واپس نہ لوٹیں تاکہ مخالفت ظاہر کریں تو اس امام پر اس وقت قیام لازم ہے، شرح المنیۃ میں قنیہ سے ہے اور تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے اور یہی حق ہے بحر اھ تلخیصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

[3] درمختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[4] ردالمحتار باب سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

[5] درمختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

مسئلہ ۱۲۲۲: ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدہ اخیرہ کے بعد گمان ہوا کہ یہ قعدہ اولی تھا کھڑا ہو گیا اور قبل سجدہ کے یاد آگیا تو اب عود کرکے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو میں جائے یا ویسے سجدہ کو چلا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عود کرکے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔

فی الدرالمختار وان قعد فی الرابعۃ مثلا قدر التشھد ثم قام عاد وسلم ولوسلم قائما صح[1]۔	درمختار میں ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں مثلاً تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر کھڑا ہوا تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اگر کھڑے کھڑے سلام پھیر دے تب بھی صحیح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثم قام، ای ولم یسجد قولہ عاد وسلم ای عاد للجلوس، وفیہ اشارۃ الی انہ لا یعید التشھد، وبہ صرح فی البحر، قال فی الامداد، والعود للتسلیم جالسا سنۃ لان السنۃ التسلیم جالسا[2] الخ۔ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم	ماتن کا قول "پھر کھڑا ہوا" یعنی پھر سجدہ نہ کیا، ماتن کا قول "لوٹے اور سلام کہے" یعنی بیٹھنے کے لئے لوٹے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ تشہد نہ لوٹائے۔ اور بحر میں اس کی تصریح ہے امداد میں ہے سلام بیٹھ کر پھیرنے کے لئے لوٹنا سنت ہے کیونکہ سنت یہی ہے کہ سلام بیٹھ کر پھیرا جائے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۳: از شہر کہنہ بریلی ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ ترک آرد قعدہ اولٰی را لیکن باستادن نزدیک ترشد آں گاہ نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نماز او جائز است یا نے؟ **بینوا توجروا**	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ نمازی نے پہلا قعدہ ترک کردیا، وہ سیدھا کھڑا ہونے کے قریب تھا وہاں سے لوٹ آیا اور باقی نماز ادا کی اس صورت میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر کہ در فرض یا وتر قعدۂ اولٰی فراموش کردہ استادہ	جو شخص فرض یا وتر کا قعدہ اولٰی بھول کر کھڑا ہو جائے

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۷

تا بتمام ایستادہ نشود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدہ سہو نیست واگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدہ سہو لازم آید تانیمہ زیریں ازبدن انسان راست نشدہ است بہ نشستن نزدیک است وچوں ایں نصف راست شد وپشت ہنوز خمیدہ است بایستادن قریب است واگر بتمامہ راست ایستاد آنگاہ نشستن روا نیست اگر بقعدہ اولٰی بازمیگرد د گناہگار شود امارا جح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود وسجدہ سہو واجب شود۔

فی الدرالمختار سھا عن القعود الاول ولو عملیا ثم تذکرہ عادالیہ ولا سھو علیہ فی الاصح مالم یستقم قائما فی ظاھر المذھب وھوالاصح فتح وان استقام قائما لا یعود فلو عاد لاتفسد لکنہ یکون مسیئا ویسجد لتاخیر الواجب وھوالا شبہ کما حققہ الکمال وھوالحق بحر[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قولہ ولا سھو علیہ فی الاصح یعنی اذاعادقبل ان یستقیم قائما وکان الی القعود اقرب فانہ لاسجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر اما اذا عاد و ھو الی القیام اقرب فعلیہ

اگر سیدھا کھڑا نہیں ہوا تھا تو اسے قعدہ کی طرف لوٹ آنا چاہئے اب اگر بیٹھنے کے قریب تھا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا، جب بدن کا پچھلا حصہ سیدھا نہیں ہوا تو وہ بیٹھنے کے قریب ہوگا اور اگر نصف حصہ سیدھا ہوگیا مگر پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو وہ کھڑے ہونے کے قریب ہے، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اس وقت بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر قعدہ اولٰی کی طرف لوٹتا ہے تو گنا ہگار ہوگا لیکن راجح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی نماز باطل نہ ہوگی سجدہ سہو لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے (اگر نمازی فرض کے قعدہ اولٰی میں بھول گیا) اگرچہ فرض عملی ہو پھر یاد آگیا تو اس کی طرف لوٹ آئے اور اصح قول کے مطابق سجدہ سہو نہ ہوگا جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہوجائے، ظاہر مذہب یہی ہے اور یہی اصح ہے فتح، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گناہگار ہوگا، تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو کرے یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی اور یہی حق ہے بحر اھ اختصارًا، ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ "اس پر اصح قول کے سجدہ نہیں یعنی جب وہ سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے لوٹا اور وہ بیٹھنے کے قریب تھا تو اب اس پر سجدہ نہیں، یہی اصح ہے اور اکثر کا قول ہے، جب وہ لوٹا حالانکہ قیام کے قریب تھا تو اب اس پر

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

سجود السهو كما فى نورالايضاح وشرحه بلاحكاية خلاف فيه وصحح اعتبار ذلك فى الفتح بما فى الكافى ان استوى النصف الاسفل وظهره بعد منحن فهو اقرب الى القيام، وان لم يستو فهو اقرب الى القعود، قوله لكنه يكون مسيئا اى وياثم كما فى الفتح فلوكان اماما لا يعود معه القوم تحقيقا للمخالفة ويلزمه القيام للحال شرح المنية عن القنية [1] اھ ملتقطا۔ والله تعالٰی اعلم	سجدہ سہو لازم ہوگا جیسا کہ نورالایضاح اور اس کی شرح میں اس مسئلہ کو بغیر کسی اختلاف کے ذکر کیا ہے اور کافی کی عبارت کو فتح میں صحیح کہا ہے کہ اگر نمازی کا نصف سیدھا ہوگیا حالانکہ پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو یہ قیام کے قریب ہوگا اور اگر نصف اسفل سیدھا نہیں تو وہ قعود کے قریب ہے۔ ماتن کے قول "يكون مسيئا" کا معنٰی یہ ہے کہ وہ گناہگار ہے فتح، اور اگر وہ امام ہے تو وہ نہ لوٹے اور لوٹ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا۔ اور واجب کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے، یہی اشبہ بالحق ہے جیسا کہ کمال نے اس کی تحقیق کی، اور یہی حق ہے بحر اھ مختصراً۔ اس پر فی الحال قیام لازم ہے شرح منیہ میں قنیہ کے حوالے سے ہے اھ ملتقطا والله سبحنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام بھول گیا سجدہ سہو کرلے تو اس صورت میں نماز امام و مقتدین اور بعد سجدہ سہو کے جو مقتدی ملے ان سب کی نماز کیسی ہوگی؟ اور حقیقت میں سہو نہیں تھا **بینوا توجروا**

الجواب:

امام و مقتدیانِ سابق کی نماز ہوگئی جو مقتدی اس سجدہ سہو میں جانے کے بعد ملے ان کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا موجب ہوا یہ سجدہ بلاسبب لغو تھا تو اس سے تحریمہ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیان مابعد کو کسی جزء امام میں شرکت امام نہ ملی لہٰذا ان کی نماز نہ ہوئی ولہٰذا اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباع امام کے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے حکم فساد نہیں کہ وہ حال امام کو صلاح وصواب پر حمل کرنا ہی چاہیے در مختار میں ہے:

[1] ردالمحتار باب سجود السهو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

سلام من علیه سجود سهو یخرجه من الصلٰوۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیها والالا[1]۔	اس کا سلام جس پر سجدہ سہو تھا نماز سے موقوف خروج ہے اگر سجدہ کرلیا تو وہ نماز کی طرف لوٹ آیا ورنہ نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

انه اذا سجد وقع لغوا فکانه لم یسجد فلم یعد الی حرمة الصلٰوۃ[2]۔	جب اس نے سجدہ کیا تو یہ لغو ہوگا گویا اس نے سجدہ سہو کیا ہی نہیں، لہٰذا وہ حرمت نماز کی طرف نہیں لوٹا۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی قاضی خاں سے ہے:

اذا ظن الامام ان علیه سهوا فسجد للسهو وتابعه المسبوق فی ذلك ثم علم ان صلوته تفسد وان لم یعلم انه لم یکن علی الامام سهو لم تفسد صلٰوۃ المسبوق[3]۔	جب امام کو یہ گمان ہو کہ اس پر سجدہ سہو ہے اور اس نے سجدہ سہو کیا اور مسبوق نے بھی اس کی اتباع میں سجدہ کیا پھر اس نے جانا کہ امام پر سجدہ سہو نہ تھا تو مشہور یہی ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر اسے اس بات کا علم نہیں کہ امام پر سجدہ سہو نہیں تھا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: هو المختار کذا فی المحیط[4] (یہی مختار ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۵: از رامپور سررشتہ پولیس مرسلہ جعفر حسین صاحب محرر سہ شنبہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید نماز مغرب میں اخیر رکعت میں آکر جماعت میں شریک ہوا، خالد جو امام تھا ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو میں چلا گیا، اب زید ایک طرف سالم پھیر کر سجدہ سہو میں جائے یا بدوں سلام کے سجدہ کرے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نے بھی قصداً سلام پھیرا تو نماز مسبوق کی فاسد ہوگئی ورنہ نہیں، اور شامی اور بحر الرائق وغیرہما میں جو

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسبوق مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

روایت لکھی ہے وہ در باب اخیر سلام ہے، نہ در باب سلام سہو۔ اور فریقین کی دلیل یہی دونوں کتاب کی روایت ہے اس کا فیصلہ چاہئے، رامپور کے علماء سے بخوبی فیصلہ جس سے تسلی ہو نہ ہو سکا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

حکم مسئلہ میں قول اول صحیح ہے فی الواقع مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع وعاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کرلے امام سجدہ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلام عمدی اس کے خلال نماز میں واقع ہوا، ہاں اگر سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی۔

لکونہ ذکرا من وجہ فلا یجعل کلاما من غیر قصد وان کان العمد والخطاء والسہو کل ذلك فی الکلام سواء کما حققہ علماءنا رحمہم اللہ تعالٰی	کیونکہ یہ من وجہ ذکر ہے لہٰذا اسے بغیر قصد کے کلام قرار نہ دیا جائے اور اگرچہ عمد، خطا اور سہو کلام میں برابر ہیں جیسا کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تحقیق کی ہے۔ (ت)

بلکہ وہ سلام جو امام نے سجدہ سہو سے پہلے کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے یا معاً بلا وقفہ اس کے ساتھ پھیرا تو ان صورتوں میں مسبوق پر سہو بھی لازم نہ ہوا کہ وہ ہنوز مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کے سہو کے سبب سجدہ لازم نہیں، ہاں یہ سلام اخیر اگر امام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ اگرچہ کرچکا ہو دوبارہ لازم آیا کہ اپنی آخر نماز میں کرے گا اس لئے اب یہ منفرد ہو چکا تھا۔ خزانۃ المفیتن میں شرح مختصر امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

علیہ سجدۃ من صلب الصلٰوۃ سلم وھو ناس لھا ثم تذکر بعد ذٰلك فانہ بھٰذا السلام لا یخرج عن حرمۃ الصلٰوۃ بالاجماع حتی صح الاقتداء وان عاد الامام و سجد یسجد ھذا المقتدی معہ علی طریق المتابعۃ ولایعتد بھذہ السجدۃ لانہ لم یدرك الرکوع ویتشھد مع الامام ولایسلم اذا سلم الامام ویسجد سجدتی السہو مع الامام فاذا سلم الامام ثانیا لایسلم ھوایضا بل یقوم الی قضاء ماسبق اھ[1] باختصار	اگر کسی شخص پر نماز کا سجدہ تھا اس نے بھول کر سلام پھیر دیا اسے پھر سجدہ یاد آگیا تو وہ اس سلام کی وجہ سے بالاتفاق حرمت نماز سے خارج نہیں ہوا حتی کہ اس کی اقتداء درست ہے اور اگر امام لوٹا اور سجدہ کیا اور مقتدی نے امام کی متابعت میں سجدہ کرلیا تو یہ اس کا یہ سجدہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اس نے امام کو رکوع میں نہیں پایا، امام کے ساتھ تشہد پڑھے لیکن جب امام سلام کہے تو یہ سلام نہ کہے البتہ امام کے ساتھ دونوں سجود سہو کرے جب امام دوبارہ سلام پھیرے تو وہ اب بھی سلام نہ کہے بلکہ گزشتہ رکعات کی قضا کیلئے کھڑا ہو جائے

[1] خزانۃ المفتین فصل فیما یوجب السہو ومالایوجب قلمی نسخہ ۱/۳۹

دیکھو مسبوق کو سجدہ سہو سے قبل وبعد دونوں وقت سلام سے منع فرمایا، حلیہ شرح منیہ للامام ابن امیر الحاج میں ہے:-

موافقة المقتدی المدرك للامام فی سجود السهو ظاهر واماالمسبوق فلا یتابعه بالسلام للخروج عن الصلوة وقد بقی علیه ارکان الصلوٰة ویتابعه فی سجود السهو وعن ابراهیم النخعی انه لایسجد بسهوه اصلا لان محل السهو بعد السلام وانه لایتابعه فیه فلا یتصور المتابعة فی السهو ولنا ان سجود السهو یؤدی فی تحریمة الصلوة فکانت الصلوٰة باقیة واذا بقیت التبعیة فیتابعه فیما یؤدی من الافعال [1]۔	مدرک مقتدی کی امام کے ساتھ سجدہ سہو میں موافقت واضح ہے۔ رہا مسبوق کا معاملہ تو وہ امام کے اس سلام میں اتباع نہ کرے جو نماز سے خارج ہونے کے لئے تھا کیونکہ اس پر نماز کے ارکان کی ادائیگی رہتی ہے البتہ سجدہ سہو میں اتباع کرے۔ امام ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ مسبوق امام کے سہو کی وجہ سے ہر گز سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ سجدہ سہو سلام کے بعد ہوتا ہے اور جب وہ سلام میں امام کی اتباع نہیں کر رہا تو سجدہ میں متابعت کیسے متصور ہو سکتی ہے ہماری رائے یہ ہے کہ سجدہ سہو نماز کی حرمت میں ادا ہوتا ہے تو ابھی نماز باقی ہے اور جب تابعیتِ امام باقی ہے تو ان افعال میں امام کی اتباع کی جائے جو ادا ہو رہے ہیں (ت)

محقق علی اطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

لوسبق الامام الساهی الحدث بعد سلامه استخلف لیسجد الخلیفه کما لوبقی علیه التسلیم ولیس للمسبوق ان یتقدم فی هذا الاستخلاف لانه لایقدر علیه اذمحله بعد السلام وهو غیر قادر علی السلام وانما یسجد قبل السلام حالة الاقتداء بمن یسجد قبله وهو هنا	اگر بھول جانے والے امام کو حدث لاحق ہوگیااور اس نے کسی کو خلیفہ بنایا تاکہ سجدہ سہو کرائے جیسا کہ امام پر سلام کہنا باقی ہو تو حدث لاحق ہو جائے تو خلیفہ یہ کام سرانجام دے اور مسبوق کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی صورت میں خلیفہ بنے کیونکہ وہ سجدہ سہو پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ یہ سجدہ سلام کے بعد ہوگا اور مسبوق سلام پر قادر نہیں البتہ وہ شافعی کی اقتدا میں

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قد صار اماما للمستخلف ومع ھذالو تقدم لم تفسد لانه يقدر على الاتمام فى الجملة بان يتاخر ويقدم مدركاليسلم بهم و يسجد ويسجد الخليفة المسبوق معهم لانه الان مقتد ثم يقوم الى قضاء ماسبق به [1] الخ	سلام سے پہلے امام کی سجدہ سہو میں اقتدا کر سکتا ہے اور مذکور صورت میں تو مسبوق امام کا امام بن جائیگا اس کے باوجود اگر مسبوق آگے ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ نماز کے اتمام پر قادر تو ہے ہی مثلاً یوں کہ خود پہلے ہٹ جائے اور کسی مدرک مقتدی کو آگے کردے جو نمازیوں کو سلام پھرائے اور سجدہ سہو کرائے اور خلیفہ مسبوق بھی ان کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اب یہ مقتدی ہے پھر گزشتہ نماز کیلئے قیام کرے (ت)

رہی عبارتِ بحر الرائق کہ بعد بیان اس امر کے کہ مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے گا۔ فرمایا:-

ثم المسبوق انما يتابع الامام فى السهو لا فى السلام فيسجد معه ويتشهد فاذا سلم الامام قام الى القضاء فان سلم فان كان عامدا افسدت والا فلا ولاسجود عليه ان سلم قبل الامام اومعه وان سلم بعده لزمه لكونه منفردا حينئذ [2]۔	پھر مسبوق امام کی سجدہ سہو میں اتباع کرے مگر سلام میں نہیں، پس مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے تشہد پڑھے، اور امام سلام پھیرے تو یہ گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے، اور اگر مسبوق سلام پھیرتا ہے تو اگر عمداً کیا تو نماز فاسد ورنہ نہیں، اگر مسبوق نے امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سلام سہواً پھیر دیا تو اب اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ اب وہ منفرد ہے (ت)

اسی طرح اس سے ردالمحتار میں ہے:

حيث قال قوله والمسبوق يسجد مع امامه قيد بالسجود لانه لايتابعوه فى السلام بل يسجد معه يتشهد [3] الخ	ماتن کا قول "مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے" یہاں سجدہ کے ساتھ مقید ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں بلکہ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے الخ (ت)

[1] فتح القدیر باب سجود السہو مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۴

[2] بحر الرائق باب سجود السہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۰۰

[3] ردالمحتار سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

اس میں تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ت) سے یقینا سلام اخیر مراد ہے جس کے بعد سمجھ نہیں کہ اس سے پہلا سلام جس کے بعد امام نے سجدہ سہو کیا اگر مسبوق سہواً امام کے بعد بھی پھیرے گا اس پر سہو لازم نہیں ہو سکتا کہ وہ اب بھی مقتدی ہے تو لکونہ منفرد احینئذ (کیونکہ اب وہ منفرد ہے۔ت) وہاں قول صادق نہیں اور قول بحر لافی سلام (سلام میں نہیں۔ت) و قول شامی قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام (ماتن نے سجدہ کی قید لگائی ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں کی جائیگی۔ت) میں یا تو نظر باطلاق لفظ و عموم حکم مطلق سلام مراد ہے خواہ سجدہ سہو سے پہلے ہو یا بعد یا بقرینہ مقام سلام قبل سجدہ سہو مراد لیجئے یعنی سجدہ سہو میں مسبوق بھی اگرچہ متابعت امام کرے گا مگر فقط سجدے میں شریک ہوگا و لہٰذا متابعت میں سجود کی قید لگادی کہ پیروی اسی پر مقصود ہے سلام میں مسبوق متابعت نہیں کر سکتا۔

و ھذا معنی واضح جلی یسبق الی الذھن اول مایسمع ھذا الکلام اذا صفت القریحۃ عن ظلام الاوھام۔	یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ مذکورہ کلام سنتے ہی انسان کا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے بشرطیکہ اوہام کی تاریکیوں سے ذہن صاف ہو۔ (ت)

اور اسے خاص سلام اخیر بعد سجود سہو پر حمل کرنا بے دلیل ہے جس پر اصلاً قرینہ نہیں بلکہ ظاہراً قرینہ اس کے خلاف کی طرف مشیر کما لا یخفی علی العارف البصیر (جیسا کہ عارف بصیر پر مخفی نہیں۔ت) باقی دو جگہ جو لفظ ان سلم (اگر سلام پھیرا۔ت) واقع ہے اگر سیاق سخن و نظم کلام دیکھئے تو وہ بھی مثل ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ت) سلام بعد سجود سہو میں ہیں کہ اذا سلم الامام (جب امام نے سلام پھیرا۔ت) سے یقینا یہی سلام اخیر مراد ہے جو یسجد معہ و یتشھد (امام کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ت) کے بعد اور قام الی القضاء (گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ت) اس سے متصل ہے تو کلام آتی اسی صورت کی طرف ناظر ہونا زیادہ متبادر ہے خصوصاً ان تشقیقوں میں ایک شق ان سلم بعدہ (اگر امام کے بعد سلام پھیرے۔ت) بلاشبہہ مختص بسلام آخر ہے اور حکم پر نظر کیجئے تو دونوں ان سلم (اگر سلام پھیرے۔ت) متوسط میں جو بیان ہے سلام قبل سجدہ و بعد سجدہ دونوں کو عام ہے کما اشرنا الی کل ذلك (جیسا کہ ہم نے ان تمام شقوں کی طرف اشارہ کیا۔ت) علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قول شارح:

ان سلم مع الامام مقارنا لہ اوقبلہ ساھیا فلا سھو علیہ لانہ فی حال اقتدائہ وان سلم بعدہ یلزمہ السھو لانہ منفرد[1]۔	اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا پہلے بھول کر سلام پھیرا تو اب اس پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ وہ حالتِ اقتداء میں ہے اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ وہ اب تنہا نماز ادا کر رہا ہے۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۵

کی یہی شرح فرمائی:

حیث قال قوله وان سلم مع الامام الخ سواء فی ذلك تسلیمة التحلیل الاولٰی وتسلیم سجود السهو لظهور العلة فی ذلك وقوله وان سلم بعده ای بعد سلام الامام من سجود السهو فقط اما سلامه بعد سلام الامام الاول من الصلوٰة فلا یلزم به السهو لانه لما سجد للسهو معه عاد الی الاقتداء ولا سهو علی المقتدی فتامل فیه کله اھ[1]	ان کے الفاظ یہ ہیں قول "اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہا الخ" میں نماز سے فارغ ہونے کے لئے سلام یا سجدہ سہو کے لئے سلام دونوں برابر ہیں کیونکہ علت ایک ہے قولہ اگر مسبوق نے اس کے بعد سلام پھیرا یعنی امام کے فقط سجود سہو کے سلام کے بعد پھیرا اگر امام کے پہلے سلام کے بعد پھیرا تو بھی مسبوق پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ جب وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا تو وہ اقتداء کی طرف لوٹ آیا اور مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہوتا، اس تمام گفتگو میں خوب غور فکر سے کام لو اھ (ت)

بالجملہ بحر وشامی کی ان عبارات سے فریق ثانی کا مسئلہ نزاعیہ پر استدلال محض باطل اور فریق اول کا ان سے استناد بوجہ تطرق احتمال گونہ ناکامل، اور حکم مسئلہ میں حق فریق اور کے ساتھ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۶،۱۲۲۷: ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) چار رکعت نماز میں درمیانی قعدے میں تشہد کے بعد سہو ہے اللھم صل کہاں تک پڑھے کہ سجدہ سہو واجب ہوجائے۔

(۲) جماعت میں سجدہ سہو کے قبل کا سلام اس شخص کو جس کی ایک دو رکعت باقی ہے اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ سلام اختتام نماز کا ہے یا سجدہ سہو کا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اللھم صل علی محمد وبه یفتی (اللھم صل علٰی محمد اور اس پر ہی فتوٰی ہے۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

(۲) جائز نہیں، اور اگر صداً پھیرے گا تو نماز جاتی رہے گی لوقوعہ خلال صلٰوتہ (کیونکہ یہ سلام

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

نماز کے درمیان ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲۸: ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدہ اوّل میں شک ہوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کا کیا، اب نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ: ۱۲۲۹: ۲۵ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے جہری نماز میں بعد الحمد قبل سورۃ اتنی دیر سکوت کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ لیتا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

الحمد شریف کے بعد امام نے سانس لیااور آمین کہی اور شروع سورت کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور بسم اللہ کو خوب ترتیل سے ادا کیا تو اس قدر میں ایک سورت چھوٹی پڑھنے کی ضرور دیر ہو جائے گی مگر اس میں حرج نہیں بلکہ یہ سب باتیں مطابق سنت ہیں، ہاں اگر ان کے علاوہ محض سکوت اتنی دیر کیا کہ تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا تو یہ سکوت اگر بربنائے تفکر تھا کہ سوچتا رہا کہ کیا پڑھوں، تو سجدہ سہو واجب ہے اگر نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے، اور اگر وہ سکوت عمداً بلاوجہ تھا جب بھی اعادہ واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳۰: ۸ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت (کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں۔ت) کہ ایک شخص نماز فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سورت پڑھی بعدہ سلام پھیرا اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت؟ جیسا ہو ویسا ہی ارقام فرمائے اور اگر وہ سجدہ سہو کرلیتا تو کیا اس کی نماز فرض ہو جاتی یا نہیں؟ **بینوا بتوجروا**

الجواب:

فرض ہوئی اور نماز میں کچھ خلل نہ آیا، نہ اس پر سجدہ سہو تھا بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلاف اولٰی ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گذرے تو حرام۔ درمختار میں ہے:

ضم سورة فی الاولیین من الفرض وهل یکره فی الاخریین المختار لا[1] ۔ ملخصًا	فرض کی پہلی دو رکعات میں سورت کا ملانا، کیا آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانا مکروہ ہے؟ مختار قول کے مطابق مکروہ نہیں۔ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے؛

| ای لایکره تحریما بل تنزیها لانه خلاف السنة قال فی المنیة وشرحها فان ضم السورة الی الفاتحة ساهیا یجب علیه سجدتا السهو فی قول ابی یوسف لتاخیر الرکوع عن محله وفی اظهر الروایات لایجب لان القرأة فیهما مشروعة من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحة مسنون لا واجب اه وفی البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة فی الاخریین نفلا وفی الذخیره انه المختار وفی المحیط وهو الاصح اه والظاهر ان المراد بقوله نفلا الجواز ولامشروعة بمعنی عدم الحرمة فلا ینافی کونه خلاف الاولی کما افاده فی الحلیة[2] اهما فی ردالمحتار
اقول: لفظ الحلیة ثم الظاهر ابا حتها کیف لاوقد تقدم من حدیث ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه فی صحیح مسلم وغیره انه | یعنی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے کیونکہ خلاف سنت ہے۔ منیہ اور اس کی شرح میں ہے اگر بھول کر فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائی تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو ہوگا کیونکہ رکوع اپنے مقام سے مؤخر ہوگیا ہے، اور اظہر روایات کے مطابق اس پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ ان آخری رکعتوں میں بغیر مقرر کرنے کے قرات مشروع ہے اور فاتحہ پر اکتفا سنت ہے واجب نہیں اھ اور بحر میں فخر الاسلام سے ہے کہ آخری رکعات میں سورۃ ملانا نفلی طور پر مشروع ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ مختار ہے۔ اور محیط میں اسی کو اصح کہا ہے اھ اور نفل سے واضح طور پر یہاں مراد جواز و مشروعیت بمعنی عدم حرمت ہے پس یہ اس کے خلافِ اولٰی ہونے کے منافی نہیں، جیسا کہ حلیہ میں ہے، ردالمحتار کی عبارت ختم ہوگئی۔
اقول: (میں کہتا ہوں) کہ حلیہ کے الفاظ کہ پھر ظاہر سورت کا مباح ہونا ہے اور یہ کیسے نہ ہو کہ پیچھے صحیح مسلم وغیرہ کے حوالے سے گزرا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ |

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ فی صلٰوۃ الظھر فی الرکعتین الاولین قدر ثلثین اٰیۃ وفی الآخریین قدر خمسۃ عشرۃ اٰیۃ اوقال نصف ذلک فلا جرم ان قال فخر الاسلام فی شرح الجامع الصغیر واما السورۃ فانھا مشروعۃ نفلا فی الاخریین حتی قلنا فی من قرأفی الاخریین لم یلزمہ سجدۃ سھو انتھی ثم یمکن ان یقال الاولی عدم الزیادۃ ویحمل علی الخروج مخرج البیان لذلک حدیث ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (یرید ما قدم بروایۃ الصحیحین ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ فی الظھر فی الاولیین بأم القراٰن وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بأم الکتاب الحدیث) وقول المصنف المذکور (ای ولایزید علیھا شیأ) وقول غیر واحد من المشائخ کما فی الکافی وغیرہ ویقرأ فیھما بعدالاولیین الفاتحۃ فقط ویحمل علی بیان مجرد الجواز حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ وقول فخر الاسلام فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یفعل الجائز فقط فی بعض الاحیان تعلیما للجواز وغیرہ من غیر کراھۃ فی حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما یفعل الجائز الاولی فی غالب الاحوال والفعل لاینا فی عدم الاولویۃ فیند فع بھذا ماعساہ یخال من المخالفۃ بین الحدیثین المذکورین و

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں تیس آیات اور آخری دو میں پندرہ آیات (یا نصف) تلاوت فرماتے۔ فخر الاسلام نے شرح الجامع الصغیر میں فرمایا آخری دو رکعات میں سورت بطور نفل مشروع ہے حتی کہ اگر کسی نے سورت پڑھی تو ہم کہتے ہیں کہ اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا انتہی، پھر یہ کہنا ممکن ہے کہ عدم اضافہ (سورت) اولٰی ہے اور اس پر دلیل حدیث ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے (اس سے مراد وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم کے حوالے سے گزری کہ نبی اکرم صلی تعالٰی علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے۔ الحدیث) اور مصنف کا قول مذکورہ (یعنی اس (فاتحہ) پر اضافہ نہ کیا جائے) اور متعدد مشائخ کا قول جس طرح کافی وغیرہ میں ہے کہ پہلی دو رکعات کے بعد صرف فاتحہ پڑھی جائے اور حدیث ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو محض جواز بیان پر محمول کیا جائے، اور فخر الاسلام کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعض جائز افعال کو تعلیم جواز وغیرہ کے لئے بجالائے جبکہ یہ آپ کے حق میں مکروہ نہیں جس طرح آپ جائز کو غالب اوقات بجالاتے تھے اور فعل عدم اولی کے منافی نہیں ہوتا، اس گفتگو سے وہ تمام معاملہ ختم ہوجاتا ہے جو خیال کیا گیا تھا کہ ان مذکورہ دونوں احادیث اور اقوالِ مشائخ میں مخالفت ہے اھ شاید آپ پر یہ بات مخفی نہیں رہی کہ نفل مشروع کو مکروہ تنزیہی پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے اور آخری رکعتوں

وبین اقوال المشائخ واللہ سبحٰنہ اعلم [1] اھ ولعلك لایخفی علیك ان حمل المشروع نفلا علی مکروہ تنزیہا مستبعد جدا وقرأۃ السورۃ فی الاخریین لیست فعلا مستحبا مستقلا یعتریہ عدم الاولویۃ بعارض کصلٰوۃ نافلۃ مع بعض المکروھات وانما المستفاد من العلۃ ھھنا ھو استحباب فعلھا فکیف یجامع عدم الاولویۃ والذی یظھر للعبد الضعیف ان سنیۃ الاقتصار علی الفاتحۃ انما تثبت عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الامامۃ فانہ لم یعھد منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلٰوۃ مکتوبۃ الا اماما الانادرا فی غایۃ الندرۃ فیکرہ للامام الزیادۃ علیھا لا طالتہ علی مقتدین فوق السنۃ بل لو اطال الی حد الاستثقال کرہ تحریما اما المنفرد فقد قال فیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلیطول ماشاء وزیادۃ خیر ولم یعرضہ مایعارض خیریتہ فلا یبعد ان یکون نفلا فی حقہ فان حملنا کلام المشائخ علی الامام وکلام الامام فخر الاسلام تصحیح الذخیرۃ والمحیط علی المنفرد حصل التوفیق وباللہ التوفیق ھذا ماعندی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

میں سورت کا پڑھنا مستقل فعل مستحب نہیں کہ اسے کسی عارضہ کی وجہ سے عدم اولویت لاحق ہو جیسے کہ نفل نماز کسی مکروہ پر مشتمل ہو اور یہاں علت سے قرأت سورت کا استحباب ثابت ہو رہا ہے تو اب یہ عدم اولویت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ اس عبد ضعیف پر یہ چیز واضح ہوئی ہے کہ فاتحہ پر اکتفا کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے امامت کی صورت میں منقول ہے کیونکہ آپ کی فرض نماز جو بھی منقول ہے وہ امام ہونے کی صورت میں ہی ہے البتہ شاذونادر ہی کوئی فرض نماز اس کے علاوہ ہوگی لہٰذا امام کے لئے فاتحہ پر اضافہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہاں مقتدیوں پر سنت سے بڑھ کر طوالت کی کہ مقتدیوں پر گراں گزری تو یہ کراہت تحریمی ہوگی۔ اگر آدمی تنہا نماز ادا کررہا ہے تو اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ نماز جتنی لمبی کرنا چاہے کرے، اور فاتحہ پر اضافہ خیر ہے اور اس کے خیر ہونے کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں تو منفرد کے حق میں اس اضافہ کا نفل ہونا بعید نہیں، اگر ہم کلام مشائخ کو امام پر اور امام فخر الاسلام اور تصحیح ذخیرہ اور محیط کو منفرد پر محمول کرلیں تو موافقت پیدا ہوجائے گی اور توفیق دینے والا اللہ ہی ہے اور یہ میرے نزدیک ہے۔ اللہ تعالٰی ہی خوب جاننے والا ہے

---

[1] حلیہ المحلی شرح منیہ المصلی

مسئلہ ۱۲۳۱: از اترولی ضلع علی گڑھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ اکیلا بعد التحیات کے سجدہ سہو کا ایک سلام بعد کرنا چاہئے یا کہ دونوں طرف سلام پھیرکے؟

الجواب:

ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہوسکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔ درمختار میں ہے:

یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط وهو الاصح بحر وعلیه لو اتی بتسلیمتین سقط عنه السجود [1] الخ	فقط دائیں جانب سلام کے بعد واجب ہے اور یہی اصح ہے بحر۔ اور اگر سجدہ سہو لازم تھا اور اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجود ساقط ہو جائیگا الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وعلیه فیجب ترك التسلیمة الثانیة [2] الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه وجل مجدہ اتم واحکم	اگر سجدہ سہو لازم ہو تو دوسرے سلام کا ترک ضروری ہوتا ہے الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۲: مرسلہ حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

نمازی کسی رکعت میں صرف الحمد پڑھے اور سہواً سورت نہ ملائے اور پھر سہو کا سجدہ کرے تو نماز ہوجائیگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے پھر نماز تمام کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف اخیر میں سجدہ سہو کرلے نماز ہوجائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳۳: از تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ مولٰنا مولوی احمد بخش ساکن ڈیرہ غازی خاں مہتمم مدرسہ محمودہ محمودیہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

سیّدی سندی اعتضادی وعلیہ اعتمادی البحر البحر العلامۃ الفہامۃ الالمعی اللوذعی حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۰۱

[2] ردالمحتار باب سجود السہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۸

ادام اللہ برکاتہم والقابہم الی یوم الدین آداب عجز و نیاز بے انداز بجالا کر عرض کرتا ہوں کہ خاکسار کو ہر لحظہ عافیت مزاج شریف و قضائے حاجات ذات مستجمع الصفات اہم مآرب واعظم مطالب ہے ان ایّام میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں بعض ابناء الزمان مخالف ہیں اور مفصل طور پر میری اس تحریر ناقص سے جو بغرض است صواب ابلاغ خدمت اقدس ہے واضح ہوگا چونکہ جناب کے بغیر خاکسار کا کوئی محلِ اعتماد نہیں اس لئے تکلیف دی ہے کہ براہ بندہ نوازی جواب باصواب سے جو مدلل و مفصل ہو خاکسار کو معزز وممتاز فرمائیں عین عنایت ہوگی اور اس تقریر کے اخیر میں اپنی رائے صائب سے آگاہ فرماکر بدستخط خاص مزیّن فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

یارب بك الاعتصام ومنك التوفیق

ویا شفیق یارفیق نجنی من کل ضیق

(اے میرے رب کریم! تو ہی میرا آسرا ہے اور تجھ ہی سے توفیق ہے۔اے شفیق ورفیق! مجھے تکلیف سے نجات عطافرما)

مسئلہ: اگر موتم سے سہو ہو تو اعادہ صلٰوۃ اُس پر واجب نہیں کیونکہ جمیع فقہاء نے متون اور شروح میں تصریح فرمائی ہے کہ موتم پر اپنے سہو سے سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ اگر وہ اکیلہ سجدہ سہو ادا کرے تو مخالفت امام لازم ہے اور اگر امام بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے یعنی اصل تابع اور تابع اصل بن جاتا ہے، اس بیان سے یہ مستفاد کیا جائے گا کہ گویا مقتدی کی نماز میں کوئی ایسا نقص واقع نہیں ہوا یا کراہت جس کے جبر کے لئے سجدہ سہو واجب ہو پس اس بناء پر اعادہ لازم نہیں کیونکہ اعادہ وجود کراہت پر متفرع ہے واذلیس فلیس (جب کراہت نہیں تو اعادہ نہیں۔ت) علامہ شامی نے نہر فائق سے نقل کیا ہے کہ:

ثم مقتضی کلامهم انه یعیدها بثبوت الکراهة مع تعذر الجابر[1] انتہی۔	کلام فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ثبوت کراہت کی وجہ سے لوٹائی جائے گی جبکہ نقصان کو پورا کرنا دشوار ہو انتہی۔(ت)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدمِ لزوم سجدہِ سہو اس امر پر مبنی ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہے نہ یہ کہ اس کی نماز میں کوئی نقص یا کراہت واقع نہیں بلکہ نماز مکروہ ہے اور حسبِ کلیہ مسلّمہ فقہاء کہ "جو نماز کراہت سے ادا ہو اس کا اعادہ لازم ہے" اعادہ لازم ہے

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

جواب: اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ فقہاء نے احادیث کی مخالفت کی جس سے یہ مفہوم ہے کہ امام مقتدی سے سجدہ سہو کو اٹھالیتا ہے جیسا کہ قراءت کو۔ **حدیث اوّل:** مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامام ضامن (الحدیث) [1]	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہوتا ہے (الحدیث) (ت)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مقتدی کی نماز کا متکفل ہے اگر مخالف سجود سہو کی اس کفالت سے خارج ہونے کا دعوٰی کرے تو اس کے لئے مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی شرح مرقاۃ میں ای متکفل لصلوٰۃ المؤتمین بالاتمام [2] (یعنی امام مقتدیوں کی نماز کے اتمام کے لئے کفیل ہوتا ہے۔ت) اور ناقلاً عن ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

والضمانۃ اما لحملھم نحوا القرأۃ عن المسبوق او السھو عن الساھی [3]۔	امام کے ضامن ہونے کا یہ معنٰی ہے کہ وہ مسبوق کی طرف سے قراءت اور بھول جانے والے کے سہو کا ضامن ہوتا ہے۔ (ت)

اور علّامہ عینی کا قول شرح صحیح بخاری میں:

یعنی ان صلوٰتھم فی ضمن صلوٰۃ الامام صحۃ و فسادا [4]	یعنی مقتدیوں کی نماز صحت اور فساد کے لحاظ سے امام کی نماز کے تابع ہے۔ (ت)

ونیز ان کا قول:

ونستدل بما فی صحیح ابن حبان الامام ضامن بمعنی یضمنھا صحۃ و فسادا [5]۔	اور ہم صحیح ابن حبان کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ امام ضامن ہے یعنی وہ نماز کی صحت اور فساد کا ضامن ہوتا ہے (ت)

اور نیز ان کا قول:

وقال ابن الملك لانھم المتکفلون ای الائمۃ ۱۲ لھم	اور ابن الملک نے کہا کہ اگر اپنے مقتدیوں کی نماز کے فساد و صحت اور نماز کے

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۶۵
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۶۵
[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۶۵/۲
[4] عمدۃ القاری شرح بخاری باب اذالم یتم الامام واتم من خلفہ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ منیر بیروت ۲۲۹/۵
[5] عمدۃ القاری شرح بخاری باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ منیر بیروت ۵ / ۲۳۹

صحۃ صلوتھم وفسادھا وکمالھا ونقصانھا بحکم المتبوعیۃ والتابعیۃ[1]۔	کامل وناقص ہونے کے ضامن ہوتے ہیں متبوع اور تابع کے اعتبار سے یہ حکم ہوگا(ت)

کفایت نہ کریں تو گو سر وخشت۔ **حدیث دوم:** مراقی الفلاح میں ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامام لکم ضامن یرفع عنکم سھوکم وقراءتکم[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام تمھارے لئے ضامن ہے اور تمھاری سہو اور قرات کو اٹھالیتا ہے۔(ت)

اسی حدیث کے مطابق حضرت ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث اول کی تفسیر فرمائی ہے جو پہلے ذکر ہوچکی ہے اور جس کا ترجمہ کب سے نام حق میں "سہو اور امام برگیرد" (اس کے سہو کو امام اٹھالیتا ہے۔ت) سے کیا گیا نیز اس حدیث کے متعلق حضرت امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ رفع سہو کے ساتھ رفعِ قراۃ کا ذکر کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جیسا کہ مقتدی پر ترک قراۃ سے کوئی گناہ نہیں اسی طرف سہو کے ترک کرنے سے بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے بعد نہر فائق کی عبارت متقدمۃ الذکر نقل کرکے فرماتے ہیں: **وقد علمت مفاد الحدیث افادہ بعض الافاضل**[3] (آپ حدیث کا وہ معنٰی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا۔ت) یعنی کہ مفاد حدیث کے مخالف ہے جو نہر سے منقول ہوا۔

حدیث سوم: علامہ شامی نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے کہ عدم لزوم سجدہ سہو کے ثابت کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: **لیس علی من خلف الامام سھو**[4] (جو امام کے پیچھے ہو اس پر (سجدہ) سہو نہیں۔ت)

حدیث چہارم: حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کشف الغمہ میں بہ صفحہ ع وع فرماتے ہیں:

وکانو الا یسجدون لسھو ھم خلف الامام ویقولون الامام یحمل اوھام من خلفہ	صحابہ اپنے سہو کی وجہ سے امام کے پیچھے سجدہ نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے کہ امام اپنے مقتدیوں کے وہموں کو

[1] عمدۃ القاری

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

[4] ردالمحتار۔ باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

من الماموین وکذلك کان یقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سھا خلف الامام فلیس علیہ سھو و امامہ کافیہ فان سھا الامام فعلیہ وعلی من خلفہ السھو [1] انتھی	اٹھالیتا ہے، اور اسی طرح رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو امام کے پیچھے بھول گیا اس پر (سجدہ) سہو نہیں اور اس کا امام کافی ہے اور اگر امام بھول گیا تو امام اور اس کے مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم ہوگا انتہی (ت)

جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک وامامہ کافیہ (اور اس کا امام کافی ہے۔ت) اور پھر اسی پر عمل صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم مخالف کے بر خلاف کافی حجۃ ہے اگر مخالف ان احادیث متذکرہ بالا کے متعلق کہے کہ سوائے حدیث اول کے باقی احادیث کسی کتاب حدیث سے منقول نہیں اور نہ کوئی سند ذکر کی گئی ہے اور ان کے ناقلین حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طحطاوی اور صاحب مراقی الفلاح اور صاحب معراج الدرایہ نقادِ حدیث میں سے نہیں لہذا یہ احادیث قابل اعتبار نہیں، تو اس کے جواب میں مجھے مختصر طور پر یہ کہنا ضروری ہے کہ حدیث اول کے متعلق مولانا علی قاری اور ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اگر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھے گئے تو دوسروں کے مناقب بیان کرنے اور حفظ مراتب کے لئے موعظۃ سے چنداں کوئی حاصل نظر نہیں آتا دوسرے یہ کشف الغمہ کے متعلق اس قسم کا خیال اس کتاب کے مقدمہ سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے جس میں فرماتے ہیں کہ کتب صحاح فلاں وفلاں سے یہ سب احادیث ماخوذ ومنقول ہیں، تیسرے یہ کہ ایسے عذرات اہل تحقیق کے نزدیک قابل وقعت نہیں،

قال بعض الاذکیاء فالمختار عندی جواز نقل الحدیث من الکتب الصحاح والحسان بلاشرط ومن غیرھا بشرط التنقیح علی اھل العلم ومؤلفاتھم، وفی الاشباہ من الفقہ الحنفی نقل السیوطی عن ابی اسحٰق الاسفرائی الاجماع علی جواز النقل من الکتب المعتمدۃ ولا یشترط اتصال السند الی مصنفیھا [2] انتھی	بعض اذکیاء نے فرمایا کہ میرے نزدیک کتب صحاح اور حسان سے حدیث کا بلا شرط نقل کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ دیگر کتب سے اہل علم اور ان کی تصانیف سے بشرطِ تحقیق نقل کرنا جائز ہے، فقہ حنفی کی اشباہ میں ہے کہ امام سیوطی نے ابو اسحاق اسفرائی سے نقل کیا ہے کہ معتمد کتب سے ان کے مصنفین تک اتصال سند کے بغیر بھی نقل حدیث کے جواز پر اجماع ہے انتہی (ت)

[1] کشف الغمہ باب سجود السہو مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۵۹

[2] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۹۸

الغرض ان احادیث کے ہوتے ہی فقہاء کے اس قول سے سجدہ سہو لازم نہیں ایسے معنی کا ارادہ کرنا جو احادیث کے برخلاف ہے تمام فقہاء پر حملہ کرنے کے علاوہ عمداً ترک عمل بالحدیث نہیں تو اور کیا ہے پس بہتر ہے کہ فقہاء کے کلام سے بھی وہی مراد ہو جو احادیث سے ثابت ہو۔

سوال: صاحب النہر الفائق ثقات حنفیّہ سے ہے، پس یہ کس طرح گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی رائے کے برخلاف حکم کیا جائے کہ کلام فقہاء کا مقتضی نہ کراہت ہے اور نہ اعادہ۔

جواب: من ابتلی بلیتین فلیختر اھونھما (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے وہ ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ ت) صرف صاحب نہر فائق کا خلاف بمقابلہ اس کے کہ سب فقہاء کے کلام احادیث کے برخلاف ہو اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل نہ ہو نہایت ہی آسان ہے **و لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا** (شاید اس کے بعد اللہ کوئی امر پیدا فرمادے۔ ت) اس کے بعد ان چند مسائل اور روایتِ فقہاء کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے صاف ثابت ہے کہ مقتدی پر سجدہ سہو کے نہ کرنے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں:

(۱) سجود تلاوت کے باب میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر موتم نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ تلاوت لازم نہیں نہ موتم پر اور نہ امام پر اور نہ کسی دوسرے مقتدی پر، اور اس کی دلیل صاحبِ شرح منیہ نے بعینہٖ وہی لکھی ہے جو سجود سہو کے لازم ہونے کی ہے، یعنی ان سجد الامام یلزم انقلاب المتبوع تابعا والالزم مخالفتھم له [1] انتھی (اگر امام سجدہ کرے گا تو یہ متبوع کا تابع ہونا لازم آئے گا ورنہ یہ اس کی مخالفت لازم آتی ہے انتہی۔ ت) اگر اس دلیل کا مقتضی ثبوت کراہت اور اعادہ صلوٰۃ ہو تو لازم آتا ہے کہ سجود تلاوت کے متعلق بھی ایسا حکم ہو حالانکہ یہاں نہ اعادہ سجدۂ تلاوت ہے اور نہ اعادہ صلوٰۃ۔

(۲) فتاوٰی قاضی کی روایت مندرجہ ذیل سے مدعا ثابت ہے اور وہ یہ ہے:

اذا سھا المقتدی لایلزمه سجود السھو انما یجب بالسھو و السبب انما یعمل عمله اذا امکن اعتبارہ فی حق الحکم فاما اذالم یمکن اعتبارہ فی حق الحکم کان ملحقا بالعدم کما قال ابو حنیفة و ابو یوسف فی تلاوۃ المقتدی و کما فی بیع المحجور	جب کوئی مقتدی بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا کہ سجدہ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جب حقِ حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن ہو اور جب حق حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن نہ ہو تو سجدہ سہو کالعدم تصور ہوتا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح منیہ وغیرہ باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۶

وشرائه وھھنا لایمکن اعتبار سھو المقتدی فی حق الحکم و ھو وجوب سجدۃ السھو[1] انتھی	نے مقتدی کی تلاوت کے بارے میں فرمایا، اور مجور کی بیع وشراء میں ہے اور یہاں حق حکم یعنی وجوب سہو میں مقتدی کی سہو کا اعتبار ممکن ہی نہیں انتہی (ت)

(۳) علامہ شامی صفحہ ۴۹۶ میں فرماتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق کہ جہاں سجود ساقط ہوجائے اعادہ لازم ہوتا ہے یا نہیں،

والذی ینبغی انه ان سقط بصنعه کحدث عمد مثلا یلزم والا فلا تأمل[2] انتھی	اور وہ صورت جس میں نماز سے خروج بالارادہ ہو مثلاً عمداً وضو توڑ دیا تو اب سجدہ سہو ساقط مگر اعادہ نماز لازم، اور اگر ایسی صورت نہیں تو اعادہ لازم نہ ہوگا، غور کیجئے انتہی (ت)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مانحن فیہ میں اس لئے کہ سقوط سجدہ سہو مقتدی کے اپنے فعل اختیاری سے نہیں ہوا بلکہ اس لئے کہ امام کے پیچھے وہ ادا نہیں کرسکتا نہ قبل السلام نہ بعد السلام، اعادہ واجب نہیں،

(۴) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۰۶ پر فرماتے ہیں:

وینبغی تقیید وجوب الاعادۃ بما اذالم یکن الترك لعذر کالامی اومن اسلم فی اخر الوقت فصلی قبل ان یتعلم الفاتحة فلا تلزم الاعادۃ[3] انتھی	وجوب اعادہ کو اس قید کے ساتھ مقید کیا جانا چاہئے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ترک (واجب) کسی عذر کی بناپر نہ ہو مثلاً اُمی کا ترک فاتحہ یا وہ شخص جو نماز کے آخری وقت میں اسلام لایا اور اس نے فاتحہ سیکھنے سے پہلے نماز ادا کی تو اب اعادہ نماز لازم نہیں ہوگا (ت)

جس سے عیاں ہے مانحن فیه میں بوجہ اس کے کہ ترک سجود بوجہ تعذر ہوا کل صرح به الفقھا (ان تمام کی فقہاء نے تصریح کی ہے۔ت) اعادہ لازم نہیں۔

(۵) فی الدرالمختار یجب علی منفرد ومقتد بسھو امامه ان سجد امام لوجوب المتابعة[4] انتھی فی ردالمحتار	درمختار میں ہے کہ تنہا نمازی پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور امام کی بھول کی وجہ سے مقتدی پر بشرطیکہ امام سجدہ کرے کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت لازم

---

[1] فتاوٰی قاضی

[2] ردالمحتار باب السجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷۹

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۵۶

[4] درمختار باب سجود السھو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۲

قولہ ان سجد امامہ اما لو سقط عن الامام بسبب من الاسباب بان تکلم او احدث متعمدا اوخرج من المسجد فانہ یسقط عن المقتدی بحر، والظاھر ان المقتدی تجب علیہ الاعادۃ کالامام ان کان السقوط بفعلہ العمد لتقرر النقصان بلاجابر من غیر عذر[1] تامل انتھی	ہے۔ انتہی، **قولہ** "اگر امام نے سجدہ کیا" اور اگر امام سے کسی وجہ سے سجدہ ساقط ہوگیا مثلاً اس نے کلام کیا یا جان بوجھ کر حادث ہوگیا یا مسجد سے نکل گیا تو اب مقتدی سے بھی سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا بحر، اور ظاہر یہی ہے کہ اگر سقوط سجدہ عمداً ہو تو امام کی طرح مقتدی پر بھی اعادہ لازم ہوگا کیونکہ اب بغیر کسی عذر کے ایسے نقصان کا ثبوت ہوا جس کا کوئی ازالہ نہ ہوا، غور کرو، انتہی (ت)

مانحن فیہ میں اگرچہ مقتدی کا اپنا سہو ہے نہ کہ سہو امام، لیکن جبکہ سجدہ سہو کے ساقط ہونے میں عمد کو دخل نہیں لہٰذا اعادہ بھی واجب نہیں۔

(۲) آج تک اعادہ صلوٰۃ کا عمل نا مسموع ہے اگر وجوب اعادہ سے حکم کیا جائے لکھو کھا نمازیوں کی نمازیں ناجائز و تباہ ہو جاتی ہیں اور نمازی تارک صلوٰۃ اور آثم ٹھہرتے ہیں، حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الدین یسر**[2] (دین میں آسانی ہے۔ت) و نیز فرماتے ہیں: **یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا**[3] (آسانی کرو، تنگی نہ کرو اور اچھی خبر دو، نفرت نہ پھیلاؤ۔ت)

یہاں تک کہ فقہاء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صلوٰۃ عید و جمعہ میں سجود سہو ادا نہ کئے جائیں **دفعًا للفتنۃ** (فتنہ کے دفع کے لئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب وانا العبد العاصی لمدعو باحمد بخش عفی عنہ**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق مؤید المسائل الفاضل دام بالفضائل (میں اللہ کی توفیق سے سائل فاضل (جن کے فضائل ہمیشہ رہیں) کی تائید کرتے ہوئے میں کہتا ہوں:)

(۱) بزار مسند اور بیہقی سنن میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

[2] صحیح بخاری باب الدین یسر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۰/۱

[3] صحیح بخاری باب کان النبی یتخولھم بالموعظۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱

لیس علی من خلف الامام سہو فان سہا الامام فعلیہ وعلی من خلفہ ف[1]	امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر سہو نہیں، اگر امام بھول گیا تو اس پر اور اس کے مقتدیوں پر سجدہ سہو ہے۔ (ت)

مقتدی پر سہو کی نفی فرمائی اور وہ نفی وقوع نہیں لاجرم نفی حکم ہے کما دلت علیہ کلمۃ علی (جیسا کہ اس پر "علٰی" کا حکم دلالت کر رہا ہے۔ ت) تو ثابت ہوا کہ سہوِ مقتدی کوئی حکم نہیں رکھتا (۲) طبرانی معجم کبیر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایؤم عبد قوما الا تولی ماکان علیھم فی صلٰوتھم[2]۔ کوئی آدمی کسی قوم کی امامت نہیں کرتا مگر وہ ہر اس شیئ کا ذمہ دار ہوتا ہے جو قوم کی نماز میں ہوتا ہے (ت) پر ظاہر کہ تولی ما علیھم یو نہی ہے کہ علیھم نہ رہے اگر مقتدی کو اپنے سہو کے سبب حکم اعادہ ہو تو امام سے ان سے تحمل نہیں بلکہ ان پر اثقل کی تحمیل کہ بے اس کے دو سجدوں ہی سے کام چل جاتا اب ساری نماز کا اعادہ کرنا پڑا۔ (۳) بدائع امام ملک العلماء جلد اول صفحہ ۱۷۵ میں ہے: المقتدی اذاسہا فی صلٰوتہ فلا سہو علیہ[3] (اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں۔ ت) (۴) محیط پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۲۸ مصری میں ہے: لو ترک الامام سجود السہو فلا سہو علی الماموم[4] (اگر امام نے سجدہ سہو ترک کر دیا تو مقتدی پر سجدہ سہو نہیں۔ ت) (۵) تبیین الحقائق امام زیلعی جلد اول صفحہ ۱۹۵:

لو سلم المسبوق مع الامام ینظر فان سلم مقارنا لسلام الامام او قبلہ فلا سہو علیہ لانہ مقتدبہ وان سلم بعدہ یلزم السہو لانہ منفرد[5]۔	اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہہ دیا تو اب دیکھیں گے اگر اس نے امام کے ساتھ یا اس سے پہلے سلام کہہ دیا تو اب مقتدی ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہ ہوگا، اور اگر امام کے بعد سلام کیا تو اب منفرد ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ (ت)

---

[1] سنن الکبری للبیہقی باب من سہا خلف الامام الخ دار صادر بیروت ۲/ ۳۵۲

[2] المعجم الکبیر للطبرانی مسند عقبہ بن عامر مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۳۲۹

[3] بدائع الصنائع فصل من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۵

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی السجود مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۸

[5] تبیین الحقائق باب السجود مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹۵

ف: سنن کبرٰی کے الفاظ یوں ہیں ان الامام یکفی من ورائہ فان سہا الامام فعلیہ سجدتا السہو و علی من وراءہ فان یسجدوا معہ وان سہا احد من خلفہ فلیس علیہ ان یسجد والامام یکفیہ۔

(۶) بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۰۸:

المسبوق فیما یقضیه کالمنفرد کما تقدم و علیه یفرع ما اذاسلم ساهیا فان کان قبل الامام او معه فلا سهو وان کان بعده فعلیه کما ذکرناه [1]	مسبوق باقی رکعات ادا کرنے میں منفرد کی طرح ہوتا ہے جیسے گزرا، اس پر یہ صورت متفرع ہے کہ جب مقتدی نے بھول کر سلام کہہ دیا تو اگر امام سے پہلے ساتھ ہے تو سجدہ سہو لازم نہیں، اور اگر بعد میں ہے تو اس پر سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ پیچھے گزرا۔(ت)

ان چاروں عبارتوں میں مثل حدیث اول سہو مقتدی کی مطلقاً نفی فرمائی ہے یعنی اس کے لئے کوئی حکم نہیں کما قررناہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کردی ہے۔ت) **(۷)** امام اجل ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۲۳۸: اُقتدی مفترض بمتنفل، (فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء کرے۔ت) میں فرماتے ہیں:

اماحکمه بطریق النظر فانا قدرأینا صلٰوۃ المامومین مضمنة بصلٰوۃ امامهم بصحتها اوفسادها یوجب ذٰلك النظر الصحیح من ذلك انا رأینا الامام اذاسها وجب علی من خلفه لسهو ما وجب علیه ولو سهوا هم و لم یسه هولم یجب علیهم مایجب علی الامام اذاسها [2]۔	لیکن اس کا حکم بطریق نظر ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مقتدیوں کی نماز صحت و فساد کے اعتبار سے امام کی نماز کے تابع ہے، یہ نظر صحیح لازم کرتی ہے کہ جب امام بھول گیا تو اس کی بھول کی بنا پر جو کچھ امام پر لازم ہوا وہ اس کے پیچھے والوں پر بھی لازم ہوگا۔ اور اگر مقتدی بھول جائیں اور امام نہ بھولے تو مقتدیوں پر وہ چیز لازم نہیں ہوتی جو امام کے بھولنے پر اس پر لازم ہوتی ہے۔(ت)

امام (طحاوی) نے لم یجب علیهم السجود (مقتدیوں پر سجدہ واجب نہیں۔ت) نہ فرمایا بلکہ مایجب علی الامام (جو امام پر لازم (وہ مقتدیوں پر لازم ہے)۔ت) کہ سجدہ واعادہ دونوں کو شامل۔ **(۸)** ذخیرہ پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۳۰ میں ہے:

لوسها الاول بعد الاستخلاف لا یوجب سهوه شیئا [3]۔	اگر پہلا امام خلیفہ بنانے کے بعد بھولتا ہے تو اس کی بھول کوئی شیئ لازم نہیں کرتی۔(ت)

[1] بحر الرائق باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۰/۲

[2] الطحاوی شرح معانی الآثار باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعاً مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۸۰/۱

[3] فتاوٰی ہندیہ باب الثانی عشر فی سجود السہو مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۰/۱

(۹) کافی امام اجل حاکم شہید جس میں جمیع کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے ضمناً شرح امام سرخسی جلد اول صفحہ ۲۲۵ میں ہے:

اذا احدث الامام فی خلال صلوته وقد سها فاستخلف رجلا یسجد للسهو بعد السلام وان لم یکن الامام الاول سها لزمه سجود السهو لسهو الثانی ولو سها الاول بعد الاستخلاف لا یوجب سهوه شیئا[1]۔	اگر بھولے ہوئے امام نے دوران نماز کسی کو اپنا خلیفہ بنایا تو سلام کے بعد خلیفہ سجدہ سہو کرے اور اگر پہلا امام بھولا نہیں تھا اور دوسرا امام (خلیفہ) بھول گیا تو پہلا امام واپس آیا تو وہ بھی خلیفہ کی بھول کی وجہ سے سجدہ کرے، اور اگر پہلا امام خلیفہ بنانے کے بعد بھولا تو اس بھول سے سجدہ سہو لازم نہ آئے گا (ت)

امام سرخسی نے فرمایا: لانه صار فی حکم المقتدی[2] (کیونکہ وہ مقتدی کے حکم میں ہوگیا ہے۔ت) یہ خود محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص جلی ہے جو بوجہ عدم ذکر خلاف خود امام اعظم وامام ابویوسف سب کا نص ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ان عبارات سے روشن بین سالبہ کلیہ ہے کہ مقتدی کا سہو اصلاً کسی چیز کو واجب نہیں کرتا اور عام کا حکم اس کے ہر فرد میں قطعی ہوتا ہے خود نص ائمہ ثلثہ ابوحنیفہ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ مقتدی پر اپنے سہو کے ہر گز نہ سجدہ ہے نہ اعادہ۔ **(۱۰)** لاجرم امام اجل طحاوی نے بعد عبارت مذکورہ صریح تر فرمایا:

ثبت ان المأمومین یجب علیهم حکم السهو لسهو الامام وینتفی عنهم حکم السهو بانتفائه عن الامام[3]۔	یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے سہو کی وجہ سے مقتدیوں پر سجدہ سہو واجب ہے اور امام سے نفی کی صورت میں مقتدیوں سے بھی اس کی نفی ہوگی۔ (ت)

(۱۱) امام جلیل شمس الائمہ سرخسی مبسوط جلد اول صفحہ ۲۲۹ میں فرماتے ہیں:

اللاحق فی حکم المقتدی فیما یتم وسهو المقتدی متعطل[4]۔	لاحق اپنی بقیہ رکعتوں میں مقتدی کے حکم میں ہوتا اور مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہوتا۔ (ت)

(۱۲) امام ملک العلما ابوبکر مسعود بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول صفحہ ۱۷۶ میں فرماتے ہیں:

---

[1] المبسوط للسرخسی، باب سجود السہو، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[2] المبسوط للسرخسی، باب سجود السہو، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[3] الطحاوی شرح معانی الآثار باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۰

[4] المبسوط للسرخسی باب سجود السہو مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۹

المسبوق انما یتابع الامام فی سجود السھو لا فی سلامه وان سلم فان کان عامدا تفسد صلٰوته وان ساھیا لا تفسدو ولا سھو علیه لانه مقتد وسھو المقتدی باطل [1]۔	مسبوق سجدہ سہو میں امام کی اتباع کرے لیکن سلام نہ کرے اور اگر اس نے سلام پھیر دیا تو اگر دانستہ تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بھول کر تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں کیونکہ وہ مقتدی ہے اور مقتدی کا سہو باطل ہوتا ہے۔(ت)

وہیں فرمایا:

ان سلم قبل تسلیم الامام اوسلما معا لایلزمه لان سھوہ سھوالمقتدی و سھو المقتدی متعطل [2]۔	اگر مسبوق نے امام کے سلام سے پہلے سلام کیا یا دونوں نے اکٹھے سلام کیا تو مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ اس کا سہو مقتدی کا سہو ہے اور مقتدی کا سہو قابل اعتنا نہیں۔(ت)

کیسے نصوصِ جلیلہ ہیں کہ مقتدی کا سہو معطل ہے باطل ہے اس کا کچھ حکم نہیں، اگر اعادہ واجب کرے تو یہ احکام ہی باطل معطل ہوں گے نہ کہ اس کا سہو۔

(۱۴) اقول: مسئلہ مسبوق نے حکم کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا، یہ تو تمام کتب میں تصریح ہے کہ مسبوق اگر سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دے اس پر سجدہ سہو نہیں، اگر سہو مقتدی کچھ مؤثر ہوتا تو واجب تھا کہ مسبوق پر سجدہ واجب ہوتا کہ اپنی فائت رکعت پوری کرکے آخر میں بجالاتا اور اب نہ امام کی مخالفت لازم آتی نہ قلب موضوع، مگر تصریح کرتے ہیں کہ اس پر سے یہ سہو بوجہ اقتداء ساقط ہے تو ثابت ہوا کہ سہو مقتدی اصلاً معتبر وملحوظ ہی نہیں ورنہ باوصف امکان جابر قصداً ترک جابر کرائیں پھر خود ہی اعادہ کا حکم فرمائیں، یہ محال ہے کہ بلاعذر صحیح ترک جابر گناہ ہے، متون میں ہے: **تجب سجدتان** (دو سجدے واجب ہیں۔ت) اور شریعت گناہ کا حکم نہیں دیتی۔

فان قلت انما لایسجد بعد قضاء مافاته لانهما صلٰوتان حکما وان اتحدت التحریمة وسھو صلٰوته لا یسجد له فی اخری قال فی البدائع صفحة فان قیل ینبغی ان لا یسجد المسبوق مع الامام	اگر آپ سے سوال کریں کہ فوت شدہ رکعات کے بعد سجدہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب اگرچہ تحریمہ کی وجہ نماز ایک ہے مگر حکماً دو نمازیں ہیں اور ایک نماز کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کیا جاتا، بدائع ص ۱۷۶ میں فرمایا اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسبوق کو امام کے ساتھ سجدہ نہیں

[1] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۶/۱

[2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۶/۱

لانہ ربما یسھو فیما یقضی فیلزمہ السجود ایضاً فیؤدی الی التکرار وانہ غیر مشروع، فالجواب ان التکرار فی صلٰوۃ واحدۃ غیر مشروع وھما صلٰوتان حکما وان کانت التحریمۃ واحدۃ لان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد ونظیرہ المقیم اذا اقتدی بالمسافر فسھا الامام یتابعہ المقیم فی السھو وان کان المقتدی ربما یسھو فی اتمام صلٰوتہ[1] اھ وفی الکافی شرح الوافی للامام النسفی الورقۃ فیمن قعد للرابعۃ ثم صلی خامسۃ ساھیا فضم سادسۃ مانصہ لا یسجد للسھو قیاسا لان ھذا سھو وقع فی الفرائض وقد انتقل منہ الی النفل من سھا عن صلٰوۃ لایسجد لہ فی صلٰوۃ اُخری[2] اھ **اقول:** ھما کصلٰوۃ واحدۃ فی حق الجبر لا تحاد التحریمۃ الا تری الی ماقالہ فی الکافی متصلا بالعبارۃ المذکورۃ ویسجد للسھو استحسانا لان النقصان دخل

کرنا چاہئے کیونکہ بعض اوقات بقیہ رکعتوں میں مسبوق بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم آجاتا ہے تواب سجدہ سہو میں تکرار ہوجائے گا اور یہ مشروع نہیں، توجواب یہ ہے کہ سجدہ سہو کا تکرار ایک نماز میں نامشروع ہے اور اس صورت میں نماز اگرچہ تحریمہ کے لحاظ سے ایک ہے مگر حکم کے اعتبار سے دو نمازیں ہیں کیونکہ مسبوق بقیہ رکعات میں منفرد کی طرح ہوتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتداء کرے اور امام بھول جائے توسجدہ سہو میں مقیم امام کی اتباع کرے گا اگرچہ بعض اوقات مقتدی بقیہ رکعتوں میں بھول جاتا ہے اھ اور امام نسفی کی کافی شرح الوافی ص ۸۵ پر ہے ایسا شخص جس نے چوتھی رکعت کا قعدہ کیا پھر بھول کر پانچویں رکعت ادا کی تو وہ چھٹی رکعت بھی ساتھ ملالے کے بارے میں الفاظ ہیں کہ وہ قیاسًا سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ یہ ایک سہو تھا جو فرائض میں واقع ہوا حالانکہ اب وہ نمازی نوافل کی طرف منتقل ہوچکا ہے اور جو شخص ایک نماز میں بھولا وہ اس کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کرسکتا اھ
اقول: اتحاد تحریمہ کی وجہ سے نقصان کو پورا کرنے کے لئے یہ دونوں ایک نماز کی طرح ہیں آپ نے کافی کی وہ عبارت نہیں دیکھی جو مذکورہ عبارت کے متصل ہے کہ (قیاسًا تو نہیں) مگر بطور استحسان سجدہ کرے کیونکہ امام محمد کے نزدیک نقصان فرائض میں ہوا ہے کیونکہ

[1] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۶
[2] کافی شرح وافی ص ۸۵

فی فرضه عند محمد بترك السلام الذی هو واجب وهذا النفل بناء علی التحریمة الاولیٰ فیجعل فی حق وجوب السهو کانها صلوٰة واحدة کمن صلی ست رکعات تطوعا بتسلیمة سها فی الشفع الاول یسجد للسهو فی اخر الصلوة وان کان کل شفع صلوٰة علی حدة [1] اھ فاذا کان هذا فی صلوٰتین مستقلتین بل مختلفتین فرضیة و تنفلا فلان یکون فی اجزاء صلوٰة واحدة اولی وان اختلفت اقتداء وانفراد، ویقطع النزاع مانصوا علیه ان المسبوق ان لم یسجد لسهو الامام مع الامام یجب علیه ان یسجد له فی اٰخر ما یقضیه، قال فی البدائع صف ۱۷۶ و لوقام المسبوق الی قضاء ماسبق به ولم یتابع الامام فی السهو سجد فی اخر صلوٰته فان المسبوق یبنی ما یقضی علی تلك التحریمة فجعل الکل کانها صلوٰه واحدة لاتحاد التحریمة واذاکان الکل صلوٰة واحدة وقد تمکن فیها النقصان بسهو الامام لم یجز ذلك بالسجدتین فوجب جبرة [2] اھ فاذاکان هذا علیه بسهو امامه فلوکان لسهو نفسه حالة الاقتداء حکم

نمازی نے واجب سلام کو ترک کردیا ہے اور یہ (دو رکعتیں) پہلی تحریمہ کی ہی وجہ سے نفل بن رہی ہیں لہذا وجوب سجدہ سہو میں یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں جس طرح کہ وہ شخص جس نے چھ نوافل ایک سلام سے پڑھے اور پہلی دو رکعت میں بھول گیا تو اب اگرچہ یہاں ہر شفع مستقل نماز ہے مگر سجدہ سہو آخر میں کرے گا اھ جب دو الگ الگ نمازوں بلکہ وہ فرض ونفل کے اعتبار سے مختلف بھی ہیں کا حال یہ ہے تو ایک ہی نماز کے اجزا میں بطریق اولیٰ ہونا چاہئے اگرچہ وہ اقتدا وانفراد کے لحاظ سے مختلف ہیں اور اب نزاع ختم ہوگیا جس پر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مسبوق نے سہو امام کی وجہ سے اگر امام کے ساتھ سجدہ نہیں کیا تو اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرنا واجب ہوگا۔ بدائع کے صفحہ ۱۷۶ پر فرمایا کہ اگر مسبوق اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوگیا اور سہو میں امام کی اتباع نہ کی تو اپنی نماز کے اخر میں سجدہ سہو کرے کیونکہ مسبوق نے بقیہ نماز کی بنا اسی سابقہ تحریمہ پر کی ہے تو اب اتحاد تحریمہ کی وجہ سے مسبوق نے نماز کو ایک بنالیا ہے اور جب یہ تمام نماز ایک ہے اور اس میں سہو امام کی وجہ سے ایسا نقصان ہوچکا ہے جس کا ازالہ دو سجدوں سے نہیں ہوسکتا تو اس کا ازالہ واجب ہوگا اھ جب یہ بات امام کے سہو کی وجہ سے ہے تو اب اگر حالت اقتداء میں خود اس سے غلطی

[1] کافی شرح وافی ص ۸۵

[2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجو السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۷

لوجب علیه ان یسجد له فی اخر صلٰوته لکن نصوا قاطبة انه لیس علیه فثبت باجماعهم ان سهو المقتدی لا حکم له۔	ہو جانے پر حکم لاگو ہو تو اس پر نماز کے آخر میں لازم ہو جانا چاہئے لیکن فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے کہ اس پر اس صورت میں سجدہ سہو نہیں کیونکہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مقتدی کی سہو پر کوئی حکم نافذ نہیں ہو سکتا۔(ت)

(۵) یہیں سے روشن ہوا کہ بحث نہر اصلاً قابل التفات نہیں اگرچہ سید ابوالسعود نے اس کا اتباع کیا اور علامہ شامی نے ردالمحتار ومنحۃ الخالق میں اسے مقرر رکھا حدیث ہی کے مقابل ان کی بحث معتبر نہ ہوتی، طحطاوی علی الدرالمختار جلد اول صفحہ ۱۸۱ "مسئلہ دو رکعت نفل قبل نماز مغرب" میں ہے:

فی البخاری انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال صلوا قبل المغرب رکعتین و هو امر ندب و منع صاحب النهر لایظهر لوجود الدلیل المروی فی الصحیح [1]۔	بخاری میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعات ادا کرو۔ اور یہ حکم برائے ندب ہے، صاحب نہر نے اس سے منع کیا لیکن یہ منع واضح نہیں کیونکہ امر ندب صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(ت)

اسی طرف علامہ نے حاشیہ مراقی الفلاح میں اس مسئلہ دائرۃ صفحہ ۳۰۳ میں اشارہ کیا ہے کلام نہر نقل کرکے فرمایا:

وقد علمت مفاد الحدیث افاده بعض الافاضل [2]۔	آپ حدیث کا وہ معنی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا ۔(ت)

بلکہ ہم ثابت کرچکے کہ نص صریح امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم واطباق جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے تو مقتضی کلام مہم نہیں بلکہ نقیض کلام مہم ہے ھکذا ینبغی التحقیق والله تعالٰی ولی التوفیق والحمد لله رب العٰلمین۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۳۴: از رامپور مسئولہ محمد سعید صاحب

اگر امام پر سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ لاحق کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں اور جو مصلی بعد اس سجدہ سہو امام کے ساتھ شریک ہووے ان کی نماز کا بنا صحیح ہے یا نہیں؟

---

[1] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۸۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

الجواب:

امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ نماز پوری کرکے، ہاں اگر سلام امام سے پہلے فوت شدہ نماز پوری کرکے پھر شامل ہوگیا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو کرے ورنہ بعد اتمام۔ اگر قبل اتمام کے سجدہ سہو کرلے گا نماز تو نہ جائے گی مگر یہ سجدہ بے کار جائے گا اور خلاف حکم کا مرتکب ہوگا اور بعد اتمام پھر سجدہ سہو کرنا ہوگا، درمختار میں ہے:

اللاحق یسجد فی اٰخر صلٰوتہ ولو سجد مع امامہ اعادہ [1]۔	لاحق اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے اور اس نے امام کے ساتھ سجدہ کرلیا تو پھر دوبارہ لوٹائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ فی غیرا وانہ ولا تفسد صلٰوتہ لانہ مازادالا سجدتین [2]۔	کیونکہ یہ اپنے وقت پر نہیں، البتہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس نے دو سجدوں کے علاوہ کسی شی کا اضافہ نہیں کیا۔(ت)

جو مصلی سجدہ سہو کے بعد قعدہ میں شریک امام ہوئے شریک جماعت ہوگئے ان کی بنا صحیح ہے باتفاقِ ائمہ

وانما الخلاف فی الجمعۃ والمذھب فیہ ایضاً الصحۃ۔	اختلاف فقط جمعہ میں ہے اور اس میں بھی مذہب یہی ہے کہ یہ صحیح ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ادرکھا فی تشھد او سجود سھو (ولو فی تشھدہ ش عن ط) یتمھا جمعۃ خلافا لمحمد کما یتم فی العید اتفاقا کما فی عید الفتح [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر کسی نے امام کو تشہد یا سجود سہو میں پالیا (اگرچہ تشہد جمعہ ہو، ش از ط) تو جمعہ ادا کرے البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ عید کو اگر تشہد میں پالیتا ہے تو بالاتفاق عید ہی ادا کرے (فتح القدیر باب العید) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۹

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

مسئلہ ۱۲۳۵ : از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ در سجدہ سہو سلام بہر دو جانب گوید یا یکے جانب اگر امام باشد یا مفرد بکدام روایت فتوی است۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو کے لئے دونوں جانب سلام کہنا ہوتا ہے یا فقط ایک جانب امام ہو یا منفرد، کس روایت پر فتوی ہے (ت)

الجواب:

سلام ہمیں جانب راست دہد امام باشد خواہ منفرد تا آنکہ گفتہ اند کہ اگر سلام دیگر دہد سجدہ سہو ساقط شود و بزہ کار گردد۔ واللہ تعالٰی اعلم	فقط دائیں جانب سلام کہنا ہوتا ہے خواہ امام ہو یا منفرد، حتی کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر دوسری جانب سلام کہتا ہے تو سجدہ سہو ساقط اور ایسے عمل سے گنہگار ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۶: از جڑدہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

چار رکعت والی نماز میں امام دو رکعات کے بعد بیٹھا اور التحیات کے بعد درود شریف شروع کردیا مقتدی کو معلوم ہوگیا، ایسی حالت میں مقتدی امام کو اشارہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کس طرح سے؟

الجواب:

اُس کا معلوم ہونا دشوار ہے کہ امام آہستہ پڑھے گا، ہاں اگر یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صل علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علی سیدنا یا صل علی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے، اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہوجائے فبہا اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اس وقت بتائے، اس سے پہلے بتائے گا تو بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی اور اس کے بتانے سے امام لے گا تو اس کی اور سب کی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں قبل دعائے قنوت کے سہواً رکوع کیا اور دو ایک تسبیح بھی پڑھ چکا اب خیال ہوا کھڑے ہو کر قنوت پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:

تسبیح پڑھ چکا ہو یا ابھی کچھ نہ پڑھنے پایا اسے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع چھوڑنے کی اجازت نہیں اگر قنوت کے لئے قیام کی طرف عود کیا گناہ کیا پھر قنوت پڑھے یا نہ پڑھے اس پر سجدہ سہو ہے۔ درمختار میں ہے:

ولونسیه القنوت ثم تذکرہ فی الرکوع لا یقنت فیه لفوات محله ولا یعود الی القیام ، فان عادالیه وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلٰوته، وسجد للسهو قنت اولا لزواله عن محله[1] اھ (ملخصاً)	اگر نمازی قنوت پڑھنا بھول گیا پھر اسے رکوع میں یاد آیا وہ اب قنوت نہ پڑھے کیونکہ اپنے محل سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اب قیام کی طرف لوٹے، اگر لوٹ کر قنوت پڑھی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی وہ سجدہ سہو کرے خواہ اس نے قنوت پڑھی یا نہ پڑھی کیونکہ قنوت اپنے مقام سے ہٹ گئی اھ (تلخیصًا)
اقول: وقوله ولم یعد الرکوع ای ولم یرتفض بالعود للقنوت لا ان لو اعادہ فسدت لان زیادۃ مادون رکعة لاتفسد نعم لا یکفیه اذن سجود السهو لانه اخرالسجدۃ بهذا الرکوع عمدا فعلیه الاعادۃ سجد للسهو او لم یسجد ۔ واللہ تعالٰی اعلم	**اقول:** ، قولہ اور اس نے رکوع دوبارہ نہ کیا یعنی اس نے قنوت کی خاطر لوٹنے میں رکوع ترک نہ کیا ہو ، یہ معنی نہیں کہ اگر اس نے رکوع لوٹالیا تو نماز فاسد ہوجائیگی کیونکہ رکعت سے کم کا اضافہ فاسد نہیں کرتا، ہاں اب سجدہ سہو کافی نہیں کیونکہ اس نے عمداً سجدہ کو رکوع کی وجہ سے مؤخر کیا، پس اب اس نماز کا اعادہ لازم ہے خواہ اس نے سجدہ سہو کیا یا نہ کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۸، ۱۲۳۹: ازمانیا والا ڈاک خانہ قاسم پور گڑھی ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) امام کی نیت چار فرضوں کی تھی دو رکعت اولٰی ختم کرچکا تھا بیچ میں التحیات بھول گیا اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہوگیا، بعد کو مقتدی نے بتایا وہ بیٹھ گیا التحیات پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کیا، آیا مقتدی کی امام کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) ایک شخص وتر پڑھ رہا تھا تیسری رکعت میں اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت کا ارادہ تھا وہ بھول گیا اور بیٹھ کر سجدہ سہو کیا پھر دوبارہ وتر پڑھے پھر وہیں آکر اللہ اکبر کہنا بھول گیا دعائے قنوت پڑھی سجدہ سہو کیا آیا ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہوگئی

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

اور سجدہ سہو کی حاجت نہ تھی اور اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی۔ اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا اس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی گئی مگر مخالف حکم کے سبب مکروہ ہوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدہ اولٰی کے لئے لوٹنا جائز نہیں، نماز کا اعادہ کریں خصوصًا ایک مذہب قوی پر نماز ہوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے، اسی کی امام زیلعی نے تصریح کی ہے اور یہی مشاہیر کتب میں ہے۔

وما بحث المحقق فی الفتح وتبعه فی البحر ففيه بحث بيناه فيما علقناه علی ردالمحتار صف ۔ والله تعالٰی اعلم	محقق نے فتح میں بحث کی ہے، بحر میں اس کی اتباع ہے اور اس میں بحث ہے جو ہم نے ردالمحتار صف ۷۷۹ پر حاشیہ میں تحریر کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) پہلی بار کہ دعا قنوت پڑھنا بھول گیا تھا اور سجدہ سہو کرلیا وتر ہوگئے، دوبارہ پڑھنا گناہ ہوا، حدیث میں ہے: لاوتران فی ليلة [1] (ایک رات میں دو وتر نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۰: ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو سہو ہوا یعنی کھڑا ہونا تھا بیٹھ گیا یا برعکس اس کے، تو کوئی مقتدی بجائے تسبیح (سبحان اللہ) کے تکبیر (اللہ اکبر) کہہ دے تو نماز میں اس کی کچھ قباحت و خرابی نہیں آئے گی، اور جو شخص یہ کہے کہ امام کو اگر قعدہ کرنا ہے تو لفظ التحیات کہنا چاہئے اور جو قیام کرنا ہے تو اللہ اکبر، یعنی جو نسا رکن کرنا ہے اس میں کا پہلا لفظ کہنا چاہئے۔ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

نماز میں اللہ اکبر یا التحیات کہنے سے خرابی نہیں، اور سنت سبحان اللہ کہنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۱: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوراہا ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کثرھم اللہ ابقاہم، کا اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص انتہائی سہو و نسیان کی وجہ سے کوئی بات ٹھکانے سے یاد نہیں رکھتا ہے یہاں تک کہ نماز کے لئے جب وضو کرتا ہے تو ایک ایک اعضاء کو دس دس مرتبہ دھوتا ہے اور پھر بھی اس کو خیال ہوتا ہے کہ دو ہی مرتبہ یا ایک مرتبہ دھویا ہے نماز کے لئے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث طلق بن علی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۳/۴

کھڑا ہوا تو تکبیر تحریمہ پانچ پانچ مرتبہ کبھی چار رکعت پڑھیں دو رکعت خیال کیں علٰی ھذاالقیاس تسبیح رکوع و سجود میں غرضیکہ دنیوی کاموں میں بھی مثلاً کوئی چیز کہیں رکھ دی یا کسی کو دے دی پھر خیال جو کیا اس کے خلاف ہوا، ایسی حالت میں اس شخص نے ایک آدمی اس کے ارکان و تسبیح و رکعت وغیرہ شمار کرنے کے لئے مقرر کیا تاکہ وہ گن کر بتادے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص ایسے سہو و نسیان کی حالت میں ان سب باروں میں کیا کرے؟

الجواب:

آدمی مقرر کرنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۲: وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اگر امام نے رکعت ثانیہ میں سہو سے تین سجدے کئے اور اس کو ظن غالب دو سجدوں کا تھا و تاخروج عن الصلوٰۃ امام کو بالکل یاد نہ ہوا، مقتدیان بہت تھے یعنی تین صف میں سے ہر صف میں ۲۵، ۲۶ اشخاص تھے لیکن امام کو کسی نے یاد کرایا نہیں، اب نماز امام و قوم کی صحت و عدم صحت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: فرض ادا ہوگیا، واجب ترک ہوا، سجدہ سہو لازم تھا، نمازیں پھیریں اتنے آدمی، ایسی کثیر جماعت نہیں جس کے سبب سجدہ سہو ساقط ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۳: ضلع سکّھر سندھ اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیرپور ڈھرکی خاص دربار معلّٰی قادریہ چونڈے شریف از طرف ابوالنصر فقیر سرور شاہ ۷ جمادی الآخر

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی کہ شخصے را در نماز مغرب سجدہ سہو لازم بود نہ داد جبر نقصان گزارد یا نہ، اگر گزرد چگونہ نیت بندد و چند رکعت گزارد و ہمیں جبر نقصان حکم نفل دارد یا واجب یا فرض؟	اس بارے میں آپ (اللہ تعالٰی آپ پر رحمتیں نازل فرمائے) کا کیا فرمان ہے کہ ایک شخص پر نماز مغرب میں سجدہ سہو لازم ہوگیا مگر اس نے نہ کیا اب نقصان کا ازالہ کرے یا نہ؟ اگر کرنا ہے تو کس نیت سے؟ کتنی رکعات ادا کرے اور یہ ازالہ نفل کا حکم رکھتا ہے یا واجب و فرض کا؟ (ت)

الجواب:

جبر نقصان واجب است سہ رکعت بہ نیت اعادہ ہماں نماز مغرب برائے تلافی مافات کند۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	نقصان کا اعادہ لازم ہے پھر دوبارہ تین رکعت اس نیت سے ادا کرے کہ میں کمی کا ازالہ کر رہا ہوں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۴۳تا۱۲۴۵: ازمدرسہ اہلسنت منظرالاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) فرضوں کی تیسری یاچوتھی رکعت میں بعد **الحمد** شریف کے کسی آیت کاپورا یانصف لفظ زبان سے نکل گیا یارکوع میں سہواً ایک بار **سبحان ربی الاعلٰی** کہہ دیا، اسی طرح سجدہ میں اور اسی طرح فرضوں کی پہلی رکعت میں جبکہ مقتدی ہے **سبحٰنك** کے بعد **اعوذباللہ** شریف پڑھ لی توکیا **الحمد** شریف کاپڑھنا بھی ضرور ہوگا اور اوپر کی صورتوں میں سجدہ سہو ہوگا یانہیں؟

(۲) جماعت میں امام نے **سمع اللہ لمن حمدہ** کی جگہ **اللہ اکبر** کہااور سجدہ سہونہیں کیا، کیانماز ہوئی یانہیں؟

(۳) فجرکے فرضوں میں دوسری رکعت کے بعد اور دیگر وقتوں میں چوتھی رکعت کے بعد امام یامنفرد التحیات پڑھنی بھول کر کھڑاہوگیا، اب اس کوکیاکرناچاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان میں سے کسی صورت میں سجدہ سہونہیں اور مقتدی کوالحمد شریف پڑھناحرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) نماز ہوگئی اور سجدہ سہو کی اصلاً حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جبکہ قعدہ اخیرہ بھول کر زائد رکعت کے لئے کھڑاہواتوجب تک اس رکعت زائدہ کاسجدہ نہیں کیا ہے بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے، اور اگراس نے رکعتِ زائدہ کاسجدہ کرلیاتواب فرض باطل ہوگئے پھرسے پڑھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۶: ازپنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوراہا ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۹

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کمال درجہ کا بھول رکھتاہے نماز کے اندر وضوو تکبیر ورکوع و سجود وقیام بلکہ ہر رکعت نماز پنجوقتی میں بھول کے خوف سے بلند قرأت کے ساتھ پڑھتاہے تاکہ ہم بھول نہ جائیں، کتناہی وہ شخص دل میں خیال وغور کرکے پڑھتاہے تاہم بھول جاتاہے کچھ بھی خیال نہیں رہتاہے اور وہ شخص جب نماز پڑھنے لگتاہے توایک شخص کو اس غرض سے بٹھاتاہے کہ جوکچھ سہو واقع ہواس کوبتلاتاجائے اس شخص کو نماز کے اندر بہت پریشانی ہوتی ہے اس کے علاوہ وہ کہتا ہے کہ نماز چھوڑدوں پھر کہتاہے کہ نماز کس طرح چھوڑوں، اور وہ شخص بہت تندرست اور مستقل مزاج ہے، ایسی حالت میں اس شخص کے بارے میں کیاحکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی شخص کو پاس بٹھالینا اور اس کے بتانے پر نماز پڑھنا نماز باطل کرے گا، فجر و مغرب وعشاء میں منفرد کو بآواز پڑھنے کی اجازت ہے، ظہر وعصر میں صحیح مذہب پر اجازت نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ وہ شخص جماعت میں مقتدی ہو کر پڑھے تو مقتدی کو قرات کرنی نہ ہوگی اور امام کے افعال اسے بتانے اور یاد دلانے والے ہوں گے، جماعت ویسے بھی واجب ہے، اور ایسے شخص پر تو نہایت اہم واجب ہے کہ بغیر اس کے اس کی نماز ٹھیک ہی نہیں، سنتیں اور نفل جو پڑھے ان میں کسی شخص کو امام کرلے کہ نفل محض میں تین تک جماعت جائز ہے، اور جب کوئی شخص امامت کو نہ ملے اپنی یاد پر پڑھے رکعتوں میں اگر شبہہ ہو تو کم سمجھے، مثلاً ایک اور دو میں شبہہ ہو تو ایک سمجھے اور دو اور تین میں ہو تو دو، اور جہاں جہاں قعدہ اخیرہ کا شبہہ ہو تو وہاں بیٹھتا جائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اور اگر کسی طرح اپنی یاد سے نماز ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو معاف ہے، در مختار میں ہے:

(ولو اشتبه علی مریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقه لایلزمه الاداء) و لواداها بتلقین غیره ینبغی ان یجزیه کذافی القنیة [1] قال العلامة ط قد یقال انه تعلیم وتعلم وهو مفسد کما اذا قرأمن المصحف او علمه انسان القرأة و هو فی الصلاة [2] قال العلامة ش قالت وقد یقال انه لیس بتعلیم وتعلم بل هو تذکیر او اعلام فهوکاعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل [3] اھ و رأیتنی کتبت علیه مانصه اقول فیه ان الفتح	(اگر کسی مریض پر بسبب اونگھ کے جو اسے لاحق ہوتی ہے رکعات وسجدوں کی تعداد میں اشتباہ پیدا ہوگیا تو اس پر ادائے نماز لازم نہیں) اور اگر غیر کی تلقین کی بنا پر انھیں ادا کرلیا تو چاہئے کہ یہ اسے کافی ہو جیسا کہ قنیہ میں ہے، علامہ طحطاوی نے فرمایا اس پر یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعلیم و تعلم ہے جو کہ مفسد نماز ہوتا ہے جیسے کہ کسی آدمی نے مصحف سے پڑھا یا اسے دوسرے آدمی نے قرات سکھادی حالانکہ وہ نماز میں تھا، علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ کہا گیا ہے کہ تعلیم و تعلم نہیں بلکہ یاد دلانا اور اطلاع کرنا ہے پس یہ اسی طرح ہے جس طرح بڑے مجمع میں امام کے انتقالات کی اطلاع دینے والا ہوتا ہے فتامل اھ میں نے وہاں یہ حاشیہ

[1] در مختار باب صلٰوۃ المریض مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب صلٰوۃ المریض مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱/۳۱۹

[3] رد المحتار باب صلٰوۃ المریض مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۶۲

لایزید علی التذکیر بشیئ وقد قال قوم وصح ان المقتدی اذا فتح علی امام بعد ما قرأ قدرالواجب تفسد صلٰوته لانه تعلیم من دون ضرورة فان اخذبه الامام فسدت صلٰوة الکل لانه تعلم من دون ضرورة والقائلون بالجواز (وھو المعتمد) انما اعتمد واعلی انه للحاجة کما بینه فی الحلیة مع الا اعتراف بانه تعلیم وتعلم انی استشھد بخلافه الیسوا قد اجمعوا أن لو فتح علی المصلی غیره فاخذ فسدت صلٰوته. وقد مرالتنصیص علی کل ذلك والاستشھادبالمبلغ لم یصادف محله فانھم جمیعا حینئذ فی صلٰوة واحدة فالصواب عندی الجواب بان ھذا لضرورة وھی تجلب التیسیر وبعد فیه بعد کیف ولوجاز (ھذا) کان ینبغی ان یلزمه الاداء کما یلزمه التوجه اذا وجد من یوجھه ففی تجویزه ابطال اصل المسئلة المنقولة فلا عبرة ببحث القنیة [1] وقد یقال عن ھذا الاخیرانه قادر بقدرة غیره فلا یلزمه وان فعل صح فلیتأمل حق التأمل۔ واللہ تعالٰی اعلم	تحریر کیا ہے اقول اس میں لقمہ دینا یاد دلانے سے زائد نہیں ہوتا اور ایک جماعت نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ مقتدی جب اپنے امام کو قدر واجب قرات کے بعد لقمہ دے تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تعلیم ہے ایسی صورت میں اگر امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تعلم ہے اور جو جواز (اور معتمد بھی یہی ہے) کے قائل ہیں انھوں نے اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے جیسا کہ حلیہ میں بیان کیا گیا ہے باوجود اس اعتراف کے کہ تعلیم وتعلم ہے، میں اس کے خلاف شہادت پیش کرتا ہوں ، کیا فقہاء کا اس پر اجماع نہیں کہ اگر غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے قبول کرلیا تو نماز فاسد ہوجائیگی اور اس تمام گفتگو پر پہلے تصریحات گزر چکی ہیں اور مقتدی مکبّر کو بطور استشہاد پیش کرتا ہے اپنے محل پر نہیں کیونکہ مذکور صورت میں تمام کی نماز ایک ہے لہٰذا میرے نزدیک درست جواب یہ ہے کہ یہ ضرورت ہے جو آسانی کا تقاضا کرتی ہے اور ابھی اس میں بُعد ہے، کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ یہ جائز ہو تو مناسب تھا کہ اس پر ادا لازم ہو جس طرح توجہ دلانے والے کی موجودگی میں توجہ کرنا لازم ہے لہٰذا اس کے جواز میں اصل منقول مسئلہ کا ابطال لازم آتا ہے اس لئے قنیہ کی بحث کا اعتبار نہیں ہوگا اور اس آخری مسئلہ (جو اپنے آپ نماز درست نہیں کرسکتا) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ دوسرے کی قدرت سے قادر ہوتا ہے اس لئے اس پر نماز کی صحت لازم نہیں اور اگر اس نے غیر سے اصلاح لے لی تو صحیح ہے، اس میں مکمل غور کرو، (ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] جدالممتار علٰی ردالمحتار باب صلٰوۃ المریض المجمع الاسلامی مبارک پور ۱/ ۳۵۴

مسئلہ ۱۲۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں میں رکعتِ ثالث میں امام بجائے قنوت پڑھنے کے تکبیر قنوت کہہ کر رکوع کو چلا گیا اور مقتدیان کی تکبیر کہنے سے واپس ہو کر قنوت پڑھا اور پھر دوبارہ رکوع کیا اور سجدہ سہو کیا نماز ادا ہو گئی یا وتر فاسد ہوئے رکوع میں پورا جھک گیا تھا جب قنوت کی طرف رجوع کی۔ بینوا توجروا

الجواب: جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے اسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کرکے اخیر میں سجدہ سہو کرلے پھر اگر کسی نے اس حکم کا خلاف کیا تو بعض ائمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اصح یہ ہے کہ برا کیا گنہگار ہوا مگر نماز نہ جائے گی۔ ردالمحتار میں بتغنی سے ہے:

لوسھا عن القنوت فرکع فانه لوعاد وقنت لاتفسد علی الاصح [1] اھ وفیه عن الفتح فی مسئله العود الی التشھد بعد القیام للثالثة لایحل ولکنه بالصحة لایخل [2] اھ	اگر قنوت بھول گئی اور رکوع کیا اب اگر لوٹ کر قنوت پڑھی تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی اھ اور اسی میں مسئلہ تیسری رکعت کی طرف قیام کے بعد تشہد کی طرف لوٹنا کے تحت ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ صحت نماز میں مخل نہیں اھ (ت)

بہر حال اس عود کو جائز کوئی نہیں بتاتا تو جن مقتدیوں نے اسے اس عود ناجائز کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی ان کی نماز فاسد ہوئی امام ان کے کہنے کی بناپر نہ لوٹتا نہ ان کے بتائے سے اسے یاد آتا بلکہ اسے خود ہی یاد آتا اور لوٹتا اگرچہ اس کا یاد کرنا اور ان کا تکبیر کہنا برابر واقع ہوتا تو اس صورت میں مذہب اصح پر امام اور باقی مقتدیوں کی نماز ہو جاتی یعنی واجب اتر جاتا اگرچہ اس کراہت تحریم کے باعث اعادہ واجب ہوتا اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اس کی بھی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سب کی گئی لانه امتثل امرھم اوتذکر بتکبیر ھم فعاد برائ نفسه فقد تعلم ممن ھو خارج الصلوۃ کما افادہ فی البحر (کیونکہ اس نے ان کی بات مانی یا اسے ان کی تکبیر سے یاد دہانی ہوئی اور وہ اپنی رائے سے لوٹا تو اب اس نے نماز سے خارج آدمی سے سیکھا یا جانا ہے۔ جیسا کہ بحر میں اس کا افادہ کیا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۸: از شہر کہنہ ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

ترک آرد قعدہ اولیٰ لیکن باستادن نزدیک ترشد آنگاہ	اگر پہلا قعدہ ترک کرکے تیسری رکعت کے لئے نمازی

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۱

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نماز او جائز است یا نے؟ **بینوا توجروا**	سیدھا کھڑا ہوگیا پھر واپس لوٹا اور باقی نماز ادا کی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

| ہر کہ درفرض یا وتر قعدہ اولٰی فراموش کردہ استادہ تاتمامہ استادہ نشود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدہ سہو نیست واگر بقیام نزدیک ترشدہ باشد سجدہ سہو لازم آید تانیم زیریں ازبدن انسان راست نشدہ است نہ نشستن نزدیک ست وچوں ایں نصف راست شدہ پشت ہنوز خمیدہ است بہ استادن قریب ست اگر بتمام راست استاد آنگاہ نشستن روانیست اگر بقعدہ اولٰی باز میگرد دگناہگار شود امار اجح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود سجدہ سہو واجب شود فی الدرالمختار سہا عن القعود الاولی من الفرض ولو عملیا ثم تذکرہ عادالیہ ولاسہو علیہ فی الاصح مالم یستقم قائما فی ظاھر المذھب وھو الاصح فتح، وان استقام قائما لایعود فلو عاد لاتفسد لکنہ یکون مسیئا ا ویسجد لتاخیر الواجب وھوالاشبہ کما حققہ الکمال وھوالحق بحر [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قولہ ولاسہو علیہ فی الاصح یعنی اذا عاد قبل ان یستتم قائما وکان | جو شخص فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اگر وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ آئے اب اگر وہ قعود کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا کہ جب تک انسان کا نیچے والا حصہ سیدھا نہ ہو وہ بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور اگر نیچے والا نصف حصہ سیدھا ہوجائے خواہ ابھی پشت ٹیڑھی ہو وہ کھڑا ہونے کے قریب ہوگا، اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اب بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر پہلے قعدے کی طرف لوٹ آتا ہے تو گنہگار ہوگا، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا، درمختار میں ہے اگر فرض (اگرچہ عملی ہوں) کے پہلے قعدے کو بھول گیا پھر اسے یاد آیا اور لوٹ آیا تو اب اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں بشرطیکہ وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے فتح۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا اور تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ کرے اور یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی ہے اور یہی حق ہے بحر اھ مختصر۔ ردالمحتار میں ہے قولہ اصح |

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

الی القعود اقرب فانه لاسجود علیه فی الاصح وعلیه الاکثر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں یعنی جب کہ وہ سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے لوٹا حالانکہ وہ قعود کے قریب تھاتو اب اس پر اصح قول کے مطابق سجدہ نہیں اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۰

باب سجود التلاوۃ

(سجدۂ تلاوت کا بیان)

مسئلہ ۱۲۴۹: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب ہشتم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر کتب نظم ونثر میں آیات سجدہ لکھی ہوتی ہےان کا کیا حکم ہے آیا سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جیسے منقبت میں جناب مولوی عبدالقادر صاحب خصصم اللہ بالمواہب کا شعر ہے:

راہ حق میں کردیا سجدہ میں قربان اپنا سر
ایسی واسجد واقترب کی کس نے کی تفسیر ہے

بینوا توجروا۔

الجواب:

وجوب سجدہ تلاوت، تلاوت کلمات معینہ قرآن مجید سے منوط ہے۔ وہ کلمات جب تلاوت کئے جائیں گے سجدہ تالی وسامع پر واجب ہوگا کسی نظم یا نثر کے ضمن میں آنے سے غایت یہ ہے کہ اول وآخر کچھ غیر عبارت مذکور ہوئی جسے ایجاب سجدہ میں دخل نہ تھا، نہ یہ کہ حکم سجدہ کی رافع ومزیل ہو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا جس طرح حرف اسی قدر کلمات تلاوت کریں اور اول وآخر کچھ نہ کہیں سجدہ تلاوت واجب ہوگا، ایسے ہی یہاں بھی کہ جس عبارت کا عدم وجود یکساں ہے وہ نظر سے ساقط اور حکم سکوت میں ہے **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ نہایت واضح ہے۔ت) ہاں قابل غور یہ بات ہے کہ سجدہ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتمامہا اس کا سبب ہے یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا سجدہ نہ آئے گا مثلًا اگر حج میں **الم تر ان اللہ** سے **ان اللہ**

یفعل ماتک پڑھ گیا سجدہ نہ ہوا جب تک یشاء بھی نہ پڑھے، اور یہی مذہب آثار صحابہ عظام وتابعین کرام سے مستفاد اور ایسا ہی امام مالک وامام شافعی وغیرہما ائمہ کا ارشاد بلکہ ائمہ متقدین سے اس بارے میں اصلاً خلاف معلوم نہیں کتب اصحاب سے متون کہ نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں قاطبۃً اسی طرف گئے اور دلائل وکلمات عامہ شروح کہ تحقیق وتنقیح کی متکفل ہیں اسی پر مبنی ومتبنی ہوئے اور اکابر اصحاب فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہیں۔[۱] وقایہ و[۲] نقایہ و[۳] ملتقی الابحر میں ہے: تجب علی من تلا آیۃ [1]۔ (سجدہ آیت کی تلاوت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ت) [۴] کنز و[۵] وافی میں ہے: تجب باربع عشر آیۃ [2] (سجدہ تلاوت چودہ [۱۴] آیات کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ت) [۶] تنویر میں ہے: تجب سبب تلاوۃ آیۃ [3] (سجدہ آیات کی تلاوت کی وجہ سے واجب ہوجاتا ہے۔ت) [۷] غنیہ میں ہے:

اذاقرأ اٰیۃ السجدۃیجب علیہ ان یسجد [4] اھ ملخصاً	جب کسی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس پر سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے اھ ملخصا (ت)

[۸] خانیہ میں ہے:

سجدۃ التلاوۃ تجب علی من تجب علیہ الصلوۃ اذا قرأ السجدۃ اوسمعہا [5]۔	سجدہ تلاوت اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس پر نماز واجب ہے جبکہ اس نے آیت سجدہ پڑھی یا سنی۔(ت)

[۹] برجندی شرح نقایہ [۱۰] فتاوٰی ظہیریہ امام ظہیر الملۃ والدین مرغینانی سے ہے:

المراد بالاٰیۃ اٰیۃ تامۃ حتی لوقرأ اٰیۃ السجدۃ کلھا الا الحرف الذی فی اٰخرھا لا یسجد [6] الخ	آیت سے مراد پوری آیت ہے حتی کہ کسی نے آیت پڑھی مگر اس کا آخری حرف نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہیں الخ (ت)

[۱۱] ہدایہ میں ہے:

موضع السجدۃ فی حم السجدہ عند قولہ تعالٰی لایسأمون فی قول عمر رضی اللہ تعالٰی	حم السجدۃ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فرمان کے مطابق لایسأمون پر سجدہ ہے۔ احتیاط کی

[1] شرح الوقایۃ باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۲۹

[2] کنزالدقائق باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵

[3] درمختار، باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۹۸

[5] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی قراءۃ القرآن خطأ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۷۵

[6] شرح نقایہ برجندی، فصل فی سجدۃ التلاوۃ، مطبوعہ نولکشور، ۱/۱۵۵

عنہ وھو الماخوذ للاحتیاط[1]۔	بناء پر اسی پر عمل ہے۔(ت)

۲فتح القدیر میں ہے:

وجھہ انہ ان کان السجود عند تعبدون لایضرہ التاخیر الی الاٰیۃ بعدہ وان کان عند لایسامون o لم یکن السجود قبل مجزئا۔[2]	اس کی وجہ یہ ہے اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد آیت اسے نقصان دہ نہیں اور اگر سجدہ لایسأمون پر ہو تو اب پہلے ہونے کی وجہ سے کافی نہ ہوگا۔(ت)(۲)

۳کافی میں ہے:

موضع السجدۃ فی حم عند قولہ لایسأمون وھو مذھب ابن عباس وقال الشافعی عند قولہ ان کنتم ایاہ تعبدونoوھو مذھب علی رضی اللہ تعالٰی عنھم لان الامر بالسجود فیھا والاحتیاط فیما قلنا لیخرج عن الواجب بیقین فانھا ان کانت عند الاٰیۃ الثانیۃ والسجود قبلھا غیر جائز فلو سجد عند تعبدونoلایخرج عن العھدۃ الخ[3]	سورہ حم میں سجدہ لایسأمون کے الفاظ پر ہے اور یہ حضرت ابن عباس کا مذہب ہے امام شافعی کے مطابق سجدہ ان کنتم ایاہ تعبدون کے الفاظ پر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ سجدہ کا حکم اسی میں ہے، اور احتیاط ہمارے قول میں ہے تاکہ مکلّف سے واجب کی ادائیگی بالیقین ہو جائے کیونکہ اگر سجدہ دوسری آیت پر ہے تو اس سے پہلے سجدہ جائز نہیں لہٰذا اگر سجدہ تعبدون پر کیا تو مکلّف اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوگا الخ(ت)

۴ردالمحتار میں ۵امداد الفتاح اُس میں ۶بحر الرائق اُس میں ۷بدائع سے ہے:

رجحنا الاول للاحتیاط عند اختلاف مذاھب الصحابۃ لانھا لو وجبت عند تعبدون oفالتاخیر الی لایسأمونoلایضر بخلاف العکس	ہم نے صحابہ میں اختلاف کی وجہ سے احتیاطًا پہلے کو ترجیح دی ہے کیونکہ اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہو تو لاسیأمون تک تاخیر نقصان دہ نہیں اور اس کے عکس میں نقصان ہے کیونکہ ایسی صورت میں وجوب

---

[1] الہدایہ فصل فی سجدۃ التلاوۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۳

[2] فتح القدیر فصل فی سجدۃ التلاوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۶۵

[3] کافی شرح وافی

لانھا تکون قبل وجود سبب الوجوب[1] الخ	سب سے پہلے ہوگا۔ الخ (ت)

اسی طرح شرح وقایہ و مجمع الانہر و مستخلص وغیرہا میں ہے:

فقد نصوا علی ان سبب الوجوب الاٰیۃ بتمامھا حتی جعلوا التقدیم علیھا کتقدیم الصلوۃ علی وقتھا۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وجوب سجدہ کا سبب پوری آیت ہوتی ہے حتی کہ پوری آیت سے پہلے سجدہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے نماز وقت سے پہلے ادا کرلی ہو۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

| سجدۃ التلاوۃ واجبۃ فی الاعراف عقب اٰخرھا وفی الرعد عقب قولہ وظلالھم بالغدووالاٰصالo وفی النحل عقب قولہ ویفعلون مایؤمرونoوفی بنی اسرائیل عقب قولہ ویزیدھم خشوعاoوفی مریم عقب قولہ خروا سجدا وبکیاoوفی الحج عقب قولہ ان اللہ یفعل مایشاءoوفی الفرقان عقب قولہ وزادھم نفوراoوفی النمل عقب قولہ ویعلم ما تخفون وما تعلنونoوھو معز والی اکثر الفقھاء وقال مالك عند قولہ رب العرش العظیم ووذکر النووی انہ الصوب وانہ مذھب الشافعی کما صرحت بہ اصحابہ وفی الم السجدۃ عقب قولہ وھم لا یستکبرونoوفی ص عقب قولہ واناب oوفی قولہ عند المالکیۃ وھو روایۃ عن مالك عقب | سجدہ تلاوت اعراف میں آخری آیت کے بعد ہے رعد میں ظلالھم بالغدو والاٰصال کے بعد ہے۔ نحل میں ویفعلون ما یومرون پر، بنی اسرائیل میں ویزیدھم خشوعا پر، مریم میں خرواسجدہ وبکیا پر، حج میں ان اللہ یفعل مایشاء پر، فرقان میں وزادھم نفورا کے بعد، نمل میں ویعلم ماتخفون وماتعلنون پر، اور یہ اکثر فقہاء کی طرف منسوب ہے امام مالک رب العرش العظیم پر سجدہ کے قائل ہیں امام نووی نے کہا یہی صواب اور مذہب شافعی ہے جیسا کہ ان کے اصحاب نے تصریح کی ہے۔ الم السجدۃ میں وھم لایستکبیرون پر، ص میں واناب کے بعد، اور مالکیہ کے نزدیک ماٰب کے بعد، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے |

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵

مآب وفی حم السجدۃ عقب قولہ والایسأمون ومشھور مذہب مالك عقب تعبدون وفی النجم عقب اٰخرھا و فی الانشقاق عقب قولہ لا یسجدون مشھور مذہب مالك عقب اٰخرھا وفی العلق عقب اٰخرھا ثم لم یحك عن احد ممن قال بالسجود فی ھذاالمواضع الاربعۃ عشرخلاف فی شیئ من محالھا المذکورۃ فیما عدالمواضع الاربعۃ التی بینت الخلاف فیھا نعم فی ذخیرۃالذکر فی الرقیات الخ وذکر ھھنا روایۃ غریبۃ عن الامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی[1] اھ ملتقطا	حم السجدۃ میں ولایسأمون کے بعد، اور مذہب مالک میں مشہور تعبدون کے بعد ہے، النجم میں آخری آیت کے بعد، انشقاق میں لایسجدون کے بعد، اور مذہب مالک مشہور اس کی آخری آیت پر، علق میں آخری آیت کے بعد لازم ہے، ان چودہ مقامات میں کوئی اختلاف مروی نہیں ماسوائے ان چار مقامات کے جن میں اختلاف ذکر کردیاگیا ہے، ہاں ذخیرہ میں ہے کہ الرقیات میں ہے الخ اور وہاں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت عزیبہ ذکر کی گئی ہے اھ ملتقطا (ت)
اقول: فانظر الی قولہ واجبۃ عقب کذا وعقب کذا فان عقب ظرف للوجوب فلا وجوب قبل تمام الاٰیۃ وانظرع ماذکر من اقوال المالکیۃ والشافعۃ تستقید بھا انھم ایضا معنا فی ذلك ثم النظر الی قولہ لم یحك من احد الخ تشعر بہ ان لاخلاف فھی لائمہ السلف اللھم الاروایۃ نادرۃ عن امامنا الثالث رحمہ اللہ تعالٰی۔	**اقول:** آپ نے انکے الفاظ فلاں لفظ کے بعد فلاں کے بعد واجب ہے، ملاحظہ کئے، لفظ **عقب** وجوب کے لئے جگہ کا بیان ہے پس تمام آیت سے پہلے سجدہ کا وجوب نہ ہوگا، مالکیہ اور شوافع جو اقوال ذکر کرتے ہیں انھیں دیکھیں ان سے مستفاد کہ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہیں پھر یہ الفاظ دیکھو کہ کسی سے اختلاف مروی نہیں الخ جس سے واضح ہورہاہے کہ ائمہ سلف کو اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر وہ روایت جو ہمائے تیسرے امام رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔ (ت)

اسی طرح شرح معانی الآثار امام طحطاوی میں تصریح فرمائی کہ اواخرِ آیات موضع سجود ہے اور رحم السجدہ میں اختلاف محل یوں نقل کیا:

[1] حلیۃ المحل یشرح منیۃ المصلی

قال بعضهم موضعه تعبدون ہ وقال بعضهم موضعه لا يسأمون ہ وكان ابوحنيفة و ابو يوسف ومحمد يذهبون الى المذهب الاخير واختلف المقتدمون فی ذلك[1]۔ ثم اسند عن ابن عباس وابی وائل وابن سيرين ومجاهد وقتادة مثل مذهب اصحابنا وعن ابن مسعود وابن عمر مثل مذهب المالكية واسند عن مجاهد قال سألت ابن عباس ون السجدة التی فی حم قال اسجد بأٰخر الاٰيتين[2] اھ **قلت** والباء للسببية ثم اخرج عنه بطريق اخر قال سجدہ رجل فی الاٰية الاولی من حم فقال ابن عباس عجل هذا بالسجود[3]۔	بعض نے فرمایا کہ سجدہ کامقام تعبدون ہے، بعض نے فرمایا لایسأمون ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد تینوں آخری کی طرف گئے ہیں، مقتدین نے اس میں اختلاف کیا ہے پھر انھوں نے سنداً بتایا کہ ابن عباس، ابو وائل، ابن سیرین، مجاہد اور قتادہ کامذہب ہمارے اصحاب کی طرح ہے ابن مسعود اور ابن عمر کا مسلک مالکیہ والا ہے، اور مجاہد سے سنداً بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حم میں سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا دونوں آیات کے آخر میں سجدہ کرواھ۔ **قلت**: (میں کہتا ہوں کہ) باء سببیہ ہے پھر دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیا ایک آدمی نے حم کی پہلی آیت پر سجدہ کیا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: سجدہ میں جلدی کردی۔(ت)

پھر فرمایا:

فكانت هذه السجدة التی فی حم مماقد اتفق عليه واختلف فی موضعها وما ذكرنا قبل هذامن السجود فی السور الاخر فقد اتفقواق عليها وعلی مواضعها التی ذكرناها[4] الخ	حم کے سجدہ پر اتفاق ہے لیکن اس کے مقام میں اختلاف ہے اور جو اس سے پہلے سورتوں کے آخر میں سجدوں کا ذکر آیا ان پر اور ان کے مذکور مقامات پر اتفاق ہے الخ (ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

لو سجد قبل تمام الاٰية ولو بحرف لم يصح	اگر کسی نے آیت سے ایک حرف بھی پہلے سجدہ کیا

[1] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی الفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی الفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[3] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی الفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[4] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی الفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

لان وقتها انما یدخل بتمامها [1]۔	تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کو وقت تمام آیت پر شروع ہوتا ہے(ت)

اس مذہب جلیل الشان مشید الارکان پر شعر مذکور کے پڑھنے سننے سے سجدہ نہیں آسکتا کہ اس میں آیت سجدہ بتمامہا نہیں، اسی طرح ہر وہ نظم جس میں پوری آیت سجدہ نہ ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ قرأت وسماعت نظم مطلقاً موجب سجدہ نہیں کہ آیات چار دوگانہ عــہ سے کوئی آیت وزن عروضی کی مساعدت نہیں فرماتی جسے نظم میں لانا چاہیں گے یا پوری نہ آئے گی یا ترتیب کلمات بدل جائے گی بہرحال آیت بحالہا باقی نہ رہے گی،

اللھم الاٰیتی النجم والعن فلعل الوزن یسعھما فی بعض الشطور النادرۃ اوالزحافات البعیدۃ اولابنیۃ الغریبۃ ولو بضم بعض الکمات فی الاول اولاخر فلیعمل الفکر۔	ہاں، صرف سورہ نجم اور علق کی دو آیتوں میں وزن شعری کی گنجائش شاید بعض نادر وجوہ اور بعید تبدیلیوں اور اجنبی وزنوں میں وہ بھی اول یا آخر میں بعض کلمات ملانے کی وجہ سے پیدا ہوجائے، لہٰذا غور وفکر کو عمل میں لانا چاہئے۔(ت)

ہاں بعض علمائے متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ سے سرف کو کلمے پڑھنا موجب سجدہ ہے جن میں ایک وہ لفظ جس میں ذکر سجود ہے جیسے آیت سوال میں لفظ واسجد اور دوسرا اُس کے قبل یا بعد کا جیسے اُس میں واقترب ۝ یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایات نوادر سے بھی جدا، اور مسلک ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون وشروح کے بالکل خلاف ہے مگر سراج وہاج وجوہرہ نیرہ ومراقی الفلاح میں اس کی تصحیح واقع ہوئی، شرح نورالایضاح میں ہے:

قراءۃ حرف السجدہ مع کلمۃ قبلہ اوبعدہ من اٰیتھا توجب السجود کالایۃ المقروءۃ بتمامھا فی الصحیح [2]۔	صحیح قول کے مطابق اگر ایت سجدہ میں صرف حرف سجدہ کو اس کے ما قبل یا مابعد کلمہ کے ساتھ پڑھ لیا تو سجدہ لازم ہوجائے گا جیسے کہ تمام آیت کی تلاوت سے لازم ہوتا ہے۔(ت)

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

فی الجوھرۃ الصحیح فادہ انہ اذاقرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ وبعد کلمۃ	جوہرہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب حرف سجدہ پڑھا اور اس کے ساتھ اس سے پہلے کا کلمہ بھی پڑھا

عــہ: سجدے والی چودہ آیتیں۔

[1] ارشاد الساری شرح البخاری ابواب سجود القرآن مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱

وجب السجود والافلا [1]	تو سجدہ لازم ہوگا اگر پہلے یا بعد کا کلمہ نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی السراج وھل تجب السجدۃ بشرط قرائۃ جمیع الآیۃ امر بعضھا فیھی اختلاف والصحیح انہ ذاقرأحرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعدہ کلمۃ وجب السجود والافلا [2]۔	سراج میں ہے کہ کیا سجدہ لازم ہونے کے لئے تمام آیت کی تلاوت ضروری ہے یا بعض کی، اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہی ہے کہ جب کسی نے حرف سجدہ کو اس سے پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھا تو سجدہ سہو لازم ہو جائے گا ورنہ نہیں، (ت)

علامہ ابن امیر الحاج نے ائمہ متقدمین کا مذہب بیان فرما کر روایت نادرہ رقیات ذکر کی جس کی نسبت فرمایا:

ذکر فی تتمۃ الفتاوی الصغری ان الفقیہ اباجعفر ذکرہ فی غریب الروایۃ عن محمد [3]۔	فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ میں ہے کہ فقیہ ابو جعفر نے امام محمد سے ایک غریب روایت کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

وقال الفقیہ ابوجعفر اذاقرأ حرف السجدۃ ومعھا غیرھا قبلھا اوبعدھا امر بالسجود وسجدو ان کان دون ذلك لایسجد [4]۔	فقیہ ابو جعفر نے فرمایا اگر کسی نے حرف سجدہ کو پڑھا اور غیر یعنی ما قبل اور مابعد کو بھی پڑھا تو اسے سجدہ کا حکم دیا جائے گا اور وہ سجدہ کرے اور اس کے بغیر پڑھا تو سجدہ تلاوت لازم نہ ہوگا (ت)

اس سے ظاہر کہ یہ مذہب صرف فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا ہے ائمہ سے نوادر میں بھی منقول نہیں۔ اقول رہیں تصحیحیں وہ تعدد کتب سے متکثر نہیں ہوتیں کہ جسے منصب اجتہاد فتوٰی نہیں اس کا ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) کہنا نقل محض و تقلید مجرد ہے، پھر خادمِ فقہ جانتا ہے کہ اجماع متون کی شان عظیم ہے خصوصًا جبکہ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۵

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

جماہیر شراح وکبرٰی فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہوں یہاں تک بعض صریح تصحیحوں کو اسی وجہ سے نہ مانا گیا کہ مخالف متون میں کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ علی الخصوص (جیسا کہ ہم نے اس کا تفصیلی بیان ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ'' کے کتاب النکاح میں خصوصی طور پر کیا ہے۔ت) بلکہ وہ مذہب ائمہ مذہب سے منقول بھی نہیں صرف بعض مشائخ کا مسلک ہے اور حکم اُس قبیل سے نہیں جو اختلاف زمانہ سے بدل جائے، ایسی حالت میں اس تصحیح پر تعویل واعتماد ضروری ہونا بغاوت خیر منع وانکار میں ہے، لاجرم محقق ابن عابدین شامی نے عبارت مذکورہ سراج کے بعد حم السجدہ میں تعبدونo ولایسامونo کا اختلاف اور اس میں ہمارے علماء کا استدلال، مذکور عن الامداد عن البحر عن البدائع نقل کرکے فرمایا:

الظاہر ان ھذا الاختلاف مبنی علی ان السبب تلاوۃ اٰیۃ تامۃ کما ھو ظاہر اطلاق لمتون وان المراد بالاٰیۃ مایشمل الاٰیۃ والاٰیتین اذاکانت الثانیۃ متعلقۃ بالاٰیۃ التی ذکر فیھا حرف السجدۃ وھذاینا فی مامرعن السراج من تصحیح وجوب السجود بقرائۃ حرف السجدۃ مع کلمۃ قبلہ اوبعدہ، لایقال مافی السراج بیان لموضع اصل الوجوب وما مرعن الامداد بیان لموضع وجوب الاداء اوبیان لموضع السنۃ فیہ لانا نقول ان الاداء لایجب فورالقرائۃ کماسیأتی، ومامرفی ترجیح مذھبنا من قولھم لانھا تکون قبل وجود سبب الوجوب، وقد ذکر مثلہ ایضا فی الفتح وغیرہ یدل علی ان الخلاف بیننا وبین الشافعی فی موضع اصل الوجوب	ظاہر یہی ہے کہ اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ سجدہ کا سبب پوری آیت کی تلاوت ہے جیسا کہ متون کے اطلاق سے ظاہر ہے اور آیت سے مراد وہ حصہ ہے جو ایک آیت یا دو آیات پر مشتمل ہو جبکہ دوسری آیت اس پہلی سے متعلق ہو جس میں حرف سجدہ ہے لیکن یہ بات سراج کی اس سابقہ تصریح کے منافی ہے کہ حرف سجدہ کو پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے سجدہ لازم ہوجاتا ہے (جوابًا) یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سراج میں اصل وجوب کے مقام کا بیان ہے اور امداد کے حوالے سے جو گزرا اس سے مراد وجوب ادا کے مقام یا اس میں سنت طریقے کا بیان متصور ہے، اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اداء قرات پر فی الفور لازم نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ ہمارے مذہب کی ترجیح میں فقہا کا جو قول گزرا کہ اختتام آیت سے قبل سجدہ سبب وجوب سے پہلے ہونا لازم آئے گا اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں جو مذکور ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اصل وجوب کے مقام میں اختلاف ہے،

وانه لایجب السجود فی سورة حم السجدہ الاعندانتهاء الآية الثانية احتياطا كما صرح به فی الهداية وغيرها. لان الوجوب لايكون الابعد وجود سببه فلو سجدها بعد الأية الاولى لا يكفى لانه يكون قبلك سببه ونه ظهران مافى السراج خلاف المذهب الذى مشى عليه الشراح ولمتون تامل[1] انتهى **اقول:** تاملناه فوجدناه حقا واماقولكم الظاهر ان هذا الاختلاف الخ فليس هذا محل الظاهر بطل هوا لمتعين قطعا كما لايخفى ثم العجب من علامة الشرنبلالى حيث جزم فى متنه بما صحح السراج وعول فى شرحه على كلام البدائع مع تنافيها صريحا وللعبد الضعيف غفرالله تعالٰى له فى تحقيق هذا الرام رسالة مستقلة الفتها بعد ورودهذ السؤال و اوضحت فيها المرام بتوفيق الملك المتعال۔	اور سورہ حم السجدہ میں وہ سجدہ احتیاط کے پیش نظر دوسری آیت کے اختتام پر لازم کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کیونکہ وجوب اپنے سبب کے بعد ہوتا ہے اگر کسی نے پہلی آیت کے بعد سجدہ کرلیا تو کافی نہیں ہوگا کیونیکہ یہ اس کے سبب سے پہلے ہوگا اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ سراج میں جو کچھ ہے وہ اس مذہب کے خلاف ہے جس پر متون اور شروحات ہیں انتہی اقول ہم نے اس پر غور کیا تو اسے حق پایا، باقی رہا معاملہ تمھارے اس قول کا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف الخ تو یہ محل ظاہر یہ نہیں بلکہ قطعی طور پر متعین ہے جیسا کہ واضح ہے، پھر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انھوں نے متن میں اس پر جزم کیا ہے جسے سراج نے صحیح قرادیا اور شرح میں کلام بدائع پر اعتماد کیا حالانکہ ان دونوں کے درمیان صراحۃً منافات ہے عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اسو سوال کے بعد اس مسئلہ کی تحقیق پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے مقصد کو واضح کیا ہے۔ (ت)

بالجملہ اصل مذہب معلوم ہے تاہم محل وہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور برتقدیر وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذب قلوب، لہٰذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہب مصحح پر کاربند ہو کر شعر مذکور کی سماعت وقرائت پر سجدہ کرلیں اسی طرح ہر نظم ونثر میں جہاں آیت سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجالائیں،

وللّٰه الموفق واعلم ان فی المسئلة ثلثة مذاهب اخراجلها ما فی الرقيات وهو الوجوب باكثر الآية مع حرف السجدة	اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے، واضح رہے کہ مسئلہ میں تین اور (بھی) مذاہب ہیں ان میں سے اجل وہ ہے جو رقیات میں ہے کہ اگر کسی نے حرف

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵

مشی علیه مائنون کالتبیین والخلاصة والدر المختار وغیرها ولکن لم یذل بالتصحیح والباقیان انزل درجة فلا یعرج علی شیئ منها فی مخالفة المتون و عامة الشروح و قد ذکرنا الکلام علی کل ذلك فی رسالتنا المذکورة بتوفیق الله سبحنه وتعالٰی ۔ والله تعالٰی اعلم	سجدہ اکثر آیت کے ساتھ پڑھ لیا تو اس پر سجدہ واجب ہو جائے گا ارت اسی کو بعض ماتنین نے اختیار کیا مثلاً صاحب تبیین، خلاصہ اور در مختار وغیرہ، لیکن اس کی تصحیح نہیں کی اور بقیہ دو درجہ کے لحاظ سے اتنے نیچے ہیں کہ وہ متون اور اکثر شروحات کے مقابل نہیں آسکتے، ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر اپنے مذکورہ رسالے میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ (ت) والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵۰: از مارہرہ منورہ باغ پختہ مرسلہ سیّد محمد ابراہیم صاحب ۱۵ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سجدات تلاوت کلام اللہ شریف وقت تلاوت معًا ادا کرے یا جس وقت چاہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

سجدہ صلوتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ خیر گناہ ہے اور غیر صلوٰتیہ میں بھی افضل واسلم یہی ہے کہ فوراً ادا کرے جبکہ کوئی عذر نہ ہو کہ اٹھا رکھتے ہیں بھول پڑتی ہے وفی التاخیر اٰفات (دیر کرنے میں آفات ہیں۔ت) ولہذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہِ تنزیہی فرمایا مگر ناجائز نہیں۔

فی الدرلمختار ھی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرها تنزیها، ان لم تکم صلویة فعلی الفور لصیرورتها جزء منها فیاثم بتأخیرها [1] اھ ملخصا	در مختار میں ہے مختار یہی ہے کہ سجدہ تلاوت فی الفور لازم نہیں ہوتا اور اس کا مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو، اور اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور لازم ہوگا کیونکہ اب وہ نماز کا حصّہ بن جائیگا اب اس کی تاخیر سے گناہ ہوگا اھ ملخصًا

ردالمحتار میں ہے:

تفسیر الفور عدم طول المدة بین	فی لفور کی تفسیر یہ ہے کہ تلاوت اور سجدہ کے درمیان

[1] در مختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

التلاوۃ والسجدۃ اکثر من اٰیتین اوثلاث علی ماسیأتی حلیۃ[1] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم	دو یا تین آیات کی قرائت کی مقدار کا فاصلہ نہ ہو جائے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے حلیہ انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۱: از بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ مولوی حکیم حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول عربیہ اکبریہ ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اقرا پڑھے فرضوں میں، اور ضم دو سورتوں کا آیا نہیں، اور سجدہ سورت کے آخر میں ہے، اور امام ہے اگر رکوع میں نیت کرے تو مقتدی کا سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا، آیا یوں جائز ہوگا کہ سورت ختم کرکے سجدہ کرے؟ پھر کھڑا ہو کر رکوع کرے یا تین سجدے کرے؟ مطلع فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع اگر صورت مستفسرہ میں امام نے فوراً رکوع کیا اور رکوع میں نیتِ سجدہ تلاوت کرلی تو اس کا سجدہ ادا ہوگیا مگر جن مقتدیوں نے نیت نہ کی ان کا سجدہ ایک مذہب علماء پر ادا نہ ہوگا۔

اعنی عند من لا یتجزئ للماموم بنیۃ الامام وھما قولان حکاھما القھستانی.	میری مراد وہ علماء ہیں جو امام کی نیت کو مقتدی کے لئے کافی نہیں سمجھتے، اور یہ دو قول ہیں جنھیں قہستانی نے نقل کیا ہے (ت)

نہ وہ آپ جداگانہ سجدہ کرسکیں گے للزوم خلاف الامام (کیونکہ اس میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہے۔ت) نہ سجدہ نماز انھیں سجدہ تلاوت سے کافی ہوگا اگرچہ وہ اس میں سجدہ تلاوت کی نیت بھی کرلیں لانہ لما نواھا الامام فی رکوعہ تعین لھا افادہ[2] ح قالہ ش (کیونکہ جب امام نے اس کی ادائیگی کی رکوع میں نیت کی تو وہی اس کے لئے متعیین ہوگیا اسے 'ح' نے بیان کیا اور 'ش' نے نقل کیا۔ت) بلکہ اس کی سبیل ہوگی کہ بعد سلامِ امام سجدہ تلاوت کریں پھر یہ سجدہ رافع ہوگا کما تقرر فی مقررہ (جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ت) تو فرض ہوگا کہ قعدہ کا اعادہ کریں نہ کریں گے تو نماز فاسد ہو جاءے گی۔

فی الدرالمختار عن القنیۃ لونواھا فی رکوعہ ولم ینوھا المؤتم لم تجزہ و	درمختار میں قنیہ سے ہے اگر امام نے سجدہ تلاوت کی نیت رکوع میں کرلی اور مقتدی نے نیت نہیں کی تو

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۹

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

مقتدی کے لئے کافی نہ ہوگا، لہٰذا جب امام سلام کہے تو مقتدی سجدہ کرے اور قعدہ کو لوٹائے، اور اگر مقتدی نے سجدہ کو ترک کردیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)	یسجد اذاسلم الامام ویعید القعدۃ ولو ترکھا فسدت صلوتہ [1]

جب یہ دقتیں ہیں تو ایسی حالت خصوصًا اس زمانہ جہالت میں رکوع نماز سجدہ تلاوت ادا کرلینا مقتدیوں کو فتنے میں ڈالنا ہے لہٰذا امام کو اس سے بچنا چاہئے۔

ردالمحتار میں ہے کہ امام کا رکوع میں سجدہ (تلاوت) کی نیت کرنا مناسب نہیں۔ (ت)	فی ردالمحتار ینبغی للامام ان لاینوبھا فی الرکوع [2]۔

اور اگر یہ کرتا ہے کہ سورت ختم کرکے فورًا سجدہ تلاوت کرے اور اس کے بعد کھڑا ہو کر معًا رکوع میں سجدہ چلاجائے تو سجدہ تو سب کا ادا ہوجائے گا مگر یہ فعل مکروہ ہوگا کہ سجود تلاوت ورکوع میں فصل نہ کیا۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ اگر سجدہ تلاوت کے بعد محض قیام کرکے رکوع کرلیا تو مکروہ ہوگا۔ (ت)	فی مراقی الفلاح لورکع بمجرد قیامہ منھا کرہ [3]۔

بس اگر تلاوت کے لئے سجدہ مستقلہ ہی کرنا چاہے تو اس کا یہ طریقہ اسلم کہ سجدہ سے اٹھ کر دوسری سورت مثلًا سور مستفسرہ میں سورہ قدر یا تلاوت والنجم میں سورہئ قمر کے اول سے تین آیتیں خواہ زیادہ پڑھ کر رکوع کرے اس میں اگرچہ ایک رکعت میں دو سورتوں سے پڑھنا ہوگا اور فرضوں میں اس کا ترک اولٰی، مگر سورتوں میں فصل نہ ہو تو مکروہ نہیں، شرح صغیر منیہ میں ہے:

اگر دو سورتیں ایک رکعت میں جمع کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ فرائض میں ایسا نہ کیا جائے اور اگر ایسا کر بھی لیا تو کراہت نہیں مگر اس صورت میں جب ان کے درمیان ایک سورۃ یا اکثر سور ہوں۔ (ت)	لوجمع بین السورتین فی رکعۃ واحدۃ الاولٰی ان لایفعل فی الفرض ولو فعل لایکرہ الا ان یترك بینھا سورۃ او اکثر [4]۔

---

[1] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶

[4] صغیری شرح منیۃ المصلی تتمات فیمایکرہ فعلہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۵۶

بخلاف بعد سجودہ تلاوت بلافصل رکوع میں جانے کے کہ یہ مکروہ ہے کما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کردیا۔ت) تو اس کے دفع کراسے گوارا کیا جائے گا۔ مراقی الفلاح میں ہے:

اذاکانت اُخر تلاوتہ ینبغی ان یقول أولو اٰیتین من سورۃ اخری بعد قیامہ منھا حتی لایصیر بانیا للرکوع علی السجود [1]۔	جب یہ آخری تلاوت ہو تو سجدہ تلاوت سے قیام کے بعد قرأت مناسب ہے اگرچہ وہ کسی دوسری سورت کی آیات ہوں تاکہ رکوع کی سجدہ پر بنا رکھنے والا نہ ہوجائے۔ (ت)

ایک طریقہ تو یہ تھا اور ان سب سے بہتر وخوش تر اور ہر خدشہ سے سالم ومحفوظ تر یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں تلاوت کے لئے مستقل سجدہ اصلًا نہ کرے بلکہ آیت سجدہ پڑھتے ہی معًا نماز کا رکوع بجالائے اور اس میں نیتِ سجدہ نہ کرے پھر قومہ کے بعد فورًا نماز کے سجدہ اولٰی میں جائے اور اس میں نیت سجدہ کرے اب نہ کوئی قباحت یا کراہت یا تفویت فضیلت لازم ہوئی نہ مقتدیوں پر کچھ دقت آئی اگرچہ انھوں نے کہیں نیت سجدہ تلاوت کی نہ کی ہو کہ سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔

فی ردالمحتار لو رکع وسجد لھا ای للصلٰوۃ فورا ناب ای سجود المقتدی عن سجود التلاوۃ بلانیۃ تبعا لسجود امامہ لما مر انفا انھا تودّی بسجود الصلوۃ فورًا وان لم ینو [2]۔	ردالمحتار میں ہے اگر امام نے نماز کا رکوع اور سجدہ فورًا کرلیا تو مقتدی کا سجدہ تلاوت بلانیت امام کی اتباع میں سجدہ کے ساتھ ادا ہوجائے گا جیسا کہ ابھی پیچھے گزرا کہ سجدہ تلاوت فورًا سجدہ نماز سے ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ کی ہو۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ اس محمود ومحفوظ صورت میں اگر خود امام بھی اصلًا نیت سجدہ تلاوت نہ کرے تاہم سب کا سجدہ ادا ہوجائے گا اور امام ومقتدی ہر وقت سے امان میں رہیں گے بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفائے قرأت اسی طریقہ کو مطلقًا افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فورًا نماز کے رکوع وسجود کرلے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدے کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہوجاتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے،

ینبغی ذلك للامام مع کثرۃ القوم اوحال المخالفۃ حتی لایؤدی الی التخلیط [3]۔	لوگوں کی کثرت اور مخالفتِ حال میں امام کے لئے یہی مناسب ہے تاکہ اختلاط کا سبب نہ بنے۔ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶۴

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۷۱/۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ای ولا یجعل لھا رکوعا وسجودا مستقلا خوف الفساد من غیرہ[1]۔	یعنی امام سجدہ تلاوت کے لئے مستقل رکوع و سجود نہ کرے کیونکہ دوسروں کی نماز میں فساد آئے گا۔ (ت)

میں کہتا ہوں کثرت جماعت کی قید اس نظر سے ہے کہ جب ہجوم ہوگا تو عوام بھی ضرور ہوں گے، اب ہمارے زمانہ میں کہ عام لوگ عوام ہی عوام ہیں کثرت و قلّت سب یکساں، تو سجود مستقل سے مطلقاً یہی صورت انسب واولیٰ، مگر یہ کہ امام جانتا ہو کہ اس وقت میرے پیچھے صرف وہی لوگ ہیں جو دینی مسائل کا علم رکھتے ہیں لیکن اس قدر ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صورت اسی حالت میں بن پڑے گی کہ آیت سجدہ کے بعد رکوع و سجود نماز میں دیر نہ کی فوراً بجالایا ورنہ اگر آیت سجدہ پڑھ کر تین چار آیتیں اور پڑھ لیں تو اب سجدہ تلاوت ہر گز بے خاص مستقل سجدے ہی کے ادا نہ ہوگا اور تاخیر کا گناہ ہوا وہ علاوہ، درمختار میں ہے:

ان لم تکن صلویۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزء منھا فیأثم بتاخیرھا[2]۔	نماز میں لازم آنے والا سجدہ اگر علیحدہ نہ کیا تو فی الفور رکوع وسجدہ کرے کیونکہ یہ سجدہ جزء نماز ہونے کی وجہ سے فی الفور واجب ہوتا ہے تاخیر کی وجہ سے آدمی گنہ گار ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلوانقطع الفورلا بدلھا من سجود خاص بھا مادام فی حرمۃ الصلٰوۃ وع للہ فی البدائع بانھا صارت دینا والدین یقضی بمالہ لا بما علیہ والرکوع والسجود علیہ فلایتأدی بہ الدین[3] اھ	اگر فی الفور نہ ہوا تو الگ سجدہ تلاوت کرنا لازم ہوگا جب تک نمازی حرمت نماز میں ہے اور اس کی علت بدائع میں بیان ہوئی ہے کہ سجدہ تلاوت قرض ہے اور قرض اس سے ادا ہوگا جو اس کا اپنا حق ہے، نہ کہ اس سے جو اس پر لازم ہے اور رکوع و سجود تو نمازی پر لازم لہٰذا ان سے دین کیسے ادا ہوسکتا ہے اھ (ت)

اسی میں ہے:

ان فات الفور لا یصح ان یرکع لھا ولو	اگر فی الفور سجدہ تلاوت نہ ہوسکا تو اب حرمت نماز میں رہتے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶۴

[2] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[3] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

فی حرمة الصلوة بدائع ای فلا بدمن سجود خاص بها[1] الخ۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ہوئے بھی اس کے لئے رکوع نہیں کیا جاسکتا بدائع، یعنی اب اس کے لئے الگ مستقل سجدہ کرنا ہوگا الخ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۲: مسئلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلی (سوال منظوم)

عالمانِ شرح سے ہے اس طرح میرا سوال — دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا — تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے — جسے پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب! چاہئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

الجواب منظوم

ترجمہ بھی اصلی یہاں ہے وجہ سجدہ بالیقین — فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا — اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے — نظم و معنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو — ورنہ اک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ یفتٰی علیہ الاعتِمَاد — شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی — صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت — فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں — جزادا یا توبہ دقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے — آخر اک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قُلتُه. اَخذًا مِّنَ التَّعْلِیْلِ فِیْ اَمْرَ الصَّلٰوۃ — وَھُوَ بُحثٌ ظَاھِرٌ وَالْعِلمُ حَقًّا لِلْاِلٰه

مسئلہ ۱۲۵۳ تا ۱۲۵۴: امانت علی شاہ قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان شریف ۱۳۳۱ھ

(۱) اگر بے وضو تلاوت میں لفظ سجدہ آجائے تو بعد کو سجدہ کس طرح کرے؟ کیا بعد کو سجدہ کی نیت کرنا ہوگی یا اور کسی طرح سے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۰

(۲) اگر باوضو مصلے پر تلاوت کرتا ہو اور کلام مجید سامنے رکھا ہو اُس وقت لفظ سجدہ آئے تو کلام مجید علیحدہ رکھ کر سجدہ کرنا چاہیئے یااور کسی طرح سے، اور اگر علیحدہ رکھا جائے تو بند کرکے یا کھلا ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بعد کو بھی سجدہ اسی طرح کرنا ہوگا جیسا اس وقت کیا جاتا، یہ نیت ہر وقت کرنی ہوتی ہے کہ تلاوت کے سبب جو سجدہ مجھ پر واجب ہوا اُسے ادا کرتا ہوں، یہ سمجھ کر **اللہ اکبر** کہتا ہوا کھڑے سے سجدہ میں جائے پھر **اللہ اکبر** کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے، اس کے سوا اور کوئی نیت زبان سے نہیں کہی جاتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اس کے لئے کوئی خاص حکم نہیں جو آسان ہو اور قرآن عظیم کے ادب کا لحاظ ضرور ہے اور سجدہ میں اس کا سامنے ہونا کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵۵: ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر تراویح پڑھنے میں مقام سجدہ آگیا تو کیا امام سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تراویح خواہ کسی نماز میں اگر آیت سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ واجب ہے تین آیت سے زیادہ دیر لگانہ گناہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

باب صلٰوۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

مسئلہ ۱۲۵۶: خلیل پور تحصیل گنورا سٹیشن ببرالہ لشکر سید محمد حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

بندہ نے بتقریب ملازمت انگریزی دورہ شروع کیا ہے دو[۲] ماہ دورہ ہوگا، اور اصلی مقام سے ۳۴ کوس کے فاصلہ تک جانے کا ارادہ ہے لیکن اب تک ۳۰ کوس سے کم فاصلہ پر رہا اور ہمیشہ درمیان میں مقام اصلی کی واپسی کا ارادہ رہا اور واپس ہوتا رہا، اب اصلی مقام سے چل کر ریل کی سواری میں ۳۰ کوس سے زیادہ پہنچنے کا ارادہ ہے اور دورہ کے طور پر کہیں دو روز کہیں چار روز ٹھہرنا ہوگا ایسی حالت میں باعتبار مسافت سفر نماز میں قصر کرنا چاہئے یا اہل خبا کی طرح پوری نماز پڑھنا چاہئے، جناب دورہ وغیرہ کے حال سے واقف ہیں اگر سوال میں کچھ اجمال اطلاق رہا ہو تو اس کو جواب میں رفع فرمادیں اور مفصل عام فہم جواب بواپسی ڈاک ارشاد ہو منزل دس[۱۰] کوس کی شمار ہوتی ہے یا نہیں بارہ[۱۲] کوس کی اب تک جو پوری نماز پڑھی یہ صحیح کیا یا غلط؟ والسلام خیر ختام

الجواب:

دورہ غالبًا جس طور پر ہوتا ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس کوس نیت سے چلتے اور ایک جگہ پہنچ کر پھر دوسرے کو روانہ ہوتے ہیں یہ حالت سفر نہیں اگرچہ اس میں سو کوس کا فاصلہ ہو جاتے، یونہی اگر اُس موضع بعید سے واپسی بھی اسی طریق دورہ ہو کہ یکے بعد دیگرے قریب قریب مقامات کے قصد سے چلتے ہوئے محل اقامت کے نزدیک آکر پلٹ آئیں تو اس رجوع میں بھی قصر نہیں، ہاں اگر جانے خواہ آنے کیسی محل اقامت بالخصوص ایسی جگہ

کے عزم پر چلیں جو وہاں سے مدّت سفر پر ہو تو سفر متحقق اور قصر واجب ہوگا اسی طرح اگر دورہ کسی ایسے مقام پر ختم ہوا جہاں سے محلِ اقامت تین منزل ہے اب بخطِ مستقیم وہاں کو پلٹے تو بھی وہاں سے یہاں تک حالت سفر ہے، فتح القدیر میں ہے:

الخلیفۃ ان کان انما قصدالطواف فی ولایتہ فالاظھرانہ حینئذ غیر مسافر حتی لایقصر الصلوۃ فی طوافہ کالسائح [1] اھ ملخصا ذکرہ فی باب الجمعۃ مسئلۃ تمصر منی فی الموسم۔	حاکمِ وقت اپنی مملکت میں دورہ کرنے کی نیت سے سفر کرے تو وہ مسافر نہ ہوگا حتی کہ وہ سیاحت کرنے والے کی طرح نماز میں قصر نہیں کرسکتا اھ ملخصا، اے صاحبِ فتح القدیر نے باب الجمعہ مسئلہ "منٰی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے" کے تحت ذکر کیا ہے (ت)

اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

الخلیفۃ اذا سافر یقصر الصلوۃ الا اذا طاف فی ولایتہ [2]۔	حاکم جب سفر کرے تو وہ قصر کرے گا مگر اس صورت میں جب وہ دورہ کررہا ہو تو پھر قصر نہیں کرسکتا (ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

خرج الامیر مع الجیش لطلب العدو لایقصر وان طال سیرہ وکذا اذا خرج لقصد مصر دون مدۃ سفر ثم منہ الی اٰخر کذلك لعدم نیۃ السفر [3]۔	امیر لشکر کے ساتھ دشمن کی طلب کے لئے نکلا تو قصر نہ کرے اگرچہ اس کا سفر کتنا ہی طویل ہو اور اس طرح اس صورت میں بھی قصر نہیں، جب وہ مدت سفر سے شہر کے ارادے سے نکلا پھر وہاں سے درسے ایسے شہر کی طرف چلا جو مدت سفر سے کم مسافت تھا کیونکہ اس میں نیت سفر نہ تھی۔ (ت)

اسی میں ہے:

وفی الرضوع لومن مدۃ سفر قصروا [4]۔	اور رجوع کی صورت میں اگر مدت سفر ہے تو نماز میں قصر کرلیں (ت)

[1] فتح القدیر باب صلوۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر سندھ ۲/ ۲۶

[2] خزانۃ المفتین

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ تحقیق سفر شرعی کے لئے نہ مجرد سیر بے قصد کافی نہ تنہا قصد بے سیر بلکہ دونوں کا اجتماع ضرور کما تفیدہ الاسفار قاطبۃ وبینہ فی خزانۃ المفیتن وغیرھا (جیسا کہ اس پر عبارات کتب شاہد ہیں اور اسے خزانۃ المفتین وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور قصد سے مراد فی الحال مستتبع فعل مقارن سیر ہے جسے عزم کہتے ہیں

کما یدل علیہ تعبیرھم جیمعا بلفظۃ الحال فی حد المسافر بمن جاوز عمران موطنہ قاصدا مسیرۃ ثلاثۃ ایام۔	جیسے کہ تمام فقہاء کا لفظ حال سے تعبیر کرنا اس پر دال ہے لہٰذا مسافر کی تعریف یوں کی گئی ہے ہر وہ شخص جو تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنی آبادی سے نکل جائے (ت)

نہ قصد فی الاستقبال کہ بالاجماع کافی نہیں

کمن خرج قاصدا قریۃ قریبۃ ومن بیتہ ان ینشئی بعدھا سفرا الی بعید فانہ لایکون فی مسیرہ الیھا مسافر اقطعا۔	مثلاً وہ شخص جو کسی قریبی قریہ کے ارادے سے نکلا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس قریہ کے بعد وہ کسی بعید شہر کا سفر کرے گا تو اب وہ اس نکلنے میں قطعاً مسافر نہ ہوگا۔ (ت)

اور نیت اپنی غایت مقصودہ بالذات پر پہنچ کر منتہی ہوجاتی ہے کہ غایت ماھی غایۃ لہ (غایت جس کے لئے غایت بن رہی ہے۔ت) سے متاخر فی الوجود ہے اور حرکت کے لئے بعد وجود بقا نہیں، تو اس کے بعد اگر دوسرے مقصود کی طرف نہضت ہو تو وہ سیر آخر وقصد آخر ہے اور قبل وصول منتہی نہیں ہوتی اگرچہ سکون ونزول متخلل ہو، ولہٰذا اگر کسی منزل میں کوئی شخص ملے نازل کہے گا میں فلاں جگہ جاتا تھا کہ وہ ملا یا جاتے ہیں اس سے ملاقات ہوئی یا جاتے ہوئے راہ میں مل گیا تو وہ نہایات مختلفہ کا قصہ مقارن اول توجہ جزئی متعدد بمبدء معین ومنتہائے معین میں کہ ان کا تعین اسکے تشخص کو لازم ہے ہرگز نہ ہوگا بلکہ صرف غایت اولٰی ہی کا قصد فی الحال اور ثانیہ کا ہو تو فی المال و الاستقبال اگرچہ باعث علی الخروج لحاظ امرین ہو اس سیر خاص میں کسی طرف توجہ اور چیز اور دل میں کہیں جانے کا خیال اور چیز، ثانی قصد مستقبل کو بھی شامل جسے یوں تعبیر کریں گے وہاں بھی جاؤں گا یا یہاں ہو کر وہاں جانا ہے اور اول خاص اسی کے لئے ہے جو اس سیر جزئی مخصوص کا منتہی ہے جس کے حصول پر یہ منتہی ہوجائے گی اس پر دلیل واضح مسئلہ آفاقی ہے جو بقصد حاضری مکہ معظمہ چلا بے احرام باندھے، میقات سے تجاوز اسے حرام ہے، اگر حلت چاہے تو علماء فرماتے ہیں حیلہ یہ ہے کہ بین الحرم والمیقات کسی مقام مثلاً جدہ وغیرہ کا قصد کرے کہ وہاں پہنچ کر اس کے اہل سے ملتحق ہوجائے گا اور اب مکہ معظّمہ کو جانا داخل میقات سے ہوگا نہ کہ گھر سے، اب اس میقات نسک کے لئے ہے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

دخل اٰفاقی البستان ای مکانا من الحل	اگر غیر ملکی کسی حاجت کی وجہ سے بستان (میقات کے

داخل لمیقات لحاجة قصدھا ونیة مدة الاقامة لیست بشرط علی المذھب بله دخول مکة غیر محرم ووقته البستان ولاشیئ علیه لانه التحق باھله وھذہ حیلة لافاقی یرید دخول مکة بلااحرام [1]۔	اندر حل میں ایک جگہ ہے) میں قصداً داخل ہوا تو وہاں مذہب کے مطابق مدتِ اقامت کی بھی نیت شرط نہیں، اب اس کے لئے بغیر احرام مکہ کا داخلہ جائز ہے اور اس کا میقات وہ بستان ہے، اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ وہاں کے اہل کے ساتھ ملا ہے اور یہ اس غیر ملکی کے لئے حیلہ ہے جو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (ت)

نیز اسی میں قبیل فصل احرام ہے:

لو قصد موضعا من الحل کخلیص وحدة حل له مجاوزته بلا احرام فاذا حل به التحقق باھله فله دخول مکة بلا احرام وھو الحیلة لمرید ذلك الالمامور بالحج المخالفة [2]۔	اگر حل میں کسی جگہ مثلاً خلیص کا ارادہ رکھتا کیا تو اب بغیر احرام داخلہ جائز ہے اور وہ جب وہاں پہنچ گیا تو وہاں اہل سے لاحق ہوگیا تو اب مکہ میں بغیر احرام داخلہ جائز ہوگا اور یہ حیلہ ہر اس شخص کے لئے جو مکہ کا ارادہ بغیر احرام کے کرے البتہ اگر حج فرض کا ارادہ ہو پھر جائز نہیں اس صورت میں احکام شرع کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قصد موضعا من الحل ای قصد اوّلیا کما اذا قصدہ لبیع اوشراء وانه اذا فرغ منه یدخل مکة ثانیا [3]۔	"حل میں کسی مقام کا ارداہ کیا" یعنی قصد اولیٰ مثلاً خرید یا فروخت کا رادہ کیا جب اس عمل سے فارغ ہوگیا تو اب مکہ میں قصد ثانی سے داخل ہوسکتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

لانه لم یقصد اولادخول مکة وانما قصد البستان، قالوا واھذہ حیلة حیلة الاٰفاقی اذا ارادان یدخل مکة بغیراحرام	کیونکہ اس نے اوّلاً دخول مکہ کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اس کا ارادہ توبستان تھا، فقہاء نے کہا ہے یہ اس آفاقی کے لئے حیلہ ہے جو مکہ میں بغیر احرام داخل

[1] درمختار باب الجنایات مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۸۰

[2] درمختار کتاب الحج مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الحج مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۲/۱۶۷

فینوی ان یدخل خلیصا مثلا فله مجاوزة رابغ الذی ھومیقات الشامی والمصری المحاذی للجحفة الخ[1]	ہونے کا ارادہ رکھتا ہو پس وہ مثلاً خلیص میں داخل ہونے کی نیت کرے تو اس کے لئے بغیر احرام رابغ سے گزرنا جائز ہے جو شامی اور مصری لوگوں کا میقات اور جحفہ کے مقابل ہے الخ (ت)

اُسی میں قبیل باب الاحرام ہے:

الافاقی اذا قصد موضعا من الحل کخلیص یجوزله ان یتجاوز المیقات غیر محرم وھی الحیلة لمن ارادان یدخل مکة بغیر احرام وینبغی ان لا تجوز ھذہ الحیلة للمامور بالحج لانه حینئذ لم یکن سفرہ للحج[2]۔	آفاقی جب حل میں خلیص وغیرہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے، اور یہ ہر شخص کے لئے حیلہ ہے جو میقات سے مکہ بغیر احرام جانا چاہتا ہو لیکن یہ حیلہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جس پر حج فرض ہے کیونکہ اب کا سفر حج نہ رہے گا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اذا ارادالافاقی دخول مکة بغیر احرام من المیقات قصد مکانا اٰخر داخل المواقیت کبستان بنی عامر[3]۔	اگر کوئی غیر مکی بغیر احرام دخول مکہ چاہتا ہے تو وہ میقات کے اندر کسی اور جگہ کا ارادہ کرے مثلاً بنی عامر کے بستان۔ (ت)

ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

الحیلة للافاقی اذااراد دخول مکة من غیر احرام من المیقات ان لا یقصد دخول مکة وانما یقصد مکانا اخر وراء المیقات خارج الحرم نحوبستان بنی عامر ثم اذا وصل ذلك الموضع یدخل مکة بغیر احرام[4]۔ (ملخصًا)	اس آفاقی کے لئے جو دخول مکہ بغیر احرام کے چاہتا ہے حیلہ یہ ہے کہ وہ دخول مکہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ میقات کے اندر کسی اور جگہ کا ارادہ کرے جو خارج حرم ہو مثلاً بنی عامر کے بستان، (ت) تو جب وہاں پہنچ جائے تو اب مکہ میں بغیر احرام داخل ہوجائے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب مجاوزۃ المیقات بغیر احرام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۳

[2] بحرالرائق کتاب حج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۸/۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲۹۳/۲

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الخامس فی الحج مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۳/۶

مسلک متقسط میں ہے:

ذکر الفقهاء فی حیلة دخول الحرم بغیر احرام ان یقصد بستان بنی عامر ثم یدخل مکة فالوجه فی الجملة ان یقصد البستان قصد الولیاولا یضرة قصده دخول الحرم بعده قصد اضمنیا اوعارضیا کما اذا قصد هندی جدة لبیع وشراء ولایکون فی خاطره انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا بخلاف من جاء من الهند مثلاً بقصد الحج اولاوانه یقصد دخول جدة تبعا ولو قصد بیعاوشراء [1] اھ تلك النقول باختصار۔	فقہاء نے بغیر احرام، حرم میں داخل ہونے کے لئے یہ حیلہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص بستان بنی عامر کا ارادہ کرے پھر وہاں سے مکہ میں داخل ہوجائے اور فی الجملہ وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّلاً بستان کا ارادہ کیا تھا تو اس کے بعد حرم میں داخل ہونا ضمناً اور عارضی ہونے کی وجہ سے نقصان دہ نہیں ہوسکتا جیسے کہ ہندی شخص اوّلاً بیع وشر کے لئے جدہ کی نیت کرکے آیا ہے اور ذہن میں تھا کہ فارغ ہوکر ثانیاً مکہ چلا جائے گا بخلاف اس شخص کے جو ہندوستان سے اولاً حج کے ارادے سے آتا ہے اور وہ جدہ میں دخول کا ارادہ تبعاً رکھتا ہے اگرچہ وہ بیع وشراء کا ارادہ رکھتا ہو اھ اختصار کے ساتھ نقول ختم ہوگئیں۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جب اس کی نیت حاضری مکہ معظّمہ ہے تو جدہ کا ارادہ کرلینے سے دل کا وہ خیال ہر گز منتفی نہ ہوا ولہٰذا علماء اسے بلفظ حیلہ تعبیر اور خود ارادہ دخول مکہ بغیر احرام سے تصویر فرماتے ہیں اگر قصد مکہ منتفی ہوجاتا تو ان عبارات کا اصلاً کوئی محل و محمل نہ تھا، ہاں یہ ہوا کہ قصد مکہ باعتبار مآل واستقبال رہا، قصداً اول جدہ کے لئے قرار پایا جیسا کہ بحر الرائق وردالمحتار وشرح لباب سے گزرا اسی بناپر علمائے کرام نے مجاوزتِ میقات بلا احرام جائز فرمائی ہے حالانکہ خیال مکہ یقیناً اول سے موجود ہے تو ثابت ہوا کہ جب وہ نہایت مختلف مقصود بالذات ہوں تو قصد مقارن خاص حصہ اولٰی ہے اور ثانیہ کے لئے وہی مآل واستقبال کا خیال، جیسا کہ عبارت مولانا علی قاری ویکون فی خاطره انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا [2] (اس کے ذہن میں ہو کہ وہ فارغ ہوکر ثانیاً مکہ چلا جائے گا۔ت) نے روشن کردیا یہ قصد حقیقۃً قصد بالفعل نہیں۔ ولہٰذا اسی کو ذخیرہ وہندیہ میں باآنکہ شروع تصویر مسئلہ بلفظ اراد دخول مکة من غیر احرام (بغیر احرام دخول مکہ کا ارادہ رکھتا ہے، ت) بلفظ ان لا یقصد دخول مکة

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی مجاوزۃ المیقات الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۶۰

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام، مطبوعہ دارالکتاب لعربیہ بیروت ص ۶۰۱۶

دخول مکہ کا ارادہ نہ کرے۔ت) تعبیر فرمایا۔

وبھذا التحقیق الشریف الفائض علی قلب العبد الضعیف من فیض الفتاح العلیم الخبیر اللطیف وللہ الحمد طاح وزاح ماکان یورد علی ھذا الاحتیال من الاشکال الذی اضطربت فیہ الاقوال وکثر فیہ القیل والقال واختلف فی حلہ افہام الرجال وکان اقرب من جنح الی ماجنحت الیہ العلامۃ القارئ الجلی الافضال ولقد احسن اذا استشکل بتظافر العلما علی ذکر ھذہ الحیلۃ کلام اللباب الموھم لاختصاص المسألۃ بمن حث لہ قصد مکۃ بعد دخول البستان ولم یکن فی خاطرہ دخول الحرم من قبل اصلا وعکس العلامۃ الفاضل الشامی فی ردالمحتار ومنحۃ الخالق فاستشکل بظاہر اللباب ماتظافرت علیۃ کلمات الائمۃ اولی الالباب بما وقفنا لامولٰی سبحانہ وتعالٰی طھران قصد الحرم مطلقا اوقصد اولیا اوعصر القصد فی البستان مع الاحتیال لمن یرید الحرم بلا احرام والحمدللہ علی ابانۃ الصواب واصابۃ المرام۔	اس مبارک تحقیق (جو اس عبد ضعیف کے دل میں فتاح، علیم، خبیر اور لطیف ذاتِ اقدس نے فیض کے طور پر فرمائی) سے للہ الحمد اس حیلہ پر وارد ہونے والا وہ اعتراض رَد ہوگیا جس میں اقوال مضطرب اور کثرت قیل وقال تھی اور اس کے جواب میں لوگوں کے ذہن مختلف تھے اور جس کی طرف میرا ذہن گیا اس کے قریب تر، علامہ علی قاری ہیں اور انھوں نے لباب میں نہایت ہی احسن بات کی جب کثرت کے ساتھ حیلہ بیان کرنے والے علما کے کلام سے اشکال ظاہر کیا تو لباب کے کلام سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ فقط اس شخص کیلئے ہے جسے دخول بستان کے بعد دخول مکہ کا شوق ہوا اور اس سے پہلے دخول حرم کا قطعًا اس کے ذہن میں نہ تھا علامہ شامی نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں اس کا عکس کیا تو لباب کی ظاہر عبارت سے ائمہ کے مجموعی کلام پر اشکال پیدا ہوگیا، اللہ تعالٰی کی توفیق ومہربانی واضح ہوگیا کہ اس میں کوئی صعوبت اور اشکال نہیں اور کوئی مخالفت نہیں خواہ حرم کا قصد بالکل نہ ہو یا قصد اولٰی نہ ہو یا قصد بستان کا ہی ہو، اس کے لئے جو حیلہ کے ساتھ حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا چاہتا ہو، صواب کے ظہور اور مقصد کے حصول پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔(ت)

جب بتوفیق اللہ تعالٰی یہ مقدمات ممہد ہولئے حکم مسئلہ واضح ومنکشف ہوگیا آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگرچہ راہ میں ضمنی طور پر اور موضع میں بھی وہ ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے،

كما افاده المولى على القارى بقوله بخلاف من جاء من الهند مثلاً بقصد الحج اولا [1] الخ	جیسا کہ ملا علی قاری نے اپنے الفاظ میں بیان کیا بخلاف اس شخص کے جو ہندستان سے قصد اولیٰ کے ساتھ حج کے لئے آیا الخ (ت)

مگر غالبًا دورہ کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں بالخصوص مقصود اصلی وہ موضع بعید ہی نہیں ہوتا نہ خاص اس کے قصد پر چلتا بلکہ سب مواضع میں گشت کا ارادہ اور ہر موضع مقصود بالذات ہوتا ہے تو اگرچہ باعث سیر لحاظ جمیع ہے مگر ہر مقصود اپنی سیر خاص جزئی پر محدود موضع قریب کو جاتے ہوئے قصد مقارن اسی کے لئے ہے اور قصد بعید صرف بمعنی خیال وارادہ مآل، تو جب کسی موضع سے دوسرے تک مسیرت سفر نہیں اصلاً کوئی سیر بقصد مسیرت سفر متحقق نہ ہوئی ہاں وہ چند قصدوں سے چند سیریں ہیں جن کا مجموعہ مسیرت سفر سے زائد سہی آخر نہ دیکھا کہ علامہ بحر صاحب بحر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مامور بالحج کے لئے دخول مکہ بغیر احرام میں اس حیلہ کا جواز نہ مانا کہ جب وہ بایں قصد چلے گا کہ یہاں سے بستان بنی عامر جاتا ہوں پھر وہاں سے مکہ معظّمہ چلوں گا تو اس کا یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا، معلوم ہوا کہ مقصود سیر وہی مقصود اولیٰ ہوتا ہے وبس، ولہٰذا ذخیرہ وہندیہ میں ان لا یقصد مكة (وہ مکہ کا ارادہ نہ کرے۔ت) فرمایا تو روشن ہوا کہ بالمآل مسیرت سفر کی دوری پر جانے کا خیال سیر بقصد مسیرت سفر نہیں اور موجب سفر شرعی یہی تھی کہ متحقق نہ ہوئی۔

وبه تبيين ولله الحمد ان ماذكر المولى الفاضل ابراهيم الحلبى فى الغنية بما نصه قديفهم من التمثيل بالخلى فى اول مسئلة التبع ان الخليفة والسلطان كغيره فى انه اذا نوى السفر يصير مسافرا يقصر، فقيل هذا اذالم يكن فى ولايته، اما اذاطاف فى ولايته فلا يقصر ولاصح انه لا فرق لما تقدم من فعل النبى صلى الله تعالى عليه وسلم والخلفاء الراشدين انهم قصروا حين سافروا من المدينة الى مكة وغير ذٰلك، ومرادمن قال	للہ الحمد اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فاضل ابراہیم حلبی نے غنیہ میں یہ جو کہا کہ مسئلہ تبع کی ابتداء میں خلیفہ کو مثال بنانے سے سمجھ آرہا ہے کہ اس معاملہ (کہ جب وہ سفر کی نیت کرے تو وہ مسافر ہو جاتا ہے اور قصر کر سکتا ہے) میں خلیفہ اور سلطان دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اپنی ولایت میں نہ ہو، اور اگر اپنی ولایت میں دورہ کررہا ہو تو پھر قصر نہ کرے، اور اصح یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں کیونکہ پیچھے گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مدینہ سے مکہ وغیرہ کا سفر فرماتے تو نماز میں قصر کرتے، اور جس نے کہا" خلیفہ اپنی

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط فصل فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ٦٠

اذا طاف فی ولایته لا یقصر هو ماصرح به حافظ الدین البزازی فی فتاوٰه انه اذاخرج لتفحص احوال الرعیة وقصد الرجوع متی حصل مقصوده ولم یقصد مسیرة سفر حتی انه فی الرجوع یقصر لوکان من مدة سفر ولااعتبار بمن علل بان جمیع الولایة بمنزلة مصره لان هذا تعلیل فی مقابلة النص مع عدم الروایة عن احد من الائمة الثلثة فلا یسمع [1] فمع ان ماذکر من قصد الرجوع متی حصل مقصوده انما ذکره البزازی فی مسألة اخری غیر التی نقلنا عنها وهی ماقال بعدها وکذا الامام والخلیفة والامیر والکاشف لیفحص الرعیة وقصد کل الرجوع متی حصل مقصوده ولم یقصد وامسیرة سفر قصراتموا [2] ۔ الخ لایخالف مانحن نریده فی شیئ فانما مقصوده کما هوصریح سوق کلامه الرد علی من زعم ان الخلیفة لا یصیر مسافرافی ولایته وان قصد مسیرة سفر وهوامربین البطلان امامانحن فیه فقد بینا انه لایصدق	ولایت میں دورہ کرے تو قصر نہ کرے"اس کی مراد ہی ہے جس کی تصریح حافظ الدین البزازی نے اپنے فتاوٰی میں کی کہ جب خلیفہ رعیت کے احوال کی خیر کے لئے نکلے اور حصول مقصود کے بعد واپس لوٹے لیکن اس نے سفر کی نیت نہ کی کہ ــــــــ وہ وجوع میں قصر کرسکتا تھا بشر طیکہ مدّت سفر ہو اوراس شخص کا اعتبار نہیں کیا جائیگا جس نے علت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمام ولایت خلیفہ کے لئے اپنے شہر کی طرح ہے کیونکہ یہ علت نص کے مقابل ہے اور پھر ائمہ ثلٰثہ میں سے کسی سے بھی یہ مروی نہیں ہے لہٰذا یہ بات قابلِ سماعت نہیں اھ باوجودیکہ مذکورہ عبارت "خلیفہ نے حصول مقصود کے بعد رجوع کا اردہ کیا" کو بزازی نے اس مسئلہ کے علاوہ کے تحت ذکر کیا ہے جسے ہم نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام خلیفہ، امیر اور محتسب دورہ کریں تاکہ لوگوں کے احوال کا علم ہو اور حصول مقصود کے بعد رجوع کریں لیکن وہ سفر قصر کا ارادہ نہ کریں تو وہ پوری نماز ادا کریں گے۔ یہ تمام اس کے منافی نہیں جو ہم نے مراد لیا کیونکہ شیخ حلبی کا مقصود (جیسا کہ ان کے سیاق کلام سے واضح ہے اس شخص کا رد ہے جس نے کہا کہ خلیفہ اپنی ولایت میں مسافر نہیں ہوسکتا خواہ وہ مسافت سفر کا ارادہ کرلے اور یہ امر واضح طور پر باطل ہے باقی ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر مسافتِ سفر

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۴۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی باب الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

فیه قصد مسیرة سفر فهذا مما لایخالف فیه الحلبی ولا احد فلاغبار علی ما افادہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والامام البزازی فی فتاوٰی والعلامة ابن الساعاتی فی الاختیار والامام ابن السمعانی فی الخزانة وللّٰه الحمد واللّٰه علی حسن الابانة ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰه تعالٰی ولی التوفیق۔	کا ارادہ کرنا صادق نہیں آتا اور اس میں حلبی اور کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کرسکتا، پس محقق علی الاطلاق نے فتح، امام بزازی نے فتاوٰی، علامہ ابن ساعاتی نے اختیار اور امام ابن سمعانی نے خزانہ میں جو کہا اس پر اب کوئی غبار نہیں رہی، اس حسن وضاحت پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے، تحقیق اس طرح ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہے۔(ت)

یہ تحقیق انیق کہ فقیر نے بتوفیق رب قدیر ذکر کی مطلقاً ہر صورت کو شامل ہے اگرچہ مقصود اصلی قریب مقصود اصلی بعید کی راہ میں واقع ہو اور اگر اس کی راہ سے بالکل جدا ہو اور دورہ رائجہ میں اکثر ایسا واقع ہوتا ہے،

مثلاً اس شکل میں ب محلِ اقامت ہے اور نقاط باقیہ مواضع مقصودہ، ان میں کوئی ایک دوسرے سے مسیرت سفر پر نہیں مگر ب سے دورہ کرنے والا جس وقت ب سے ج کی طرف چلا کوئی نہ کہے گا کہ اس وقت ی کی طرف متوجہ ہے ی کو جاتا ہے، ی کے قصد پر چلا ہے بلکہ بالیقین اس سیر میں ج مقصود ہے اگرچہ خیال یہ بھی ہے کہ ان نقطوں پر ہوتا ہوا ی کو بھی جاتا ہے تو کسی سیر میں قصہ مقارن مسیرت کا سفر نہ پایا گیا،

بالجملہ یہ دورے سفر نہیں ہوتے اگرچہ کتنے ہی دور تک ہوں اب تک کہ نمازیں پوری پڑھیں بہت بجا کیا۔

تنبیہ: یہاں سے سیاحین وواعظین کا حکم بھی واضح ہوگیا جنھیں کوئی مقام محل اقامت سے مدت سفر پر خاص مقصود بالذات نہیں بلکہ شہر قریہ بہ قریہ چند چند کوس کے فاصلوں پر گشت کرنا سیر دیکھنا یا ہر جگہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے کمانا مقصود ہے جب تک کسی محل اقامت سے مسیرت سفر کا قصد اولٰی نہ ہو مسافر نہ ہوں گے اگرچہ سارے ملک میں پھر آئیں جس طرح سیاح کی نسبت خود فتح القدیر میں مصرحًا ارشاد ہوا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل، منزل ہمارے بلاد میں تقریبًا بارہ کوس کی ہے یہی قول مفتی بہ کے قریب تر ہے جسے ظہیریہ ومحیط برہانی ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ وخزانۃ المفتین وغیرہا میں علیہ الفتوی (فتوی اسی پر ہے۔ت) کہا کہ منزل اٹھارہ میل ہے کے سوا گیارہ کوس ہوتے ہیں، یہ قول اصل مذہب ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں بلکہ ان بلاد کے مناسب اسی کی تقدیر وشرح ہے کما نبہ علیہ العلامۃ اسمٰعیل مفتی دمشق الشام کما نقلہ فی منحۃ الخالق (جیسا کہ مفتی دمشق شام

علامہ اسمٰعیل نے اس پر تنبیہ کی ہے اور وہ منحۃ الخالق میں منقول ہے۔ت) ہمارے بلاد میں دس کوس کا اندازہ قابل قبول نہیں کہ یہاں اقصر ایام یعنی تحویل جدی کے دن میں فجر سے زوال تک سات ساعت کے قریب ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے سات گھنٹہ میں بارہ کوس بے تکلف چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاہد، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۵۷: از آگرہ آباد کوٹھی حشمت اللہ خاں جنٹ مجسٹریٹ مرسلہ علی محمد خاں ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

میں آج کل الہ آباد میں ہوں تو الہ آباد میرے واسطے سفر خیال کیا جائے گا یا نہیں، لیکن جنٹ صاحب کی کوٹھی میں رہتا ہوں اور الہ آباد ایک ہفتہ سے زیادہ رہنا نہیں ہوتا لیکن پھر اسی روز واپس آنا پڑتا ہے، الہ آباد میں نماز سفر کی پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور الہ آباد سے کرنا ایک مقام ہے جو قریب دس میل کے ہے وہاں پر بھی سفر کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ وہ الہ آباد ہی کے ضلع میں ہے جواب جلد مرحمت فرمائیے۔

الجواب:

الہ آباد تمھارا وطن اصلی نہیں، نہ جنٹ صاحب کی کوٹھی ٹھہرنا اسے کسی کا وطن کردے گا جبکہ جنٹ خود آج کل وہاں نہیں بلکہ پندرہ دن قیام کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہے یا مقدر قیام کچھ معلوم نہیں کسی کام کے لئے گئے ہوں اس کے ہو جانے کا انتظار ہو جائے تو آج چلے جاؤ، بیس دن بعد ہو تو اس صورت میں الہ آباد کا رہنا تمھارے لئے سفر ہی سمجھا جائے گا نماز سفر کی پڑھو اگرچہ انتظار انتظار میں مہینے گزر جائیں، یونہی اطراف میں جہاں چاہوں چار رکعت کی دوہی پڑھو جب تک کسی خاص جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت الہ آباد میں کرلی ہے تو اب الہ آباد وطن اقامت ہوگیا نماز پوری پڑھی جائے گی جب تک وہاں سے تین منزل کے ارادہ پر نہ جاؤ اگرچہ ہر ہفتہ پر بلکہ ہر روز الہ آباد سے کہیں تھوڑی تھوڑی دور یعنی چھتیس ۳۶ کوس سے کم باہر جانا اور دن کے دن واپس آنا ہو جبکہ نیت کرتے وقت اس پندرہ دن میں کسی رات دوسری جگہ شب باشی کا ارادہ نہ ہو ورنہ وہ نیت پورے پندرہ دن کی نہ ہوگی مثلاً الہ آباد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی اور ساتھ ہی یہ معلوم تھا کہ ان میں ایک شب دوسری جگہ ٹھہرنا ہوگا تو یہ پورے پندرہ دن کی نیت نہ ہوئی اور سفر ہی رہا اگرچہ دوسری جگہ الہ آباد کے ضلع میں بلکہ اس سے تین چار ہی کوس کے فاصلہ پر ہو، اور اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی اگرچہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا تو اقامت صحیح ہوگئی نماز پوری پڑھی جائے گی جبکہ وہ دوسری جگہ الہ آباد سے چھتیس ۳۶ کوس یعنی ستاون ۵۷ اٹھاون ۵۸ میل کے فاصلے پر نہ ہو غرض قیام کی نیت کرتے وقت ان خیالوں کا اعتبار ہے بعد کو جو پیش ائے اُس کا لحاظ نہیں مثلاً پندرہ رات پورے کا قیام ٹھہرالیا اور اس کے بعد اتفاقاً چند راتوں کے لئے اور جگہ جانا ہوا جو الہ آباد سے

تین منزل کے فاصلہ پر نہیں اگرچہ دس بیس بلکہ چھپن میل تک ہو سفر نہ ہوگا اس مقامِ دیگر میں بھی نماز پری پڑھنی ہوگی اور الہ آباد میں بھی ان سب صورتوں کو خوب غور سے سمجھ لو۔

فی الدر المختار لودخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته لانه يخرج الى منٰى وعرفة فصار كنية الاقامة فی غيرموضعها وبعد عوده من منى تصح كما لونوى مبيته باحدهما[1] الخ۔ وفی ردالمحتار قيل هذه المسالة كانت سبب لتفقه عيسى بن ابان وذلك انه كان مشغولا لطلب الحديث قال فدخلت مكة فی اوّل العشر من ذی الحجة مع صاحب لی وعزمت على الاقامة شهرا فجعلت اتم الصلوة فلقينی بعض اصحاب ابی حنيفة فقال لی اخطأت فانك تخرج الى منى وعرفات فلما رجعت من منى بدالصاحبی ان يخرج و عزمت على ان أصاحبه وجعلت اقصر الصلوة فقال لی صاحب ابی حنيفة اخطأت فانك مقيم بمكة فمالم تخرج منها لا تصير مسافرا فقلت	در مختار میں ہے کہ اگر کوئی حاجی مکہ میں ذوالحج کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت (برائے اقامت) درست نہیں کیونکہ اس نے منٰی اور عرفات کی طرف انہی دنوں میں جانا ہے اس نیتِ اقامت کی طرح ہی ہے جو مقام اقامت نہ ہو اور منٰی سے لوٹ کر نیت کرنا درست ہے جیسا کہ ان دونوں میں سے ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کرے الخ۔ ردالمحتار میں ہے کہ منقول یہ ہے کہ یہ مسئلہ امام عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے فقہ سیکھنے کا سبب بنا تھا ان کا اپنا بیان ہے کہ میں طلب حدیث میں مشغول تھا ذوالحجہ کے عشرہ میں میں مکہ گیا میرے ساتھ میرے دوست بھی تھے میں نے وہاں ایک ماہ اقامت کی نیت کی اور پوری نماز ادا کرنا شروع کردی مجھے امام ابوحنیفہ کے ایک ساتھی ملے انھوں نے کہا کہ تو نے غلط کیا ہے کیونکہ تو تو منی اور عرفات کی طرف چلا جائے گا، پس جب میں منٰی سے لوٹا تو میرے ساتھی کو مکہ سے نکلنے کی حاجت پیش آگئی اور میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں تو میں نے نماز قصر شروع کردی تو مجھے امام ابوحنیفہ کے ساتھی نے کہا تو نے غلط کیا کیونکہ تو مکہ میں مقیم ہے تو جب تو اس سے نکلے گا نہیں تو مسافر نہیں ہوسکتا، تو میں نے سوچا کہ میں نے

[1] الدرالمختار باب صلوۃ المسافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۷

اخطأت فی مسالۃ فی موضعین فرحلت الی مجلس محمد واشتغلت بالفقه قال فی البدائع وانما اوردنا هذا الحکایة لیعلم مبلغ العلم فیصیر مبعثة للطلبة علی طلبه اھ بحر ویظهر من هذه الحکایة ان نیته الاقامة لم تعمل عملها الابعد رجوعه لوجود خمسة عشر یوما بلا نیة خروج فی اثنائها بخلاف ماقبل خروجه الی عرفات لانه لماکان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیدو یحتمل ان یکون جددنیة الاقامة بعد رجوعه وبهذا سقط ما اورده العلامة القاری فی شرح اللباب من ان کان فی کلام صاحب الامام تعارضا حیث حکم اولا بانه مسافر وثانیابانه مقیم مع ان المسئلة بحالها والمفهوم من المتون انه لونوی فی احدهما نصف شهر صح فحٍ لایضره خروجه الی عرفات اذلایشترط کونه نصف شهر متوالیا بحیث لایخرج فیه اھ[1] ملخصا و وجه السقوط ان لتوالی لایشترط اذالم یکم من عزمه الخروج الی موضع اٰخرلا نه یکون ناویا الاقامة فی موضعین نعم بعد رجوعه من منی صحت نیته لعزمه علی

ایک مسئلہ میں دو جگہ خطا کی ہے تو میں امام محمد کی خدمت میں گیااور فقہ سیکھنا شروع کی، بدائع میں ہے کہ یہ حکایت ہم نے اس لئے وارد کی ہے کہ علم کی قدر معلوم ہوسکے اور طلباء کے لئے طلب علم کا باعث بن سکے ، اھ بحر، اس حکایت سے واضح ہوگیا کہ ان کی نیت اقامت رجوع کے بعد موثر ہوئی کیونکہ اب ایسے پندرہ دنوں کا قیام ہوگا جن کے درمیان نیت خروج نہیں بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے، کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ ہے تو اب مقیم نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے کہ انھوں نے رجوع کے بعد تجدید نیت کی ہے اس سے وہ اعتراض ساقط ہوجاتا ہے جو علامہ قاری نے شرح للباب میں اٹھایا کہ امام صاحب کے ساتھی کے کلام میں تعارض ہے کیونکہ پہلے انھوں نے مسافر ہونے کا حکم لگایا اور دوبارہ مقیم کی حالانکہ معاملہ اپنی جگہ پر تھا، متون سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک میں نصف ماہ تک کی نیت کی تو درست ہے تو اب عرفات کی طرف نکلنا مضر نہیں کیونکہ نصف ماہ کا مسلسل اس طرح ہونا شرط نہیں کہ اس میں خروج نہ ہو انتہی، وجہ سقوط یہ ہے کہ تسلسل اس وقت شرط نہیں جب آدمی کا عزم دوسری جگہ جانے کانہ ہو کیونکہ اس وقت وہ دومقامات کی نیت کئے ہوئے ہے ، ہاں منٰی سے رجوع کے بعد سنت صحیح ہوگی کیونکہ اب ایک جگہ میں

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃالمسافر مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۸۲

الاقامة نصف شهر فی مکان واحد واللّٰه تعالٰی اعلم[1]۔قوله کما لونوی مبیته باحدهما فان دخل اولا الموضع الذی نوی المقام فیه نهار الایصیر مقیما وان دخل اولامانوی المبیت فیه یصیر مقیما ثم بالخروج الی الموضع الاخر لا یصیر مسافر الان موضع اقامة الرجل حیث یبیت به، حلیة[2] اھ وبه ظهر کل ماذکرناه ، واللّٰه تعالٰی اعلم	نصف ماہ اقامت کا عزم ہے ، واللہ تعالٰی اعلم قولہ "اس نے دومقامات میں سے کسی ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کی" پس اگر تو وہ شخص پہلے اس مقام پر گیا جس پر دن کو ٹھہرنا تھا تو وہ مقیم نہ ہوگا اور پہلے اس جگہ گیا جہاں رات ٹھہرنا تھا تو مقیم ہوجائیگا اس کے بعد دوسری جگہ کے ارادے سے مسافر نہں بنے گا کیونکہ آدمی کی اقامت کا مقام ہوتا ہے جہاں وہ رات بسر کرتا ہے اھ حلیہ اس کے ساتھ وہ تمام واضح ہوگا جس کا تذکرہ ہم نے کیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۸: ۳ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ از تلہر مسئولہ خلیل الدین صاحب

زید کے وطن سے ایک مقام تیس ۳۰ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور زید نے ایسی راہ سے سفر کیا کہ اس مقام تک چالیس ۴۰ کوس مسافت طے کرنی ہوئی تو زید پر نماز کا قصر ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہے جبکہ قصداً دو جگہ پر منقسم نہ ہو مثلاً اس راہ میں بیس کوس پر ایک شہر ہے، ارادہ یوں کیا کہ پہلے وہاں جاؤں گا وہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مقام پر کہ وہاں سے بیس ۲۰ کوس ہے جاؤں گا یوں چالیس کوس ہوں جائیں گے تو قصر نہیں، مکان سے بیس ۲۰ ہی کوس کے مقصد کو چلا ہے اگرچہ وہاں سے دوسرا قصد دوسری جگہ کا ہونے والا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵۹ تا ۱۲۶۳: از بریلی مسئولہ شیخ عبدالعزیز بساطی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے جواب میں:

(۱) منزل کتنے فرسنگ کی ہوتی ہے؟

(۲) کےَ (کتنے) منزل پر قصر ہوگا؟

(۳) طے منزل میں راہ راست کا اعتبار ہے یا جس راستے پر چلے؟

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۲

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۲

(۴) یہاں سے بیسلپور ۱۸ کوس براہ سواری گاڑی اور براہ ریل گاڑی چھتیس۳۶ کوس ہو جاتی ہے وہاں جانے میں قصر کب ہوگا؟

(۵) ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں پس یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عرف میں منزل بارہ۱۲ کوس ہے اور ان بلاد میں ہر کوس ۵/۸ میل یعنی اور میل کے تین خمس، اور تین میل کا ایک فرسنگ، تو ایک منزل چھ فرسنگ اور دو خمس فرسنگ کی ہوئی۔

(۲) تین منزل پر قصر ہے۔

(۳) جس راستے سے جائے اس کا اعتبار ہے۔

(۴) ریل میں جائے تو قصر کرے ورنہ نہیں۔

(۵) جب دریاں سپرد مسجد کر دیں ملک مسجد ہو گئیں، جب تک ناقابل استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶۴: از درؤ ضلع نینی تال ڈاک خانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دو آدمیوں کا غلام تھا ہر دو مع غلام کے سفر کے گئے راستے میں دونوں نے قیام کیا، ایک نے نیت اقامت کی دوسری نے نہ کی، اب وہ عبدِ مشترک نماز قصری ادا کرے یا حضری، **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ ان دونوں سے صرف ایک کے قبضہ میں ہے تو جس کے قبضہ میں ہے اسی کی نیت کا اعتبار ہے

لانہ حٍ لیس تابعا الا لہ وسیاتیك مایفیدہ۔	کیونکہ وہ جس کا ہے اسی کا تابع ہوگا اور عنقریب اس پر مقید گفتگو آرہی ہے۔ (ت)

اور اگر دونوں کے قبضہ میں ہے تو اگر ان میں اس کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار پائی ہے مثلاً ایک دن اِس کی خدمت کرے اور دوسرے دن اُس کی، تو ہر ایک کی نوبت میں اس کی نیت پر عمل کرے یعنی جس دن خدمت کی باری ہو غلام بھی اپنے آپ کو مقیم سمجھے اور جس دن خدمت مسافر کی باری ہو اپنے آپ کو مسافر جانے، اور اگر باہم نوبت نہ قرار دی بلکہ یوں ہی دونوں کی خدمت میں ہے وہ من وجہ مقیم اور من وجہ مسافر ہے قصر اصلاً نہ کرے اس لحاظ سے کہ اس کے ایک مولٰی نے نیت اقامت کی اور قعدہ اولٰی بھی اپنے اوپر فرض جانے اس نظر سے کہ دوسرے مولٰی

کی نیتِ سفر ہے اور اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ جہاں تک مل سکے کسی مقیم کی اقتداء وقت میں کرے، در مختار میں ہے:

عبد مشترك بين مقيم ومسافران تهايأ قصر فى نوبة المسافر والا يفرض عليه القعود الاول ويتم احتياطا ولا يأتم بمقيم اصلا وهو مما يلغز [1]۔	ایک غلام مقیم مسافر کے درمیان مشترک ہے، اور دونوں کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار دی گئی ہے تو مسافر کی نوبت میں قصر کرے ورنہ (اگر باری نہ ٹھہرائی ہو) تو قعدہ اولٰی اس پر فرض ہوگا اور وہ نماز کا اتمام احتیاطًا کرے (کیونکہ جب اس کے مالک دو ہیں تو وہ ایک لحاظ سے مقیم اور دوسرے کے اعتبار سے مسافر) اور وہ کسی مقیم کے ساتھ اقتداء بالکل نہ کرے یہ غلام کے مسائل میں سے پیچیدہ مسئلہ ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولايأتم الخ فى شرح المنية وعلى هذا فلا يجوزله الاقتداء بالمقيم مطلقا فليعلم هذا اھ اى لا فى الوقت ولابعده ولا فى الشفع الاول ولافى الثانى ولعل وجهه كما افاده شيخنا ان القعدة الاولى فرض عليه ايضا الحاقه بالمسافر فاذا اقتدى بمقيم يلزم اقتداء المفترض بالمتنفل فى حق القعدة الاولٰى اھ [2]۔ **اقول:** لكن قول شارح المنية وعلى هذا الخ يظهر منه انه تفريع من	قولہ "اور نہ اقتداء کرے الخ" شرح المنیہ میں ہے اور اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اس کے لئے مقیم کی اقتداء کسی حال میں جائز نہ ہو، پس اسے اچھی طرح جان لینا چاہئے اھ یعنی نہ وقت میں اور نہ وقت کے بعد، نہ شفع اول میں نہ ثانی میں، شاید اس کی وجہ وہی ہو جو ہمارے شیخ نے فرمائی کہ قعدہ اولٰی الحاق مسافر کی وجہ سے اس پر فرض تھا، پس جب اس نے مقیم کی اقتداء کی تواب قعدہ اولٰی کے لحاظ سے لازم آئے گا کہ ایک فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کی اقتداء کر رہا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) شارح المنیہ کے قول "اور اس بنا پر الخ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ بطور

[1] در مختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۸/۱
[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مصطفی البابی مصر ۵۸۹/۱

عنده علی وجه البحث والافالذی رأیته فی التاتر خانیة عن الحجة انه ان لم یکن بالمهایاة وهو فی ایدیهما فکل صلٰوۃ یصلیها وحده یصلی اربعا و یقعد علی راس الرکعتین ویقرأ فی الاخریین وکذا اذا اقتدی بمسافر یصلی معه رکعتین وفی قرأته فی الرکعتین اختلاف واما اذا اقتدی بمقیم فانه یصلی اربعا بالا تفاق[1] اھ مافی ردالمحتار۔	بحث یہ ان کی اپنی طرف سے تفریع ہے ورنہ میں نے جو تارتار خانیہ میں حجہ کے حوالے سے دیکھا ہے اگر وہ باری باری پابند نہیں اور وہ دونوں کے قبضہ ہے تو وہ ہر نماز تنہا چار رکعات ادا کرے اور ہر دو کے بعد بیٹھے اور آخری دو رکعتوں میں قرات کرے او راسی طرح جب کسی مسافر کی اقتداء کرے تو اس کے ساتھ دو رکعات ادا کرے اور اس کے بعد دو رکعات میں قراءت کرنے میں اختلاف ہے لیکن جب وہ کسی مقیم کی اقتداء کرے تو وہ بالاتفاق چار رکعتیں ادا کرے گا (ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی)

فقیر کہتا ہے:

غفر الله تعالٰی له رأیتنی کتبت علی هامش قوله فاذا اقتدی بمقیم یلزم اقتداء المفترض الخ مانصه اقول هذا مما لست احصله فان المسافر من کل وجه القعدة الاولی فریضة علیه من کل وجه، مع ذلك یجوز له الاقتداء بالمقیم اجماعا ولا یعد بذلك مفترضا خلف متنفل اذا اقتدی فی الوقت بل یقال ان فرضه تحول بالقدوة رباعیا فلم تبق للقعدة الاولی فریضة علیه لمصادفة المغیر محله القابل له حیث اتصل	الله تعالٰی ان کی بخشش فرمائے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ان کی اس عبارت "جب اس نے کسی مقیم کی اقتداء کی تو فرض والے کی اقتداء لازم آئیگی "الخ پر حاشیہ تحریر کیا اقول یہ ایسی چیز ہے جس سے مجھے کچھ اتفاق نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ جو شخص ہر لحاظ سے فرض سے مسافر ہے اس پر بھی قعدہ اولٰی ہر لحاظ سے فرض ہے حالانکہ وہ بالاتفاق مقیم کی اقتداء کرسکتا ہے جب وقت میں ادا کرے تو اسے فرض والے کا نفل والے کی اقتداء کرنا شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اقتدا کی وجہ سے اس پر فرض دو۲ کے بجائے چار ہوگئے ہیں تو اب قعدہ اولٰی اس پر فرض نہیں رہا کیونکہ یہاں تبدیلی کے قابل محل میں تبدیلی پیدا کرنے والا پایا گیا ہے

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۹

بالسبب اعنی الوقت بخلاف مااذا اقتدی بعد انقضاءہ فاذاکان ھذا فی حقه فکیف بمن لیس مسافرا من کل وجه ولا القعدۃ فریضة علیه وجھا واحدا فھذا ینبغی ان یومر باقتداء المقیم فی الوقت مھما وجد کی یخرج عن احتمال الاتمام فی السفر [1]اھ ماحررته ولشدۃ وضوحه و ثبوت الروایة بل نقل الاتفاق علی جواز اقتدائه با لمقیم جزمت به فان کان صوابا فمن ربی الله وارجوان لایکون الا ایاہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	وہ ایسے کہ یہاں سبب (وقت سے) متصل ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب اقتداء وقت گزرنے کے بعد ہو، جب یہ معاملہ ہر لحاظ سے مسافر کا ہے تو اس کا حال کیا ہوگا جو ہر لحاظ سے مسافر نہیں اور اس پر قعدہ کے فرض ہونے کی ایک وجہ متعین نہیں لہٰذا اسے حکم دیا جائے کہ وہ مقیم کا ساتھ جب بھی پائے اس کی اقتداء کرے تاکہ سفر میں احتمال اتمام سے خارج ہو جائے (جو میں نے وہاں لکھا ختم ہوا) شدت وضوح ثبوت روایت بلکہ مقیم کی اقتدا کے جواز پر اتفاق منقول ہونے کی وجہ سے میں نے اسی پر جزم اختیار کیا ہے، پس اگر صواب ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ صواب ہی ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۶۵: بریلی صندل خاں کی بزریہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے وطن سے ستر یا اسی کوس کے فاصلے پر کسی شہر میں ملازم ہے وہاں سے سال دو۲ سال کے بعد آٹھ دس روز کے واسطے اپنے مکان پر آیا اور پھر چلا گیا اس آمد و رفت میں اس کو نماز قصر پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

جب وہاں سے بقصد وطن چلے اور وہاں کی آبادی سے باہر نکل آئے اس وقت سے جب تک اپنے شہر کی آبادی میں داخل نہ ہو قصر کرے گا جب اپنے وطن کی آبادی میں آگیا قصر جاتا رہا، جب تک یہاں رہے گا اگرچہ ایک ہی ساعت، قصر نہ کرسکے گا کہ وطن میں کچھ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ضرور نہیں، پھر جب وطن سے اُس شہر کے قصد پر چلا اور وطن کی آبادی سے باہر نکل گیا اس وقت سے قصر واجب ہوگیا راستے بھر تو قصر کرے گا ہی اور اگر اُس شہر میں پہنچ کر اس بار پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ نہیں بلکہ پندرہ دن سے کم میں واپس آنے یا وہاں سے اور کہیں جانے کا قصد ہے تو وہاں جب تک ٹھہرے گا اس قیام میں بھی قصر ہی کرے گا اور اگر وہاں اقامت کا ارادہ ہے تو صرف راستہ بھر قصر کرے جب اس شہر کی آبادی میں داخل ہوگا قصر جاتا رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۶: از پیلی بھیت مرسلہ حبیب احمد صاحب رضوی برکاتی ۳۰ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص جنگل یا اسٹیشن پر جو جنگل میں واقع ہو ملازم ہے اور اس کو آقا جب بھیجتے ہیں تو کم از کم ایک ماہ

---

[1] جد الممتار علی ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر المجمع الاسلامی بیروت ۱/ ۳۶۶

کے ارادہ سے بھیجتے ہیں تو اس ملازم پر نماز قصر ہے یا پوری؟ اور مندرجہ ذیل دلیلوں میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا قول ہے کہ ملازم کو ہر حالت میں نماز کرنا چاہئے اگرچہ آقا ایک ماہ کے ارادے سے بھیجے کیونکہ اگر آقا چاہے تو آٹھ روز میں دُوسری جگہ منتقل کردے، دوسرے جنگل ہونے کی وجہ سے ہر حالت میں قصر واجب ہے کیونکہ واہاں آبادی نہیں ہے جو اقامت کی جگہ ہے، عمرو کی دلیل ہے کہ کل کام ارادے کے لحاظ پر ہوتے ہیں یعنی جس وقت آقا بھیجتا ہے تو ایک ماہ کے ارادے سے بھیجتا ہے پر وہ چاہے ایک روز میں بلالے اس حالت میں ارادے کی وجہ سے نماز قصر نہیں ہوئی، دوسرے جس جنگل میں اقامت نہیں ہوتی وُہ دوسرے جنگل ہیں اور ایسے جنگل یا اسٹیشن جو جنگل میں ہوں جہاں بیس پچیس انسان ہر وقت ہوں نیز ریلوے کے ملازم بھی اسٹیشن پر کام کرتے ہوں (اگر آبادی گاؤں وہاں سے دو چار کوس پر ہوں) اقامت کو باطل نہیں کرتی ایسی جگہ ان میں قول کس کا درست ہے؟

الجواب:

یہاں چند امور پر اطلاع لازم جن سے بعونہ تعالیٰ انکشاف حکم ہو:

اول: اسٹیشن اگرچہ ابادی سے کچھ فاصلے پر ہوں وہاں عمارت ہوتی ہے سامان اقامت مہیا ہوتا ہے، ہاں اگر آبادی سے کوسوں دوری ہے جنگل میں متعین ہوں جیسے بن کی لکڑی لینے والے، تو وہ محل اقامت نہیں اگرچہ خیمے ڈیرے ساتھ ہوں مگر ان کے لئے جن کی طرز معیشت ہی یہ ہو، جیسے سانسیے، درمختار میں ہے:

اوینوی اقامة نصف شهر بموضع صالح لها اوقرية اوصحراء دارنا وهو من اهل الاخبية [1]۔	یا وہ نصف ماہ اقامت کی نیت کسی ایسی جگہ کرے جو اقامت کی صلاحیت رکھتی ہو یا قریہ ہو یا ہمارے ملک کا صحرا ہو او رنیت کرنے والا خانہ بدوش ہو (ت)

علمگیری میں ہے:

قال شمس الائمة الحلوانی عسكرالمسلمين اذا قصدوا موضعاً ومعهم اخبيتهم وخيامهم و فساطيطهم فنزلوا مفازة فی الطريق ونصبوا الاخبية والفساطيط وعزموا فيها علی اقامة خمسة عشر	شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ مسلمانوں کا لشکر اگر کسی جگہ جائے اور ان کے خیمے کا سامان ان کے ساتھ ہو، انھوں نے راہ جنگل میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں خیمے وغیرہ نصب کئے اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ مقیم نہیں ہوں گے

[1] درمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

يوما لم يصيروا مقيمين لانها حمولة وليست بمساكن كذافي المحيط[1]	کیونکہ وہ سامان اٹھانے والے ہیں وہاں ان کے گھر نہیں المحیط۔(ت)

دوم: نرے جنگل میں کہ نیت اقامت صحیح نہیں، مدت سفر چل لینے کے بعد ہے کہ تین منزل قطع کرچکا ہو، اب کسی جنگل میں ۱۵ دن یازائد قیام کی نیت کرے تو مسافر رہے گا لیکن مدت سفر پوری ہونے سے پہلے جنگل میں بھی نیت اقامت صحیح ہے، مثلاً تین منزل کے ارادے پر چلا تھا ایک یا دو منزل چل کر نیت سفر قطع کی اور وہاں اقامت کی نیت کرلی مسافر نہ رہا نماز پوری پڑھے گا اگرچہ بن میں ہو، درمختار میں ہے:

صلى الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفروالا فيتم بمجرد نية العودلعدم استحكام السفر[2]۔	(مسافر) اپنے مقام پر واپسی تک چار فرض کے دو فرض ادا کرے اور جب مدت سفر ہو ورنہ محض رجوع کی نیت سے پوری نماز ادا کرے کیونکہ سفر کا اثبات نہ ہوا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینوی بموضع صالح لها ان سار ثلثة ايام والا فيتم ولوفی المفازة والحاصل ان نية الا قامة قبل تمام المدة تكون نقضا للسفر كنية العود الى بلده والسفر قبل استحكامه يقبل النقض[3] اهملتقطا	اگر ایسی جگہ نیتِ اقامت کی جو اقامت کی صالح تھی بشرطیکہ تین دن کا سفر طے کیا ہو ورنہ پوری نماز پڑھے اگرچہ جنگل میں ہو، حاصل یہ ہے کہ تمام مدت سے پہلے اقامت کی نیت سفر کو ختم کردیتی ہے جس طرح اپنے شہر کی طرف لوٹنے کی نیت سے سفر ختم ہوجاتا ہے جبکہ سفر اپنی مدت مکمل ہونے سے قبل کالعدم ہوسکتا ہے اھ ملتقطا(ت)

معراج الدرایہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذالم يسر ثلثة ايام فعزم على الرجوع اونوى الاقامة يصير مقيما وان كان فی المفازه[4]۔	جب تین دن کا سفر طے نہ کیا اور رجوع کا عزم کرلیا یا اقامت کی نیت کرلی تو مقیم ہوجائے گا اگرچہ جنگل میں ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹
[2] درمختار، باب صلوٰۃ المسافر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۰۷
[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱
[4] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

سوم: نوکر کی اپنی نیت معتبر نہ ہونی بلکہ نیت آقا کا تابع ہونا اُس حالت میں ہے کہ آقا کے ساتھ ہو ورنہ خود اس کی نیت معتبر ہے، تنویر الابصار وردالمحتار میں ہے:

المعتبر نیة المتبوع لاالتابع کامرأة وفاھا مھرھا المعجل وعبد وجندی اذاکان یرتزق من الامیر اوبیت المال واجیر، مشاھرة اومسانھة، تارتار خانیہ واسیر و غریم وتلمیذ مع زوج ومولی وامیرو مستاجرو اٰسر ودائن واستاذ فقید المعیة ملاحظ فی تحقیق التبعیة[1] اھ ملتقطا	سربراہ کی نیت کا اعتبار ہے تابع کا نہیں جیسا کہ وہ خاتون جس کا مہر معجّل ادا کردیا گیا اور غلام، سپاہی اس وقت جب امیر سے یا بیت المال سے روزی لیتا ہو یا ماہانا یا سالانہ مزدوری پر ہو تارتار خانیۃ۔ قیدی مقروض اور شاگرد جب یہ لوگ اپنے متبوع خاوند، مولیٰ، مستاجر، قید کرنے والا، قرض خواہ او راستاذ کے واتھ ہوں او رتابع ہونے کے اثبات کے لئے معیت کی قید ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اھ ملتقطا (ت)

چہارم: مجرد احتمال کہ شاید آج چلا جانا ہو منافی اقامت نہیں اور اپنے وطن کے سوا آدمی کبھی کہیں مقیم نہ ہو اگرچہ سال بھر اقامت کی نیت کرے کہ کیا معلوم شاید آج ہی کوئی ضرورت سفر کی پیش آئے بلکہ اس کے لئے غلب گمان درکار ہے یقین کی حاجت نہیں کہ بے اعلام بنی غیب پر یقین کی کوئی صورت نہیں، تبیین الحقائق امام یلعی پھر ہندیہ میں ہے:

لابد للمسافر من قصد مسافة ثلثة ایام ویکفی غلبة الظن یعنی اذا غلب علی ظنه انی یسافر قصرو لایشترط فیه التیقن[2]۔	مسافر کے لئے تین دن کی مسافت کا ارادہ ضروری ہے او رغلبہ ظن کافی ہوگا یعنی جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ سفر کرے گا تو قصر کرے کیونکہ یقین شرط نہیں۔ (ت)

پنجم: نیت سچے عزم قلب کا نام ہے، پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلے، اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے چلے جانا ہے تو یہ نیت نہ ہوئی محض تخیل ہوا، یوں ہی دل میں عزم دو ہی منزل کا ہے اور گھر سے تین منزل کا ارادہ کرلیا کہ آبادی سے نکل کر راہ میں قصر کی اجازت مل جائے ہر گز اجازت نہ ہوگی کہ یہ نیت نہیں وہی خیال بندی ہے، البتہ اگر دو ۲ ہی منزل پر جاتا ہے اور سچّا ارادہ تین منزل کا کرلیا اور تین منزل جاکر ایک منزل اپنے محل مقصود کو

---

[1] ردالمحتار شرح الدرالمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلٰوۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

واپس آیا اور یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہے تو جانے اور آنے اور ٹھہرتے قصر کرے گا کہ یہ سچی نیت ہوئی اگرچہ وہاں جانے سے کوئی کام نہ تھا، درمختار میں ہے:

لودخل الحاج مکة ایام العشر لم تصح نیتة لانه یخرج الٰی منٰی وعرفة [1]۔	اگر حاجی مکہ میں ذوالحج کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت اقامت درست نہ ہوگی کیونکہ اس نے منٰی اور عرفہ کی طرف نکلنا ہے۔ (ت)

معراج الدرایہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

قال اصحا بنا رحمهم الله تعالٰی فی تاجردخل مدینة لحاجة نوی ان یقیم خمسة عشریوما لقضاء تلك الحاجة لایصیر مقیما لانه متردد بینا ان یقضی حاجته فیرجع وبین ان لا یقضی فیقیم فلا تکون نیته مستقرة وهذا الفصل حجة علی من یقول من اراد الخروج الی مکان ویرید ان یترخص برخص السفرینوی مکانا ابعد منه وهذاغلط [2]۔	ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ تاجر جو کسی شہر میں کسی ضرورت کے لئے گیا اس نے حصول حاجت کے لئے پندرہ دن اقامت کی نیت کرلی تو وہ مقیم نہ ہوگا کیونکہ وہ متردد ہے اس بارے میں کہ اگر ابھی کام ہو جاتا ہے تو لوٹ جائے اور اگر نہیں ہوگا تو اقامت کرے تو اس کی پختہ نیت نہ ہوئی، یہ صورت اس شخص کے خلاف حجت ہے جو کہتا ہے کہ جو کوئی کسی جگہ کی طرف نکلنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے سفر کی سہولت میسر ہو (حالانکہ وہ جگہ اتنی دور نہیں) تو وہ کسی دور جگہ کی نیت کرکے نکل پڑتا ہے تاکہ رخصت حاصل ہو جائے تو یہ غلط ہے۔ (ت)

ششم: وطن اقامت یعنی جہاں پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت صحیحہ کرلی ہو آدمی کو مقیم کردیتا ہے اور اقامت وسفر میں واسطہ نہیں تو وہاں سے بے ارادہ مدت سفر اگر ہزار کوس دورہ کرے مثلاً دس کوس کے ارادے پر وہاں سے چلے پھر وہاں سے پندرہ کوس کا ارادہ کرے وہاں سے بیس کوس کا قصد ہو مسافر نہ ہوگا اور قصد نہ کرسکے گا جیسے وطن اصلی سے یوں دورہ کرنے میں حکم ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً وطن اقامت سے بیس کوس گیا اور وہاں سے وہاں سے چھبیس کوس کا ارادہ کرکے چلا اور بیچ میں وطن اقامت آکر پڑے گا تو سفر جاتا رہے گا، ہاں اگر تین منزل چلنے کے بعد یہ وطن بیچ میں نہ آئے گا تو قصد کرے گا اور یہ وطن وطنِ اقامت نہ رہے گا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلٰوۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۰

والحاصل ان انشاء السفر یبطل وطن الاقامة اذاکان منه امالو انشأہ من غیرہ فان لم یکن فیه مرور علی وطن الاقامة اوکان ولکن بعد سیر ثلثة ایام فکذلك ولو قبله لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحته [1]۔	حاصل یہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے وطن اقامت باطل ہوجاتا ہے جبکہ سفر وہاں سے ہوااور اگر سفر کسی اور جگہ سے ہو تواب وطن اقامت سے گزر نہیں ہوا یا ہوا لیکن تین دن بعد، تو حکم یہی ہےاور اگراس سے پہلے ہواتو وطن بالکل باطل نہ ہوگا بلکہ سفر باطل ہوجائے گا، کیونکہ قیام وطن صحت سفر سے مانع ہوتا ہے (ت)

ہفتم: نوکری ملازمت ہے اس میں قصد استدامت ہوتا ہے تو جو جہاں نوکر ہو کر رہنا اختیار کرے مقیم ہوجائیگا اگرچہ عـہ بلخصوص پندرہ دن کی نیت نہ ہو لان نیته الاستدامة فوق ذلك (کیونکہ دوام کی نیت اقامت کی نیت سے فائق ہے۔ت)

عـہ: فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں ہے: لوتوطن مکة بعد الفراغ خمسة عشر یوما بطلت نفقته فی مال المیت لانه توطن ﺣ لحاجة نفسه بخلاف ماذا اقامه اقل فانه مسافر علی حاله فان بداله بعد ذلك ان یرجع رجعت نفقته فی مال المیت وقد روی عن ابی یوسف انه لا تعود لانه فی الرجوع عامل لنفسه لا للمیت لکنھا قلنا ان اصل سفرہ کان للمیت فما بقی ذلك السفر بقیته النفقة کذافی المبسوط، وذکر غیر واحد من غیر ذکر خلاف انه ان نوی الاقامة خمسة عشر یوما

اگر (حج بدل کرنے والے نے) فراغت کے بعد مکہ معظّمہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلی تواب مالِ میت سے خرچ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اب اپنے ذاتی کام کے لئے ٹھہرا ہے.بخلاف اس صورت کے کہ جس میں پندرہ دن سے کم ہو کیونکہ اب وہ حالت سفر میں ہی ہے پس اگر پندرہ کے بعد لوٹ آئے گا، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ مالِ میت کی طرف نہیں لوٹے گا کیونکہ رجوع اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ میت کے لئے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ سفر میت کے لئے ہے، توجب تک سفر میں رہے گااس کا نفقہ میت کی طرف سے ہی ہوگا، مبسوط میں اسی طرح ہے،اور متعدد فقہاء نے اسے بغیر اختلاف کے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس نے پندرہ دن کی نیت کرلی تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱/۵۸۶

ہاں اگر مدّت سفر سے یہاں نوکر ہو کر آیا اور معلوم ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنا نہ ہوگا تو البتہ مقیم نہ ہوگا، جب اس دوسری جگہ سے فارغ ہو کر آئے گا اور یہاں ملازمانہ قیام کرے گا اس وقت سے مقیم ہوگا،

کما قال فی ردالمحتار فی واقعة عیسٰی بن ابان رحمه الله تعالٰی ان نیة الاقامة لم تعمل عملها الا بعد رجوعه لوجود خمسة عشر یوما بلانیة خروج فی اثنائها بخلاف ماقبل خروجه الی عرفات لانه لما کان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیما[1]۔	جیسا کہ ردالمحتار میں شیخ عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے واقعہ میں ہے کہ نیت اقامت موثر نہیں مگر رجوع کے بعد کیونکہ پندرہ دنوں کی نیت ہے اور اس میں نکلنے کی نیت بھی نہیں بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان سقطت فان عادت وان توطنها سواء قل اوکثر لا تعود وهذا یفید ان التوطن غیر مجرد نیة الاقامة خمسة عشریوما والظاهر ان معناه ان یتخذها وطنا ولا یحد فی ذلك حد افتسقط النفقة ثم العود انشاء سفر لحاجة نفسه ولو بعد یومین فلا یستحق به النفقة علی المیت والله سبحٰنه اعلم[2] اھ فافهم ۱۲ منه (م)

نفقہ ساقط ہوجائے گا اگر سفر سے لوٹا ہے تو نفقہ لوٹ آئے گا، اور اگر مکہ کو اپنا وطن بناتا ہے خواہ تھوڑے دن یا زیادہ تو نفقہ نہیں ہوٹے گا، اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر بھی اگر وہ رہا تو وہ متوطن ہوگا، ظاہراً اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اگر مکہ کو اپنا وطن بناتا ہے تو اس میں دنوں وغیرہ کی کوئی حد نہیں لہٰذا اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا اب اس کے بعد رجوع اپنی ذات کے لئے نیا سفر ہوگا اگرچہ وہ سفر دو دن کے بعد ہی کیونہ ہو لہٰذا وہ میت کی طرف سے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا واللہ سبحٰنہ اعلم اھ فافہم ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۲

[2] فتح القدیر باب الحج عن الغیر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۶۹

اور جبکہ ایک جگہ نوکر ہو کر رہے اور پندرہ دن کے اندر وہاں سے دوسری جگہ جانا معلوم نہ ہو تو صرف احتمال قاطع اقامت نہ ہوگا ورنہ کوئی وطن اقامت نہ ہوسکے اور اپنے وطن سے مدت سفر پر جولاکھوں آدمی نوکر ہوتے اور برسوں وہاں رہتے ہیں کبھی مقیم نہ ہوں کہ بدلی یا کسی کام پر بھیجے جانے کا احتمال ہر وقت ہے **ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم** (یہ تو میرے نزدیک ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ت) جب یہ امور سبعہ معلوم ہولئے اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اوپر معلوم ہو کہ یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جہاں متعین ہوا وہ نرا جنگل ہے جائے اقامت نہیں۔ دوسرے یہ کہ محل اقامت ہے جیسے اسٹیشن۔ اور ہر تقدیر پر دو صورتوں ہیں: ایک یہ کہ یہ شخص متعین ہوتے وقت مسافر ہے یعنی تین منزل چل کر آیا اور ہنوز کہیں مقیم نہ ہوا، دوسرے یہ کہ مقیم ہے مثلاً اُسی شہر یا اور قریب جگہ کا ساکن ہے اور یہاں شہر سے دو چار کوس کے فاصلے پر متعین ہوآیا آیا تو تین منزل طے کرکے مگر شہر میں پندرہ دن کی نیت کے ساتھ ٹھہرا کہ مقیم ہوگیا۔ اور اب یہاں متعین ہو تو چار صورتیں آگئیں:

صورت اُولٰی: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محل اقامت نہیں، اس میں:

(۱) اس میں ابتدائے تعیّن سے بلافصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ دس برس یہی رہنے کی نسبت اس کے آقا نے کہہ دیا اور اس نے بھی ارادہ کرلیا کہ جب وہ مدت سفر سے آیا اور کہیں مقیم نہ ہوا اور یہ محل اقامت نہیں تو جب تک بھی یہاں رہے گا مسافر ہی رہے گا۔

(۲) اگر یہاں سے حکماً خواہ صرف بارادہ خود کسی دوسری جگہ جائے گا راہ میں قصر ہی کرے گا اگرچہ وہ جگہ یہاں سے مدت سفر پر نہ ہو۔

(۳) اُس دوسری جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو وہاں بھی قصر ہی پڑھے اور وہاں سے واپسی میں اور اس مقام پر واپس آکر بھی، اگرچہ یہاں کتنا ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ ہنوز اس کا سفر بوجہ عدم اقامت ختم نہ ہوا۔

(۴) اگر وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت حکماً خواہ فقط اپنے ارادے سے کی تو وہاں پوری پڑھے گا۔

(۵) جب وہاں سے واپس ہوگا اگر اس جگہ اور مقامِ تعین میں تین منزل کا فاصلہ ہے تو واپسی میں بھی قصر کرے گا اور یہاں پہنچ کر بھی، اگرچہ یہاں کتنے ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ مدت سفر سے یہاں پہنچ کر اُس کی پھر حالت اولٰی عود کرآئی اور انشائے سفر کے سبب اُس اقامت جائے دیگر کا کوئی اثر نہ رہا۔

(۶) اگر بعد اقامت پانزدہ روزہ وہاں سے واپس ہوا اور بیچ میں مدت سفر نہیں تو اب راہ میں بھی پوری

پڑھے گااور یہاں پہنچ کر بھی کہ قبل سیر سہ روزہ جنگل میں نیتِ اقامت صحیح ہے اور بوجہ عدم انشائے سفر اُس کی وہ اقامت باطل نہ ہوئی نہ وہ وطن اقامت باطل ہوا، اس صورتِ ششم میں اُس کا حکم شقوق صورتِ ثانیہ آئندہ کی طرف عود کا جائے گا۔

صورت ثانیہ: مقیم ہے اور یہ جگہ محل اقامت نہیں، اس میں:

(۱) جب تک بعد تعین بلافصل یہاں رہے گا پوری پڑھے گا کہ مقیم کا بَن میں ٹھہرنا سفر نہیں۔

(۲) اگر یہاں سے کہیں مدت سفر سے کم کی نیت سے جائے گا جاتے اور آتے اور وہاں ٹھہرتے ہر حال میں اتمام کرے گا اگرچہ وہاں ایک ہی دن ٹھہرے کہ ہنوز سفر متحقق نہ ہوا۔

(۳) اگر مدّت سفر کی نیّت سے جائے گا راہ میں قصر کرے گا اور وہاں بھی اگر پندرہ دن نیت نہ کرے ورنہ وہاں پوری پڑھے گا۔

(۴) یہی واپسی میں جب وہاں سے اُس مقام کو بقصدِ واحد واپس آئے گا راہ میں قصر کرے گا۔

(۵) جب یہاں پہنچے گا ازانجا کہ مدتِ سفر سے آیا ہے اور یہ محل اقامت نہیں، اب اس کا حکم شقوق صورت اولٰی گزشتہ کی طرف عائد ہوگا کہ ابتدائے واپسی سے بلافصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اس آخرہ کہ اب یہاں مسافر بمعنی مذکور ہو کر آیا، بالجملہ جب یہاں بعد سفر آئے گا صورتِ اولٰی ہوگی اور مقیم ہو کر صورت ثانیہ یہی دورہ رہے گا،

صورت ثالثہ: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت جیسے اسٹیشن، اس میں:

(۱) اگر ابتدائے تعین میں معلوم تھا کہ پندرہ دن کے اندر یہاں سے جانا ہے تو مقیم نہ ہوگا قصر ہی پڑھے گا،

(۲) یہاں سے کہیں قبل اقامت جائے راہ میں قصر ہی کرے اور واپسی میں بھی۔

(۳) جب وہاں سے واپس آئے اور اب بھی پندرہ دن کے اندر کہیں جانے کا ارادہ ہے تو یہی شقوق و احکام ہیں۔

(۴) اب وہ ارادہ نہیں یا ابتدائے تعین ہی میں ۱۵ روز کے اندر کہیں جانے کی نیت نہ تھی تو جبھی سے یا اب یہاں آکر مقیم ہو جائے گا پوری پڑھے، اس صورت چہارم میں اس کا حکم شقوق اربعہ آئندہ کی طرف رجوع کرے گا۔

صورت رابعہ: مقیم ہے اور یہ جگہ محل اقامت، اس میں:

(۱) جب تک یہاں رہے گا اتمام کرے گا اگرچہ ایک ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

(۲) یہاں سے کہیں جائے اور جاتے اور آتے اور ٹھہرتے اور واپس آکر ہمیشہ پوری پڑھے گا جبکہ وہ جگہ

مدت سفر پر نہ ہو۔

(۳) اگر مدّت سفر پر جائے راہ میں قصر کرے اور وہاں پوری پڑھے، اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ وہاں بھی قصر کرے۔

(۴) جب وہاں سے واپس آئے راہ میں قصر کرے یہاں پہنچ کر یہی شقوق واحکام ہیں جبکہ پندرہ دن کے اندر جانے کاارادہ نہ ہو۔

(۵) اگر بعد واپسی یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کاارادہ ہے تو یہاں آکر بھی مقیم نہ ہوگا کہ یہ وطن اقامت بوجہ سفر باطل ہوگیا اوراب قصد اقامت نہیں، اس صورت پنجم میں اس کا حکم شقوق صورتِ ثالثہ کی طرف راجع ہوگاواللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۷: از اسٹیشن دودھواگھاٹ ضلع کھیری لکھیم پور کارخانہ عبداللطیف خاں صاحب ٹھیکہ دار مرسلہ فرخ شاہ خاں ۱۸ جمادی اولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسٹیشن دودھواگھاٹ ایک جنگل کامقام ہے اور یہاں پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے اور میں ایک ٹھیکہ دار کاملازم ہوں اور بظاہر مجھ کو امید ہے کہ اس جگہ میرا قیام جب تک کہ ملازمت قائم ہے برابر رہے گا اسی خیال سے میں پوری نمازادا کرتا تھا، اب ایک شخص سکنہ پیلی بھیت نے کہاکہ تم کو یہاں پر قصرپڑھنا چاہئے خواہ تم ایک سال رہو یازائد رہو، لہٰذا آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتا ہیں کہ اس مسئلہ کاجو حکم ہو اس سے مطلع فرمائے تاکہ شک رفع ہو اور اُس کے مطابق نمازادا کی جائے۔

الجواب:

جبکہ وہاں نہ آبادی ہے نہ جائے قیام ہے تو اگر یہ وہاں مسافر ہو کر پہنچا یعنی تین منزل سے ارادہ کرکے بیچ میں بغیر سفر توڑے وہاں پہنچا تو جب تک وہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ کتنی ہی مدت گزرے اور اگر وہاں مقیم ہو کر پہنچا یعنی تین دن کی راہ سے کم فاصلہ وہاں تک تھا یازیادہ تھامگر بیچ میں دوسری جگہ ٹھہرتا ہواآیا کہ پچھلے قصد سے یہاں تک مدت سفر نہ تھی تو جب تک رہے گاپوری پڑھے گا اگرچہ ایک ہی دن رہے قیام کااصلاً قصد نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۶۸: از بریلی مدرسہ منظرالاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالب علم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جس پر نماز قصر ہو وہ سفر میں اگر دیدہ و دانستہ بہ نیت زیادہ ثواب، پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بیشک گنہگار و مستحق عذاب ہوگا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	یہ قصر صدقہ ہے اللہ تعالٰی نے تم پر صدقہ کیا ہے اسکے صدقہ کو قبول کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۹: از ادلدن ضلع جھانسی مرسلہ محمد تقی خاں سب انسپکٹر پولیس اسٹیشن ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں ضلع جھانسی میں ملازم ہُوں جو کہ ضلع بدایوں سے قریب ۲۰۰ میل کے فاصلے پر ہے اور مقام جھانسی میں تھانہ ادلدن میں تعیناتی ہے پندرہ روز تک کبھی تھانہ میں ٹھہر نا نہیں ہوتا علاقے کے دیہات میں برابر بسلسلہ کار گورنمنٹ تفتیش وغیرہ کے گشت رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھنا چاہئے یا پوری نماز پڑھنا۔

الجواب:

جو مقیم ہو اور وہ دس دس پانچ پانچ بیس بیس تیس تیس کوس کے ارادے پر جائے کبھی مسافر نہ ہوگا ہمیشہ پوری نماز پڑھے گا اگرچہ اس طرح دنیا بھر کا گشت کرآئے جب تک ایک نیت سے پورے چھتیس کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادے سے نہ چلے یعنی نہ بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی نیت ہو اور اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کرکے یعنی بیس میل جاکر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل، وعلی ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷ میل کا نہ ہوا، ہاں جو مسافر ہے مقیم نہیں وہ جہاں ہے وہاں بھی قصر پڑھے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا جب پورے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کسی محل اقامت میں نہ کرے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۰: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد خاں مسئولہ حبیب احمد بریلوی ۲۵ ذی الحجہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص علاقہ نیپال کے جنگل میں منجانب تاجران لٹھ ملازم ہے اور ایسی جگہ رہنا ہوتا ہے جہاں سے ایک یا دہ میل یا کم وزیادہ کے فاصلے پر آبادی اور زراعت ہوتی ہے تا انگریزی عملداری کے جنگلات میں ملازم ہے جو بصورت متذکرہ بالا ہے یا اسٹیشن ریلوے جنگل میں ہے وہاں سے بھی دو یا تین میل کے فاصلہ پر آبادی اور زراعت ہے، اور آقا جب بھیجتا ہے تو کچھ مدت مقرر نہیں کرتا توان صورتوں میں ملازم کو نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے یا پوری؟ اور اگر خود مختار ہے تواس کو قصر پڑھنا چاہئے یا پوری؟ زید کا قول کہ نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اول عملداری ہندو کی ہے یعنی نیپال، دوسرے جگہِ اقامت پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے یعنی کچھ فاصلے

---

[1] سنن ابی داؤد باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۷۰

پر ہے، تیسرے یہ صورت اوّل میں خود مختار نہیں، آقا جب چاہے منتقل یا علیحدہ کرسکتا ہے اور علمداری انگریزی میں بھی اگرچہ اسٹیشن ہے مگر زراعت نہیں ہوتی ہے نوکری پر بوجہ مذکورہ خود مختار پر بوجہ نہ ہونے زراعت کے قصر واجب ہے، اقامت کی شرائط میں زراعت بھی ہے، عمر کی دلیل یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا جن مقامات اقامت سے ایک میل یا کم یا زیادہ پر زراعت ہوتی ہے مگر فراہمی غلّہ وغیرہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، دوسرے مقامِ اقامت گو جنگل میں ہے مگر دس بیس پچاس آدمی ہمراہ ہوتے ہیں جو عرصہ تک ایک جگہ مقیم رہتے ہیں، جانور درندہ وغیرہ کا بالکل خوف نہیں ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ کوئی آقا ملازم کو جب بھیجتا ہے تو کام ختم کرکے آنے تک کے لئے درمیان میں اگر ضرورت ہوئی تو وہاں سے منتقل یا علیحدہ کردیا یہ معتبر نہیں، اس صورت میں ارادہ ملازم کا معتبر ہے، اگر پندرہ یوم کا ارادہ ہے تو پوری ادا کرے تو دونوں کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو مسافر نہ تھا اور اُس جنگل تک جانے میں بھی اُسے سفر کرنا نہ پڑا کہ فاصلہ تین منزل سے کم تھا، وہ تو ظاہر ہے کہ مقیم تھا اور مقیم رہا اسے قصر حرام ہے اور پوری پڑھنی فرض ہے اگرچہ وہ جگہ نرا بَن ہو۔ بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

ھذا ان سار ثلثۃ ایّام والا فتصح ولو فی المفازۃ[1]۔	یہ اس وقت ہے جب تین دن کا سفر طے کرلیا ہو ورنہ وہ مقیم ہوگا اگرچہ وہ جنگل میں ہو۔(ت)

اور جو مسافر تھا وہاں تک جانے سے مسافر ہوا کہ فاصلہ تین منزل یا زائد کا تھا وہ ضرور مسافر ہے، اگر عادت معلوم ہے کہ جس کام کے لئے بھیجا گیا وہ پندرہ دن یا زائد میں ہوگا اور جگہ ایسی ہو جہاں اقامت ممکن ہے اگرچہ آبادی وہاں سے دو تین میل فاصلہ پر ہو اور زراعت نہ ہو وہاں پہنچ کر مقیم ہوجائے گا اور پوری پڑھنی لازم ہوگی خاص وہاں زراعت ہونا کچھ ضرور نہیں، نہ ہندو کی علمداری ہونا کچھ مانع کہ یہ آمدورفت امان کے ساتھ ہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ درمختار میں ہے: **من دخلھا بامان فانہ یتم**[2] (جو امان کی بنا پر داخل ہُوا وہ نمازی پوری پڑھے۔ت) اور یہ احتمال کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئے اور جس کا نوکر ہے وہ دوسری جگہ بھیجے معتبر نہیں، ایسا احتمال ہر شخص کو ہر حال میں ہے، اور جب نوکر کا یہ حکم ہے تو خود مختار تو بدرجہ اولٰی جبکہ پندرہ دن یا زائد کی نیت کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] ردالمحتار باب صلوۃ المسافر مطبوع مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱

[2] دُرمختار باب صلوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

مسئلہ ۱۲۷۱ : از اٹاوہ محلّہ ثابت گنج مرسلہ محمد ابراہیم خاں صابری مارہروی ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

زید کی سسرال اسکے مکان مسکونہ سے بسفر ریل ۱۱۴ میل کے فاصلے پر ہے او بیوی بچے اس کے سب سسرال میں رہتے ہیں مگر زید اپنے کاروبار کی وجہ سے زیادہ تر اپنے مسکن پر رہتا ہے اور بال بچّے جو اس کے سسرال میں رہتے ہیں بلکہ ضرورۃً عرصہ ۸ ماہ سے ان کو وہاں چھوڑ رکھا ہے ایسی صورت میں جب زید اپنے مسکن سے اپنے بال بچوں میں ہونے کے واسطے بایں ارادہ گیا کہ میں چوتھے روز یا پندرہ دن کے بعد یا مہینہ بھر کے بعد واپس آؤں گا تو اس پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی موقع سے اس نے قصر نماز ادانہ کی ہو جس کو کہ وہ اپنے علم کے موافق قصر نہیں جانتا مگر شرعی اصول کے موافق اس پر قصر واجب ہو تو اس کے ذمہ کچھ مواخذہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مسکن زید کا دوسری جگہ ہے اور بال بچوں کا یہاں رکھنا عارضی ہے تو جب یہاں آئے گا اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے گا قصر کرے گا اور پندرہ دن یا زیادہ کی نیت سے مقیم ہو جائے گا پوری نماز پڑھے گا جس پر شرعًا قصر ہے اور اس نے جہلًا پڑھی اُس پر مواخذہ ہے اور اس نماز کا پھیرنا واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۲: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریل میں ایک کثیر عملہ ریلیونگ رہتا ہے جسکا یہی کام کہ ہفتہ عشرہ ایک دن دو دن زیادہ کم کسی ملازم ریلوے کے بیمار ہو جانے تخفیف میں آجانے رخصت جانے پر اس کی جگہ رہتے ہیں جس سے کہیں بیس دن مہینہ اور زیادہ دو دو چار چار دن ہی رہنا پڑتا ہے ان کے لیے نماز میں قصر کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر اپنے مقام سے ساڑھے ستاون (۵۷ ۱/۲) میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے ،ہاں یہ جو بھیجا گیا اگر اس وقت حالت سفر میں ہے مقیم نہیں تو کم وبیش جتنی دور بھی بھیجا جائے گا مسافر ہی رہے گا جب تک پندرہ کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن نہ پہنچے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷۳: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ نواب وزیر احمد خاں صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج قصد تلہر اس وقت دس بجے کی گاڑی سے ہے تلہر تک قصر نہیں تلہر سے قصد رامپور کا ہے تلہر سے رام پور تک قصر ہے لیکن درمیان میں بریلی پڑھے گی اترنا نہیں ہوگا اس صورت میں قصر کا کیا حکم ہے۔ تلہر میں بھی قصر پڑھا جائے یا نہیں اور اگر تلہر میں قصد رامپور کا فسخ ہو جائے تو قصر کو قصر کیا جائے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب: یہاں سے تلہر تک اور تلہر کے قیام تک قصر نہ کریں جب تلہر سے بخط مستقیم رامپور کا ارادہ ہو تو راہ میں بھی اور رامپور میں بھی اور بریلی تک واپس آنے میں بھی قصر کریں، رامپور جانے میں اگرچہ بریلی کے اسٹیشن پر گزر ہوگا مگر وہ بریلی میں گزر نہیں کہ قصر کا قصر کردیں اس لئے کہ یہاں اسٹیشن خارج شہر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۴: از سنبھل مراد آباد محلّہ دیپا سرائے مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

مسافر اگر نمازی پوری چار رکعت پڑھادے تو مقیمین کی نماز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسافر اگر بے نیتِ اقامت چار رکعت پوری پڑھے گنہ گار ہوگا اور مقیمین کی نماز اس کے پیچھے باطل ہوجائیگی اگر دو رکعت اولٰی کے بعد اس کی اقتداء باقی رکھیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۵: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اپنے وطن اصلی سے سفر کرکے دوسری جگہ میں جو سفر شرعی تین منزل سے زائد ہے بضرورت تعلقات تجارت یانوکری وغیرہ کے جارہاہو مگر اہل وعیال اس کے وطن اصلی میں ہوں اور اکثر قیام اُس کا وطن ثانی میں رہنا ہوگا ہی، سال بھر میں مہینہ دو مہینہ کے واسطے اہل وعیال میں بھی رہ جاتا ہو یا بعض اہل کو ہمراہ لے جائے اور بعض کو وطن چھوڑ جائے یا کل متعلقین ہمراہ لے جائے صرف مکانات وغیرہ کا تعلق وطن اصلی میں باقی ہو اور ان سب صورتوں میں ان کا زیادہ تر اور اکثر قیام وطن ثانی میں رہتا ہے اور کم اتفاق رہنے کا وطن اصلی میں ہوتا ہے اور بظاہر وجہِ قیام ثانی کے وہی تعلقات جدید ہیں اور درصورت قطع تعلقات جدیدہ کے وطن اصلی میں واپس آجانے کا بھی قصد رکھتا ہے ایسی صورت میں یہ شخص کہیں سے سفر کرتا ہوا وطن ثانی میں آئے اور ۱۵ روز قیام کا قصد نہ رکھتا ہو تو صلاۃ رباعیہ کو پورا پڑھے مثل وطن اصلی کے یا قصر کرے مثل مسافروں کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بربنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ اگرچہ وہاں برائے چندے یا تاحاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام بیک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک ۱۵ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔

فی الدرالمختار الوطن الاصلی وھو موطن	درمختار میں ہے وطن اصلی، آدمی کی جائے ولادت ہے

ولادته اوتأهله اوتوطنه[1]۔	یا وہاں اس نے شادی کی ہو یا اس نے وہاں اسے اپنا وطن بنایا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوتأهله ای تزوجه قال فی شرح المنية ولو تزوج المسافر بلد ولم ينوا لاقامة به فقيل لا يصير مقيما وقيل يصير مقيما وهو الاوجه. قوله أوتوطنه ای عزم علی القرار فيه وعدم الارتحال وان لم يتأهل فلو کان له ابوان ببلد غير مولده وهوبالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا الا اذاعزم علی القرار فيه وترك الوطن الذی کانه له قبله[2]۔ شرح المنية۔	قولہ "تأهله" یعنی اس نے وہاں شادی کی، شرح المنیہ میں ہے کہ اگر مسافر نے کسی شہر میں شادی کرلی اور وہاں اقامت نہ کی تو قول یہ ہے کہ وہ مقیم نہیں ہوگا اور ایک قول میں مقیم ہو جائے گا یہی مختار ہے۔ اس کا قول "اوتوطنہ" یعنی اگرچہ وہاں شادی نہیں کی مگر ٹھہرنے اور کوچ نہ کرنے کا عزم کرلیا، اگر آدمی کے ایک شہر میں والدین ہیں لیکن وہ جگہ اس کی جائے ولادت نہیں اور نہ ہی اس نے وہاں شادی کی ہے تو وہ شہر اس کا وطن نہ ہوگا البتہ اس صورت میں کہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور سابقہ وطن ترک کردے۔ شرح المنیۃ۔ (ت)

تنویر میں ہے:

ويبطل وطن الاقامة بمثله والاصلی والسفر[3]۔ والله تعالٰی اعلم	وطن اقامت وطن اقامت، وطن اصلی اور سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸
[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ المسافر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۶
[3] درمختار باب صلٰوۃ المسافر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

باب الجُمعة

(نماز جمعہ کا بیان)

مسئلہ ۱۲۷۶: مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ اکبریہ ۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ آبادی جس کی مسجد میں اس کے ساکن نہ سماسکیں شہر ہے یا گاؤں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیہات میں جمعہ ناجائز ہے اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے اور ظہر ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی الدر المختار فی القنیة صلٰوة العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح لان المصر شرط الصحة[1] انتھی **اقول:** فالجمعة اولی لانہ فیھا مع ذلك اما ترك الظھر وھو فرض اوترك جماعتہ وھی واجبة ثم الصلوة فرادی مع الاجتماع، وعدم المانع شنیعة اخری غیر ترك الجماعة فان من صلی فی بیتہ منعز لا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا	درمختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے کہ عید کی نماز دیہاتوں میں مکروہ تحریمی ہے یعنی نہ ایسی شیئ میں مصروف ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا صحتِ عید کے لئے شرط ہے انتہی **اقول:** جمعہ بطریق اولی مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ اس جمعہ کی صورت میں ترک ظہر ہوگا جو فرض ہے یا ترک جماعت ہوگا حالانکہ وہ واجب ہے، باوجود اجتماع اور عدم مانع کے تنہا نماز ادا کرنا ترک جماعت سے الگ خرابی ہے کیونکہ جو جماعت سے الگ گھر میں نماز ادا کرے گا اس نے جماعت ترک کردی اور ایک وقت میں مسجد میں حاضر

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

فرادی حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعۃ واتوا بھذہ الشنیعہ زیادۃ علیہ فیؤدی الی ثلث مخطورات بل اربع بل خمس لان مایصلونہ لما لم یکن مفترضا علیھم کان نفلاً واداء النفل بالجماعۃ والتداعی مکروہ ثم ھم یعتقد ونھا فریضۃ علیھم و لیس کذلك فھذہ خامسۃ وھذان مشترکان بین الجمعۃ والعیدین۔	لوگ تنہا نماز ادا کرتے ہیں تو انھوں نے جماعت ترک کردی اور انھوں نے ایسا عمل کیا جو اس خرابی پر اضافہ ہے پس اب تین بلکہ چار، نہیں بلکہ پانچ ممنوعات لازم آجاتے ہیں کیونکہ جو نماز انھوں نے ادا کی وہ ان پر فرض نہ تھی بلکہ وہ ان پر نفل تھی اور نفل کو جماعت اور تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے پھر ان کا اسے اپنے فرض ماننا حالانکہ وہ فرض نہیں یہ پانچویں خرابی ہے اور یہ دونوں چیزیں جمعہ اور عیدین کے درمیان مشترک ہیں۔

صحتِ جمعہ کے لئے شہر شرط ہے، اور شہر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں اس کے سکان جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ تندرست نہ سماسکیں، ہمارے ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ظاہر الروایہ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے کما فی البحر الرائق والخیریۃ وردالمحتار وغیرھا (جیساکہ بحرالرائق، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) اور فتوی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے کما فی البحر والدر وغیرھما (جیساکہ بحر اور در وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول: محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ مذہب قولِ صاحبین پر افتا کریں

اللھم الالضعف دلیل اوتعامل مخالفہ نص علی ذلك العلامۃ زین بن نجیم فی البحر و العلامۃ خیرالدین الرملی فی فتاواہ وشیخ الاسلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس والمحقق حیث اطلق فی الفتح والسید احمد الطحطاوی والسید الشامی فی حواشی الدر وغیرھم من اجلۃ العلماء الکرام الغرکما بیناہ فی کتاب النکاح من عطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔	اے اللہ! مگر یہ دلیل کمزور ہو یا عمل اس کے خلاف ہو اس پر علامہ زین بن نجیم نے بحر میں، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی میں، شیخ السلام صاحب الہدایہ نے تجنیس میں، محقق نے فتح میں، شریف طحطاوی اور سید شامی نے حواشی در میں اور دیگر علماء اجلہ نے اس پر تصریح کی ہے جیساکہ ہم نے اسے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے کتاب النکاح میں بیان کیا ہے۔ (ت)

توجہاں قول صاحبین بھی امام ہی کے ساتھ ہے ایک روایت نوادر صرف بوجہ اختلاف فتاوٰی متاخرین کیونکہ معمول و مقبول اور ائمہ ثلثہ کا ظاہر الروایہ میں جو ارشاد ہے متروک ولائقِ عدول ہو، لاجرم شرح نقایہ و مجمع الانہر میں

تصریح فرمائی ہے کہ شہر کی یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں **کما ستسمع نصه** (جیسا کہ عنقریب اس پر آپ نص سنیں گے۔ت)

اقول: معہذا ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جو اقامتِ جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگائی اس کا ماخذ حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی کی حدیث صحیح ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ و عبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں روایت کیا:

لاجمعة ولا تشریق ولا صلٰوۃ فطر ولا اضحی الافی مصر جامع اومدینة عظیمة[1]۔	جمعہ، تکبیرات تشریق، عیدالفطر اور عید الاضحٰی خارج شہر یا بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں، (ت)

ظاہر ہے کہ اس روایت غریبہ کی تعریف بہت سے چھوٹے چھوٹے مزرعوں پر صادق جنھیں کوئی مصر جامع یامدینہ نہ کہے گا **کما ارشار الیه العلامة الطحطاوی فی حاشیة العلائی** (جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیۃ العلائی میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ت) تو اس کا اختیار اصل مذہب سے عدول اور ماخذ کا صریح خلاف ہے اور گویا مخالفوں کے اس اعتراض کا پورا کرلینا ہے کہ حنفیّہ نے یہ شرط بے توقیف شارع اپنی رائے سے لگالی اس کے سوا عند التحقیق اسپر بہت اشکال وارد ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ وہ پاک مبارک دو شہر جس کی مصریت پر اتفاق ہے اور ان میں زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جمعہ قائم یعنی مدینہ ومکہ زادہما اللہ تعالٰی شرفاً وتکریما اس تعریف کی بنا پر وہی شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں **ماصرح به العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة والعلامة السید احمد الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح شرح نور الایضاح** (جس طرح کہ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں اور علامہ السید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں تصریح کی ہے۔ت) تو اس کی بے اعتباری میں کیا شبہ ہے۔ صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں، نہ وہ جسے پیٹھ کہتے ہیں، اور وہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اُس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے اور وہیں جمعہ جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے،

کما فی الهدایة والخانیة والظهیریة والخلاصة والعنایة والدر المختار والهندیة وغیرها۔	جیسا کہ ہدایہ، خانیہ، ظہیریہ، خلاصہ، عنایہ، حلیہ، غنیہ، درمختار اور فتاوی ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] مصنّف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ من قال لاجمعہ الخ مطبوعہ دارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۰۱، مصنف لعبد الرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۶۷

اور یہی مذہب ہمارے امام اعظم کے استاذ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے شاگرد خاص حضرت امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے،

كما فی مصنف عبدالرزاق حدثنا بن جريج عن عطاء بن ابی رباح قال اذا كنت فی قرية جامعة فتودی بالصلٰوة من يوم الجمعة فحق عليك ان تشهدها سمعت النداء اولم تسمعه[1] قال قلت لعطاء ماالقرية الجامعة قال ذات الجماعة والامير والقاضی والدور المجتمة غيرالمفترقة الاٰخذ بعضها ببعض مثل جدة[2]۔	جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا کہ جامعہ قریہ کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے جلے ہوں جس طرح جدّہ ہے۔ (ت)

اور یہی قول [1]امام ابوالقاسم صفار تلمیذ التلمیذ امام محمد کا مختار ہے كما فی الغنية (جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو [2]امام کرخی نے اختیار فرمایا كما فی الهداية (جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ت) اسی پر [3]امام قدوری نے اعتماد کی كما فی مجمع الانهر (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اسی کو [4]امام شمس الائمہ سرخسی نے ظاهر المذهب عندنا (ہمارے نزدیک ظاہر مذہب یہی ہے۔ت) فرمایا كما فی الخلاصة (جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ت) اسی پر [5]امام علاء الدین سمرقندی نے تحفہ الفقہاء اور ان کے تلمیذ [6]امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع شرح تحفہ میں فتوی دیا كما فی الحلية (جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ت) اسی پر [7]امام فقیہ النفس قاضی خاں نے جزم و اقتصار کیا كما فی فتاواه (جیسا کہ ان کے فتاوٰی میں ہے۔ت) اور اسی کو [8]شرح جامع صغیر میں قول معتمد فرمایا كما فی الحلية والغنية (جیسا کہ حلیہ اور غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو [9]امام شیخ الاسلام برہان الدین علی فرغانی نے مرجح رکھا كما فی شرح المنية (جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔ت) اسی کو [10]مضمرات میں اصح ٹھہرایا کما فی جامع الرموز (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) ایسا ہی [11]جواہر الاخلاطی میں لکھ کر هذا اقرب الاقاويل الى الصواب (اقوال میں سے یہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے۔ت) کہا كما رأيته فيها (جیسا کہ اس میں مروی دیکھا ہے۔ت) ایسا ہی [12]غیاثیہ میں لکھا كما فی الغنية (جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو [13]تارتار خانیہ میں

---

[1] المصنف لعبدالرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۶۸

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

۱۲علیه الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ت) فرمایا کما فی الهندیة (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ت) اسی کا [14]غایہ شرح ہدایہ و غنیہ [15]شرح منیہ و [16]مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر [17]جواہر و [18]شرح نقایہ قہستانی میں صحیح کہا اخیر میں ہے یہی قول معمول علیہ ہے اسی کو [19]ملتقی الابحر میں مقدم وماخوذ بہ ٹھہرایا اسی پر [20]کنز الدقائق و [21]کافی شرح وافی و [22]نور الایضاح و [23]عالمگیریہ میں جزم واقتصار کیا قول دیگر کا نام بھی لیا اسی کو [24]عنایہ شرح ہدایہ میں علیه اکثر الفقهاء (اکثر فقہاء اسی پر ہیں۔ت) فرمایا کما فی حاشیة المراقی للعلامة الطحطاوی (جیسا کہ علامہ طحطاوی کی مراقی الفلاح کے حاشیہ میں ہے، ت) اسی کو [25]علامہ حسن شرنبلالی نے شرح نورالایضاح میں اصح وعلیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ت) فرمایا، اسی پر [26]علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ شرنبلالیہ میں اعتماد اور قول آخر کارد بلیغ کیا، اسی پر [27]امام ابن الہمام محمد و [28]علامہ اسمٰعیل نابلسی و [29]علامہ نوح آفندی و [30]علامہ سید احمد حموی وغیرہم کبرائے اعلام نے بنائے کلام فرمائی شرح کل ذلك يطول (ہر ایک کی شرح طویل ہے۔ت) علامہ ابراہیم حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

الحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود تزييف صدرالشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره بظهور التوانى احكام الشرع سيما فى اقامة الحدود فى الامصار مزيف بان المراد القدرة على اقامة الحدود على ماصرح به فى التحفة الفقهاء عن ابى حنيفة رضى الله تعالٰى عنه انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما تقع من الحوادث وهذا هو الاصح [1]اھ	شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرسکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعۃ کا یہ عذر کرنا کہ احکامِ شرع خصوصًا حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہو رہا ہے کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تاکہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کرسکیں اور یہی اصح ہے اھ (ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

ملتقی الابحر ومجمع الانہر میں ہے:

هوظاہر المذہب علی مانص علیۃ السرخسی وهواختیار الکرخی القدوری، وقیل قائلہ صاحب الوقایۃوصدرالشریعۃ وغیرهما مالو اجتمع اهلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعهم و هواختیار الثلجی وانما اوردبصیغۃ التمریض لانهم قالوا ان هذا الحد غیر صحیح عند المحققین مع ان الاول یکون ملا یما بشرط وجودالسطان ونائبہ ومناسبا لما قالہ الامام رحمہ اللہ تعالٰی ، وفی الغایۃ هو الصحیح [1] اھ ملخصا هذا جملۃ الکلام وللتفصیل محل اٰخر، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	امام سرخسی کے بقول یہی ظاہر مذہب ہے امام کرخی وقدوری کا بھی یہی مختار ہے۔ بعض کے نزدیک یہ صاحب وقایہ اور صدرالشریعۃ وغیرہ کا قول ہے اور شہر کی یہ تعریف) کہ اگر اس کی بڑی مسجد میں اہل شہر جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھے، یہ امام ثلجی کا مختار ہے صیغہ تمریض کے ساتھ وارد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں باوجودیکہ پہلی تعریف وجود سلطان اور نائب سلطان کے موافق اور امام نے جو کچھ فرمایا اس کے مناسب ہے، اورغایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اھ ملخصًا یہ فی الجملہ گفتگو ہے تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷۷: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی صاحب ۲۱ صفر ۱۳۰۹ھ

بشرف خدمت باعظمت من مولانا فیاض دارین حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب مقیم بریلی زاداللہ فیضانہ، بعد السلام علیکم وتمنائے زیارت خدمت شریف میں عرض یہ ہے کہ نماز جمعہ کی فرضیت میں اختلاف چلا آتا ہے اس سے اطمینان حال نہیں بعض عالم فاضل قابل فتوی کے فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کی عین فرض ہے کوئی کوئی امر حالات موجودہ سلطنت سے اُس کی فرضیت کا مانع نہیں خالصًا بلاشک وشبہ عین فرض یقینا نماز جمعہ پر آمنًا وصدقنا سے یقین رکھنا چاہئے اور جو بعد نماز جمعہ کے احتیاطی فرض نماز پیش کے پڑھے جاتے ہیں یہ نہیں پڑھنے چاہئیں، اور بعض بعض عالم فاضل لائق فتوی کے بنظر حالات سلطنت دقت کے فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ عین فرض تھی مگر اس وقت بوجہ نہ ہونے سلطنت اسلام کے وہ فرضیت جو دراصل تھی اب وہ نہیں رہی نماز جمعہ کی بجائے فرضیت کے بمنزلہ مستحب کے فرماتے ہیں اور فتوی دیتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ایک بڑا بھاری رکن اسلام کا ہے اس کا ترک اور ان کا مطلقًا چھوڑنا اچھا نہیں بہر حال پڑھنا نمازِ جمعہ ثواب اور اچھا ہے اور ساتھ اس کے

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۶و۱۶۷

یہ بھی فتوی فرماتے ہیں کہ بعد نماز جمعہ کے احتیاطًا نماز سب پیشیں کی معہ فرضوں کے پڑھ لینا ضرور چاہئے، اس واسطے جناب میں التماس پیش کیا جاتا ہے کہ جناب اس میں کس طرح فرماتے ہیں آیا مطابق فرقہ علمائے اول کے جو عین فرضیت کا فتوی فرماتے ہیں یا برخلاف اُس کے اور مطابق فرقہ علمائے گروہ ثانی کے جو مستحب فرماتے ہیں اور پیچھے نماز جمعہ کے جملہ نماز پیشیں معہ فرضوں کے احتیاطًا پڑھ لینا فرماتے ہیں جناب بالتشریح اسے درخواست کے محاذ پر مفصل حال جو جناب کے فتوی سے بہتر اور اولیٰ ہو تحریر فرمادیں تاکہ ان دونوں فریق کی بحث مختلف سے یک سو اطمینان حاصل ہو فقط ۲۲ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستی کی رہنمائی فرما۔ت) اصل فرضیت جمعہ میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ نہ صرف مجمع علیہا یا نص قطعی سے ثابت بلکہ اعلیٰ واجل ضروریاتِ دین سے ہے مگر جمعہ باجماع امت مشروط ہے، ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو شرائط اس کے لئے معین فرمائے شک نہیں کہ ان بلاد میں ان کا پورا پورا اجتماع قدرے محل اشتباہ ونزاع معہذا یہاں عائمہ بلاد میں جماعات جمعہ متعدد ہوتی ہیں اور اگرچہ مذہب مفتی بہ میں تعدد جمعہ مثل عیدین مطلقًا جائز، اسی پر [1]کنز و[2]وافی و[3]کافی و[4]ملتقی و[5]تنویر و[6]ہندیہ و[7]طحاوی و[8]شامی وغیرہا میں اعتماد فرمایا [9]امام اجل مفتی الجن والانس نجم الدین نسفی پھر [10]علامہ ابن وہبان نے اپنے منظومہ اور [11]علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبیٰ اور [12]علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اسی کو قول صحیح امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتایا، [13]شرح وقایہ میں ہے **بہ یفتٰی** (اسی پر فتوی ہے۔ت) [14]شرح المجمع للعلامہ البدر العینی میں ہے: **علیہ الفتوی** (اسی پر فتوی ہے۔ت) [15]فتح القدیر میں ہے: **علی المفتی بہ** (مفتی بہ قول پر۔ت) [16]محیط شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔ت) **الصحیح وبہ ناخذ** (صحیح ہے اور ہم اسی پر عمل پیرا ہیں ،ت) [17]تبیین الحقائق و[18]بحر وفتح و[19]شرح وہبانیۃ و[20]منح الغفار و[21]عقود الدریہ وغیرہا میں ہے: **الاصح** (زیادہ صحیح ہے۔ت) بحر الرائق و [22]درمختار میں ہے: **علی المذھب** (مذہب پر۔ت) حتی کہ علامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد بن علی علائی وغیرہما نے قول آخر کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمائی مگر عندالتحقیق روایت عدم جواز تعدد بھی ساقط نہیں بلکہ مذہب کا باقوت قول ہے [1]امام طحطاوی و[2]تمرتاشی و[3]صاحب مختار نے اسی کو اختیار فرمایا، [4]امام فقیہ النفس قاضی خاں نے خانیہ میں اسی کو مقدم رکھا، [5]خزانۃ المفتین میں اُسی پر اقتصار کیا، [6]عتابی و[7]اخلاطی نے اُسی کو اظہر اور [8]جوامع فقہ میں اظہر الروایتین اور [9]امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے ظاہر الروایہ کہا، [10]تکملہ رازی میں ہے: **بہ ناخذ** (ہم اسی پر عمل پیرا ہیں۔ت) [11]حاوی القدسی میں ہے **علیہ الفتوی** (فتوی اسی پر ہے۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے۔ **علیہ الاعتماد** (اعتماد اسی پر ہے۔ت) [12]جواہر الاخلاطی

میں ہے ھوالصحیح وھو الاصح وعلیه الفتوی (یہی صحیح اور یہی اصح اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) آفندی شامی فرماتے ہیں فھوح قول معتمد فی المذھب لا قول ضعیف (پس یہی یہاں معتمد قول اور مذہب ہے ضعیف قول نہیں ہے) ان وجوہ کی نظر سے [1]ائمہ مرو و [2]اکثر مشائخ بخارا و [3]اصحاب امام عبداللہ حکم شہید و [4]اصحاب امام شیخ ابی عمرو و [5]اساتذہ صاحب مختار الفتاوی وغیرہم جمہور ائمہ دین وعلمائے معتمدین نے ایسی جگہ ان چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا اور اسی کی [6]محیط برہانی و [7]فتاوٰی ظہیریہ و [8]فتاوٰی حجہ و [9]واقعات و [10]مطلب و [11]مختار الفتاوی و [12]نہار و [13]کافی و [14]جامع المضمرات و [15]خزانۃ المفتین و [16]فتح القدیر و [17]شرح المجمع و [18]فتاوی سراجیہ و [19]تارتار خانیہ و [20]حلیہ و [21]غنیہ و [22]صغیری و [23]مجمع الانہر و [24]تیسیر المقاصد و [25]نہر الفائق و [26]عالمگیریہ و [27]فتاوٰی صوفیہ و [28]خزانۃ الروایات و [29]قنیہ و [30]حاوی و [31]غرائب و [32]فتاوی رحمانیہ و [33]طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح کی اسی کو [34]امام الحسن و [35]امام تمر تاشی و [36]قاضی بدیع الدین و [37]محقق ابن جرباش و [38]ابن الشحنہ و [39]شیخ الاسلام جد ابن الشحنہ و [40]علامہ باقانی [41]مقدسی و [42]علامہ ابو سعود و [43]محقق شامی و [44]جماعت کثیرہ شراح ہدایا و [45]غیرہا وغیرہم ائمہ وعلماء نے اختیار فرمایا علامہ ابراہیم حلبی نے اسی کو اولٰی اور امام محمود عینی نے احسن واحوط اور علامہ باقانی نے ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) اور سراجیہ میں ھو حسن (یہ حسن ہے۔ت) اور حجہ ومضمرات وغیرہما میں الصحیح المختار (صحیح مختار۔ت) رکھا ان سب کتب وعلماء کے نصوص فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کئے یہاں بقدر حاجت صرف دو تین عبارت پر اقتصار ہوتا ہے امام محقق علامہ محمد بن امیر الحاج حلبی حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

قد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك ما اذا تعددت فی المصر وھی واقعة اھل مرو فیفعل ما فعلوہ قال المحسن لما ابتلی اھل مرو باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازھا امرائمتھم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتیاطا[1]۔	بعض شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک واقع ہوجاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور یہ واقعہ اہل مرو کا ہے لہذا وہی کیا جائے جو اہل مرو نے کیا تھا، محسن کہتے ہیں کہ جب جواز جمعہ میں علماء کے اختلاف کے باوجود جب اہل مرو نے دو جگہ جمعہ شروع کیا تو انھیں ائمہ نے حکم دیا کہ وہ جمعہ کے بعد ضروری طور پر چار رکعت فرض ظہر احتیاطًا ادا کریں۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمع، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

عن هذا وعن الاختلاف فی المصر قالوا فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة ینبغی ان یصلی اربع رکعات ینوی بها الظهر فالاولی هوا لاحتیاط لان الخلاف فیه قوی وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتوی لایمنع شرعیة الاحتیاط للتقوی [1] (ملخصًا)	اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتوٰی کا صحیح ہونا شرعًا تقوٰی کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔ (ملخصا) (ت)

امام اجل ظہیر الملّۃ والدین مرغینانی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

اکثر مشائخ بخارا علیه لیخرج عن العهدة بیقین [2]۔	مشائخ بخارا کی اکثریت کی یہی رائے ہے تاکہ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

احتاطت الائمة فی اکثر البلاد فانهم یصلون الظهر بعد مایؤدون الجمعة خلف ثواب هؤلاء هو حسن [3]۔	اکثر شہروں میں ائمہ احتیاط کرتے ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی کے بعد ظہر پڑھتے ہیں نائبین کے پیچھے جمعہ کی ادائیگی کے بعد اور یہ اچھا ہے۔ (ت)

ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راسًا جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں اُنھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اشد واعظم کا دفع آکد واہم ان کے لئے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوالِ ائمہ مذہب پر ان کی نماز صحیح ہو جائے لہٰذا سیدی نور الدین مقدسی نور الشمعہ میں فرماتے ہیں:

نحن لا نأمر بذلك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم [4]۔	ہم اس طرح کے معاملات کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ ہم خواص کو اس پر آگاہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہو۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

[2] فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین المرغینانی

[3] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

[4] نور الشمعۃ

اس تحقیق سے ظاہر کہ ان بلاد میں مطلقاً صحتِ جمعہ کو قطعی یقینی بلااشتباہ ماننا افراط اور اقاویل مذہب وخلافیاتِ مشائخ سے غفلت وذہول ہے اور جمعہ کو صرف درجہ مستحب میں جاننا محض باطل وتفریط وقواعہ شرح مقاصد ائمہ سے عدول، اگر اول حق ہوتا تو احتیاط کی کیا حاجت تھی کہ خروج عن العہدہ بالیقین ہو لیا، اور ثانی صحیح ہوتا تو صرف احتیاط ماننے کے کیا معنی تھے بلکہ یقیناً ظہر فرض قطعی ہوتا ور ایک مستحب کے سبب جماعتِ ظہر کو کہ علی المعتمد واجب ہے ترک کرنا مکروہ تحریمی معہذا جمعہ مستحبہ نہ شرع سے معہود نہ کلمات علماء اُس کے مساعد پس قولِ وسط وانصاف یہ ہے ان شہروں میں جمعہ ضرور لازم ہے اور اس کا ترک معاذ اللہ ایک شعار عظیم اسلام سے اعراض، اور ان چار رکعت احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض۔ **واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۲۷۸: مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو فتاوٰی ابوالبرکات میں لکھا ہے **لا تجوز الجمعۃ حتی یعلم الخطیب معناہ** (جب خطیب، خطبہ کے معانی اگاہ نہ ہو جمعہ جائز نہیں۔ت) یہ صحیح ہے یا کیا: **بینوا توجروا**

الجواب:

خطیب کا معنی عبارت خطبہ سمجھنا شرط کیا، معنی ہرگز واجب بھی نہیں کہ آثم کہہ سکیں، جمعہ ناجائز ہونا تو درکنار اگر یہ قول صحیح ہوتا واجب تھا کہ کتب مشہورہ متداولہ اس کی تصریحوں سے مالامال ہوتیں ایسا نہایت ضروری مسئلہ جس پر نماز فرض کے صحت وبطلان کا مدار ہو اور متون وشروح وفتاوٰی کہیں اس کا پتا نہ دیں ہرگز عقل سلیم اسے قبول نہیں کر سکتی ولہٰذا مجتبٰی میں جو بہت سی شرائط نیت نماز فرض ونفل میں ذکر کیں جب کا تصانیف معتمدہ میں وجود نہ تھا علماء نے اسی وجہ سے ان کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا، اشباہ میں ہے:

من الغریب مافی المجتبٰی لابد من نیۃ العبادۃ والطاعۃ والقربۃ وانہ یفعلھا مصلحۃ لہ فی دینہ وان یکون اقرب الی ماوجب عندہ عقلا [عہ] من الفعل واداء الامانۃ وابعد	عجیب ہے وہ چیزیں جس کا تذکرہ مجتبٰی میں ہے کہ نیت عبادت طاعت اور ثواب کا ہونا ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسے اپنے دین کی مصلحت کی اور عقلا واجب شدہ عمل اور ادائیگی امانت سے قریب اور حرام شدہ ظلم اور

[عہ]: قلت افصح الزاھدی ھھنا عن اعتزالہ فان الوجوب عند اھل الحق شرعی لاعقلی ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں زاہدی نے یہاں اپنے معتزلہ ہونے کا اظہار کیا ہے کیونکہ اہل حق کے نزدیک فعل شرعی ہوتا ہے عقلی نہیں ہوتا ۱۲ منہ (ت)

عما حرم علیه من الظلم وکفران النعمة ثم هذه النیات من اول الصلٰوة الیٰ اٰخرها خصوصا عند الانتقال من رکن الی رکن ولا بد من نیة العبادة فی کل رکن والنفل کالفرض فیها الافی وجه واحد وھو ان ینوی فی النوافل انها لطف فی الفرائض وتسهیل لها [1] اھ ملخصا	کفرانِ نعمت سے بُعد کی خاطر کررہا ہے ــــــــ پھر یہ نیت اول نماز سے لے کر آخر تک خصوصًا جب ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو، اور ہر رکن میں عبادت کی نیت ضروری ہے اور اس معاملہ میں نفل بھی فرض کی طرح ہے مگر ایک صورت میں، اور وہ یہ ہے نوافل میں یہ ارادہ کرے کہ یہ فرائض میں لطف اور ان میں آسانی کے لئے ہیں اھ ملخصًا (ت)

غمزالعیون میں ہے:

اما الغرابة فی کون هذه الاشیاء لابد من نیتها فان الفقهاء لم یذکروا ذلك فی کتبهم متونا وشروحا وفتاوٰی [2] اھ	ان اشیاء کی غرابت یہ ہے کہ اس کی نیت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے حالانکہ فقہاء نے یہ بات اپنی کتب کے متون وشروح اور فتاوٰی میں کہیں نہیں لکھی اھ (ت)

اور مجتبٰی اگرچہ مثل سائر تصانیف زاہدی کتب معتمدہ سے نہیں تاہم مشہور مصنف کی مشہور تصنیف ہے جس سے علماء مابعد نے صدہا مسائل نقل فرمائے مگر ایسے ہی نوادر غرائب کے باعث پایہ اعتماد سے ساقط ہوئی پھر بالفرض اگر فتاوٰی ابوالبرکات کا یہ مطلب ہو بھی تو اس قسم کے فتاوی ایک بات اور وہ بھی اتنی بے ثبات جس پر شروع سے اصلًا دلیل نہیں، کیونکر ادنٰی التفات کے قابل ہوسکتی ہے، اس میں شک نہیں کہ تدبر معنی جمال محمود وکمال مقصود ہے مگر فقہائے کرام نے عمومًا عبادات کے کسی ذکر میں نفس نیت کے سوا قلب کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا جس پر فساد وصحت کی بنا ہو یہاں تک کہ اصل حضور قلب جس کے معنی یہ ہیں کہ صدور فعل وقول پر متنبہ ہو اگرچہ معنی کلام نہ سمجھے یہ بھی صحتِ نماز کے لئے ضروری نہیں، ملتقط وخزانہ وسراجیہ وشرح قیدانی للقہستانی وغمزالعیون وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لا یعتبر قول من قال لا قیمة لصلوة من لم یکن قلبه فیها معه [3]۔	اس کا قول معتبر نہیں جس نے کہا کہ اس شخص کی نماز کی کوئی قیمت نہیں جس کے ساتھ اس کا دل نہ تھا (ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول قاعدہ ثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۶۹۔۷۰

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر قاعدہ ثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۷۰

[3] ردالمحتار باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷

حضور القلب هوا لعلم بالعمل بالفعل والقول الصادرين من المصلى وهو غير التفهم فان العلم بنفس اللفظ غير العلم بمعنى اللفظ۔[1] (ملخصاً)	حضور قلب، صادر ہونے والے فعل وقول کا علم ہے اور تفہم کا غیر ہے کیونکہ نفس لفظ کا علم اور اس علم کا غیر ہوتا ہے جو لفظ کے معنی کا علم ہو۔(ت)

اور خطبہ جمعہ کا ذکر تذکیر کے لئے مشروع ہونا کما قال تعالٰی فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ[2] (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا پس اللہ کے ذکر کی طرف جلدی چلو۔ت) ہرگز اس دعوٰی کا مثبت نہیں ہوسکتا جب الفاظ الفاظ ذکر ہیں اور اس نے بالقصد انھیں ادا کیا قطعاً ذکر متحقق ہوا، تدبر معنی پر توقف نہیں ورنہ واجب کہ نماز میں بھی فہم معنی قال تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۝۱۴[3]۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز قائم کروں۔ت) علاوہ بریں تذکیر سے تذکر زیادہ محتاج فہم وتدبر۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت ست پند بر دیوار
(انسان کو چاہئے کہ وہ محفوظ کرے اگرچہ نصیحت لکھی ہو دیوار پر)

حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مقتدی اگر بہرے یا سوتے یا اس قدر دور ہوں کہ آواز نہ جائے مگر وقتِ خطبہ حاضر ہوں کافی ہے شرط ادا ہوگئی فہم معنی جدا، نفسِ سماع کی بھی ضرورت نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفى حضورهم حتى لو بعدوا عنه اونا موا اجزأت۔[4]	صحتِ خطبہ کے لئے تمام لوگوں کا سننا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کا حاضر ہوجانا کافی ہوگا حتی کہ اگر وہ خطیب سے دور رہے اور سوگئے تب بھی خطبہ ادا ہوجائے گا(ت)

تنویر میں ہے: ولو صمًّا[5] (اگرچہ نہ سننے والا ہو۔ت)

اقول: وباللّٰه التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ ہر چند احکام شرعیہ عموماً حکم ومصالح سے ناشی ہوتے ہیں اور مشروعیت خطبہ کی حکمت یہی تذکیر وتذکر ہے مگر حکمت نہیں ہوتی کہ اُس کے فقدان سے فساد وبطلان لازم

---

[1] ردالمحتار باب شرط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷
[2] القرآن ۶۲/۹
[3] القرآن ۲۰/۱۴
[4] ردالمحتار باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸
[5] درمختار باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱

آئے مثلاً شرع نکاح کی حکمت تکثیر امت اور نفس کی عفت کہ مردِ عنین وزنِ رتقاوقرنا میں دونوں اور بحالت عقم اول منتفی مگر پھر بھی صحتِ نکاح میں شبہ نہیں، صوم کی حکمت کسرِ شہوت اور نفس کی ریاضت، پھر اگر کسی شخص کے مزاج پر رطوبت غالب اور اس کی وجہ سے شہوتین میں ضعف ہو کہ روزہ اُسے نافع و موجب قوت پڑے تو کیا اُسے روزے کا حکم دیں گے یا اُس کے صوم کا فاسد مانیں گے **وقس علی ھذا** (اور اس پر قیاس کر۔ت) یہ سب کلام اُس تقدیر پر ہے کہ عبارت مذکورہ سوال کا وہ مطلب ہو یہ فتاوٰی فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ سیاق وسباق دیکھ کر تعین مراد کی جاتی مگر جتنے لفظ سائل نے نقل کئے فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی رائے میں ان کی عمدہ توجیہ یوں ممکن کہ نیت نام قصد قلبی کا ہے اور قصد شے اس کے علم پر موقوف، آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی ومراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے اگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھادیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلٰوۃ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنی فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیتِ فرض کہ فرض تھی

فی الاشباہ عن العنایۃ انہ ینوی الفریضۃ فی الفرض الخ ثم نقل عن القنیۃ ینوی الفرض ولایعلم معناہ لایجزیہ [1]۔	اشباہ میں عنایہ سے ہے کہ فرض میں فرض ہونے کی نیت کی جائے الخ پھر قنیہ سے منقول ہے کہ اگر فرضوں کی نیت کی لیکن اس کا معنٰی نہ جانتا تھا تو اب یہ اس کے لئے کافی نہیں۔(ت)

جب یہ واضح ہولیا اور معلوم ہے کہ صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جا کر چھینک آئی اور چھینک پر **الحمد اللہ** کہا خطبہ ادا نہ ہوا، اشباہ میں ہے:

ما النیۃ للخطبۃ فی الجمعۃ فشرط صحتھا حتی لو عطس بعد صعود المنبر فقال الحمد للہ للعطاس غیر قاصد لھا لم تصح کما فی فتح القدیر وغیرہ [2] الخ (ملخصًا)	خطبہ جمعہ کی نیت صحتِ خطبہ کے لئے شرط ہے حتی کہ اگر خطیب کو منبر پر چڑھنے کے بعد چھینک آئی اور اس نے الحمداللہ کہا لیکن خطبہ کی نیت نہ تھی تو یہ خطبہ نہ ہوگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے الخ (ت)

تو لازم ہوا کہ خطیب معنی خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکر الٰہی کا نام ہے تاکہ اس کی نیت کرسکے ورنہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۵۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الاول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۹

نام خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کردیا تو بیشک نماز جمعہ ادانہ ہوگی کہ یہ وہی نام خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ،

وقدمنا عن الشامی العلم بنفس اللفظ غیر العلم بمعنی اللفظ [1] والشرط انما ھو انیة مایعنی من الخطبة لا نیة لفظ الخطبة وھذا ظاھر جدا۔	ہم نے پہلے شامی سے بیان کیا ہے کہ لفظ کا علم اس کے معنی کے علم سے الگ ہے تو شرط اس کی نیت ہے جو خطبہ سے مراد ہے نہ کہ الفاظ خطبہ کی نیت، اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔(ت)

اور جب نیت نہ ہوئی کہ شرط صحت خطبہ تھی خطبہ نہ ہوا، اور جب خطبہ نہ ہوا کہ شرطِ صحت جمعہ تھا جمعہ نہ ہوا جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر خود بھی ان کے سے افعال کرے اور معنی نماز سے جاہل ہو یعنی نہ جانے کہ نماز خدا کا ایک فرض ہے کہ بفرض امتثال امر ادا کیا جاتا ہے ہرگز نماز نہ ہوگی۔ اشباہ میں ہے:

لا یعلم ان ﷲ تعالٰی علی عبادہ صلٰوۃ مفروضة ولکنه کان یصلیھا لاوقاتھا لم یجزہ [2]۔	اگر کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالٰی کیلئے بندوں پر نماز فرض ہے ___ لیکن وہ اوقاتِ نماز میں نماز ادا کرتا ہے تو یہ کافی نہیں۔(ت)

یہ معنی ہیں معنی خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی اک بھی مذہب نہیں ھکذا ینبغی التوجیھه (عبارت کی توجیہ اسی طرح ہونی چاہئے۔ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۹: از افضل گڈھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید جمعہ کے دن جب خطبہ پڑھتا ہے تو اس کے بعد ترجمہ بھی پڑھتا ہے اس لئے خطبہ ثانیہ میں توقف ہوتا ہے اور خطبہ ثانیہ کے بعد ترجمہ پڑھنے سے نماز میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ خطبہ مع ترجمہ بزبان غیر عربی جمعہ یا عیدین کا جائز ہے یا نہیں؟ اور توقف مابین ہر دو خطبہ شرعًا جائز ہے؟ اور خطبہ ثانیہ کے بعد تاخیر نمازِ جمعہ میں ہوگی وہ بھی شرعًا جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ترجمہ کے سبب خطبہ ثانیہ یا نماز جمعہ میں تاخیر فصل اجنبی تو نہیں ہے کہ ترجمہ خطبہ بھی خطبہ ہے اذفیھا ما فیھا من الذکر والتذکیر (کیونکہ اس میں ذکر ونصیحت ہے۔ت) ہاں خطبہ کی تطویل ہوگی اور یہ

---

[1] ردالمحتار، باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۵۹

خلاف سنت ہے خصوصًا اگر مقتدیوں پر ثقیل ہو کہ اب سخت ممانعت ہے۔

لحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: افتان انت یا معاذ! قاله فی الصلوٰة فکیف فی الخطبة [1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اے معاذ! تو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ آپ نے نماز کے بارے میں فرمایا تھا تو خطبہ میں کیا حال ہوگا۔(ت)

اور نہ بھی ہو تو خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے کمابیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے خوب بیان کیا ہے۔ت) ہاں عیدین میں خطبہ ثانیہ اگر لوگ راضی ومتوجہ ہوں بہ نیت وعظ نہ بہ نیت خطبہ عید پند ونصیحت کرسکتا ہے اگرچہ وہی خطبہ میں بزبان عربی مذکور ہوئی۔

فقداتی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بعد خطبة العید الی النساء فوعظهن وذکر هن [2]۔ والله تعالٰی اعلم	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ، عید کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جاکر انھیں وعظ ونصیحت فرماتے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۰و۱۲۸۱: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قلعہ کلکتہ میں دروازوں پر پہرہ چوکی رہتا ہے اور دس پانچ کیا سو پچاس آدمی بغرضِ سیر جائیں یا دوسری غرض سے مثلًا کسی کے ملاقات کو، تو کوئی مانع ومزاحم نہیں ہوتا، تین چار ہزار مزدور اندر کام کرتے ہیں جو صبح کو بے روک ٹوک اندر جاتے اور باہر آتے ہیں، ہاں شب کے ساڑھے نو بجے سے عام لوگ پانچ بجے تک اندر نہیں جاسکتے اندر بازار بھی ہے جو چاہے باہر سے اشیاء خریدنے کو جائے کچھ ممانعت نہیں، انگریزی جوتا قلعہ میں عمدہ بنتا ہے اکثر لوگ اس کے خریدنے کو جاتے اور خرید کرلاتے ہیں، ہاں یہ قاعدہ ہے کہ باہر سے جو چاہے جو چیز چاہے اندر لے جائے مگر اندر سے بغیر پاس کے کوئی چیز باہر نہیں لاسکتا، مسجد اندر نہیں ہے، جماعت اذان کے ساتھ ہوتی ہے، پیشتر کی پلٹن میں مسلمان بکثرت تھے، نماز باجماعت ہوتی تھی اب جو پلٹن ہے اس میں ہندو بہت ہیں، مسلمان قریب ستر کے ہوں گے، انھوں نے کرنیل سے درخواست کی کہ ہم اپنا مولوی نماز پڑھانے کی غرض سے رکھنا چاہتے ہیں اس نے اجازت دی اور انھوں نے رکھ لیا، ایک وقت میں ایک مسلمان صاحب نے جو پلٹن کے سپاہیوں میں نہیں بلکہ ایک جرنیل کے ملازم ہیں بعض مسائل میں دوسرے مسلمان سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل، مروی از جابر بن عبداللہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳ /۲۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب صلوٰۃ العیدین الفصل الثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۲۶

حجت کی اور مارپیٹ ہوئی، کرنیل نے اُن تنہا مسلمان کو ان کی جماعت میں شریک ہونے سے ممانعت کردی اور ان سب سے کہہ دیا اگر یہ شخص تمھاری نماز کی جگہ آئے تو اس کو قید کرلو اور ہمارے پاس پہنچادو، ایسی حالت میں نماز جمعہ قلعہ کے اندر ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) جمعہ کے دو رکعت فرضوں کے سوا کَے (کتنے) رکعت نماز سنت پڑھنا چاہئے؟ فرضوں سے پہلے کَے رکعت اور بعد فرضوں کے کَے رکعت؟ اور احتیاطی ظہر پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت دے۔ت) اذن عام کہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اُس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لئے وقت جمعہ حاضری جمعہ کی اجازت عام ہو تو وقت جمعہ کے سوا باقی اوقات نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں نہ کہ صرف رات کے ساڑھے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضری جمعہ کا اذنِ عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے حالانکہ قصر و قلعہ شاہی عام اوقات میں گزرگاہ عام نہیں ہوسکتے، کافی شرح وافی میں ہے:

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمه فی داره فان فتح بابھا واذن للناس اذنا عاما جازت صلٰوته شھدتھا العامة اولا[1]۔	بادشاہ اپنے دبدبہ کی وجہ سے اپنے دار میں نماز ادا کرنا چاہتا ہو اگر اس دار کا دروازہ کھول دیا جائے اور لوگوں کو وہاں داخل ہونے کا اذن عام ہوگیا تو اس کی نماز درست ہوجائے گی خواہ عوام شریک ہوں یا نہ ہوں (ت)

اور بے پاس کسی چیز کی باہر لانے کی ممانعت تو یہاں سے کچھ علاقہ ہی رکھتی ہے کہ وہ خروج سے منع ہے نہ دخول سے یونہی مزدوروں یا سیر والوں یا خریداروں کو اجازت عام ہونا کچھ مفید نہیں کہ وقت نماز بہر نماز اہل نماز کو اجازت چاہیے اوروں کو ہونے نہ ہونے سے کیا کام، اور اذن اگرچہ انھیں لوگوں کا شرط ہے جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں، ردالمحتار میں ہے:

المراد الاذن من مقیمھا[2] (جمعہ قائم کرنے کی اجازت مراد ہے۔ت) مگر پر ظاہر کہ تحقق معنی اذن کے لئے اُس مکان کا صالح اذن عام ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصر شاہی یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہو کر اذان واعلان جمعہ پڑھیں اور اپنی طرف سے تمام اہل شہر کو آنے کی اجازت عامہ دے دیں

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

مگر بادشاہ امیر کی طرف سے دروازہ پر پہرے بیٹھے ہوں عام حاضری کی مزاحمت ہو تو مقیمین کا وہ اذن عام محض لفظ بے معنی ہوگا وہ زبان سے اذن عام کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہوسکتا۔ پس ما نحن فیہ میں دو باتیں محلِ نظر رہیں:

اوّلاً اُس قلعہ کا صالح اذن عام ہونا یعنی اگر تمام اہل شہر اُسی قلعہ میں جمعہ پڑھنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہ کرے، طحطاوی میں ہے:

لو ارادا الصلٰوۃ داٰخلہا ودخلوھا جمیعا لم یمنعوا [1]۔	اگر لوگوں نے قلعہ کے اندر نماز کا ارادہ کرلیا اور تمام اس کے اندر داخل ہوگئے تو انھیں منع نہ کیا جائے۔(ت)

اگر ایسا ہے تو بیشک وہ قلعہ صالح اذن عام ہے اور ایسی حالت میں دروازہ پر چوکی پہرہ ہونا کچھ مضر نہ ہوگا کہ پہرا وہی مانع ہے جو مانع دخول ہو، ولہذا کافی میں بصورت عدم جواز صرف اجلس البوابین (پہرے دار بیٹھا دیئے۔ت) نہ فرمایا بلکہ **لیمنعوا عن الدخول** [2] (تاکہ دخول سے منع کریں۔ت) بڑھایا، یونہی رحمانیہ میں محیط سے منقول:

ان اجلس البوابین علیہا لیمنوا عن الدخول لم یجزھم الجمعۃ [3]۔	اس نے پہرے داروں کو دروازوں پر داخلے سے منع کرنے کے لئے بٹھادیا تو اب جمعہ جائز نہ ہوگا۔(ت)

تو صرف شوکت شاہی یا اُس قانون کی رعایت کو کہ بے پاس کوئی اندر سے باہر نہ جائے، پہرا ہونا مکان کو صلاحیت اذن عام سے خارج نہیں کرتا اور اگر اجازت سو پچاس یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے جیسا کہ بعض الفاظ سوال سے مستفادہ، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا بدائع میں اشتراط اذن عام کی دلیل میں فرمایا:

یسمی جمعۃ لاجتماع الجماعات فیہا فاقتضٰ ان تکون الجماعات کلہا مأذونین بالحضور اذنا عاما تحقیقا لہ معنی الاسم [4]۔	جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہو تاکہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔(ت)

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۴۴

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

[3] رحمانیۃ عن المحیط

[4] بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۹

ثانیاً اگر ثابت ہو جائے کہ یہ قلعہ اذن عام کا مکان ہے تو جب تک کسی شخص خاص کو حاضریِ نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہو جاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمان جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگرچہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صوتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمین جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذن عام کا صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے تو روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطع اذن عام نہیں ہو سکتا جیسے زندانی لوگ کہ ہمیشہ حضوریِ مساجد سے ممنوع ہوتے ہیں یا اگر کوئی شخص بعض نمازیوں کو خاص وقت نماز اس لئے مقید کرلے کہ مسجد میں نہ جانے پائیں تو نہ یہ قادح اذن عام نہ مقمانِ جمعہ پر اس کا الزام، بلکہ ظاہراً ممانعت کرنیل بھی کوئی اپنی طرف سے حکمِ جبری نہیں انھیں پلٹن والوں کی خاطر سے ہے اور انھیں کی مرضی پر رکھا ہے جب یہ مزاحمت نہیں کرتے تو کرنیل کو پرخاش سے کیا مطلب، اور اگر یہ خود اُسے حاضری جمعہ سے باز رکھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص فی الواقع شریر ومفسد و موذی ہے کہ اُس کے آنے سے اندیشہ فتنہ ہے جب تو ایسی ممانعت بھی مانع صحتِ جمعہ نہ ہوگی کہ قادح اذن عام سے روکنا ہے۔

كما فی الطحطاوی عن الحلبی لا بد من حمله علی ما اذا منع الناس من الصلٰوة[1]۔	جیسا کہ طحطاوی میں حلبی سے ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ لوگوں کو نماز سے منع کرے۔ (ت)

شرح عیون المذاہب پھر مجمع الانہر پھر در مختار پھر فتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری میں ہے:

واللفظ له الجمعة بالقلعة صحيحة وان غلق بابها لان الاذن العام مقرر لاهلها وغلقه لمنع عدو او عادة قديمة لا للمصلی[2]	اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قلعہ کے اندر جمعہ درست ہے اگرچہ اس کا دروازہ بند ہو کیونکہ اذن عام اہل قلعہ کے لئے ثابت ہے اور اس کا بند ہونا دشمنوں کے عدمِ دخول کے لئے ہے یا عادت قدیمہ ہے نمازی کو روکنے کے لئے نہیں۔ (ت)

اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے رکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے،

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۴۴

[2] فتح المعین باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۶

کما فی الشامی عن الطحطاوی لا یضر منع نحو النساء لخوف الفتنه[1] انتہی۔ **اقول:** وتعلیله بعدم التکلیف معلول بما فی الشامی عن العلامة اسمٰعیل مفتی دمشق الشام تلمیذ المحقق العلائی صاحب الدرالمختار عن العلامة عبدا العلی البرجندی شارح النقایة ان الاذن العام ان لایمنع احدا ممن تصح منه الجمعة[2] کما لا یخفٰی فافهم۔	جیسا کہ شامی میں طحطاوی سے ہے کہ عورتوں وغیرہ کو روکنا مضر نہیں کیونکہ ان کے آنے میں فتنہ کاڈر ہے۔انتہی **اقول:** یہ علّت بیان کرنا کہ وہ مکلّف نہیں ،اس کا تعلق اس بیان سے ہے جو شامی میں مفتی شام جو اسمٰعیل دمشقی جو محقق علائی صاحبِ درمختار کے شاگرد ہیں سے شارح نقایہ علامہ عبدالعلی برجندی کے حوالے سے کہا کہ اذن عام یہ ہے کہ ہراس شخص کو نہ روکا جائے جن سے جمعہ کی ادائیگی صحیح ہو جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

علماء خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے۔

کما فی عمدة القاری للامام البدر محمود العینی وفی الرسائل الزینیة للعلامة زین بن نجیم المصری وفی الدرالمختار یمنع منه (ای من المسجد) کل موذولو بلسانه[3]۔	جیسا کہ امام بدر محمود عینی کی عمدة القاری، علامہ زین بن نجیم المصری کے رسائل زینیہ اور درمختار میں ہے کہ (مسجد سے) ہر اذیت دینے والے کو منع کیا جائے اگرچہ وہ زبان سے اذیت دینے والا ہو۔(ت)

تو یہ روکنا کہ مطابق شرع ہے منافی اذن نہیں، اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ محض ظلماً بلاوجہ یا براہ تعصب روکتے ہیں تو بلاشبہ ان کا جمعہ باطل کہ ایک شخص کی ممانعت بھی اذن عام کی مبطل،

فقد مرعن الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی ان لا یمنع احدا۔	پہلے شامی نے شیخ اسمٰعیل سے.برجندی کے حوالے سے لکھا کہ کسی کو منع نہ کیا جائے۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاذن العام بالصلٰوة بان یفتح باب الجامع اودارلسطان بلا مانع لاحد من	نماز کے لئے اذن عام یہ ہے کہ داخلہ کے لئے بلارکاوٹ جامع مسجد یادارِ سلطان کادروازہ

[1] ردالمحتار باب الجمعة مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۶۰۱

[2] ردالمحتار باب الجمعة مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۶۰۰

[3] درمختار باب مایفسد الصلٰوة الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

الدخول فیہ [1] اھ ھذا کلہ مما اخذتہ تفقھا من کلماتھم وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔	کھول دیا جائے اھ اور یہ تمام فقہاء کی عبارات سے میں نے سمجھا ہے اور ان شاء اللہ امید ہے کہ یہ صواب ہے۔ (ت)

دس سنتیں ہیں، چار پہلے چار بعد ہی منصوص علیھن فی المتون قاطبۃ وقد صح بھن الحدیث فی صحیح مسلم (ان کے چار ہونے پر متون میں قطعًا تصریح ہے اور صحیح مسلم میں ان کے بارے میں صحیح حدیث بھی وارد ہے۔ت) اور دو بعد کو اور، کہ بعد جمعہ چھ سنتیں ہونا ہی حدیثا وفقھا اثبت واحوط (مختار ومحتاط حدیث وفقہ کے اعتبار سے۔ت) مختار ہے اگرچہ چار کہ ہمارے ائمہ میں متفق علیہ ہیں ان دو سے مؤکد تر ہیں۔

لحدیث ابوداؤ دبسند صحیح والحاکم وصححہ علی شرط الشیخین عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ کان اذاکان بمکۃ فصلی الجمعۃ تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم فصلی اربعا(وفیہ) فقال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل ذلک [2] ھذا مختصر وتمام الکلام علیہ فی الفتح ،والامام الطحاوی فی شرح معانی الاثار عن ابی عبدالرحمٰن السلمی قال قدم علینا عبد اللہ (یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ) فکان یصلی بعد الجمعۃ اربعا فقدم بعدہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان اذا صلی الجمعۃ صلی بعدھا رکعتین واربعا فاعجبنا فعل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فاخترناہ [3]۔ فی فتح ابوالسعود الازھر تحت قول مسکین قال ابو یوسف رحمہ اللہ	ابوداؤد میں سند صحیح کے ساتھ حدیث ہے، حاکم نے تخریج کرکے کہا کہ بخاری و مسلم کے شرائط پر ہے ____ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ہے کہ جب مکہ میں تھے جمعہ ادا فرمایا توآگے بڑھے دو رکعات ادا کیں پھر آگے بڑھے تو چار رکعت ادا کیں (اور اسی میں ہے) فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ یہ مختصر ہے اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے،امام طحطاوی شرح معانی الآثار میں ابو عبدالرحمان السلمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ہمارے ہاں تشریف لائے توآپ نے جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کیں، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے اور آپ کا طریقہ تھا کہ جمعہ بعد پہلے دو رکعات پھر چار رکعات ادا کرتے، ہمیں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل نہایت ہی پسند آیا

---

[1] جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ السلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۵

[2] سنن ابوداؤد باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۶۰

[3] شرح معانی الآثار باب التطوع بعد الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۳

تعالٰی السنة بعد صلٰوة الجمعة ست رکعات اھ وبہ اخذ الطحطاوی واکثر المشائخ نھر عن عیون المذاھب التجنیس [1] اھ فی الجواھر الاخلاطی ھو ما خوذ عن القاضی واخذ بہ اکثر المشائخ وھوا المختار [2] اھ فی مجمع الانھر بہ اخذ الطحطاوی واکثر المشائخ منا وبہ یعمل الیوم [3] اھ فی البحر الرائق فی الذخیرۃ والتجنیس وکثیرمن مشائخنا علی قول ابی یوسف وفی منیة المصلی والا فضل عندنا ان یصلی اربعا ثم رکعتین [4] اھ فی الغنیة الافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف [5] اھ	تو ہم نے اسی کو اختیار کرلیا، فتح ابوسعود ازہری میں مسکین کے قول کے تحت ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جمعہ کے بعد چھ رکعات ہیں اھ، اسے طحاوی اور اکثر مشائخ نے مختار کہا ہے۔ نہر نے عیون المذاہب اور تجنیس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جواہر اخلاطی میں ہے کہ یہ قاضی سے ماخوذ ہے اھ اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور یہی مختار ہے اھ مجمع الانہر میں ہے کہ طحاوی اور اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور آج اسی پر عمل کیا جاتا ہے اھ بحر الرائق میں ہے کہ ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ مشائخ کی اکثریت امام ابویوسف کے قول پر ہے منیۃ المصلی میں ہے کہ ہمارے نزدیک کے قول پر ہے۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ ہمارے نزدیک افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ غنیہ میں ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ (ت)

اور عام لوگوں کو احتیاطی ظہر کی کچھ ضرورت نہیں کما فصلنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۲: از بھورہ کلاں پرگنہ ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ سالار بخش ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ چار رکعت فرض ظہر مثل نفل یعنی چاروں رکعتوں میں سُورت ملا کر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وہ شہر وقصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل

---

[1] فتح المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۳

[2] جواہر الاخلاطی فصل فی الجماعات غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۲

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الوتر والنوافل مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۳۰

[4] بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۹

[5] غنیہ المستملی فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۹

ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ چار رکعتیں چاروں سنت بعد یہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضائے عمری نہ ہو وہ چاروں میں سورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیت سنت وقت ادا کرے جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے اگر بہ نیت فرض ادا نہ کیا تو جمعہ یقینا نہ ہوگا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہو جائے گی، اور جب یوں نیتِ صحیحہ سے ادا کر چکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے، یوں پڑھنے میں یہ نفع پائے گا کہ اگر شاید علم الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہو جائیں گی کہ اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جس کا وقت اُسے ملا اور ابھی ذمّہ سے ساقط نہ ہوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اس کے ذمہ رہی ہوگی (خواہ یوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وہ ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہو جائیں گی، اسی لحاظ سے جس پر قضائے عمری ظہر کی نہ ہو یہ چاروں رکعتیں بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہوئیں اور سُورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں جس پر قضائے عمری ہے اسے پچھلی دو میں سورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اس کے ہر طرح فرض ہی ادا ہوں گے، جمعہ نہ ہوا تو آج کے اور ہوا تو آج سے پہلے کے یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک وتردد کا حکم نہیں کہ نیت وتردد باہم منافی ہیں اگر یونہی مذبذب نیت کی تو وہ مقصود واحتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہذا اسی طرح گول نیت سے بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علمِ الٰہی پر چھوڑ دے، پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور ان سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں ہی نہیں سمجھنے لگیں کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار الگ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر اُن کی نماز ٹھیک ہو جائے انھیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں، ہاں خواص یعنی جو لوگ اس طرح کی نیت کر سکتے ہوں اور اُن سے وہ اندیشے نہ ہوں وہ یہ احتیاط بجالائیں تاکہ یقینا فرض خدا ادا ہو جائے اور شبہ واحتمال کی گنجائش نہ رہے، فقیر اپنے فتاوٰی میں یہ مسئلہ مفصل ومدلل لکھ چکا ہے یہاں صرف دو تین عبارات پر اقتصار ہوتا ہے، فتاوٰی علمگیری میں ہے:

فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر اوغیرہ واقام اھله	ہر وہ مقام جہاں پر جمعہ ہونے یا نہ ہونے میں شک کی وجہ سے جوازِ جمعہ میں شک ہو جائے وہاں جمعہ کے بعد

الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بها الظهر حتی لو لم تقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بیقین کذافی الکافی وهکذافی المحیط ثم اختلفوا فی نیتها قیل ینوی اٰخرظهر علیه وهو الاحسن والاحوط ان یقول نویت اٰخرظهر ادرکت وقته ولم اصله بعد کذا فی القنیة وفی فتاوی آهو ینبغی ان یقرء الفاتحه والسورة فی الاربع التی تصلی بعد الجمعة فی دیارنا کذا فی التاتار خانیة[1]۔	چار رکعات بہ نیت ظہر ادا کی جائیں تاکہ اگر جمعہ نہ ہوا تو وقتی فرض کی ادائیگی بالیقین ہوسکے ، الکافی، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے ، پھر ان رکعات کی نیت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے ذمّے آخری ظہر ادا کررہا ہے اور یہی احسن ہے ، اور احوط یہ ہے کہ یوں ارادہ کرے میں آخری ظہر پڑھ رہا ہوں جس کا وقت میں نے پایا اور اسے ابھی تک ادا نہیں کیا، جیسا کہ قنیہ میں ہے، اور فتاوٰی آہو میں ہے کہ ہمارے علاقے میں جمعہ کے بعد جو چار رکعات پڑھی جاتی ہے ان میں فاتحہ اور سورت پڑھنی چاہئے، جیسا کہ تاتار خانیہ میں ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

قد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك ماذا تعددت فی المصروهی واقعة اهل مروفیفعل ما فعلوه وقال المحسن امرائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتیاطا[2]۔	بعض شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک ہوجاتا ہے ،ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور اہل مرو کا واقعہ ہے، پس وہاں وہی کچھ کیا جائے گا جو انھوں نے کہا، محسن نے کہا کہ انھیں ائمہ نے احتیاطًا حتمی طور پر جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرنے کا حکم دیا۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الحلبی الاولی ان یصلی بعد الجمعة سنتها ثم الاربع بهذه النیة ثم رکعتین سنة الوقت فان صحت الجمعة	حلبی کہتے ہیں کہ اولٰی یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنّن ادا کرے پھر اس نیت سے چار رکعات پھر وقتی سنّتیں دو رکعات ادا کرے، پس اگر اب جمعہ صحیح ہوا تو اس

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

کان قد ادی سنتها علی وجهها والا فقد صلی الظهر مع سنته ابو السعود [1]	کی سنن اپنے طریقے پر ہوئیں، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو اس نے ظہر سنن کے ساتھ ادا کرلی، ابوالسعود۔ (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة اوتعدد المفروض فی وقتها ولا یفتی بالاربع الا الخواص یکون فعلهم ایاها فی منازلهم [2] اھ وبمثله صرح المحققون الاٰمرون کالمقدسی وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان چار رکعات کی ادائیگی جاہل لوگوں کے اعتقاد میں فساد برپا کرے گی کہ جمعہ فرض ہے یا نہیں، یا ایک ہی وقت میں متعدد فرائض ہو سکتے ہیں، لہٰذا چار رکعات ظہر کا فتوٰی صرف خواص کے لئے ہے اور ان کا فعل (رکعات کی ادائیگی) بھی اپنے گھروں میں ہوگی اھ اسی کی مثل اس کا حکم دینے والے محققین مثلاً امام مقدسی وغیرہ نے کہا ہے، (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۳تا۱۲۸۹: از فیروز پور ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ شیخ فضل حسین صاحب ۲۱رجب ۱۳۱۱ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) حنفی اگر بعض اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کرلیں جو دربارہ ترقی عبادت ہوں جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر دیہات میں جمعہ پڑھنا بقول امام شافعی جائز ہووے اور بدیں حکم حنفی پڑھیں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور ناجائز ہونے کی صورت میں لائق مواخذہ کے ہوں گے یا صرف فرضِ ظہر ان کے ذمہ باقی رہے گا؟

(۲) اگر بنظر شبہ ناجواز بعد پڑھنے جمعہ کے چار رکعات دیگر بدیں نیت کہ اگر جمعہ ناجائز ہوا یہ رکعتیں فرض ظہر میں شمار ہوجائیں ورنہ نفل رہیں بدیں خیال کہ روز قیامت فرائض میں جو کمی ہوگی سنا ہے کہ وہ سنن ونوافل سے پوری کی جائے گی، پڑھنا کفایت کرے گا یا نہیں؟ اور یہ بات اکثر جگہ رواج میں ہے یہ رواج جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ بات مشہور ہے کہ نہ پڑھنے سے پڑھنا اولٰی ہے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے جمعہ پڑھنے کے واسطے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الجمعۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۳۴۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۶۔۲۷۵

لائق کہنے کے ہے یا نہیں؟

(۴) حاکم یا قاضی یا بادشاہ یا نائب کا موجود ہونا جو مشروط ہے اور وہ شرط ہندوستان میں کہیں میسر نہیں پھر آخر جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ایک شرط پر لحاظ نہیں کیا جاتا، ایسا ہی اگر بعض شرائط "حوالیِ شہر یا آبادی مساوی منی" نہ لحاظ کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

(۵) جن دیہات میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور وہاں کی آبادی کم ہے کہ شہریت اس کو حاصل نہیں وہاں کے لوگوں کو اگر جمعہ پڑھنے سے باز رکھا جائے اور کہا جائے کہ فرض ظہر تمھارے ذمّہ سے ساقط نہیں ہوتا جائز ہوگا یا ناجائز، درحالیکہ وہ جمعہ پڑھنے دوسری جائز جگہ پر جانے والے نہ ہوں۔

(۶) یہ جو علماء لکھتے ہیں کہ جس بستی کے مسلمان مکلّف وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماویں وہاں جمعہ جائز ہے یہ مردم شماری دیہہ سے مراد ہے یا تعداد نمازیوں سے اندرونِ مسجد سے یا مع صحنِ مسجد؟

(۷) جماعت میں بقول بعض ائمہ علاوہ دو آدمی اور بقول بعض چالیس آدمی لکھے ہیں مالابدمنہ میں، اگر موجب اُس کے چالیس آدمی سے کم میں جمعہ پڑھا جائے تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حتی الامکان چاروں مذہب بلکہ جمیع مذاہب ائمہ مجتہدین کی رعایت ہمارے علماء بلکہ سب علماء مستحب لکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت تک ہے کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کاارتکاب نہ ہو ورنہ ایسی رعایت کی اجازت نہیں۔

فی ردالمحتار ف لیس له ان یرتکب مکروہ مذهبه لیراعی مذهب غیرہ کما مر تقریرہ اول الکتاب[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ غیر کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے مذہب کے مکروہ کاارتکاب جائز نہیں جیساکہ اس پر کتاب کی ابتداء میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ (ت)

جب مکروہ کے سبب یہ حکم تو امر حرام و ناجائز کے لئے کیونکر اجازت ہو سکتی ہے، دیہات میں جمعہ پڑھنا خود ناجائز ہے۔

فی الدرالمختار تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة[2]۔	درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا شرط صحت ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب فی ندب مراعاۃ الخلاف الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

ف: ردالمحتار میں یہ عبارت بالمعنی مذکور ہے بالفاظہ مذکور نہیں۔

پھر اس کے سبب جماعتِ ظہر ترک ہونا دوسرا گناہ، اور ہر گناہ قابلِ مواخذہ، اور اگر ظہر نہ پڑھی جب تو خود نماز فرض معاذاللہ عمداً ترک کی فرض کا ذمہ پر رہ جانا کیا کوئی ہلکی بات ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کے دامن رحمت میں پناہ لیتا ہوں۔ت)

(۲) یہ نیت کہ اگر جمعہ نہ ہوا تو فرض ورنہ نفل ہر گز کفایت نہ کرے گی کہ جمعہ نہ ہوا تو فرض ظہر ذمہ پر باقی ہے اور فرض کی نیت میں تعیین شرط ہے شک وتردد کافی نہیں،

فی التنویر لابد من التعیین عندالنیة لفرض ولو قضاء وواجب[1]۔	تنویر میں ہے کہ نیت کے وقت فرض وواجب کی تعیین ضروری ہے خواہ وہ قضا ہو۔(ت)

بلکہ اشباہ کی جگہ یہ کرے کہ جمعہ پڑھتے وقت عزم وجزم کے ساتھ جمعہ کی نیت کرے پھر چار سنت بعد یہ بہ نیت سنت وقت پڑھے پھر یہ چار رکعت احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور ادا نہ کی، پھر دو سنتیں بہ نیت سنت وقت پڑھے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جمعہ صحیح ہوگیا تو چار فرض جو اس نے پڑھے پہلے کسی ظہر کی قضا دانستہ یا نادانستہ جو اس کے ذمہ رہ گئی تھی اُس میں محسوب ہو جائیں گی اور کوئی قضا نہ تھی تو نفل ہوں گی، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو یہ فرض خود آج ہی کی ظہر کے مع سنت قبلیہ وبعدیہ بترتیب ادا ہو جائیں گے، یہ اس طریقہ کی منفعت ہے نہ یہ کہ نیت میں یوں شک وتردد کرے، یوں ہر گز فرض ادا نہیں ہو سکتے تو وہ مقصود احتیاط کہاں حاصل ہوا، ان رکعتوں کا رواج جواز کیا بلکہ ایسے مواقع میں علماء نے حکم دیا ہے مگر ان جاہلوں کو نہیں جو نیت صحیح نہ کر سکیں یا ان کے باعث جمعہ کے دن دوہرے فرض سمجھنے لگیں، ولہٰذا علماء فرماتے ہیں عوام جاہلوں کو ان کا حکم نہ دیا جائے، عالمگیری میں ہے:

ینوی اٰخر ظھر علیه وھو الاحسن[2]	(جو اس پر آخری ظہر ہے اس کی نیت کرے اور یہی احسن ہے۔ت)

مراقی الفلاح میں ہے: لا یفتی بالاربع الا الخواص[3] (چار رکعت ظہر کا فتوٰی صرف اور صرف خواص کے لئے ہے۔ت)

---

[1] در مختار باب شروط الصلٰوۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۵

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۶

مگر یہ اس جگہ کے لئے ہے جو شہر یا فناء شہر ہو اور تعدد جمعہ وغیرہ وجوہ کے سبب صحت جمعہ میں اشتباہ ہو، گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔

(۳) اور ضعفِ اسلام کا عذر قابل سماعت نہیں، ضعف تو یوں ہی ہے کہ اکثر اہل اسلام کو جائز ناجائز کی چنداں پروانہ رہی نہ کہ وہ ناجائز جسے عبادت سمجھ کر بجالائیں، رونق اسلام اتباعِ احکام میں ہے نہ بے قیدی میں۔

والذنب یجر الی الذنب والقلیل یدعو الی الکثیر ومالنا الافتاء الابالمذھب وقد قال العلماء فی عدۃ مسائل فی المذھب لا یفتی بھا کیلا یتوصل العوام الی ھدم المذھب فکیف بما لیس من المذھب فی شیئ وباللہ العصمۃ۔	گناہ دوسرے گناہ کی طرف کھینچتا ہے، قلیل، کثرت کی دعوت دیتا ہے اور ہم جو مذہب ہے اسی پر فتوی دیتے ہیں، متعدد ایسے مسائل جو مذہب پر ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ ان پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ عوام مذہب کو ختم کرنے پر نہ تل جائیں تو اس مسئلہ کا کیا معاملہ ہے جو مذہب سے تعلق نہ رکھتا ہے اور عصمت اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے۔ (ت)

(۴،۵) اور سلطان یا اس کے مامور وماذون کا اقامت جمعہ کرنا اگرچہ ایسی شرط ہے کہ ہنگام ضرورت ساقط ہو جاتی ہے مگر شرط مصر کا اس پر قیاس نہیں کہ غیر مصر میں اقامت جمعہ خود شرع مطہر نے ضرور نہ ٹھہرائی بلکہ وہاں عدم اقامت ہی ضرور ہے تو اس شرط کے سقاط میں ضرورت کے کیا معنی، غرض دیہات میں جمعہ کی ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا،

فی الشامی عن القھستانی عن الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر[1]۔	شامی نے قہستانی سے انہوں نے جواہر سے نقل کیا کہ اگر لوگوں نے دیہاتوں میں جمعہ ادا کیا تو وہاں ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (ت)

(۶) بعض علماء نے جو یہ روایت اختیار کی ہے اُس میں بستی کی مردم شماری مقصود نہیں بلکہ خاص وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ آزاد مقیم کہ اندھے لنجھے لُولے یا ایسے ضعیف یا مریض نہ ہوں کہ جمعہ کی حاضری سے معذور ہوں، ایسے معذوروں یا بچوں، عورتوں، غلاموں، مسافروں کی گنتی نہیں، اور

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

پوری مسجد مع صحن مراد ہے نہ کہ فقط اندر کا درجہ،

فی التنویر ھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا [1] فی الشامی عن الطحطاوی عن القھستانی احترزبہ عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین [2]۔	تنویر میں ہے شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد شہر کے مکلفین کے لئے ناکافی ہو، شامی میں طحطاوی سے اور وہاں قہستانی سے ہے کہ لفظ مکلفین سے معذورین کو خارج کیا ہے مثلاً خواتین، بچے اور مسافر۔ (ت)

(۷) ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحتِ نماز جمعہ کے لئے امام کے سوا تین مرد عاقل بالغ درکار ہیں اس سے کم میں جائز نہیں زیادہ کی ضرورت نہیں۔

فی التنویر والجماعۃ اقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	تنویر میں ہے جماعت کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۰ : ۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اس کا جواب دینا اور جب دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہرگز نہ چاہئے یہی احوط ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اجابۃ الاذان ح مکروھۃ نھر الفائق [4]۔	اس وقت اذان کا جواب دینا مکروہ ہے۔ نہر الرائق (ت)

پھر درمختار میں ہے:

ینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب [5]۔	خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان کا جواب بالاتفاق نہیں دینا چاہئے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۹
[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۰
[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱
[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۷
[5] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۶۵

اُسی میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرۃ ان کان والا فقیامه للصعود فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامها وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبة وبعدها واذاجلس عند الثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالاٰخرۃ اماغیرہ فیکرہ اجماعا وعلی ھذا فالترقیة المتعارفة فی زماننا تکرہ عندہ والعجب ان المرقی ینھی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثه ثم یقول انصتوا رحمکم الله [1] اھ ملخصًا	جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو، ورنہ جب وہ منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تمام خطبہ تک نہ نماز ہے اور نہ ہی کلام، صاحبین کہتے ہیں کہ خطبہ سے پہلے اور اس کے بعد گفتگو میں حرج نہیں، اور امام ابویوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں کوئی حرج نہیں، اور اختلاف اس گفتگو میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو لیکن اس کے علاوہ گفتگو تو بالاتفاق مکروہ ہے، اس بناء پر ہمارے زمانہ میں متعارف ترقیہ (ان الله وملئکته یصلون علی النبی الخ) (خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت پڑھنا) امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور تعجب ہے کہ ترقیہ پڑھنے والا امر بالمعروف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی وجہ سے روکتا ہے اور پھر خود کہتا ہے خاموش رہو، الله تعالٰی تم پر رحم کرے اھ ملخصًا، (ت)

ہاں یہ جوابِ اذن یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلًا نہ ہو کوئی حرج نہیں، کما افادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذھب (جیسا کہ علی قاری نے تحریر فرمایا اور اس کی تفصیلات کُتبِ مذہب میں ہیں۔ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذن دے یا دُعا کرے بلا شبہ جائز ہے۔

وقد صح کلام الامرین عن سید الکونین صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ۔	صحیح البخاری وغیرہ میں سید الکونین صلی الله تعالٰی علیہ وسلم سے دونوں معمول ملتے ہیں۔(ت)

یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نھایۃ الغایۃ وازالۃ الاوھام فی فتاوٰنا بتوفیق الملک العلام (اس مقام کی تفصیل ہم نے بتوفیق ملک العلام نہایت تحقیق کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردی ہے۔ت) والله تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۱: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدانپورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں بسم الله الرحمن الرحیم بآواز بلند کہنا چاہئے یا باخفا؟ اور اگر بآواز بلند کہے تو کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا

---
[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۳

الجواب:

نہ بآواز نہ باخفا، بلکہ تنہا اعوذ آہستہ پڑھ کر حمدِ الٰہی سے شروع کرے،

فی الدر المختار یبدأ بالتعوذ سرا[1] فی ردالمحتار قولہ یبدأ ای قبل الخطبۃ الاولی بالتعوذ سرا ثم بحمد اللہ تعالٰی والثناء علیہ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	درمختار میں ہے کہ آہستہ تعوذ پڑھ کر خطبہ شروع کرے، ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول یبدأ یہ ہے کہ پہلے خطبہ سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ کہے اس کے بعد اللہ تعالٰی کی حمد وثنا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹۲: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب غلام قادر بیگ صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں جو اردو قصائد متضمن وعظ ونصیحت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعًا کیسا ہے اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہذا اردو کی ضرورت ہے قابل قبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ امر خلاف سنتِ متوارثہ مسلمین ہے اور سنتِ متوارثہ کا خلاف مکروہ، قرنًا فقرنًا اہل اسلام میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ معمول ومتوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے۔ درمختار میں ہے: **لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم**[3] (یہ مسلمانوں کا توارث ہے جس کی اتباع لازم ہے۔ت) زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بحمد اللہ ہزار ہا بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا ہو،

وکل ماوجد مقتضیہ عینا مع عدم المانع ثم ترکوہ دل علی انھم کفواعنہ فکان الدناہ الکراھۃ۔	ہر وہ شیئ جس کا مقتضی پایا جائے اور کوئی مانع بھی نہیں پھر اس کو ترک کردینا اس پر دال ہے کہ اسے چھوڑا گیا ہے تو کم از کم یہ عمل مکروہ ضرور ہوگا۔ (ت)

عوام کا یہ عذر جب صحابہ کرام کے نزدیک لائقِ لحاظ نہ تھا اب کیوں مسموع ہونے لگا، بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ

---
[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱
[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۸
[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے۔ عوام کہ نہیں سمجھتے، سبب یہ ہے کہ سیکھتے تو قصور اُن کا ہے نہ کہ خطیب کا، آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا ان کے لئے قرآن اُردو میں پڑھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۹۳: از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلّہ ڈیڈر روڈ مسؤلہ کھتری عمر ابوبکر صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، خطیب کو وقتِ خواندگی خطبہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو،

وذلك لان الفعل اذا تردد بين السنية والكراهة كان تركه اولٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۲۹۴: مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ وعیدین میں پورا خطبہ اشعار عربی وفارسی وہندی میں پڑھنا اور اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وُہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور بُرا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہو جانا خواہی نخواہی قبح کلام کا باعث نہیں اگرچہ اس میں انہماک واستغراق تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند،

اخرج البخاری فی الادب المفرد، والطبرانی فی المعجم الاوسط وابو یعلٰی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما وھذا والدارقطنی عن ام المؤمنین	امام بخاری نے ادب المفرد میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابویعلٰی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابویعلٰی اور دار قطنی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اور

الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها والامام الشافعی عن عروة بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما مرسلا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم : الشعر بمنزلة الکلام فحسنه کحسن الکلام وقبیحه کقبیح الکلام [1] قال المناوی اسنادہ حسن [2]۔	امام شافعی نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرسلًا روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شعر دوسرے کلام کی طرح ہی ہے، اچھا شعر اچھے کلام اور برا شعر برے کلام کی طرح ہوتا ہے۔ امام مناوی نے کہا کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔(ت)

خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد وثنا ومفاخرت کا خطبہ بلیغہ اشعار میں پڑھتے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالٰی جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے،

اخرج الامام البخاری فی الجامع الصحیح عن ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها قالت کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد یقوم علیه قائما یفاخر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوینافح ویقول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الله یؤید حسان بروح القدس مانافح اوفاخر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [3]۔	امام بخاری نے الجامع الصحیح میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے صحابی حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر بچھواتے اور وہ منبر پر کھڑے ہو کر آپ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کفار کی طرف سے کئے ہوئے حملوں کا جواب دیتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے کہ جب تک حسان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف اور دفاع کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کی روح القدس کے ذریعے مدد وتائد فرماتا ہے۔(ت)

[1] الادب المفرد باب الشعر حسن الخ نمبر ۳۸۲ حدیث ۸۶۵ مطبوعہ المکتبہ الاثریہ سانگلاہل شیخوپورہ ص ۲۲۳، الجامع الصغیر مع فتح القدیر بحوالہ معجم اوسط وادب مفرد عن ابن عمر وابویعلٰی عن عائشہ ۱۷۵/۴

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر بحوالہ الہیثمی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۷۵/۴

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ البخاری باب البیان والشعر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱۰، سنن ابوداؤد کتاب الادب مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۶۸۴/۲

سیدی عارف باللہ امام الطریقین شیخ الشیوخ شہاب ف الحق والدین سہروردی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ماکان منه یعنی من الشعر فی المذهد ولمواعظ والحکم وذم الدنیا والتذکیر بالاء الله ونعت الصالحین وصفة المتقین ونحو ذلك مما یحمل علی الطاعة ویبعد عن المعصیة محمود [1] الخ	ہر وہ شعر اچھا ہے جو زہد، وعظ، حکمت، دنیا کی مذمت، اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو یاد لانے والا یا صالحین ومتقین کی صفت وتعریف وغیرہ پر مشتمل ہو جو انسان کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی اطاعت پر ابھارتا ہے ہو یا گناہ سے دور کرتا ہو الخ (ت)

تو اگر خطبہ جمعہ یا عیدین میں احیانًا دو چار عربی اشعار حمد ونعت، وعظ وتذکیر وذمِ دنیا ومدح عقبی کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود اشد الاۃ فی امر اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی،

فقد اخرج العسکری فی المواعظ عن ابی خالد الغمسانی قال حدثنی مشیخة من اهل الشام ادرکوا عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه قالوا لما استخلف صعد المنبر فلما رأی الناس اسفل منه حمد الله ثم کان اول کلام تکلم به بعد الثناء علی الله وعلی رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم. هون علیك فان الامور:: بکف الاله مقادیرها * فلیس بأتیك منهیها *ولا قاصر عنك مامورها[2] * ذکره العلامة ابراهیم بن عبدالله الیمنی المدنی فی الباب اسابع عشر من کتاب القول الصواب	شیخ عسکری نے المواعظ میں ابو خالد الغسانی سے نقل کیا کہ مجھے اہل شام کے بزرگوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ جب امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے منبر پر تشریف لے گئے لوگوں کو اپنے سے نیچا دیکھ کر حمد الٰہی بجالائے پھر ثنائے خدا ونعت مصطفٰی جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پہلا کلام جو زبان پر لائے یہ اشعار تھے جن کا حاصل یہ کہ اپنے اوپر نرمی کر کہ سب کاموں کے اندازے اللہ عزوجل کے دستِ قدرت میں ہیں جو مقدر نہیں وہ تیرے پاس آنے کا نہیں اور جو مقدر ہے وہ تجھ سے کمی کرنے کا نہیں، اسے علامہ ابراہیم بن عبداللہ یمنی مدنی نے

[1] کتاب عوارف المعارف ملحق احیاء لعلوم مطبوعہ مطبعۃ اشہد القاہرۃ ص ۱۰۹

[2] القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب الباب السابع عشر

ف: اعلٰحضرت نے شیخ کے حوالے سے عبارت نقل کی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، مجھے اصل عبارت نہیں مل سکی، البتہ سعی بسیار کے بعد اس عبارت کی مؤید عبارت عوارف المعارف سے ان الفاظ کے ساتھ ملی ہے، فان کان من القصائد فی ذکر الجنة والنار والتشویق الی دار القرار ووصف نعم الملک الجبار وذکر لعبادات والترغیب فی الخیرات فلا سبیل الی الانکار "۔ **نذیر احمد**

فی فضل امیر المؤمنین عمر بن الخطاب من کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء۔	اپنی کتاب القول الصواب فی فضل امیر المومنین عمر بن الخطاب کے سترھویں باب میں الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء سے نقل کیا ہے۔ (ت)

مگر ان خطبوں کا تمام وکمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغیر ہے اور نظم خالص خطبہ میں ترک سنتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلمات علماء میں مصرح، امداد الفتاح شرح نور الایضاح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

فی المحیط یقرأ فی الخطبۃ سورۃ من القراٰن اوٰایۃ فالا خبار قد تواترت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ القراٰن فی خطبتہ لاتخلو عن سورۃ اوٰایۃ[1]۔	محیط میں ہے کہ خطبہ میں قرآنی سُورت یا اس کی آیت پڑھی جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ قرآنی سورت یا کسی آیت قرآنی سے خالی نہ ہوتا۔ (ت)

علامہ طحطاوی نے حاشیہ شرح تنویر میں خطبہ ثانیہ کی نسبت فرمایا:

یزید فیہا الدعا للمومنین والمومنات بدل الوعظ فی الاولی ولا یعظ فیہا ویسن قرأۃ اٰیۃ فیہا کذا فی البحر[2]عہ۔	پہلے خطبہ میں وعظ کے بدلے دوسرے میں مومنین اور مومنات کے لئے دعا کا اضافہ کیا جائے اس میں وعظ نہ ہو اور اس میں قراءتِ آیت سنت ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یسن خطبتان بجلسۃ بینہما وتارکہا	دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنت ہیں، اس

عــہ: **اقول:** ذکرہ فی البحر استظہارا من قول التجنیس والمزید الثانیۃ کالاولی الخ فلیتنبہ ۱۲ منہ (م)	**میں کہتا ہوں** بحر میں تجنیس والمزید کے قول کو ظاہر قرار دیتے ہوئے ذکر کیا کہ دوسرا خطبہ پہلے کی طرح ہے پس غور کرنا چاہئے ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار بحوالہ امداد الفتاح باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الجمعہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۴۳

مسئی علی الاصح کترکہ قرائۃ قدر ثلث اٰیات اھ ملخصاً[1] .**قلت** وبقولہ قدر الخ دخل اٰیۃ طویلۃ تکون قدر ثلث فاندفع ما اورد فی ردالمحتار وعلیك بما علقناہ^عـــہ^ ۔	دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنت ہیں، اس جلسہ کو ترک کرنا اصح قول کے مطابق گناہ ہے جیسے کہ تین آیات کی مقدار قرات کا ترک کرنا گناہ ہے اھ ملخصا **قلت** ان کے قول "قدر الخ" سے طویل آیت بھی شامل ہو جاتی ہے جو تین آیات کے برابر ہو لہذا ردالمحتار میں جو اعتراض ہوا اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا آپ پر اس حاشیہ کا مطالعہ نہایت مفید ہے جو ہم نے اس (ردالمحتا) پر لکھا ہے۔(ت)

عـــہ: قال العلامۃ الشامی ای یکرہ الاقتصار فی الخطبۃ علی نحو تسبیحۃ وتہلیلۃ مما لایکون ذکرا طویل قدر ثلث اٰیات او قدر التشہد الواجب ولیس المراد ان ترك قرائۃ ثلث اٰیات مکروہ لان المصرح بہ فی الملتقی والمواهب ونورالایضاح وغیرها ان من السنن قرائۃ آیۃ[2] اھ وکتب علیہ مانصہ اقول بل ہومفادصریح اللفظ ولوکان المراد ما اولتم بہ لقال کترکہ قرائۃ ثلث اٰیات وھذا اشبہ بالتبدیل منہ بالتاویل ولایرید الشارح ثلث اٰیات عینا حتی یرد علیہ ماذکر تم وانما قدرھا فادخل اٰیۃ او اٰی تین

علامہ شامی نے کہا یعنی خطبہ میں صرف ایک تسبیح اور تہلیل کے برابر جو تین آیات یا تشہد واجب کے برابر نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ تین آیات کا ترک مکروہ کیونکہ ملتقی اور مواہب اور نورالایضاح وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ ایک آیت کا پڑھنا سنت ہے اھ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول بلکہ یہ تو صریح لفظ کا مفاد ہے اور اگر آپ کا تاویل شدہ مقصد ہوتا تو یوں کہتے (تین آیات کے ترک کی طرح مکروہ ہے) تاویل کے ذریعہ تبدیلی کی جائے یہ صریح مفاد بہتر ہے حالانکہ شارح کا مقصد خاص تین آیات مراد نہیں تاکہ آپ کا ذکر کردہ اعتراض وارد ہو بلکہ انھوں نے تو قدرھا کا لفظ کہا ہے اور ایک اور دو ایسی آیات کو بھی (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

یوں ہی زبان عجمی کا داخل خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے کما ذکر الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے شرح موطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ت) عہد سلف میں بحمد اللہ ہزاروں بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزارہا منبر نصب کئے گئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبہ جمعہ یا عیدین غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور سنت متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے۔ در مختار میں فرمایا:

ان المسلمین ماتوارثوہ فوجب اتباعھم [1] اھ ای ثبت وتأکد. **اقول:** وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ لما کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقود اثم لم یفعلوا کان ذلك کفا منھم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترك اذلامعنی لتوارثہ ولا مساغ للتأسی فیہ لانہ غیر مفعول بل ولا مقدور کما نص علیہ الاکابر الصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروك لا یقترب	جو مسلمانوں میں متوارث ومنقول ہو اس کی اتباع لازم ہوتی ہے اھ یعنی وہ ثابت اور موکد ہوتا ہے **اقول:** اس کی تحقیق یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ ونصیحت کا تقاضا بنفسہٖ موجود تھا اور مانع مفقود، پھر بھی انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کی طرف سے چھوڑنا ہے ترک نہیں، چھوڑنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے کہ اس میں توارث کا مفہوم ہی نہیں ہو سکتا اور اس میں اقتدا کا کوئی جواز ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر عمل ہی نہیں ہوا بلکہ وہ قدرت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بقدر ثلث وھو مراد من قال اٰیۃ بدلیل مافی الھندیۃ عن الجوھرۃ مقدار ما یقرأ فیھا من القراٰن ثلث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ [2] اھ فالتام الکلمات و حصحص الحق والحمدللہ۔ ۱۲ منہ

شامل کیا جو تین آیات کے برابر ہوں اور ایک آیت کہنے والے کی بھی یہی مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے جو ہندیہ نے جواہرہ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ میں جو قرآن پڑھا جائے اس کی مقدار تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت ہے اھ پس علماء کے کلمات موافق ہوگئے اور حق واضح ہوگیا الحمد للہ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷

بها الا اذاصارا لترك كفاهو فعل وهو المكلف به فى النهى لا الترك بمعنى العدم لانه ليس داخلا تحت القدرة للعبد كما فى التحرير[1] اھ يعنى تحريرا لاصول للامام المحقق حيث اطلق رحمه الله تعالٰى اتقن هذا فانه من اجل المهمات۔	نہیں جیسا کہ اس پر اسلاف اکابر نے تصریح کی، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک سے تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا البتہ اس صورت میں جب ترک چھوڑنے کی صورت میں ہو تو وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم، کیونکہ اس معنی میں وہ عبد کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ ۔ تحریر سے مراد امام مطلق محقق کی کتاب تحریر الاصول ہے اسے مضبوطی سے حاصل کرو کیونکہ یہ نہایت ہی ضروری مقام ہے (ت)

بااینہمہ اگر خطبہ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعارِ پند ونصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی بس اس قدر کی خلافِ اولٰی ومکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ مکروہ تحریمی وگناہ وممنوع وبدعت سیّءہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا خطبہ جمعہ پڑھنا اور نماز غیر خطیب کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولٰی نہیں،

فى تنوير الابصار ولا ينبغى ان يصلى بالقوم غير الخطيب[2] وهكذا فى الفتاوى عالمگيرية ناقلا عن الكافى۔	تنویر الابصار میں ہے کہ غیر خطیب کا قوم کو نماز پڑھانا مناسب نہیں، اسی طرح فتاوی عالمگیری میں کافی سے منقول ہے۔ (ت)

اور اگر نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے عالمگیری میں ناقلا عن الزاھدی (زاہدی سے منقول ہے ۔ت) خطیب کا صالح امامت جمعہ ہونا شرط ٹھہرایا اور نابالغ صالح امامت نہیں تو اس کا خطبہ پڑھنا ناجائز اور فرض اس سے ساقط نہ ہوگا

عبارتها هذه واما الخطيب فيشترط فيه ان يتاهل للامامة فى الجمعة	اس کی عبارت یہ ہے خطبہ دینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ جمعہ کی امامت کا اہل ہو۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۴۷

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

کذا فی الزاھدی [1]۔	زاہدی میں اسی طرح ہے۔(ت)

شباہ والنظائر و فتاوی خلاصہ و تنویر الابصار میں جواز کا حکم دیا۔

حیث قال فی الاشباہ لوخطب باذن السلطان وصلی بالغ جاز [2] وفی تنویر الابصار فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز [3] وفی الخلاصۃ صبی خطب بامر السلطان وصل الجمعۃ مصلی بالغ یجوز [4]۔	الاشباہ میں ہے کہ اگر (نابالغ نے) بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھادی تو جائز ہے۔ تنویر الابصار میں ہے کہ اگر ایسا ہوا یعنی بچے نے بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا لیکن نماز بالغ نے پڑھالی تو جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کسی نابالغ بچے نے سلطان کے حکم سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھائی تو جائز ہے۔(ت)

درمختار میں اسی کو مختار قرار دیا:

حیث قال بعد قولہ جازھو المختار [5]۔	جہاں انہوں نے ماتن کے قول "جاز" کے بعد کہا یہی مختا ہے (ت)

بہر حال **صونا عن الخلاف** (اختلاف سے بچنے کی خاطر۔ت) نابالغ کا خطبہ پڑھنا مناسب نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۹۶: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

نماز جمعہ کے بعد چار رکعت فرض احتیاطی پڑھے جائیں یا نہیں یعنی اگر جمعہ کے شرائط پورے ادا ہوتے ہیں تو پھر یہ رکعتیں غیر ضروری ہیں اور اگر جمعہ بموجب مذہب حنفی ادا نہیں ہوتا تو جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے نماز ظہر پڑھی جائے اگر احتیاطًا دونوں پڑھی جاتی ہیں تو پھر ہم مقلد اور حنفی کیا ہوئے آمین بالجہر کرنے والے اور فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے بھی یہی عذر کرسکتے ہیں مفصل طور پر ارشاد فرمائے کہ سائل کو تسکین ہو، زیادہ نیاز،

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷
[2] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۴۳_۵۴۴
[3] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۳
[4] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۰۵
[5] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۳

الجواب:

عبادات بشدت محلِ احتیاط میں اور خلاف علماء سے خروج بالاجماع مستحب، جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ لازم آئے کمانص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ردالمحتار میں اس پر تصریح ہے۔ت) قراءت مقتدی ورفع یدین وجہر بہ آمین ہمارے مذہب میں باتفاق ائمہ ممنوع ومکروہ وخلاف سنت ہیں تو ہمیں یہاں رعایت خلاف اپنے مذہب سے خروج اور مکروہ فی المذہب کا ارتکاب صاف ہے۔ بخلاف فرض احتیاطی کہ بسبب تعدد جمعہ رکھے گئے یہ دونوں حرج سے پاک ہیں تعدد مطلقًا اگرچہ علی الاصح ظاہر الروایۃ اور وہی معمول ومفتی بہ مگر منع تعدد بھی مذہب میں ایک قول قوی ومصحح ہے،

فی ردالمحتار جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیہ شبۃ وقویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفۃ ایضا واختارہ الطحاوی والتمرتاشی وصاحب المختار وجعلہ العتابی الاظہر وقد علمت قول البدائع انہ ظاہرالروایۃ وفی شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انہ الظہر الروایتین عن الامام قال فی النہر وفی الحاوی القدسی وعلیہ الفتوی وفی التکملۃ للزاہدی وبہ ناخذ اھ فہوحنیئذ قول متعمد فی المذہب لا قول ضعیف اھ ملخصا[1]	ردالمحتار میں ہے کہ جمعہ کے متعدد مقامات ۵ پر ہونے کا جواز اگرچہ راجح اور قوی ہے مگر اس میں اشباہ بھی قوی ہے کیونکہ اس کے خلاف امام ابو حنیفہ سے بھی روایت ہے اور اسے طحاوی، تمرتاشی اور صاحب مختار نے اختیار کیا اور عتابی نے اسے اظہر قرار دیا ہے اور صاحب بدائع کا قول آپ پڑھ چکے کہ یہ ظاہر الروایۃ ہے، شرح المنیہ میں جوامع الفقہ سے ہے کہ امام صاحب سے مروی ہے دونوں روایات میں سے یہ اظہر ہے، نہر میں کہا کہ حاوی القدسی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور زاہدی کے تکملہ میں کہ ہمارا عمل اسی پر ہے اھ تو اس وقت مذہب میں یہ معتمد قول ہُوا ضعیف قول نہ رہا اھ ملخصا (ت)

پھر اس کی رعایت میں کوئی کراہت لازم نہیں آتی کہ یہ فرض احتیاطی بجماعت نہیں ہوتے منفردًا بہ نیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی صرف خواص کے لئے عوام کو نہ بتائے جائیں نہ انھیں حاجت، تو فرق ظاہر ہوگیا اور اعتراض ساقط وتفصیل القول فی تلك الرکعات قد سبقت فی فتاوٰنا (ان رکعات کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں گزر چکی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر ۵۹۶/۱

مسئلہ ۱۲۹۷: از نودیا ضلع بریلی غرہ محرم ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جامع مسجد ہے کہ ہمیشہ اُس میں جمعہ ہوتا ہے اب ایک مسجد بنا ہوئی اُس کو جامع مسجد بنانا اور قدیم کی جامع مسجد کو ترک کردینا یا دونوں جا جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قصبہ وشہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نماز جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے اگرچہ افضل حتی الوسع ایک جگہ ہوتا ہے اور اگلی مسجد جامع کو ترک کردینے کے اگر یہ معنی کہ اُس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے، تو قطعًا ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہوا کرے مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجد جدید میں ہو، اس میں اگر وہاں کے اہل اسلام کوئی مصلحتِ شرعیہ قابل قبول رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ، ورنہ مسجد جامع وہی مسجد قدیم ہے اور اس میں نماز جمعہ کا ثواب زائد۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۹۸: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جعہ کے چار رکعت ظہر احتیاطی کا پڑھنا ملک پنجاب یا ہندوستان کے شہروں میں جن میں جامع مساجد بادشاہوں کے حکم سے بنی ہوئی ہیں واجب ہے یا مستحب، اور ان شہروں میں نماز جمعہ میں کچھ وہم یا شبہ ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب مع عبارت لکھا جائے۔

الجواب:

بعض شرائط صحت کی تحقیق میں یہاں ضرور اختلاف واشتباہ ہے، ایسی جگہ علمائے کرام نے چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لئے، نہ کہ ایسے عوام کو جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں، اُن کے لئے ایک مذہب پر صحت بس ہے، یہ رکعتیں بحالِ توہم عدم صحت تو صرف مندوب ہیں اور بحال شک واشتباہ ظاہر وجوب، ردالمحتار میں ہے:

نقل مقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنیة الظهر احتیاطا، ومثله فی الکافی والقنیة امرائمتهم بالاربع بعدها حتما احتیاطا. قال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جده	قدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وہ جگہ جس کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں پر ان لوگوں کو جمعہ کے بعد احتیاطًا چار رکعتیں بنیتِ ظہر ادا کرنی چاہئیں، اسی کی مثل کافی اور قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتمی طور پر احتیاطًا چار رکعات کا حکم دیا ہے، المقدسی نے کہا کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے اس کے

التصریح بالندب وبحث فیہ بانہ ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم ماعند قیام الشك والاشتباہ فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخہ ابن الھمام ما یفیدہ وقال المقدسی نحن لا نامر بذلك امثال ھذہ العوام بل ندل علیہ الخواص ولو بالنسبۃ الیھم [1] اھ ملخصاً۔	مندوب ہونے کی تصریح کی اور اس پر اعتراض کیا کہ ایسی بات اس وقت ہے جب وہم ہو اور اگر شک و اشتباہ ہو پھر واجب ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام سے وہ نقل کیا جو یہاں مفید تھا، مقدسی نے کہا کہ ہم ایسی باتوں کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو مطلع کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہوں اھ ملخصاً (ت)

تحقیقِ مسئلہ ہمارے فتاوٰی اور رسالہ لوامع البھافی المصر للجمعۃ والاربع عقبیھا میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۹: از رامپور متصل مرادآباد محلّہ ملاظریف گھیر فرنگی محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ جمعہ بکدام سال مفروض شد۔	اس مسئلہ کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ جمعہ کس سال فرض ہوا؟

الجواب:

ہم بسال اول از ہجرت علی الصحیح المشہور عندالجمہور فی شرح المواھب للزرقانی، الایۃ مدنیۃ فتدل علی انھا فرضت بالمدینۃ وعلیہ الاکثر وقال الشیخ ابوحامد فرضت بمکۃ قال الحافظ وھو غریب [2] وفی شرح الموطا لہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر الھجرۃ لما خرج من قبا یوم الجمعۃ حین ارتفع النھار ادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم	جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا، شرح المواہب للزرقانی میں ہے کہ آیت (جمعہ) مدنی ہے جو دال ہے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ میں ہوئی، اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے، شیخ ابوحامد کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا تھا، حافظ کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے۔ زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفرِ ہجرت کے

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۶

[2] شرح المواہب اللدنیہ للزرقانی الباب الثانی فی ذکر صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع عامرہ مصر ۷/ ۳۳۴

بن عوف فصلاها بمسجد هم فسی مسجد الجمعة وهی اول جمعة صلاها صلی الله تعالٰی وسلم ذکرہ ابن اسحٰق [1] اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	موقعہ پر جمعہ کے دن قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو دن خوب بلند ہوچکا تھا محلّہ بنوسالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہوگیا تو آپ نے ان کی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد الجمعہ قرار پاگیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادا فرمایا، ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۰: از درو ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عیدین یا جمعہ میں آدمیوں کی کثرت سے سجدہ سہو امام کو ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں علمائے کرام نے بحالت جماعت جبکہ سجدہ سہو کے باعث مقتدیوں کے خبط وافتتان کا اندیشہ ہو اس کے ترک کی اجازت دی بلکہ اسی کو اولٰی قرار دیا،

فی الدرالمختار السهو فی صلٰوة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر واقرہ لاالمصنف وبه جزم فی الدر [2]۔	درمختار میں ہے کہ نماز عید، جمعہ اور فرض ونفل نماز میں سہو برابر ہے، متاخرین کے ہاں عید وجمعہ میں دفع فتنہ کی وجہ سے سجدہ سہو کا نہ ہونا مختار ہے جیسا کہ بحر کے باب جمعہ میں ہے، مصنف نے اسے ثابت رکھا اور درمیں اسی کے ساتھ جزم کیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاهر ان الجمع الکثیر فیما سواهما کذلك کما بحثه بعضهم ط وکذا بحثه الرحمتی وقال خصوصا فی زماننا وفی جمعة حاشیة	ظاہر یہ ہے کہ ان (نماز عید وجمعہ) کے علاوہ میں جہاں بھی کثیر اجتماع ہو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ بعض نے بیان کیا ہے ط، اور اسی طرح رحمتی نے بحث کرتے ہوئے کہا اور کہا کہ خصوصًا ہمارے دور میں (سجدہ سہو نہ کرنا

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا باب ماجاء فی الامام ینزل بقریۃ الخ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۲۰

[2] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

ابی السعود عن العزمیة انه لیس المراد عدم جوازہ بل الاولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنة اھ قوله وبه جزم فی الدر لکنه قیده محشیها الوافی بما اذا حضر جمع کثیروالا فلاداعی الی الترك ط [1]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم	چاہیے) حاشیہ ابوالسعود کے جمعہ میں عزمیہ سے ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ سجدہ سہو جائز نہیں بلکہ اس کا ترک اولٰی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں، اھ قولہ، اس پر در میں جزم ہے لیکن اس کے محشّٰی الوانی ہے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہاں کثیر لوگ جمع ہوں ورنہ نہیں کیونکہ اس وقت ترک سجدہ کا داعی نہیں ہوگا، ط۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۱: از ریاست رامپور محلّہ ملا ظریف گھیر منشی عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ مولوی عبدالرؤف صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں آج جمعہ کے دن امام صاحب جمعہ مع خطبہ پڑھا کہ فارغ ہوئے، اب اُس وقت پندرہ سولہ آدمی اسی مسجد میں بعد نمازِ جمعہ آگئے اب یہ آیندگان اسی مسجد میں پھر جمعہ پڑھیں یا ظہر، بر تقدیر ثانی جماعت سے پڑھیں یا منفرد؟ عبدالحہ صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاوی میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جمعہ پڑھیں گے دوسری مسجد میں افضل لکھا ہے اگر اسی مسجد میں پڑھیں کچھ حرج نہیں کرکے تحریر کیا ہے، مگر عالمگیری کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُوسرا جمعہ جائز نہیں بلکہ وہ لوگ فرادی فرادی نماز پڑھیں اس کی تحقیق کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عالمگیری میں یہ مسئلہ خانیہ سے ماثور ہے اور اسی کی مثل فتاوی ظہیریہ و بحرالرائق و درمختار وغیرہا میں مذکور،

قال فی البحر قال فی الظهیریة جماعة فاتتهم الجمعة فی المصر فانهم یصلون الظهر بغیر اذان و لااقامة ولاجماعة [2]۔	بحر میں ہے کہ ظہیریہ میں فرمایا کہ اگر کسی شہر میں سے جماعت فوت ہوگئی تو بغیر اذان، تکبیر اور جماعت کے ظہر ادا کریں۔ (ت)

تصویر مسئلہ فوت جمعہ سے ہے اور وہ قول توحّد پر توظاہر،

وعلیه یبتنی تعلیل الهدایة لمسألة	اور ہدایہ میں مسئلہ معذورین کی ان الفاظ میں علّت

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۶

[2] بحر الرائق شرح کنزالد قائق مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۵۴

المعذورین بقوله لما فیه من الاخلال بالجملة اذھی جامعة الجماعات [1] اھ قال فی الفتح وتبع فی البحر ھذا الوجه مبنی علی عدم جواز تعدد الجمعة فی المصر الواحد [2] الخ زاد فی البحر وھو خلاف المنصوص علیه روایة ودرایة [3] اھ **اقول:** عللہ فی لھدایة بتعلیلین الاول ماذکر والثانی ماعولتم علیه حیث قال بعدہ والمعذور قد یقتدی به غیرہ [4] اھ ولا غر وتعلیل المسألة علی کل من القولین علی ان قول التوحد ایضا قول قول فی المذھب کما یظھر مما علقنا علی ردالمحتار وقد اور دناہ فی فتاوٰنا والاعتراض بمثل ھذا علی مثل ھذا الامام من مثل ھذا الفاضل العلام مما یقضی الی العجب وقد تبع فیه الفتح ولکن الفتح انما اقتصر علی ما قدمت ثم قال وعلی الروایة المختارة عند السرخسی وغیرہ من جواز تعددھا فوجھه انه ربما یتطرف غیر المعذور الی الاقتداء بھم [5] الخ ولم یذکر ماذکر ھذا البحر فھو لیس بجرح بل شرح بتوزیع الدلیلین علی القولین واللہ الموفق۔

بیان کرنا بھی اسی پر مبنی ہے کہ اس صورت میں جمعہ میں خلل آتا ہے حالانکہ وہ تمام جماعتوں کا جامع ہے اھ فتح میں کہا اور اسی کی اتباع بحر میں ہے کہ یہ وجہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کے عدم جواز پر مبنی ہے الخ بحر میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ روایت ودرایت کے لحاظ سے یہ نص کے خلاف ہے اھ ــــــ **اقول:** ہدایہ میں اس کی دو علتیں بیان ہوئی ہیں ایک یہ جو مذکور ہے اور دوسری وہ جس پر تم نے اعتماد کیا وہاں اس کے بعد انھوں نے کہا کہ کبھی معذور کی غیر اقتداء کرلیتا ہے اھ اور کوئی حرج نہیں کیونکہ مسئلہ کی علت دونوں قولوں پر ہے ــــ علاوہ ازیں قولِ توحد بھی مذہب میں قوی قول ہے جیسا کہ ہمارے حاشیہ ردالمحتار کی تحریر سے ظاہر ہو جاتا ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے، اس طرح کا اعتراض ایسے امام پر اس طرح کے فاضل علام سے تعجب دارد، اور انہوں نے اس میں فتح کی اتباع کی ہے لیکن فتح نے اسی پر اکتفاء کیا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے، پھر کہا سرخسی وغیرہ کے نزدیک مختار روایت پر تعدد جمعہ کا جواز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات معذور کو غیر معذور کی اقتداء لاحق ہو جاتی ہے اھ اور انہوں نے ذکر نہیں کیا جو بحر نے کیا ہے پس وہ جرح نہیں بلکہ دو اقوال کی دلیلوں کی تقسیم طور شرح ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔(ت)

---

[1] الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۰

[2] فتح القدیر شرح الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۲/ ۳۵

[3] بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۴

[4] الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۰

[5] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۵

اور قول معتمد تعدد پر بھی اُس میں صور متصور، ازانجملہ یہ کہ سب جگہ نماز ہوچکی اور باقی صرف تین آدمی ہیں اور جمعہ کے لئے کم سے کم چار درکار، بہر حال یہ مسئلہ عدم جواز تعدد جمعہ بمسجد واحد میں نص نہیں، اب سوال پر نظر کیجئے فتاوٰئے لکھنؤ بعض احباب سے منگا کر دیکھا گیا اُسی حکم پر نہ کوئی سند پیش کی ہے نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا صرف صحت تعدد فرضیت جمعہ پر بنائے کار کرکے لکھ دیا کہ اس وجہ سے لازم ہے اُن لوگو کو کہ جماعت سے خطبہ اور جمعہ ادا کریں مگر دوسری مسجد میں ہو تو اولٰی ہے اور اگر اُسی مسجد میں ہو تو بھی کچھ حرج نہیں۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) صحتِ جمعہ کے لئے صرف جواز تعدد ہی کافی نہیں ع

ہزار نکتہ باریک ترز مو اینجاست

(یہاں ہزار نکتہ ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے)

ہر شخص اقامت وامامت جمعہ کا اختیار نہیں رکھتا بلکہ سلطانِ اسلام یا اس کا مامور یا علی الخلاف مامور کا نائب بنایا ہوا بضرورت، یا بلاضرورت، اور جہاں استیذانِ سلطان متعذر ہو تو جسے عامہ مومنین خطیب وامام جمعہ مقرر کرلیں تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

يشترط لصحتها السلطان اومامورہ باقامتها واختلف فی الخطيب المقرر من جهة الامام الاعظم اونائبه هل يملك الاستنابة فی الخطبة فقيل لامطلقا وقيل ان لضرورة جاز والا لاوقيل يجوز مطلقا وهوالظاهر من عباراتهم ففی البدائع كل من ملك الجمعة ملك اقامة غيرہ ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكرا مامع عدمهم فيجوز للضرورة [1] اھ ملتقطا۔	صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی طرف سے اقامتِ جمعہ پر مامور شخص کا ہونا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے کہ امام اعظم یا اس کے نائب کی طرف سے مقرر کردہ خطیب، خطبہ میں نائب بناسکتا ہے یا نہیں، بعض نے کہا ہر حال میں جائز، ورنہ جائز نہیں، اور بعض کے نزدیک ہر حال میں نائب بناسکتا ہے، فقہا کی عبارت سے یہی ظاہر ہے، بدائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جسے جمعہ کا مالک بنادیا گیا وہ اپنے علاوہ کسی کو اقامت جمعہ کے لئے تقرر کا بھی مالک ہوگا اور عام لوگوں کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں جبکہ مذکور لوگ موجود ہوں، ہاں اگر مذکورہ بالا لوگ نہ ہوں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۹۔۱۱۰

سراجیہ میں ہے:

والی مصر مات فصلی بھم خلیفۃ المیت او صاحب الشرطۃ او القاضی جازفان لم یکن ثمہ واحد منھم الناس علی رجل فصل بھم جاز [1]۔	والیِ مصر فوت ہوگیا تو جمعہ وارثِ میت پڑھائے یا محاسب یا قاضی، تو جائز ہے، اور اگر ان میں سے وہاں کوئی موجود نہیں اور لوگوں نے کسی شخص کو امام بنالیا تو تب بھی جائز ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یکن ثم قاض ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز لمکان الضرورۃ [2]۔	اگر وہاں قاضی اور خلیفہ میت نہ ہو اور لوگ کسی ایک شخص کو امام بنالیں تو یہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہوگا، (ت)

تہذیب وہندیہ میں ہے:

لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز [3]۔	اگر امام سے اجازت متعذر ہو اور لوگ کسی ایک آدمی کو امام بنالیں تو جائز ہے۔(ت)

اور پر ظاہر کہ کلام اُسی صورت میں ہے جبکہ پہلا جمعہ صحیح ادا ہولیا ورنہ مسجد واحد میں تعددِ جمعہ کہا، اور دُوسری مسجد میں اولویت کا کیا منشاء، تو ضرور ہے کہ پہلی نماز اسی نے پڑھائی جو اس مسجد میں اقامتِ جمعہ کا مالک تھا اب یہ دوبارہ وہیں جمعہ پڑھانے والا دو۲ حال سے خالی نہیں عـــہ یا اس مالک اقامت کے اذن سے پڑھائے گا یا بے اذن اول کی طرف راہ ممنوع کہ یہاں اذنِ مالک نہیں، مگر انابت اور بعد اس کے کہ آج کا جمعہ خود اصل پڑھا چکا اقامت شعار ہوچکی، جمعہ امروز میں انابت کے کوئی معنی نہیں کہ انابت تحصیل ناحاصل کے لئے ہوتی ہے نہ تحصیل حاصل کے واسطے نہ نائب ومنیب ایک امر میں جمع ہوسکیں اور آیندہ جمعہ کے لئے اذن جمعہ امروز کا اذن نہیں تو شق ثانی ہی متعین ہوئی اور جمعہ میں غیر امامِ جمعہ کی امامت بے اذن امامِ جمعہ باطل ہے سراجیہ میں بعد عبارت

عـــہ: بقی ان لو وجد واماما معینا ماذونا ح (م)	(یہ احتمال باقی رہ گیا کہ عام لوگ کسی مقررہ اذن والے شخص کو پائیں۔ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خان باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۶

مذکورہ ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذا اقتدی به من له ولایة الجمعة[1]۔	اگر بغیر اذنِ خطیب نماز پڑھائی تو جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب اس کی اقتداء کسی ایسے شخص نے کی جو ولایت جمعہ رکھتا تھا۔(ت)

دُرمختار میں ہے: واقرہ شیخ الاسلام[2] (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا۔ت) خانیہ وہندیہ وردالمحتار میں ہے:

رجل خطب یوم الجمعة بغیر اذن الامام والامام حاضر لایجوز ذلك الاان یکون لامام امرہ بذلك[3]۔	کسی شخص نے اذنِ امام کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اس کا حکم دیا ہو۔(ت)

نہ اس مسجد میں آج کے جمعہ کو امام کی ضرورت، نہ معدودے چند عامہ ناس ہیں ورنہ جمعہ سے بڑھ کر عیدین کبھی کسی شخص کو فوت نہ ہوں جبکہ اپنے ساتھ ایک ہی پاسکے کہ انھیں نماز مل جانی ضرورت قرار پائے اور ان میں ایک کا دوسرے کو امامِ عید مقرر کرلینا قائم مقام امامتِ سلطانِ اسلام ٹھہرے اور تمام مسائل کہ فوتِ جمعہ وہ عیدین پر بنتی ہیں باطل ہوجائیں وهذا الا یقول به عاقل فضلا عن فاضل (یہ بات تو کوئی معمولی عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ت) تو حق یہ ہے کہ اس مسجد میں درکنار کسی دوسری مسجد میں بھی جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو خواہ مکان یا میدان میں کسی جگہ یہ لوگ جمعہ پڑھ سکتے بلکہ اپنی ظہر تنہا تنہا پڑھیں، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

کرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة وبعدها لتقلیل الجماعة وصورة المعارضة[4]۔	جمعہ سے پہلے اور اس کے بعد شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کا جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں قلّت جماعت اور صورت تعارض لازم آتی ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعہ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ص ۱۷

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[4] درمختار الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۲

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لمعذور وکذا غیرہ بالاولٰی[1] اھ فانت تعلم انھم انما احوجھم الی اداء الظھر انھم لایقدرون علی اقامۃ الجمعۃ فارشدوا الی صلٰوتھا فرادی کما لایخفی علی من رزق العقل سلیم والفھم المستقیم واللہ تعالٰی اعلم۔	قولہ معذور، غیر معذور کا بطریق اولٰی یہی حکم ہے اھ در آب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اداء ظہر کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ وہ اقامتِ جمعہ پر قادر ہی نہیں لہذا علماء نے تنہا نماز ظہر ادا کرنے کی تلقین کی، جیسا کہ ہر شخص پر مخفی نہیں جسے اللہ تعالٰی نے اعقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو امام درمیان میں پردہ ڈال کر جمعہ پڑھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد میں دودفعہ جمعہ پڑھنا جائز ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: عدمِ جواز بمعنی گناہ تو جمیع فرائض میں ہے صورتِ سوال سے ظاہر کہ دیدہ ودانستہ دو جماعتیں بالقصد اس طرح کیں اور کسی فرض کی دو جماعتیں ایک مسجد ایک وقت میں بالقصد قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، دونوں فریق یاالاقل دونوں میں سے ایک ضرور گنہگار ہوگا کہ جماعت فرائض کی ایسی تفریق صراحۃً بدعت سئیہ شنیعہ ہے، اگر دونوں امام میں صرف ایک صالح امامت بلاکراہت ہے، مثلاً دُوسرا فاسق معلن یابدمذہب ہے جب تو کراہت صرف اس دوسرے پر ہے، اور اگر دونوں صالح تو جس کی نیت پہلے بندھ گئی اس پر الزام نہیں دوسرے پر ہے، اور معًا باندھیں تو دونوں پر۔ خلاصہ وہندیہ میں ہے:

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اھل الخارج وأمھم وقام امام من اھل الداخل فأمھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم۔[2]	کچھ لوگ مسجد داخل میں اور کچھ لوگ مسجد خارج میں بیٹھے تھے مؤذن نے تکبیر کہی، اہلِ خارج میں سے امام نے اور اہل داخل میں سے بھی امام نے جماعت کرائی، ان میں سے جس نے پہلے شروع کی وہ امام اور اسی کے لوگ مقتدی ہوں گے اور ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

[1] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی الامامت فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

ردالمحتار باب ادراک الفریضہ میں ہے:

لوکان مقتدئابمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھر ط ان الاول لوفاسقا لایقطع ولو مخالفا وشك فی مراعاتہ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی فی کراھۃ تنزیھیۃ کالاعمی والاعرابی بخلاف الفاسق[1] الخ	اگر کسی نے ایسے شخص کی اقتداء کی جس کی اقتدامکروہ تھی پھر ایسے امام نے جماعت شروع کی جس میں کراہت نہ تھی تو کیا وہ مقتدی قطع کرکے دوسرے کی اقتداء کرے، ط نے اس کو ظاہر کہا کہ اول اگر فاسق ہے تو قطع نہ کرے اور اگر مخالف مسلک رکھتا ہے اور اس سے دوسرے مسلک کی رعایت مشکوک ہے تو پھر قطع کرے، اقول اس کا عکس اظہر ہے کیونکہ دوسرے میں کراہت تنزیہی ہے جیساکہ نابینا یا اعرابی میں ہے بخلاف فاسق کے الخ۔(ت)

اور جمعہ میں تو جواز بمعنی صحت ہی نہیں کم سے کم ایک فریق کا جمعہ سرے سے ادا ہی نہ ہوگا، صحتِ جمعہ کی شرائط سے ایک یہ بھی ہے کہ بادشاہِ اسلام یا اس کا مامور اقامت کرے یعنی سلطان خود یا اُس کا ماذون خطبہ پڑھے، امامت کرے اور جہاں یہ صورت متعذر ہو جیسے ان بلادِ ہندوستان میں کہ ہنوز دارالاسلام ہے وہاں بضرورت نصب عامہ کی اجازت یعنی عام مسلمین جسے امام مقرر کرلیں۔

فی التنویر والدر یشترط لصحتھا السلطان او مامورہ باقامتھا وقالوا یقیمھا امیر البلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ ونصب العامۃ غیر معتبرمع وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ[2] اھ ملتقطا	تنویر اور در میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی اقامت کے لئے سلطان کا مامور ہونا شرط ہونا ضروری ہے، فقہانے فرمایا ہے کہ جمعہ شہر کا امیر، پھر محاسب پھر قاضی پھر وہ شخص قائم کرسکتا ہے جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو، ان لوگوں کی موجودگی میں عوام کا تقرر معتبر نہیں البتہ جب ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا(ت)

پر ظاہر کہ کسی مسجد کے لئے دوامًا جمعہ علٰی وجہ الاجتماع کہ دونوں امامت جمعہ واحدہ کریں مقرر نہیں ہوتے خصوصًا ہمارے بلاد میں امر اور بھی اظہر کہ نصب عامہ صرف بضرورت اقامت شعار معتبر، اور یہ ضرورت امام واحد سے مرتفع، تو ایک جمعہ میں ایک مسجد میں دو امام کا جمع باطل ومتدفع، پس صورتِ مستفسرہ میں اُن دونوں میں جو اُس مسجد کا امام معین جمعہ نہ تھا اُس کا اور اس کے مقتدیوں کا جمعہ ادا نہ ہوا، اور اگر دونوں نہ تھے تو کسی کا

---

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۰۔۱۰۹

نہ ہوا، یہیں سے صورتِ اخیرہ کاجواب بھی ظاہر، اور اگر بفرض باطل صورت صحت تسلیم بھی ہو جو ہر گز لائق تسلیم نہیں تو اس کے سخت مخالف مقصود شرع وبدعت شنیعہ سیسہ ہونے میں کلام نہیں، جمعہ میں ایک مذہب قوی یہ ہے کہ شہر بھر میں ایک ہی جگہ ہو سکتا ہےاور بعض نے دو جگہ اجازت دی اور بعض نے بیچ میں نہر فاصل ہونے کی شرط کی، مفتی بہ جواز تعدد ہے مگر یہ تعدد کہ ایک ہی دن ہی مسجد میں دس بار امامتِ جمعہ ہو کہ جیسے دو ۲ ویسی ہی سو ۱۰۰، یہ بلاشبہ ابتداع فی الدین ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰۳: از کانپور محلّہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایہاالعلماء لکرام (اے علمائے کرام! تمھارا قول کیا ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ خطبہ یا عیدین کو عربی میں پڑھ کر اُردو ترجمہ کرنا یا صرف اردو میں بطور وعظ کے خطبہ ادا کرنا یا بعض حصہ عربی و بعض اردو میں پڑھنا یا چند اشعار ترغیبًا وترہیبًا عربی یا غیر عربی میں پڑھنا مع النثر اولا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سوال چند امور پر مشتمل:

اوّل: جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھ کر اُردو ترجمہ کرنا۔ **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) قضیۂ نظر فقہی یہ ہے کہ یہ امر عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند اور اس کا ترک احسن اور بعد ختم خطبہ، نہ بنیت خطبہ بلکہ قصد پند و نصیحت جداگانہ ہو تو جائز وحسن اور جمعہ میں مطلقًا مکروہ و نامستحسن، دلیل حکم ووجہ فرق یہ کہ زبانِ برکت نشان رسالت سے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبانِ عربی مذکور وماثور اور باآنکہ زمانہ صحابہ میں بحمد اللہ تعالٰی اسلام صدہا بلاد عجم میں شائع ہوا، جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، باوصف تحقیق حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دوسری زبان کا خلط سنت متوارثہ کا مخالف ومغیر ہےاور وہ مکروہ،

کما بیناہ فی فتاوٰنا وذکرنا ثم الفرق بین الکف والترك فتثبت ولاتتخبط۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیااور وہاں ہم نے کف اور ترک کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے اس پر ثابت رہو اور انتشار کا شکار نہ ہوں۔(ت)

مگر عیدین میں خطبہ بعد نماز ہے تو وہ مستوعد وقت نہیں ہو سکتا نیت قطع اپنا عمل کرے گی اور بعد فراغ خطبہ کہ تمام امور متعلقہ نماز عید منتہی ہوگئے، مسلمان کو تذکیر و تفہیم ممنوع نہیں بلکہ مندوب، اور خود سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، بخاری ومسلم ودارمی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی

سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر اواضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ [1]۔	میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحٰی کے دن نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انھیں وعظ ونصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ (ت)

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن [2]۔	پھر اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا، جب بنی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، اس کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لاکر انھیں نصیحت و تلقین فرمائی۔ (ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں: انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید [3] (آپ خواتین کے اجتماع میں خطبہ عید سے فراغت کے بعد تشریف لے گئے۔ت) بخلاف جمعہ کہ اس میں خطبہ قبل نماز ہے اور شروع تذکیر سے اغازِ تکبیر تک اُسی تکبیر تک اُسی کا وقت ہے ولہٰذا فصل بہ اجنبی ناجائز، یہاں تک کہ اگر فصل طویل حاصل ہو خطبہ زائل اور اعادہ لازم، ورنہ نماز باطل ہو، اور غیر اجنبی سے بھی فصل پسندیدہ نہیں اور اعادہ خطبہ اَولٰی۔

فی الدر المختار لو خطب جنبا ثم اغتسل وصلی جاز [4] (ای ولا یعد الغسل فاصلا لانہ من اعمال الصلوٰۃ ولکن الاولی اعادتھا کما لو تطوع بعدھا کما فی البحر۔ [5] ش) ولو فصل باجنبی فان طال بان رجع لبیتہ فتغدی	در مختار میں ہے اگر کسی نے جنبی حالت میں خطبہ دیا پھر غسل کیا اور نماز پڑھائی تو جائز ہے (یعنی غسل کو (خطبہ اور نماز کے درمیان) فاصل نہ شمار کیا جائے گا کیونکہ وُہ بھی نماز کے اعمال میں سے ہے لیکن اعادہ خطبہ بہتر ہے جیسا کہ اگر خطبہ کے بعد نوافل ادا کئے، جیسا کہ بحر

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان الی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب المشی والرکوب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

[3] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین باب المشی والرکوب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۹

[4] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱

[5] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۰

او جامع واغتسل استقبل، خلاصة ای لزوما لبطلان الخطبة سراج [1] اھ مزیدا من الشامی	میں ہے ش)اور اگر کسی جنبی کا فاصلہ ہوگیا پس اگر وہ طویل تھا مثلاً گھر آیا اور کھانا کھایا یا جماع کیا اور غسل کرکے واپس لوٹا تو نئے سرے سے خطبہ دے خلاصہ، یعنی اب خطبہ دوبارہ دینا لازمی ہے کیونکہ پہلا ختم ہو چکا ہے سراج اھ یہ اضافہ شامی سے ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ خطبہ خواندہ کا ترجمہ یا اور مواعظ و نصائح جو اس وقت میں واقع ہوں گے انھیں مقاصد و مظامین خطبہ پر مشتمل ہوں گے ______ تو وقت خطبہ میں ایقاع تذکیر بہ نیت تذکیر قطعاً اُسے داخل خطبہ کرے گا اور نیت قطع بے معنی رہے گی کہ عمل وواقع صراحۃً اس کا مکذب ہوگا

کمن نوی ان لا یاکل اولا یشرب وھو اکل وھو شارب بالجملة فنیة التذکیر فی ھذا الوقت عین نیة الخطبة لیست الخطبة الاھذا ولذ اصرحوا ان الخطیب کلما تکلم بکلام یامر فیه بمعروف او ینھی عن منکر فانه یعد من الخطبة وان خاطب به رجلا معینا لحاجة مخصوصة کما سیأتی۔	جیسے کہ کسی شخص نے نیت کی کہ وہ نہیں کھائے گا یا نہیں پئے گا اور درانحالیکہ وہ کھا رہا ہے یا پی رہا ہے، الغرض اس موقعہ پر تذکیر کی نیت بعینہٖ نیت خطبہ ہے کیونکہ خطبہ تذکیر ہی ہوتا ہے اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خطبہ دینے والا کوئی ایسا کلام کرے جس میں نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت ہو تو اسے خطبہ ہی کہا جائے گا اگرچہ وہ کسی مخصوص حاجت کی وجہ سے کسی سے مخاطب ہو رہا ہو جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔(ت)

اور اگر بالفرض قطع ہی مانیے تو خطبہ و نماز میں فصل لازم آئے گا اگرچہ غیر اجنبی سے تو سنت مستمرہ وصل کے خلاف ہوگا بہر حال خالی از کراہت نہیں **ھذا ما ظھر لی وباللّٰه التوفیق**

دوم: صرف اردو خطبہ اس کی کراہت بیان بالا سے اظہر وازہر خصوصاً جبکہ یہ صرف اپنی صرافتہ محضہ پر ہو کہ اب تو اس کا مکروہ و شنیع ہونا صراحۃً منصوص کہ خطبہ میں تلاوتِ قرآن عظیم کا ترک بُرا ہے۔

فی الھندیة فی ذکر سنن الخطبة الحاوی عشر قرائة القراٰن وتارکھا مسیئی ھکذا فی البحر الرائق ومقدار ما یقرأ فیھا من القراٰن ثلث اٰیات قصار اواٰیة طویلة کذا	فتاوٰی ہندیہ میں سننِ خطبہ کے بیان میں ہے کہ گیارھویں سنت خطبہ میں قرآن پڑھنا ہے اور اس کا ترک گناہ ہے، اسی طرح بحر الرائق میں ہے اور اس کی تعداد تین چھوٹی آیاتِ یا ایک بڑی آیت ہے

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۱

جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں ہے (ت)	فی الجوھرۃ النیرۃ[1]۔

سوم: کچھ عربی کچھ اردو اس کا حال بھی بیان سابق سے واضح ہوچکا مگر جب امام بحالتِ خطبہ کوئی امر منکر دیکھے تو اُس سے نہی کیا ہی چاہئے اور جب وہ عربی سمجھتا یا امام خود عربی میں کلام کرنا نہیں جانتا تو ناچار زبان مقدور و مفہوم کی طرف رجوع ہوگی یہ کلام جو خطبہ میں ہوگا خطبہ ہی ہوگا کہ امر بالمعروف بھی اُس کے مقاصد حسنہ سے ہے

درمختار میں ہے خطبہ میں گفتگو مکروہ ہے البتہ نیکی کا حکم جائز ہے کیونکہ یہ خطبہ کا حصہ ہے۔ (ت)	فی الدرالمختار یکرہ تکلمہ فیھا الا لا مر بمعروف لانہ منھا[2]۔

یُوں ایک حصہ خطبہ اردو میں ہونا البتہ مکروہ نہیں بلکہ واجب تک ہوسکتا ہے جبکہ ازالہ منکر اسی میں منحصر ہو۔

چہارم: محض اشعار پر قناعت یہ ضرور مکروہ واسائت وخلاف سنت و موجب ترک تلاوت، اور اگر ایک آیت طویلہ یا تین آیت قصیرہ کو نظم کرکے لائیں تو اول تو غالبًا یہ بلا تغییر نظم قرآن نامتیسر اور بعد تغییر نظم تلاوت نہ رہے گی اگرچہ اقتباس ہو، اور اگر بن بھی پڑے تو ادائے سنت تلاوت کے لئے قرآن مجید کو منظوم کرکے پڑھنا ترک قرائت سے اشد واشنع ہے، قرآن عظیم شعر سے پاک و منزّہ اور اپنے شعر بننے کی گوارش سے متعالی وارفع ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ[3] (اور ہم نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم ہی نہیں دی اور نہ ہی یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ ت) تو اس طور پر قصد لاوت صریح اساءت ادب ہے۔

اس سے وہ اقتباس الگ ہوگیا جس سے مقصد تلاوت قرآن نہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق یہ مشہور اور مروج ہے۔ (ت)	وبہ فارق الاقتباس الذی لا یرادفیہ تلاوۃ القراٰن فانہ شائع سائغ علی الاصح۔

اور یُوں بھی نظم پر اقتصار میں بلاوجہ کلماتِ ماثورہ وطریقہ متوارثہ سے اعراض ہے تو اُس سے اعراض ہی چاہئے۔

پنجم: بعض اشعار محمودہ ملائمہ داخل کرنا یہ اگر زبان عجم ہوں تو وہی امر سوم ہے ورنہ کچھ حرج نہیں خصوصًا جبکہ احیانًا ہو کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی۔

جیسا کہ عسکری نے کتاب المواعظ میں ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کے بارے میں اپنے فتاوٰی میں بھی گفتگو کی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)	کما رواہ العسکری فی کتاب المواعظ وقد ذکرنا حدیثہ فی فتاوٰنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] درمختار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۱۱

[3] القرآن ۳۶/ ۶۹

مسئلہ ۱۳۰۴: از کانپور محلّہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علماء کرام تمھارا کیا قول ہے) اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز میں جو اخیر میں دو رکعت ظہر کی سنت پڑھتے ہیں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ کے بعد ظہر کی سنت کا کوئی محل ہی نہیں، نہ ضرورت بمعنی وجوب سنن میں محتمل۔ ہاں جمعہ کی سنت بعدیہ میں اختلاف ہے، اصل مذہب میں چار ہیں وعلیہ المتون (متون میں اس بات کا تذکرہ ہے۔ت) اور احوط وافضل چھ ہیں۔

وھو قول الامام ابی یوسف وبه اخذ اکثر المشائخ کما فی فتح الله المعین عن النھر عن العیون والتجنیس وھو المختار کما فی جواھر الاخلاطی وھوا لثابت بالحدیث کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	امام ابو یوسف کا یہی قول ہے اور اسی پر اکثر مشائخ کا عمل ہے جیسا کہ فتح اللہ المعین میں نہر سے اور وہاں عیون اور تجنیس سے ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ ہمارے فتاوٰی میں اس کی تفصیل ہے (ت)

مگر جب صحتِ جمعہ میں نزاع واشتباہ کے باعث خواص چار رکعت احتیاطی بہ نیت آخر ظہر پڑھیں تو انھیں چاہئے بعد جمعہ چار سنتیں پھر وہ چار رکعتیں پڑھ کر اُن کے بعد یہ دو سنتیں نہ نیت سنت وقت پڑھیں، جمعہ یا ظہر کی تعیین نہ کریں کہ نیت ہر احتمال کو اشتمال رکھے اور ہر طرح یہ سنتیں اپنے موقع پر بالاتفاق واقع ہوں۔

فی ردالمحتار عن شرح المنیة الصغیر والاولی ان یصلی بعد الجمعة سنتھا ثم الاربع بھذہ النیة ای نیت اٰخرظھر ادرکته ولم اصله ثم رکعتین سنة الوقت فان صحت الجمعة یکون قد ادی سنتھا علی وجھھا والا فقد صلی الظھر مع سنته[1]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم	ردالمحتار میں شرح منیۃ الصغیر کے حوالے سے ہے کہ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنن ادا کی جائے پھر چار رکعات اس نیت سے یعنی آخری ظہر کی نیت سے کہ سے میں نے پایا مگر ادا نہ کیا پھر دو وقتی دو سنتیں ادا کرے اب اگر جمعہ صحیح ہو گیا تھا تو اس کی سنن اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئیں اور اگر جمعہ صحیح نہیں تو ظہر کی سنتوں کے ساتھ ادا ہو گی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۷

مسئلہ ۱۳۰۵: از چھاونی فیروز پور صدر پنجاب محلّہ لال ڈگی مرسلہ مولوی فضل الرحمان صاحب ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ
بخدمت حضرت مخدوم و معظم مقبول السبحان حضرت مولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیضہ القوی، السلام علیکم وعلی لدیکم مصدع خدمت خدام والا ہوں کہ ایک مسئلہ کی دو[۲] صورتیں ارسال خدمت شریف کرکے گزارش کہ بتفضلات کریمانہ جواب باصواب سے معزز و ممتاز فرمائیں جزاکم اللہ خیر الجزاء (اللہ تعالٰی آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ت) نیاز مند قدیمی فقیر محمد فضل الرحمٰن۔

مبسلا وحامدا ومصلیا ومسلما امابعد پس واضح رہے کہ بحدیث آمدہ بخطبہ جمعہ ہر کہ دیگرے رامی گوید کہ خاموش باش یاسنگریزہ رامس کرد اور اثواب جمعہ نباشد کہ او عبث ولغو کرد۔	حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ جمعہ میں اگر ایک دوسرے کو کہے خاموش ہو جا یا سنگریزے کو مَس کر دیا تو اسے جمعہ کا ثواب حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایک عبث ولغو کام کیا ہے۔(ت)

نیز خطبہ جمعہ میں حاضرین نے آپ سے کہا کہ بارش کی دُعا کیجئے، آپ نے ہاتھ اٹھاکے دعا کی تھی اور تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے تھے تو آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا کہ بند ہونے بارش کی دعا کیجئے، آپ کے دعا کرنے سے فوراً مینہ بند ہوگیا تھا، بخاری ومسلم [عـــہ۱]، تو دونوں مقاموں سے معلوم ہوا کہ عبث کام کے لئے بولنا، ہاتھ کا ہلانا جمعہ کے خطبہ میں مکروہ ہے اور نیک کار کے لئے مکروہ ہرگز نہیں، اس استدلال کی اگر سمجھ نہ آئے تو بفتاوی عالمگیریہ نقلاً عن المحیط وغیرہ موجود ہے کہ بخطبہ جمعہ:

اذالم یتکلم بلسانه لکنه اشار بیدہ او برأسه اوبعینه نحوان رأی منکرا من انسان فنهاہ بیدہ [عـــہ۲] اواخبر بخبر فأشار برأسه الصحیح انه	اگر اس نے زبان سے کلام نہیں کیا لیکن ہاتھ یا سر آنکھ سے اشارہ کیا مثلاً کوئی بُرا کام دیکھا اور اسے ہاتھ سے روکا یا اسے کسی نے خبر دی تو اس نے سر سے

عـــہ۱: باب خطبہ جمعہ وباب استسقاء کے دیکھنے سے یہی حاصل ہے۔(م)
عـــہ۲: مثلاً اگر دیکھے کسی کو کہ دوسرے کو کہتا ہے چپ کر یا سنگریزہ کو مس کرتا ہے تر دیکھنے والا اس کو ہاتھ یا سر یا آنکھ کے اشارے سے منع کرے کہ یُوں نہ کر تو منع کنندہ لاباس بہ میں داخل ہے اور جس کو اس نے منع کیا ہو لغو وعبث کنندگان سے شمار کیا جائے گا۔ فتدبر (م)

لاباس به اما دراسة الفقه وکتابته عند البعض مکروه وقال البعض لاباس[1] به (ملخصا تقدمًا وتاخرًا) انتهی۔	اشارہ کیا تو صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن فقہ کی تدریس وکتابت بعض کے ہاں مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں انتہی (ت)

پس ان سب روایتوں کے استدلال سے جو کوئی خطبہ اولٰی بقدر سنت سن کے باقی کو سنتا رہے اور حاضرین کو جو گرمی میں ہوا کی حاجت وضرورت ہوتی ہے سب کو ہوا کرنے لگے تاکہ اطمینان سے خطبہ سنیں لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) بیشک یہ شخص ثوابِ جمعہ سے محروم نہ رہے گا۔

اذا المقصود من الانصات ملاحظة معنی الخطبة واشتغال قلوب السامعین بالحر یفوت ذلك کذا یستفاد من فتاوی حموی۔	کیونکہ خطبہ کی طرف کان لگانے سے مقصود یہی ہے کہ معانی خطبہ سے اگاہی ہو، لیکن سامعین کے دلوں کا گرمی کی وجہ سے پریشان ہونا اسے فوت کرنے کا ذریعہ ہے فتاوٰی حموی سے یہی مستفاد ہے۔(ت)

دیکھو جنت میں بروز جمعہ سب مومنوں کو ایک مکان میں جمع کرکے باری تعالٰی بھی ہوا شمالی چلائے گا تاکہ باطمینان دیدار حق سبحانہ تعالٰی سے مشرف ہوا کریں گے، اس ہوا کا نام میثرہ ہے کہ کستوری کی خوشبوئی کا اثر رکھتی ہوگی کما فی مسلم (جیساکہ مسلم شریف میں ہے۔ت)

ثانیًا اس ہوا کنندہ قوم کو بخطبہ جمعہ گرمی کے مارے خود ہوا کی سخت حاجت وضرورت ہوتی ہے تو اُس نے اپنی اس راحت پر راحت کو مقدم کیا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَةٌ[2] (وہ اپنی ذاتوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھوکے ہوتے ہیں۔ت) کے گرد میں داخل ہوکے درجہ مفلحون کا پایا، یہ آیت سورہ حشر کی بخاری واشباہ وفتاوٰی حموی میں موجود ہے اور کتاب وسنت کا حکم عام ہے۔

لان العبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورد کما قرر فی الاصول۔	کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے مخصوص واقعہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا جیساکہ اصول میں مسلمہ ہے۔(ت)

خطبہ جمعہ بقدر ایک تسبیح کے فرض اور تین آیات قصیرہ یا ایک آیت طویلہ پڑھنا وشہادتین ودرود پڑھنا اور پند ونصیحت قوم کو کرنا خطیب پر سنت اور خطبہ ثانیہ نیز سنت ہے اور بعضوں کے نزدیک خطبہ اولٰی بقدر تمام التحیات کے فرض ہے فتدبر۔ راقم دعاگو خیر خواہ فقیر غلام النبی عنہ باسمہ سبحٰنہ وتعالٰی شانہ،۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] القرآن ۵۹/۹

الجواب:

ھو الموفق بالحق والصواب (وہ حق اور درستی کے ساتھ توفیق دینے والا ہے۔ت) بر ضمائر اربابِ صدق و صفاد اصحاب فطنت وذکا مخفی ومحتجب نہ رہے کہ جو افعال اثنائے نماز میں حرام ہیں وہی خطبہ میں بحالتِ استماع خطبہ گفتگو کرنا یا بادکشی کرنا جو مضر اور مخالف استماع خطبہ ہے ممنوع اور غیر مشروع ہے ہرگز درست نہیں مرتکب اس کا خاطی وسخت گناہ گار ہے، عالمگیریہ میں ہے:

ویحرم فی الخطبة مایحرم فی الصلٰوۃ حتی لا ینبغی ان یاکل او یشرب والامام فی الخطبة ھکذا فی الخلاصة[1] ص ۵۳۔	خطبہ کے دوران ہر وہ شیئ حرام ہے جو نماز میں حرام حتی کہ امام کے خطبہ کے وقت کھانا وپینا مناسب نہیں اسی طرح خلاص ص ۵۳ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

(وکل ماحرم فی الصلٰوۃ حرم فیھا) ای فی الخطبة خلاصة وغیرھا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحا اوردسلام او امرا بمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت[2]۔	(جو کچھ نماز میں حرام ہے اس (خطبہ) کے دوران بھی حرام ہے) خلاصہ وغیرہ، پس کھانا پینا، کلام کرنا اگرچہ سبحان اللہ کہنا، سلام کا جواب دینا یا نیکی کا حکم ہو اس دوران ناجائز ہے بلکہ واجب ہے کہ خطبہ سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے۔(ت)

شامی میں ہے:

قولہ بل یجب علیہ ان یستمع ظاھرہ انہ یکرہ الاشتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما وبہ صرح القھستانی حیث قال اذا الاستماع فرض کما فی المحیط اوواجب کما فی صلٰوۃ المسعودیة اوسنة[3] الخ۔	قولہ "بلکہ خطبہ کا سننا واجب ہے" کا ظاہر واضح کر رہا ہے ہر وہی شیئ پڑھنا جس سے سماع خطبہ فوت ہو وہ مکروہ ہے اگرچہ وہ کلام نہ ہو، اسی کی تصریح کرتے ہوئے قہستانی نے کہا کیونکہ خطبہ کا سننا فرض ہے جیسا کہ محیط میں یا واجب ہے جیسے کہ صلٰوۃ المسعودیہ میں یا سنت ہے الخ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[3] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۶

شرح وقایہ میں ہے:

واذا خرج الامام محرم الصلٰوۃ والکلام حتی یتم خطبته[1]۔	جب امام (خطبہ کے لئے نکل آئے تو نماز و کلام حرام ہوجاتی ہے یہاں تک کہ خطبہ مکمل ہوجائے۔(ت)

شرح نووی میں ہے:

قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومن مس الحصا فقد لغافیه النهی عن مس الحصا وغیرہ من انواع العیث فی حال الخطبة وفیه اشارۃ الی اقبال القلب والجوارح علی الخطبة[2]۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اور جس نے سنگریزے کو مس کیا اس نے لغو کام کیا، اس فرمان میں سنگریزے وغیرہ کو مس کرنا جیسے کاموں سے حالت خطبہ میں آپ نے منع فرمایا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل اور اعضاء کو خطبہ کی طرف لگایا جائے۔(ت)

لُب اور خلاصہ عبارات متذکرہ بالا کا یہ ہے کہ اثنائے خطبہ میں باد کشی وغیرہ لغو افعال جو مانع استماع خطبہ وتوجہ قلب اور اعضائے انسانی کے ہیں ناجائز ہیں اور فاعل اس کا بجائے اس کے کہ مستحق ثواب کا ہو مرتکب گناہ کا ہوگا۔ **المجیب محمد فضل الرحمٰن** ساکن صدر بازار کیمپ فیروز پنجاب۔

الجواب:

تحریر ثانی صحیح ہے اور رائے نجیح فی الواقع فعل مذکور گناہ وحرام، اور اس کا فاعل مرتکب آثار، اور اُس میں ثواب طمع خام، اور تحریر اول سراسر اوہام، خلاصہ وبزازیہ وخزانۃ المفتین ومجتبی وجلابی وحلیہ وجامع الرموز وبحر الرائق ونہر الفائق ومراقی الفلاح وتنویر الابصار ودر مختار وطحطاوی علی المراقی ومنحۃ وہندیہ ومنحۃ الخالق وغیرہا عامہ کتب مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے، خلاصہ وعلمگیریہ ومتن وشرح تنویر کی عبارات کلام مجیب میں گزریں اور عبارت خزانۃ المفتین بعینہا عبارت خلاصہ ہے اور اُسی سے بحر وحاشیہ البحر للعلامۃ الشامی میں بہ نقل نہر ماثور۔ وجیز امام کردری میں ہے:

مایحرم فی الصلٰوۃ یحرم فی الخطبة کالاکل والشرب حال الخطبة[3]۔	جو کچھ نماز میں حرام ہے خطبہ میں بھی حرام ہے مثلاً خطبہ کے دوران کھانا پینا۔(ت)

[1] شرح وقایہ، باب الجمعۃ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی بھارت ۱/ ۲۴۴

[2] شرح مسلم مع مسلم کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۸۳

[3] فتاوی بزازیہ علٰی ہامش الفتاوی الہندیہ الثالث والعشرون فی الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۴

شرح منیہ امام محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی میں ہے:

کما یکرہ الکلام بانواعہ یکرہ مایجراہ من کتابۃ ونحوھا مما یشغل عن ساعھا حتی ان فی شرح الزاھدی ویکرہ لمستمع لخطبۃ مایکرہ فی الصلٰوۃ کالاکل والشوب والعبث والالتفات[1]۔	جیسے ہر طرح کی گفتگو منع ہے ویسے ہی اس کے قائم مقام مثلاً کتابت وغیرہ جو خطبہ کے سماع میں خلل ڈالے حتی کہ شرح الزاہدی میں ہے کہ خطبہ کے سامع کے لئے ہو وہ شیئ مکروہ ہے جو نماز میں مکروہ ہے مثلاً کھانا پینا، عبث فعل اور کسی طرف متوجہ ہونا وغیرہ (ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ شرح نورالایضاح میں بحوالہ شرح الکنز للعلامۃ عمر بن نجیم وشرح القدوری لمختار بن محمود سے نقل کیا۔ شرح نقایا علامہ محمد قہستانی میں ہے:

کما منع الکلام منع الاکل والشرب العبث والالتفات والتخطی وغیرھا مما منع فی الصلٰوۃ کما فی جلابی[2]۔	جس طرح گفتگو منع ہے اسی طرح کھانا پینا عبث کام، کسی اور طرف متوجہ ہونا اور خط وغیرہ کھینچنا جو کہ نماز میں ممنوع ہیں منع ہیں جیسا کہ جلابی میں ہے۔ (ت)

متن وشرح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

(کرھہ لحاضر الخطبۃ الاکل والشرب) وقال الکمال یحرم (والعبث والالتفات) فیجتنب ما یحتنبہ فی الصلٰوۃ[3] اھ باختصار۔	(خطبہ میں حاضر شخص کے لئے کھانا پینا مکروہ ہے) کمال نے کہا حرام ہے (بے فائدہ کام کسی اور طرف متوجہ ہونا) پس ہر شے سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے نماز میں اجتناب کیا جاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

غنیہ شرح منیہ للعلام ابراہیم الحلبی میں ہے:

الاستماع والانصات واجب عندنا وعند الجمھور حتی انہ یکرہ قراءۃ القراٰن ونحوھا وردالسلام تشمیت العاطس وکذاالاکل والشرب وکل عمل[4]۔	خطبہ سننا اور اُس کی طرف متوجہ ہونا ہمارے اور جمہور کے نزدیک واجب ہے حتی کہ اس کے دوران قراءتِ قران وغیرہ، سلام کا جواب، چھینک کا جواب مکروہ ہے اور اسی طرح کھانا پینا اور ہر عمل کا یہی حکم ہے (ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح بحوالہ النہر عن البدائع مفہوماً باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

[2] جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ جمعہ مطبوعہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۸

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۳

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ بادکشی مذکور نمازی کو بحالت نماز حلال ہے حاشا قطعًا حرام ہے تو حسب تصریحات متوافرہ ائمہ وعلمائے معتمدین بحالت خطبہ بھی حرام وموجب آثام ہے یہیں سے اُس روایت اشارہ بچشم وسرودست کا بھی جواب ظاہر ہوگیا کہاں کسی منکر یا اور کسی حاجت کے لئے ایک اشارہ کردینا اور کہاں حالتِ خطبہ میں حاضرین کو پنکھا جھلتے پھرنا، یہ قیاس فاسد اگر صحیح ہو تو یہ حرکت نماز میں بھی جائز ٹھہرے کہ ایسا اشارہ تو عین نماز میں بھی حرام نہیں، مثلًا کوئی شخص نمازی کو سلام کرے یا نمازی سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دے یا کوئی کچھ مانگے یہ ہاں یا نہ کا اشارہ کردے، یا کوئی پوچھے کے رکعتیں ہوئیں، یہ انگلیوں کے اشارہ سے بتادے یا کوئی روپیہ دکھا کر کھوٹا کھرا پوچھے یہ ایما سے جواب دے دے تو یہ سب صورتیں اگرچہ مکروہ ہیں مگر حرام ومفسدِ نماز نہیں، درمختار باب مفسدات الصلٰوۃ میں ہے:

(وردالسلام) ولو سهوا (بلسانه) لا بيده بل يكره علی المعتمد [1]۔	(سلام کا جواب دینا) اگرچہ بھول کر ہو (زبان کے ساتھ) نہ کہ ہاتھ کے ساتھ، بلکہ یہ معتمد قول کے مطابق مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لایفسدها رد السلام بیدہ خلافه لمن عزا الی ابی حنیفة انیه مفسد فانه لهم یعرف نقله من احد من اهل المذب وانما یذکرون عدم الفساد بلا حکایة خلاف بل صریح کلام الطحطاوی انه قول ائمتنا الثلثة کذافی الحیلة وفی البحر الرائق ان الفساد ولیس بثابت فی المذهب ویدل لعدم الفسساد انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعله کما رواه ابوداؤد وصححه فی الترمذی وصرح فی المنیة بانه مکروه ای تنزیها [2] اھ مختصرا	یعنی ہاتھ کے ساتھ سلام کا جواب دینا نماز کے لئے فاسد نہیں بخلاف اس کے جس نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ فاسد نماز ہے کیونکہ اس کا یہ کسی اہل مذہب سے منقول ہونا معروف نہیں علماء نے بغیر اختلاف ذکر کئے عدمِ فساد بیان کیا ہے بلکہ کلام طحطاوی میں تصریح ہے کہ یہ تینوں ائمہ کا قول ہے جیسا کہ حلیہ میں ہے، اور بحرالرائق میں ہے کہ فساد مذہب میں ثابت نہیں اور اس کے عدمِ فساد پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل دلالت کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی اور منیہ میں اس کے مکروہ (تنزیہی) ہونے کی تصریح ہے اھ مختصرا (ت)

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۹

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۵

اسی (درمختار) کے مکروہات میں ہے:

لاباس بتکلم المصلی واجابته براسه کما لو طلب منه شیئ اواری درھما قیل اجید فا وما بنعم اولا اوقیل کم صلیتم فاشاربیدہ انھم صلوا رکعتین[1]۔	نماز اگر سر کے اشارے کے ساتھ کلام یا جواب دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً اس سے کوئی شے طلب کی گئی یا اس سے دراہم کے بارے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ کھرا ہے۔ تو اس نے اشارے سے ہاں یا نہ کہا، یا یہ پوچھا گیا کہ تم نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، تو وہ ہاتھ کے اشارے سے بتلاتا ہے کہ اس نے دو رکعات ادا کی ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله واجبته برأسه قال فی الامداد وبه ورد الاثر عن عائشه رضی الله تعالٰی عنها وکذا فی تکلیم الرجل المصلی قال تعالٰی فنادته الملئکة وهو اقائم یصلی فی المحراب[2]۔	ماتن کا قول "نماز کا سر کے اشارے سے جواب دینا" اس بارے میں الامداد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اس پر فرمان بھی منقول ہے اسی طرح کسی کا نمازی سے کلام کرنا، تو اس سلسلہ میں اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ملائکہ نے انھیں آواز دی حالانکہ وہ محراب میں نماز ادا کر رہے تھے۔ (ت)

انھیں عباراتِ ائمہ میں تصریح گزری کہ بحالتِ خطبہ چلنا حرام ہے یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایسے وقت آیا کہ خطبہ شروع ہوگیا مسجد میں جہاں تک پہنچا وہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ عمل ہوگا اور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روا نہیں حالانکہ امام سے قرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کا فضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امور پر لحاظ نہ کریں گے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے مگر پنکھا جھلتے پھر نا ضرور جائز بنا ہی لیا جائے گا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

ذکر الفقیه ابو جعفر قالا اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم انه لا باس با لتخطی مالم یا خذ الامام فی الخطبتة ویکرہ اذا اخذ للمسلم ان	فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا فرمان ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا اس وقت تک چلنے میں کوئی حرج نہیں، جب

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۶

یتقدم ویدنوا من المحراب اذالم یکن الامام فی الخطبۃ لیتسع المکان علی من یجی بعدہ وینال فضل القرب من الامام، فاذالم یفعل الاول فقد ضیع ذلك المکان من غیر عذر، فکان للذی جاء بعدہ ان یاخذ ذلك المکان، وامامن جاء والامام یخطب، فعلیه ان یستقرفی موضعه من المسجد لان مشیه فتقدمه عمل فی حالة لخطبة [1]۔	امام نے خطبہ شروع کردیا تواب کراہت ہے کیونکہ امام خطبہ نہیں دے رہاتو مسلمان کو چاہئے کہ وہ محراب کے قریب ہوجائے تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے جگہ بن جائے اور اس کے ذریعے امام کی قربت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی جب اس نے پہل نہ کی تو اس نے بغیر عذر وہ جگہ ضائع کردی، اب بعد میں آنے والا شخص وہ جگہ حاصل کرسکتا ہے لیکن جو شخص اس وقت آیا جب امام خطبہ دے رہاتھاتو وہ مسجد میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھ جائے کیونکہ اب اس کا چلنا اور آگے بڑھنا حالتِ خطبہ میں عمل ہوگا۔(ت)

چلنا توبڑی چیز ہے انھیں عباراتِ علماء میں تصریح گزری کہ خطبہ ہوتے میں ایک گھونٹ پانی پینا حرام، کسی طرف گردن پھیر کر دیکھنا حرام، تو وہ حرکت مذکورہ کس درجہ سخت حرام ہوگی، انھیں وجوہ زاہرہ سے اس کے نیک کام اور یوثرون علی انفسھم میں داخل ہونے کا جواب روشن ہوگیا، نیکی وایثار تو جب دیکھیں کہ فعل وہاں جائز بھی ہو جب سرے سے نفسِ فعل حرام، تو اس کے فضائل گننے کا کیا محل، مسلمانوں کو پنکھا جھلنا تو جہاں جائز ہو وہاں غایت درجہ مستحب ہوگا، جواب سلام دینا، امر بالمعروف کرنا تو واجب تھے اور بحالت خطبہ حاضرین پر حرام ہوئے، اب کیا یہاں ان کے فضائل ووجوب سے استدلال کی گنجائش ہے، غنیہ میں ہے:

لایقال ردالسلام فرض فلا یمنع منه لانا نقول ذلك اذاکان السلام ماذونا فیه شرعا ولیس کذلك فی حالة الخطبة بل یرتکب فاعله اثما [2]۔	یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے لہٰذا اس سے منع نہ کیا جائے کیونکہ جوابًا کہیں گے فرض وہاں ہے یہاں شرعًا سلام کرنے کی اجازت ہو حالانکہ حالتِ خطبہ میں اس کی اجازت نہیں بلکہ ایسا عمل کرنے والا گنہگار ہوگا۔(ت)

اوروں کے اطمینان کو آپ صریح بے اطمینانی یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ [3]۔(وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷۔۴۸

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

[3] القرآن ۹/۵۹

دیتے ہیں۔ت) میں شمول نہیں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ [1]۔(تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ت) میں دخول ہے یعنی دیگراں رانصیحت وخود رافضیحت (اوروں کو تو اچھے کام کی نصیحت کرنا اور خود برے کام کرنا۔ت) علمائے کرام تو ایثار قربت میں کلام رکھتے ہیں نہ کہ اوروں کی قربت کے لئے خود حرام کا ارتکاب، یہ ایثار نہیں صراحۃً اپنے دین کو اضرار ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) یہیں سے واضح کہ ممانعت کو صرف فعل عبث وبے فائدہ سے خاص کرنا محض غلط ہے بلکہ اس قسم کا ہر عمل اگرچہ کیسا ہی مفید ہو وقت خطبہ شرعاً لغو میں داخل اور اُس کے فائدے پر نظر باطل بلکہ نفع درکنار اُس سے ضرر حاصل، آخر دیکھا کہ شرع مطہر نے اس وقت امر بالمعروف کو کہ اعلیٰ درجہ کی مفید و مہم چیز ہے حرام ٹھہرایا، اور دو حرف (چُپ) کہنے کو لغو میں داخل فرمایا، صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اذا قلت لصاحبك یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت [2]۔	جب روزِ جمعہ خطبہ امام کے وقت تو دوسرے سے کہے چُپ، تو تُو نے خود لغو کیا،

مسندِ احمد سُنن ابی داؤد میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال لصاحبه یوم الجمعة صه فقد لغا ومن لغا فلیس فی جمعته تلك شیئ [3]۔	جو جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے چُپ کہے اُس نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اُس کے لئے اس جمعہ میں کچھ اجر نہیں۔

امام احمد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من یتکلم یوم الجمعة والامام یخطب فھو کمثل الحمار یحمل اسفارا والذی یقول له انصت لیس له جمعة [4]۔	جمعہ کے دن جب امام خطبہ میں ہو بولنے والا ایسا ہے جیسے گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں اور جو اُس سے چپ کہے اُس کا جمعہ نہیں،

یہیں سے منجلی ہوا کہ حدیث استسقائے مذکور صحیحین سے استدلال صحیح نہیں اُس سے اگر ثابت ہوگا تو وقت خطبہ امام جوازِ کلام اور اس کی حرمت پر ائمہ مذہب کا اجماع اور احادیث صریحہ صحیحہ جن کی بعض مذکور ہوئیں مثبت تحریم قاطع نزاع فان الحاظر مقدم وتمام الکلام فی الفتح وغیرہ (کیونکہ منع کرنے والی مقدم ہے اور اس پر تفصیلی

---

[1] القرآن ۲/ ۴۴

[2] صحیح البخاری باب الانصاف یوم الجمعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] سنن ابو داؤد باب فضل الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۱

[4] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۳۰

گفتگو فتح وغیرہ میں ہے۔ت) باقی رہا یہ کہ حاضرین نے کہا بارش کی دعا کیجئے اور یہ کہ تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے اور یہ کہ آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا یہ سب غلط دعوے ہیں اور صحیحین میں ان کا کہیں پتا نہیں، رہی فرع کتابت مذکورہ علمگیریہ۔

اولاً جو بعض اُسے جائز رکھتے ہیں وہ بھی اُس کے لئے جو امام سے اس قدر دور ہو کہ خطبے کی آواز اُس تک نہ جاتی ہو تو قریب کے لئے جواز بادکشی پر اُس سے استدلال کہ سنتا رہے اور حاضرین کو ہوا کرے استدلال بالمخالف ہے، غنیہ وبزازیہ وشرنبلالیہ میں ہے:

واللفظ للحلبی الختلف المتاخرون فی البعید عن الامام فمحمدبن سلمة اختار السکوت فی حقه ایضا ونصیر بن یحیی اجازا القرأة ونحوها وعن ابی یوسف اختیار السکوت و حکی عنه انه کان ینظر فی کتابه ویصلحه بالقلم [1]۔	حلبی کی عبارت یہ ہے امام سے دور شخص کے بارے میں متاخرین کا اختلاف ہے محمد بن سلمہ کے ہاں اس کے حق میں بھی سکوت ہے، نصیر بن یحیٰی قرائت وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں، امام ابویوسف سے سکوت کا مختار ہونا منقول ہے اور آپ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس حالت میں اپنی کتاب پڑھ رہے تھے اور قلم سے اس کی اصلاح فرمارہے تھے۔(ت)

خانیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

اما درسه الفقه والنظر فی کتب الفقه وکتابته من اصحابنا رحمهم الله من کره ذلك ومنهم من قال لاباس به اذاکان لایسمع صوت الخطیب (زاده فی الخانیة) وهکذا روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی [2]۔	فقہ کی تدریس، کتبِ فقہ کا مطالعہ اور کتابت ہمارے بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض اس تک امام کی آواز نہ پہنچ رہی ہو (خانیہ میں یہ اضافہ ہے) اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے اسی طرح مروی ہے۔(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

فی الینابیع یکره التسبیح وقرائة القراٰن اذاکان یسمع الخطبة وروی عن نصیر بن یحیی انکان	ینابیع میں ہے کہ امام کا خطبہ سُنتے وقت تسبیح اور قرأتِ قرآن مکروہ ہے، نصیر بن یحیٰی سے مروی ہے کہ اگر

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۷

بعید امن الامام یقرأ القراٰن فمن فعل مثله ولایشغل غیره بسماع تلاوته لاباس به کالنظر فی الکتابة وفیه خلاف وعن ابی یوسف لاباس به والحکم بن زهیر کان یجلس مع ابی یوسف و ینظر فی کتابه ویصحح بالقلم وقت الخطبه وقال الکمال یحرم الاکل والشرب والکتابة انتهی یعنی اذا کان یسمع لما قدمناه ان کتابة من لایسمع الخطبة غیر ممتنعه [1] انتهی ملتقطا۔	وہ آدمی امام سے دور ہو توقرآن پڑھ سکتا ہے، جس نے ایسے کیا اور اپنی تلاوت کے سماع میں دوسرے کو مشغول نہ کیا تو کوئی حرج نہیں، حکم بن زہیر بوقتِ خطبہ امام ابویوسف کے ساتھ بیٹھ جاتے، کتاب دیکھتے اور قلم سے اصلاح کرتے، کمال نے فرمایا کھانا پینا اور کتابت اس موقعہ پر حرام ہے انتہی یعنی جب خطبہ سن رہا ہو، جیسا کہ پیچھے گزر چکا کیونکہ نہ سننے والے کے لئے کتابت منع نہیں انتہی ملتقطا (ت)

ثانیا یہ قول بعض و نا معتمد ہے، صحیح یہی ہے کہ دور نزدیک سب پر سکوت واجب، او کتابت و قرات جمیع اعمال ناجائز، طحطاویہ میں زیر قول مذکور مراقی ہے:

قوله غیر ممتنعه، المعتمد المنع [2] اھ اقول وحمله کلام الکمال علی القریب بعید کل البعد فان ا لکمال صرح بخلافه کما سنسمعك نصه۔	ان کا قول "منع نہیں" منع معتمد ہے اھ اقول کلامِ کمال کو قریبی شخص پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے کیونکہ کمال نے اس کے خلاف تصریح کی ہے جیسے کہ عنقریب ہم ان کی عبارت پیش کردیں گے (ت)

ردالمحتار میں فیض علامہ کرکی سے ہے:

لوکان بعید الایسمع الخطبة ففی حرمة الکلام خلاف وکذا فی قرأة القراٰن والنظر فی الکتب وعن ابی یوسف انه کان ینظر فی کتابه ویصححه بالقلم والاحوط السکوت وبه یفتی [3]۔	اگر وہ امام سے دور ہے خطبہ نہیں سن رہا تو وہاں کلام کے حرام ہونے میں اختلاف ہے، اسی طرح قرأتِ قرآن اور مطالعہ کتاب کے بارے میں بھی اختلاف ہے، امام ابویوسف کے بارے میں ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے قلم سے اصلاح کررہے تھے، احوط سکوت ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۸۳
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۸۳
[3] ردالمحتار، باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

جواہر الاخلاطی میں ہے:

النائی عن الامام فی استماع الخطبۃ کالقریب والانصات فی حقہ ھو المختار[1]۔	امام سے دور شخص خطبہ سننے میں قریبی کی طرح ہوتا ہے اوراس کے حق میں بھی خاموش ہے، یہی مختار ہے۔(ت)

ہندیہ میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے: ھوالاحوط[2] (یہی احوط ہے۔ت) محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے: ھوالاصح[3] (یہی اصح ہے۔ت) شرح نقایہ برجندی میں خزانہ سے ہے: ھوالاولی[4] (یہی اولٰی ہے۔ت) ہدایہ وایضاح الاصلاح میں ہے:

اختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط السکوت (زادفی الھدایۃ) اقامۃ الفرض الانصات[5]۔	منبر سے دُور والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ سکوت احوط ہے (ہدایہ میں اضافہ ہے کہ) خاموشی کے فریضہ کو قائم کرتے ہوئے۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الاحوط السکوت لانہ مامور بالاستماع والانصات اذاقرب من الامام و عند بعد ان لم یقدر علی الاستماع فقد قدر علی الانصات فیجب علیہ[6]۔	سکوت احوط ہے کیونکہ خطبہ سننے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے جبکہ امام کے قریب ہو اور اگر دور ہو تو وہ اگرچہ سننے پر قادر نہیں مگر متوجہ ہونے پر قادر ہے لہٰذا اس پر یہ واجب ہوگا۔(ت)

فتح القدیر فصل القراءۃ میں ہے:

ھذا اذاکان بحیث یستمع فاما النائی فلا روایۃ فیہ عن المتقدمین واختلف	یہ اس وقت ہے جب خطبہ سن رہا ہو، دور والے کے بارے میں متقدمین سے کوئی روایت نہیں، متاخرین

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ غیر مطبوعہ نسخہ ص ۴۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[4] شرح نقایہ للبرجندی فصل یجہر الامام فی الجمعۃ الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۱۵

[5] الہدایۃ باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۱

[6] کافی شرح وافی

المتاخرون والاحوط السکوت یعنی عدم القراءۃ والکتابۃ ونحوھا لا لکلام المباح فانہ مکروہ فی المسجد فی غیر حال الخطبۃ فکیف فی حالھا[1]۔	کا اختلاف ہے سکوت احوط ہے یعنی عدمِ قرات اور عدم کتابت وغیرہ نہ کہ کلام مباح کیونکہ یہ تو مسجد میں حالتِ خطبہ کے علاوہ بھی مکروہ ہے تو حالتِ خطبہ کے دوران یہ کیسے جائز ہوگی (ت)

ملتقی الابحر و مجمع الانہر میں ہے:

(النائی) ای البعید الذی لایسمع الخطبۃ (والدانی) ای القریب (سواء)فی وجوب الاستماع والانصات امتثا لاللامر[2]۔	(النائی) یعنی دور والا شخص جو خطبہ نہیں سن سکتا (والدانی) یعنی قریبی شخص حکم کی بجاآوری کی بناپر سننے اور متوجہ ہونے کے وجوب میں (دونوں برابر ہیں) (ت)

غرر و درر میں ہے:

(البعید) عن الخطیب (کالقریب) فی وجوب الاستماع والا نصات[3]۔	بعید خطیب سے خطبہ سننے اور متوجہ ہونے میں قریبی کی طرح ہی ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر و در میں ہے:

(البعید) عن الخطیب(والقریب سیان) فی افتراض الانصات[4]۔	متوجہ ہو کر سننے میں خطیب کا قریبی اور دُور والا برابر ہوتے ہیں۔(ت)

اُنھیں میں ہے:

یجب علیہ ون یستمع ویسکت(بلافرق بین قریب وبعید فی الاصح[5]۔	اصح قول کے مطابق خطبہ کا سننا اور خاموش رہنا لازم ہے بلا تفریق کہ وہ قریب ہے یا دور۔ (ت)

کنزالدقائق و بحرالرائق میں ہے:

(النائی کالقریب)ھو الاحوط۔[6]	(دُور والا قریب کی طرح ہے) یہی احتیاط ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی القرائۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۲۹۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی احکام القراءۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۷

[3] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فیمایجہر الامام مطبوعہ مکتبہ احمد کامل کائنہ، دار سعادت مصر ۱/۸۴

[4] درمختار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱

[5] درمختار، فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[6] البحر الرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۵۵

عبارات سابقہ سے تو واضح تھا ہی کہ سُننا جو فرض ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کان میں آواز پہنچے اگرچہ آپ دوسرے کام میں مشغول ہو ورنہ کھانا، پینا، چلنا، گردن پھیر کر دیکھنا کیوں حرام ہوتا کہ ان میں کون سا کام کان میں آواز جانے کے منافی ہے بلکہ اس کے یہ معنی کہ ہمہ تن اُسی طرف متوجہ ہو اور دوسرے کسی کام میں مشغول نہ ہو، مگر ان عبارات لاحقہ نے اور بھی تر کر دیا کہ سراپا تمام اعضاء سے اُسی طرف متوجہ رہنا خود واجب ہے کہ بعید کے لئے تو کان میں آواز آنا بھی نہیں مگر قول صحیح و معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ اُسے بھی اور اعمال میں مشغولی حرام، تو یہ زعم کہ خطبہ بقدر سنت سُن کر باقی کو سنتا رہے اور ہوا کرے۔

اوّلاً صاف قول بالتنافیین ہے اور استماع وانصات کے معنی نہ سمجھنے سے ناشیئ۔

ثانیاً یہ فعل مخل استماع ہے یا نہیں، اگر ہے تو مطلقاً حرام ہونا واجب نہ یہ کہ قدر سنت کے بعد اجازت ہو، اور اگر نہیں تو مطلقاً جائز ہونا چاہیئے قدر سنت کا استثناء کس لئے،

ثالثاً دونوں خطبے مسنون ہیں، نہ کہ ہر خطبے یا صرف اولیٰ سے اُس کا ایک جز، تو قدر سنت سن چکنا بعد تمامی خطبتین صادق ہوگا اب کیا نماز پڑھتے میں پنکھا جھلتا پھرے گا شاید ادعا کیا جائے کہ اگر کوئی امام خطبہ کبیرہ طویلہ بطول فاحش مخالفِ سنت پڑھے تو قدر سنت کے بعد مقدار زیادت میں یہ حرکت جائز، اول تو اس کا ارادہ کلام قائل سے بعید وہ مطلق ہے نہ کہ اس صورت نادرہ مکروہہ سے خاص اور ہو بھی تو یہ بھی غلط و باطل ہے، مقدار میں بڑھا دینا در کنار خطبے میں ذکر و مدح ظالمین بھی ہو قطعاً خلافِ سنت کیا حرام شدید اور یقیناً مقاصد خطبہ سے جدا و بعید ہے، جب بھی صحیح یہی ہے کہ استماع وانصات واجب، مجتبی شرح قدوری پھر نہر الفائق پھر فتح اللہ المعین علامہ سید البوالسعود ازہری میں ہے

: استماع الخطبة من اولها الی اٰخرها واجب وان کان فیها ذکر الولاة وهو الاصح[1]۔	خطبہ کا اوّل تا آخر سُننا لازم ہے اگرچہ اس میں امراء کا ذکر ہو، یہی اصح ہے (ت)

محیط برہانی پھر عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لها الذی علیه عامة مشائخنا ان علی القوم ان یسمعوا الخطبة من اولها الی اٰخرها والدنومن الامام افضل من التباعد عنه وهو الصحیح من الجواب مشائخنا رحمهم الله تعالٰی[2]۔	وہ الفاظ جن پر اکثر مشائخ ہیں وہ یہ ہے کہ قوم پر اول تا آخر خطبے کا سُننا لازم ہے، امام کا قُرب دوری سے افضل ہے اور مشائخ کے جواب میں سے یہی صحیح ہے۔ (ت)

[1] فتح المعین باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(لاصلٰوۃ ولا کلام الی تمامھا) وان کان فیھا ذکر الظلمۃ فی الاصح [1]۔	(خطبہ مکمل ہونے تک کوئی نماز اور کوئی کلام نہیں) اگرچہ اس میں ظالم حکمرانوں کا ذکر ہو، یہی اصح ہے۔(ت)

علامہ حموی کا کوئی فتاوی مسموع نہیں، نہ ان کی کسی کتاب سے حرکت مذکورہ کا جواز مستفاد، ملاحظہ معنی جس طرح خطبے میں مقصودیوں ہی نماز میں، کیا نماز میں بھی اسی نیک نیت سے پنکھا جھلتے پھرنے کی اجازت ہوگی، جنت میں اُس ہوا کی یہ غایت تاکہ باطمینان دیدار سے مشرف ہوں، سخت ابعد و واجب الرد ہے، جنت میں معاذ اللہ گرمی و حبس کا کون سا وقت ہوگا جس کے ازالے کو ہوا کی حاجت ہو، اہل جنت کے لئے معاذ اللہ بے اطمینانی کا سامان کس وقت ہوگا کہ تحصیل اطمینان کی ضرورت ہو، وہاں کے جتنے امور ہیں سب محض لذت وزیادت نعمت ہیں، ولہذا محققین فرماتے ہیں دنیا میں حقیقۃً کوئی لذت نہیں جسے لذت گمان کیا جاتا ہے، واقع میں دفع الم ہے، پانی یا شربت کیسا ہی سرد وشریں وخوشبو وخوشگوار ہو پیاس نہیں تو کچھ لذت نہیں دیتا، کھانا کیسا ہی لذیذ وعمدہ وخوشبو وخوش مزہ ہو بھوک نہیں تو کچھ لطف نہیں آتا، تو حقیقۃً بھوک پیاس کا الم دفع ہوتا ہے، نہ لذت خالصہ وعلی ہذا القیاس باقی تمام ملاذ بخلاف بہشت کہ وہاں اصلاً نہیں، نہ بھوک، نہ پیاس، نہ گرمی، نہ احتباس تو وہاں جو کچھ ہے خالص و حقیقی لذت ہے۔

رزقنا اللہ تعالٰی بمنہ وکرمہ فضل رحمتہ بصالحی عبادہ اٰمین بجاہ محمد نبی الرحمۃ شفیع الامۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و علیہم اجمعین اٰمین۔	اللہ تعالٰی اپنے کرم، احسان، فضل اور پیارے نبی رحمۃ، شفیع امت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صالحین بندوں کے طفیل یہ جنتی لذت ہمیں عطافرمائے۔ آمین! (ت)

اور بفرضِ باطل ایسا ہو بھی تو وہاں کون سا خطبہ ہے اور باری عزوجل پر کس چیز کا استماع واجب، اور کس وقت اپنے کسی فعل سے باز رہنا لازم، اور اُسے کون سا فعل دوسرے سے مشغول کرسکتا ہے، پھر افعالِ الٰہیہ سے استناد عجب تماشا ہے، معبود و عابد کی کیا ریس، ہمیں اتباعِ احکام سے کام ہے وبس۔ **وقفنا اللہ تعالٰی لہ اٰمین واللہ وسبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰۶تا۱۳۰۸: از بنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگا باڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ:

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

(۱) بعض خطبہ میں جو لکھا ہے کہ فرود آید بالا رود بدست راست خواند بدست چپ خواند (نیچے آئے، اوپر جائے دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو کر پڑھے) اس کا اصل کیا اور مبنی کہاں سے ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض خطبہ کے درمیان جو اردو اشعار لکھا ہے خطبہ مع اُس کے پڑھنا یا صرف فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان میں سوائے عربی کے پڑھنا اول سے اخیر تک چاہے عید ہو یا جمعہ، جائز ہے یا نہیں؟

(۳) منبر کتنی سیڑھی کا ہونا چاہئے اور کس پر کھڑے ہو کر خطبہ چاہئے اور منبر کس زمانہ سے شروع ہوا ہے؟

الجواب:

(۱) دہنے بائیں منہ پھیرنا بے اصل ہے اس پر عمل نہ کیا جائے اور ذکر سلطان کے وقت ایک پایہ نیچے اُترنے کو بھی بعض شافعیہ نے قبیح بتایا، اور واقعی اگر مصلحت شرعیہ سے خالی ہو تو عبث ہے اور عبث کا درجہ مکروہ،

فی ردالمحتار قال ابن حجر فی التحفۃ وبحث بعضھم ان ما اعتید الان من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الٰی درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جو معمول بن گیا ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت نیچے درجہ پر آنا پھر اوپر والے درجہ کی طرف لوٹنا بدترین بدعت ہے۔ (ت)

ہندیہ میں سُننِ خطبہ میں ہے: **استقبال القوم بوجھہ**[2] (قوم کی طرف منہ کرنا۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

مایفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جھۃ الیمین وجھۃ الیسار عند الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ لم ارمن ذکرہ والظاھر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوھم انہ سنۃ ثم رأیت فی منھاج النووی قال ولا یلتفت یمینا وشمالا فی	بعض خطباء دوسرے خطبہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے دائیں بائیں چہرہ پھیرتے ہیں، اس کا ذکر میرے مطالعہ میں نہیں آیا، اور ظاہر یہی ہے کہ اسے ترک کردینا چاہئے تاکہ کوئی اسے سنت نہ بنالے، پھر میں نے منہاج النووی میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ کسی شیئ میں دائیں بائیں

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۶

التفات نہ کرے، ابن حجر نے شرح میں فرمایا اس لئے کہ یہ بدعت ہے انتہی اور ہمارے نزدیک بدائع کے اس قول سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پشت کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی طرح خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)	شیئ منھا قال ابن حجر فی شرحہ لان ذلك بدعۃ انتھٰی ویؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنۃ ان یستقبل الناس بوجھہ و یستدبر القبلۃ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یخطب ھکذا[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) خطبہ میں کوئی شعر اردو فارسی نہ پڑھنا چاہئے نہ خطبہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھا جائے کہ یہ سنت متوارثہ کی خلاف ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا[2] کما ثبت فی الصحیحین وغیرھما حدیث سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ (بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت) منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں

ان کا ذکر متعدد احادیث میں ہے جیسے وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جس شخص کے پاس حضور علیہ السلام کا نام مبارک لیا اور اس نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا تو اس کے لئے وعید ہے (ت)	وقد وقع ذکر ھن فی غیرما حدیث کحدیث وعید من ذکر عندہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یصل[3] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ردالمحتار میں ہے:

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس منبر کے تین زینے اس تخت کے علاوہ تھے جس پر بیٹھا جاتا ہے۔(ت)	منبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ثلث درج غیر المسماۃ بالمستراح[4]۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

[2] صحیح بخاری باب الخطبۃ علی المنبر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

[3] الترغیب والترہیب کتاب الصوم ص ۹۳۔کتاب الذکر والدعاء مصطفی البابی مصر ۲/۸-۵۰۷

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۸

فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے

وما فعله الصديق فكان تأدبا منه مع رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وما فعل الفاروق فكان تأدبا مع الصديق رضى الله تعالٰى عنهما	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی بنا پر ایسا کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ادب کی خاطر۔(ت)

بلندی منبر سے اصل مقصد یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو توزینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی مراعات فان الله وتریحب الوتر (اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰۹: از موضع کڑہ ڈاک خانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں چار رکعت احتیاطی ظہر کا ادا کرنا مستحب ہے یا واجب یا فرض قطعی؟ بصورتِ اولٰی وثانیہ یہ نماز احتیاطی قائم مقام فرض کے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور صورتِ ثانیہ میں صلوٰۃ ظہر وجمعہ کا لزوم بطریق اجتماع لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں تارک احتیاطی تارک فرض ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جہاں جمعہ بحسبِ مذہب بلاشبہہ ناجائز باطل ہے جیسے وہ کورِدہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہوسکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں فان الشرع لا یأمر بارتکاب الاثم والاشتغال بما لا یصح اصلا (شریعت کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتی جس پر گناہ ہو اور نہ ہی ایسی شیئ میں مشغول ہونے کی اجازت دیتی ہے جو بالکل صحیح نہ ہو۔ت) ان کا محل وہاں ہے کہ صحتِ جمعہ میں اشتباہ وتردّد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے یا با وصفِ اطمینان صحت جانبِ خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور سبقت نامعلوم ہو کہ اگرچہ درباره تعدد قول جواز ہی معتمد وماخوذ ومفتی بہ ہے مگر عدمِ جواز بھی ساقط وناقابل التفات نہیں کما بینه فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ت) صورتِ اولٰی میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً وتاکیداً ہوگا لوقوع الشبة فی برائة لعهدة (ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں شبہہ ہوگیا ہے۔ت) اور ثانیہ میں استحباباً وترغیباً لان الخروج عن الخلاف مستحب اجماعا مالم یلزم محذور (بالاتفاق اختلاف سے نکلنا مستحب ہے بشرطیکہ وہاں کسی ممنوع کا ارتکاب نہ ہو۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

نقل عن المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونہ مصرا ینبغی لھم ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعا بنیۃ الظھر احتیاطًا ومثلہ فی الکافی وفی القنیۃ امرأئمتھم بالاربع بعدھا حتما احتیاطا اھ ونقلہ کثیر من شراح الھدایۃ وغیرھا وتداولوہ وفی الظھریۃ واکثر مشائخ بخارا علیہ لیخرج عن العھدۃ بیقین ثم نقل المقدسی عن الفتح انہ ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بھا اٰخرفرض ادرکت وقتہ ولم أودئہ ان تردد فی کونہ مصرا اوتعددت الجمعۃ وذکر مثلہ عن المحقق ابن جرباش قال ثم قال وفائدتہ الخروج عن الخلاف المتوھم اوالمحقق وذکر فی النھر انہ لا ینبغی التردد فی ندبھا علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ وفی شرح الباقانی ھوالصحیح بقی الکلام فی تحقیق انہ واجب اومندوب قال المقدسی ذکر ابن شحنۃ عن جدہ التصریح بالندب وبحث فیہ بانہ ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم اما عند قیام الشك والاشتباہ فی صحۃ الجمعۃ فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخہ ابن الھمام مایفیدہ ویؤید التفصیل تعبیر التمرتاشی بلابد وکلام القنیۃ المذکور[1] اھ مختصرا۔	مقدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وہ مقام جس کے شہر ہونے میں اختلاف ہو وہاں جمعہ کے بعد احتیاطًا نیت ظہر سے چار رکعت ادا کی جائے، کافی میں بھی اسی طرح ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتمًا چار رکعات احتیاطًا بجالانے کا حکم دیا ہے اھ اسے اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اور اسی کو متداول کیا۔ ظہیریہ میں ہے کہ مشائخ بخارا کی اکثریت کا عمل اسی پر ہے تاکہ بالیقین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکیں، پھر فتح سے منقول ہے کہ جب شہر ہونے میں شک ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہورہا ہو تو چاہئے کہ چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں آخری فرض ادا کررہا ہوں جن کا وقت میں نے پایا مگر انھیں ادا نہیں کیا، اسی طرح محقق ابن جرباش سے نقل کرکے کہا اس کا فائدہ ثابت یا متوہم اختلاف سے نکلنا ہے۔ نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے جواز تعدد جمعہ کے قول پر بھی احتیاطًا ظہر کے مستحب ہونے میں تردد نہیں کرنا چاہئے اھ شرح الباقانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے اس تحقیق میں گفتگو کہ یہ واجب ہے یا مستحب، ابھی باقی ہے، مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر تصریح نقل کی اور اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب محض توہم ہو۔ مگر اس صورت میں جب صحتِ جمعہ میں شک واشتباہ ہو تو پھر اس کا واجب ہو ناظاہر ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام کی عبارت کو اپنی تائید میں نقل کیا اور اس کی تفصیل کی تائید تمرتاشی کے الفاظ "لابد" اور قنیہ کے مذکور کلام سے بھی ہوتی اھ مختصرا (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

رہا یہ اشتباہ کہ مستحب یا واجب قائم مقام فرض کیونکر ہوں گے ان رکعات کی نیت پر نظر کی جائے تو بنگاہِ اولین اندفاع پائے، ابھی فتح القدیر وغیرہ سے گزرا کہ یہ رکعات بہ نیت آخریں فرض ہی پڑھی جاتی ہیں نہ کہ بہ نیت مستحب یا واجب مصطلح تو فرض بہ نیت فرض ادا ہو جانے میں کیا تردّد ہے یعنی عنداللہ اگر صحت نہ تھی تو نفس الامر میں ظہر فرض تھا، جب اُس نے اُس پچھلے فرضِ ظہر کی نیت کی جس کا وقت پایا اور ابھی ادا نہ کی تو یہی ظہر ادا ہو جائے گا ورنہ اگر پہلے کوئی ظہر ذمّہ پر تھا وہ ادا ہوگا ورنہ یہ رکعات نفل ہو جائیں گی اور نفل بہ نیت فرض ادا ہونا خود واضح ہے **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۰: از مخدوم پور ڈاکخانہ نرہٹ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید رضی الدین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ جناب مستطاب مخدومنا مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب زاد مجد ہم بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے مکلّف خدمت ہوں کہ اس موضع مخدوم پور قاضی چک میں اور نیز قرب وجوار میں اس کے نماز جمعہ و عیدین ہم لوگ مقلدین حنفی پڑھا کرتے ہیں اور جماعت جمعہ کی خاص اس موضع میں پندرہ بیس آدمی اور کبھی کم بھی ہوا کرتی ہے اب بعض معترض ہیں کہ جمعہ دیہات میں نزد امام ابو حنیفہ صاحب جائز نہیں ہے پڑھنا بھی نہ چاہئے مخدومنا پڑھا کروں یا ترک کردوں، حضور کے نزدیک جو جائز ہو مطع فرمائیں تا مطابق اس کے کاربند ہوں اور نمازِ عیدین بھی دیہات میں ہو یا نہ ہو؟ شہر صاحب گنج یہاں سے ۱۲ کوس پر ہے۔ زیادہ حد نیاز۔ احقر رضی الدین حسین عفی عنہ

الجواب:

جناب مکرم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فی الواقع دیہات میں جمعہ و عیدین باتفاق ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ممنوع وناجائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں،

فی الدر المختار وفی القنیۃ صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح [1] اھ فی ردالمحتار ومثلہ الجمعۃ [2] ح۔	درمختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں اھ ردالمحتار میں ہے اور اسی کی مثل جمعہ ہے، ح ۔(ت)

جمعہ میں اس کے سوا اور بھی عدمِ جواز کی وجہ ہے **کما بیناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴
[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ٦١١

کیا ہے۔ت) ہاں ایک روایت نادرہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہوسکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سماسکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی، امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

(وعنه) ای عن ابی یوسف (انهم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیهم الجمعة لاکل من یسکن فی ذلك الموضع من الصبیان والنساء والعبید لان من تجب علیهم مجتمعون فیه عادة قال ابن شجاع احسن ماقیل فیه اذاکان اهلها، بحیث لو اجتمعوا (فی اکبر مساجد لم یسعهم ذلك) حتی احتاجوا الی بناء مسجد آخر للجمعة[1] الخ	(اور ان سے) یعنی امام ابویوسف سے ہے (جب وہ جمع ہوں) یعنی وہ لوگ جن پر جمعہ لازم ہے نہ کہ تمام وہ لوگ جو وہاں سکونت پذیر ہیں مثلاً بچے، خواتین اور غلام، ابنِ شجاع نے کہا کہ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ جب جمعہ کے اہل وہاں جمع ہوں (سب سے بڑی مسجد میں، اور اس میں ان کی گنجائش نہ ہو) حتی کہ وہ جمعہ کے لئے ایک اور مسجد بنانے پر مجبور ہوں الخ (ت)

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بناپر جمعہ وعیدین ہوسکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہر گز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہوسکتا بلکہ گناہ ہے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کافرمان حق ہے اور وہی راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ کی ذات پاک، بلند اور خوب جاننے والی ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۱۱تا۱۳۱۵: از کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ سیّد عبدالمجید صاحب قادری ۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) ہندوستان میں جمعہ جائز ہے یانہیں؟

(۲) جائز ہے تو کیوں؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں؟

(۳) جمعہ شہر ہی میں جائز ہے یا دیہات میں بھی؟

[1] عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

(۴) تعریف شہر اور قصبہ اور دیہات کی کیا ہے؟

(۵) دیہات سے نیچے بھی کوئی حد بستی کی ہے کیونکہ دیہات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک محض کوردہ، دوسرا وہ جس میں اشیاءِ اشد ضروری جیسے معمولی کپڑے ملتے ہوں اور درزی اور لوہار اور بڑھیئ اور بنیا اور بقال وغیر ہم ہوں اور ساکنان اُسی کے ہندو مع مسلمان قریب بارہ سو ۱۲۰۰ مرد مع عورت کے ہوں اور غالب درجہ مسلمان زمیندار ہوں اور مسلمانوں کی تعداد قریب پانچ سو عوتوں کے ہو اور مسجد قدیم سے ہو اور جب سے مسجد بنی ہمیشہ سے برابر جمعہ ہوتا رہا ہو توان دونوں قسموں میں دیہات کے جمعہ جائز ہوگا یا صرف قسمِ اخیر میں یا کسی میں نہیں اور ہم قسم اخیر کے دیہات کے رہنے والے ہیں، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، تو آیا ہم لوگ پڑھیں یا نہیں؟ بہت صاف جواب بالتفصیل تحریر ہو۔

الجواب:

ہندوستان اصلح اللہ حالہا بحمد اللہ تعالٰی ہنوز دارالاسلام ہے:

کما حققناہ فی رسالتنا اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام۔	جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

اُس میں اقامتِ جمعہ وعیدین مسلمانوں کو ضرور جائز۔ جامع الفصولین میں ہے:

قال ح (ای الامام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ) لا تصیر دارلاحرب الا باجراء احکام الشرك فیھا واتصالھا بدار الحرب بان لایکون بینھا وبین دارالحرب مصر للمسلمین وان لایبقی فیھا مسلم اوذمی اٰمنا علٰی نفسہ بالامان الاول ای لایبقی اٰمنا الا بامان المشرکین ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ فلما صارت البلدۃ دارالاسلام باجراء احکامہ فما بقی شیئ من احکامہ واٰثارہ تبقی دارالاسلام وکل مصرفیہ وال مسلم من جھۃ الکفارتجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد	امام اعظم ابوحنیفہ رضی تعالٰی عنہ نے فرمایا دارالحرب کے لئے ضروری ہے کہ وہاں احکامِ شرک کا اجراء ہو اور اس ملک کا اتصال دارالحرب سے طرح ہو کہ اس ملک اور دارالحرب کے درمیان کوئی مسلمان یا ذمی امان اول کی وجہ سے امان میں نہ ہو یعنی اب مشرکین کی امان کے بغیر امن والا نہ ہو کیونکہ جب حکم کسی علت سے ثابت ہے تو جب تک وہ علت باقی ہے حکم بھی باقی ہو گا، جب کوئی علاقہ اجرا احکام اسلامی کی وجہ سے دارالاسلام بنتا ہے تو جب تک وہاں کچھ احکام وآثار باقی ہوں گے وہ دارالاسلام ہی ہوگا، اور ہر وہ شہر جس کا کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی ہو وہاں جمعہ وعیدین کی اقامت،

واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامٰی لا ستیلاء المسلم علیھم وامافی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والا عیاد[1] اھ مختصرا۔	خراج لینا، قضاءِ اسلامی کی پابندی اور بیوگان کا نکاح کروانا جائز ہے کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن وہ علاقے جہاں کا فروالی ہیں وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کا قیام جائز ہے اھ اختصارًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلادالحرب وکل مصر فیہ وال من جھتھم یجوزلہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد فلوالو لاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ[2] اھ ملخصا	معراج الدرایہ میں مبسوط سے ہے وہ علاقہ جات جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ بلادِ اسلام ہی ہیں بلاد حرب نہیں اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے والی ہو تو وہ جمعہ اور عیدین کا قیام کر سکتا ہے اور اگر والی کافر ہوں تو بھی مسلمانوں کے جمعہ کا قیام جائز ہے اھ تلخیصا (ت)

جمعہ وعیدین کے نہ فقط مامور بہ بلکہ خود جائز و صحیح ہونے کے لئے بھی باجماع ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم مصر شرط ہے کتب المذہب عن اُخرھا طافحۃ بذلک (تمام کتب مذہب اس سے پر ہیں۔ت) گاؤں میں جمعہ وعیدین نہ صحیح نہ جائز بلکہ گناہ ہے

کما نص علیہ فی الدرالمختار عن القنیۃ وفی جامع الرموز عن جامع المضمرات وقد بیناہ فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ اس پر درمختار میں قنیہ اور جامع الرموز میں جامع المضمرات کے حوالے سے تصریح ہے اور اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

دیہات سے بھی کم درجہ بستی جنگلوں، میدانوں، پہاڑوں میں اہل خیمہ کے مقام ہیں جن میں مکانات کچّے پکّے اصلاً نہیں ہوتے، انھوں نے جہاں آب و مرغزار دیکھے ڈیرے ڈال دئے، خیمے تان دیئے، وہیں اقامت کرلی، یہ بستیاں نظرِ شرع میں بھی دیہات سے ادنٰی ہیں، امصار وعمرانات کے سکان اگر گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں مقیم ہوجائیں گے قصر نہ کریں گے اور اُن خیمہ گاہوں میں اُنھیں اہل خیمہ کی نیت اقامت صحیح ہے جن کی طرز تعیّش ہی یہ ہے عمرانات والے بعد تحقق سفر وطے مراحل اگرچہ وہاں پندرہ دن قیام کا قصد کریں مقیم نہ ہوں گے ھو الاصح فی الفصلین (دونوں فصلوں میں یہی اصح ہے۔ت) درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء وما یتصل بہ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳ و ۱۴

[2] ردالمحتار، باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۵۹۵

اھل اخبیة کترکمان نووھافی المفازة فانھا تصح فی الاصح وبہ یفتی اذاکان عندھم من الماء والکلاء مایکفیھم مدتھا ولونوی غیرھم الاقامة معھم لم یصح فی الاصح[1] اھ مختصرا۔	خانہ بدوش مثلاً ترکمان قوم اگر جنگل میں اقامت کی نیت کرلیں تو یہ اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے بشرطیکہ وہاں ان کے لئے اتنی مدت کیلئے پانی اور چارہ ہو اور ان کے علاوہ کسی نے ان کے ساتھ نیت کرلی تو یہ اصح قول کے مطابق درست نہیں اھ مختصراً (ت)

قصبہ عرفاً مصر ودِہ میں متوسط ہے چھوٹے شہر کو کہتے ہیں جس میں آبادی کم، مرافق قلیل ہوں بازار وپختہ عمارات ہوں نہ مثل امصار، دِہ پرگنہ ہوتا ہے ضلع نہیں، اُس میں چھوٹے چھوٹے حکام ہوتے ہیں جن کی سماعت ایک حد تک محدود، بڑے حکام کو کہ ہرگونہ مقدمات دیوانی وجرائم فیصل کرسکیں نہیں ہوتے، اس عرف حادث پر قسمیں تین ۳ ہوتی ہیں مگر زبان عربی میں وہ دو ہی چیزیں ہیں: مصر یا قریہ قصبہ، ان سے باہر کوئی شے ثالث نہیں، قاموس ومصباح المنیر وغیرہما میں **قصبة البلاد مدینتھا وقصبة القریة وسطھا** (شہری قصبہ، شہر ہوتا ہے اور دیہاتی قصبہ دیہات اور شہر کا درمیان ہوتا ہے۔ت) یونہی شرع مطہر نے قصبات کو کسی حکم خاص سے مخصوص نہ فرمایا مصر وقریہ کی تقسیم حاضر ہے آبادی پر، حد مصر صادق ہو تو مصر ہے ورنہ قریہ **لا ثالث لھما** (ان دونوں کے لئے تیسرا نہیں۔ت) اب تعریف مصر میں ہمارے علماء سے اقوال کثیرہ آئے جن میں مصحح ومختار ومعتمد ائمہ کبار دو ۲ ہیں:

اول ظاہر الروایہ واصل مذہب وارشاد امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ شہر وہ آبادی عمارت والی ہے جس میں متعدد کوچے ہوں، دوامی بازار ہوں، وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں، اس ییں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کے یہاں قضایا پیش ہوتے ہوں اور اس کی شوکت وحشمت مظلوم کا انصاف ظالم سے لینے کے قابل ہو اگرچہ کبھی نہ لیا جائے، یہ تعریف کتبِ کثیرہ میں بالفظ عدیدہ ومعانی متقاربہ ادا کی گئی۔

مسئلہ ۱۳۱۶: از عظیم آباد پٹنہ شاہ کی املی متصل مسجد تراہہ مطب حکیم صاحب مرسلہ مولوی نور الہدی صاحب ۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسے قریہ میں جس پر کسی طرح حدِ مصر صادق نہیں اگر وہاں کے حنفی المذہب بخیال شوکتِ اسلامی نماز جمعہ مع ظہر احتیاطی وصلوٰۃ العیدین پڑھتے ہوں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہوں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے۔ نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ:

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷-۸

اولا جب نماز جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امر غیر صحیح میں مشغول ہوئی اور وہ ناجائز ہے،

فی الدرالمختار تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بمالایصح لان المصر شرط الصحة [1]۔	درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ غیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے کیونکہ شہر جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔(ت)

ثانیًا اقول: فقط مشغولی نہیں بلکہ اس امر ناجائز کو موجب شوکت اسلام جانا بلکہ بہ قصد ونیت فرض وواجب ادا کیا یہ مفسدہ عقیدہ ہے جس سے علماء نے تحذیر شدید فرمائی۔

اوصوا بترك التزام مستحب اذا خیف ان یظنه العوام واجبا وفی اخف منه قال سیدنا عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه لا یجعل احدکم للشیطان شیئ من صلٰوته یری ان حقا علیه ان لاینصرف الاعن یمینه لقدرأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ رواہ الشیخان [2] فاذا کان ھذا فیما ھو مشروع باصله فما ظنك بمالم یجزمن رأسه۔	جب یہ خطرہ ہو کہ عوام اسے ضروری سمجھ لیں گے تو علماء مستحب پر پابندی ترک کرائیں اور اس سے کم درجہ عمل کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ اس طرح نہ بنائے کہ نماز کے بعد دائیں طرف ہی پھرنا اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا، جب اس عمل کا معاملہ ہے جو اصلًا مشروع ہے تو اس میں تمھارا کیا خیال ہے جو اصلًا جائز ہی نہ ہو۔(ت)

ثالثًا جبکہ واقع میں نماز جمعہ وعید نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ باجماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی یہ ناجائز ہوا،

فی ردالمحتار عن العلامه الحلبی محشی الدر فھو نفل مکروہ لادائه بالجماعة [3]۔	ردالمحتار میں محشیٔ در علامہ حلبی سے ہے یہ نوافل مکروہ ہیں کیونکہ جماعت کے ساتھ ادا ہوئے۔(ت)

یہ تینوں وجہیں جمعہ وعیدین سب کو شامل ہیں۔

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] صحیح البخاری باب الانفتال والانصراف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۸

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

رابعًا اقول: جمعہ میں اُس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں اُن پر فرض ہی رہ گیا، ترک فرض اگرچہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعم خود احتیاطی رکعات پڑھیں وہ بھی تارک جماعت تو ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بار ترک بھی گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ۔ کما نصوا علیہ ولامر اوضح من ان یوضح (جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور یہ امر اتنا واضح ہے کہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ت)

خامسًا اقول: وہ احتیاطی رکعات والے کہ حقیقۃً مذہب حنفی میں آج کی ظہر پڑھ رہے ہیں

فانھا اذالم تصح الجمعۃ بقیت فریضۃ الظھر فی اعناقھم فاذا انووا اٰخرظھر ادرکوھا ولم یؤدوھا وجب انصرافھا الی ظھر الیوم۔	اس لئے کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو ان کے ذمے ظہر کا فریضہ باقی ہے، توجب یہ ارادہ کرتے ہوئے کہ آخری ظہر کا وقت پایا مگر اسے ادا نہ کیا تو اس کا آج کی ظہر پر محمول کرنا واجب ہے۔(ت)

باآنکہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں یہ دوسری شناعت ہے کہ مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے مسجد خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روانہ رکھا بلکہ ابطال درکنار موجودین میں بلاوجہ شرعی تفریق جماعت کو ناجائز رکھ کر ایک ہی جماعت کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کما نطق بہ القراٰن العظیم و باللہ الھدایۃ الی صراط مستقیم (جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اللہ ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۷: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس حالت میں امام خطبہ پڑھتا ہو اُس وقت کوئی وظیفہ یا سُنن یا نوافل یا فرض قضائے فجر پڑھنا چاہئیے یا نہیں اور ٹھیک ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُس وقت وظیفہ مطلقًا ناجائز ہے، اور نوافل بھی اگر پڑھے گنہگار ہوگا اگرچہ نماز ہوجائے گی، رہی قضا اگر صاحب ترتیب نہیں تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ وہ ضرور پہلے قضا ادا کرے، اور جہاں تک دوری ممکن ہو اختیار کرے کہ صورتِ مخالفت سے بچے ۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۸: از بنگالہ ضلع پترا موضع مرادنگر مرسلہ قاضی اشرف الدین صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ چند اشخاص برائے ادائے جمعہ بمسجدے رفتند و دیدند کہ جمعہ ادا شدہ است اکنوں ایشاں دزآں مسجد مذکور صلوٰۃ جمعہ	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں گئے انھوں نے دیکھا جمعہ ادا ہوگیا ہے اب وہ لوگ اس مسجد میں جمعہ

ادا رتوانند کرد یا ادائے ظہر واجب ست. بر تقدیر ثانی با جماعت یا فرادی شخصے میگوید کہ جماعتے راکہ نمازِ جمعہ فوت شدہ شود اوشاں درخارج مسجد بہ بعد مقدار یک صد گز یا صد وبست وپنج گز مروجہ انگریزی رفتہ نماز جمعہ ادا تونند کرد ودرانجا مسجدے نیست وقول او صحیح ست یانہ واگرچنیں ادا کرد جائز خواہد شد یا نہ؟ **بینوا توجروا**	ادا کریں گے یا ظہر کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، اگر ظہر لازم ہے تو وہ جماعت کے ساتھ ادا کریں یا تنہا؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ اگر کسی گروہ کی جماعت جمعہ فوت ہوگئی تو مسجد سے دور انگریزی سو گز یا ایک سو پچیس گز کے فاصلے پر چلے جائیں اور وہاں جمعہ ادا کریں اگرچہ وہاں مسجد نہیں، اس کا قول صحیح ہے یا نہ؟ اگر اس طرح انھوں نے ادا کرلیا ہے تو جائز ہے یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

امامت جمعہ وعیدین ہر کس نتواں کرد بلکہ واجب ست کہ سلطانِ اسلام یا ماذون او باشد وبضرورت آنکہ مسلمان اور امام جمعہ مقرر کردہ باشند وشک نیست کہ یک مسجد را دو امام جمعہ کہ اقامت جمعہ واحدہ کنند نباشند پس در مسجد واحد دو بار جمعہ نتواں شد چوں بعض مردماں ایں جاجمعہ نیابند بمسجدے دیگر اگر یابند روند کہ تعدد جمعہ در شہر مذہب مفتی بہ رواست ہمچناں اگر امامے معین برائے امامتِ جمعہ یابند ودر غیر مسجد در شہر یا فنائے شہر ادا کنند نیز روا باشد زیراکہ مسجد شرط جمعہ نیست واگر نیابند فرض ست کہ ظہر ادا کنند و روا نسیت کہ جماعت نمایند بلکہ فرادی خوانند **کل ذلك مصرح بہ فی کتاب المذہب و قد بیناہ فی فتاوٰنا** وآنکہ شخص مذکور تحدید فصل ذرعان کرد اصلے ندارد۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**	جمعہ وعیدین کی امامت ہر کوئی نہیں کرواسکتا بلکہ واجب ہے کہ وہ سلطانِ اسلام یا اس طرف سے مامور ہو، البتہ ضرورت کے پیش نظر مسلمان امامِ جمعہ مقرر کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسجد میں ایک جمعہ کی اقامت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے لہٰذا ایک مسجد میں دو بار جمعہ نہیں ہوسکتا جب کچھ لوگ اس مسجد میں جمعہ نہ پاسکتیں تو وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں کیونکہ مفتی بہ مذہب کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر مقرر امامِ جمعہ کو شہر یا فنائے شہر میں مسجد کے علاوہ پالیتے ہیں تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں تو ظہر کی ادائیگی فرض ہوگی لیکن جماعت جائز نہ ہوگی بلکہ الگ الگ ادا کریں یہ تمام کتب مذہب میں صراحۃً موجود ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے اور مذکور شخص نے جو گزوں کی مقدار کا تعیّن کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۹: از شاہی علاقہ رامپور مرسلہ نادر شاہ خاں وانعام اللہ خاں ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس قصبہ شاہی میں صرف ایک مسجد وہی جامع مسجد ہے قدیم الایام سے اُس میں نماز جمعہ ہوتی ہے اور ایک عیدگاہ قریب آبادی کے ہے اس میں نماز عید پڑھی جاتی ہے فی الحال بوجہ کثرت نمازیا گنجائش سب نمازیوں کی نہیں اس لئے عیدگاہ میں جمعہ پڑھتے ہیں اُس روز جامع مسجد نماز جمعہ سے بالکل خالی رہتی ہے ایسی حالت میں کوئی بازپرس تو اہل قصبہ سے خداوند کریم بوجہ خالی رہنے مسجد کے بروزِ حساب نہ فرمائے گا اور پڑھنے نماز جمعہ سے عیدگاہ میں کچھ نقصان عنداللہ وعندالرسول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔کچھ نقصان نہیں، نہ کوئی مواخذہ۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۲۰: از بنگالہ ضلع میمن سنگھ موضع مرزاپور مرسلہ منشی آدم غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

ماتقولون یا ارباب العقول فی تبلیغ احکام الرسول فی ھذا الباب ھل یجب علی المصلین ان یصلوا اٰخرالظھر مع الجمعۃ ام لا وان صلوا فماذا ینوونھا فریضۃ ام نافلۃ بینوا بالدلیل توجروا اجرا جزیلا۔	تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تبلیغ کرنے والے اہل فہم کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ جمعہ کے ساتھ نمازیوں پر ظہر ادا کرنا لازم ہے یا نہ؟ اگر وہ ادا کرتے ہیں تو کس نیت سے فرض یا نفل؟ دلیل کے ساتھ واضح فرمائیں، اللہ تعالٰی آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔(ت)

الجواب:

ان وقع الشك فی صحۃ الجمعۃ لوقوع الشبھۃ فی شرط کالمصریۃ اوکون الدار دارالاسلام فالظاھر الوجوب وان کان ھناك توھم لاجل خلاف ضعیف فالندب ویفتی بہ الخواص لا العوام وعلی کل ینوی الفریضۃ ای اٰخرفرض ظھر ادرکتہ ولم اود لان النفل یتأدی بنیۃ الفرض ولاعکس فلا یحصل الاحتیاط الابنیۃ الفریضۃ کما لا یخفی قال فی ردالمحتار فی	اگر شرائطِ جمعہ میں اشتباہ کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں شک ہوجائے تو ظاہر یہی ہے کہ وہاں ظہر کا ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہاں صحتِ جمعہ وہم ہے تو ضعیف اختلاف کی وجہ سے ظہر کی ادائیگی مستحب ہوگی البتہ اس کے ساتھ خواص کے لئے فتوٰی ہے عوام کے لئے نہیں، ہر صورت میں فرض کی نیت ہوگی یعنی وہ آخری ظہر جسے میں پایا مگر ادا نہ کی کیونکہ نوافل فرض کی نیت سے ادا ہوجاتے ہیں مگر فرض نفل کی نیت سے ادا نہیں ہوتے، تو احتیاط نیتِ فرض میں ہی ہے جیسا کہ مخفی

القنیة لما ابتلی اھل مرو باقامة الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھما امر أئمتھم بالا ربع بعدھا حتما احتیاطا اھ ونقله کثیر من شراح الھدایة وغیرھا وتداوله، ثم نقل المقدسی عن الفتح انه ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بھا اٰخر فرض ادرکت وقته ولم اُؤده ان تردد فی کونه مصرا اوتعددت الجمعة، قال و فائدته الخروج عن الخلاف المتوھم اوالمحقق وذکر فی النھرانه لاینبغی التردد فی ندبھا علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ قال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جدہ التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم، اماعند قیام الشك والاشتباہ فی صحة الجمعة فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الھمام مایفیدہ [1] اھ مختصرا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	نہیں، ردالمحتار میں فرمایا کہ قنیہ میں ہے کہ جب اہل مرو کو دو جمعوں کا قیام پیش آیا علماء نے متعدد جمعہ میں ختلاف کیا تو ائمہ نے لوگو پر جمعہ کے بعد احتیاطًا چار رکعات ظہر ادا کرنا لازمی قرار دے دیا اھ اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے اسے نقل کیا اور اسے ہی متداول قرادیا، پھر مقدسی نے فتح سے نقل کیا کہ اگر شہر ہونے میں تردد ہو یا جمعہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے تردّد ہو تو جمعہ کے بعد چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں نے آخری ظہر کا وقت پایا اسے ادانہ کیا تھا اور فرمایا فائدہ اس کا یہ ہے کہ خلافِ متوہم یا متحقق سے خروج ہوجائے گا، نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے بچنے کی خاطر جوازِ تعدد جمعہ کے قول پر بھی ظہر کی ادائیگی کے مستحب ہونے میں تردد نہیں کرنا چاہئے اھ مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر یہ تصریح نقل کرکے اس میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جہاں محض وہم ہو لیکن جب صحت جمعہ میں شک واشتباہ ہو تو ظہر کا وجوب ظاہر اور اس پر اپنے شیخ ابن ہمام کی وہ عبارت نقل کی جو اسے مفید ہے اھ اختصارًا (ت) واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۱: از ضلع کمرلہ موضع پانسیر مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ انحرافِ قبلہ یعنی جانب ایمن وایسر کو پھر کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں باوجودیکہ فقہ کی کتابوں میں بھی یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتِ موکدہ ہو نہ پھرے بالدلائل تحریر فامایئے۔ **بینوا توجروا**

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱ / ۵۹۶

الجواب:

امام کا بعد سلام قبلہ سے انحراف تو مطلقاً سنت ہے اور اس کا ترک یعنی بعد سلام رو بقبلہ بیٹھا رہنا امام کے لئے بالاجماع مکروہ ہے، جمعہ وغیرہ سب نمازیں اس حکم میں برابر ہیں اور بعد سلام دعا و مناجات بھی بالاجماع جائز ہے مگر جس نماز کے بعد سنت ہے یعنی ظہر وجمعہ ومغرب وعشاء، اس کے بعد تاخیر طویل کسی کو بہتر نہیں اور اگر کرے تو منع بھی نہیں مگر اس قدر نہ ہو کہ مقتدیوں پر گراں گزرے، عادت مسلمین یوں جاری ہے کہ امام بعد سلام جب تک دعا سے فارغ نہ ہو مقتدی شریک دعا رہتے ہیں اور اس سے قبل اُسے چھوڑ کر نہیں اٹھتے اور یہ اگرچہ شرعاً واجب نہیں مگر حُسنِ ادب سے ہے۔

اقول: ویمکن الاستئناس له بقوله عزوجل "واذاکانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یسأذنوه" فان فراغه من الدعاء یعد اذنا منه دلالة بذلك العرف جار۔	اقول: اس پر اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی سے استدلال ممکن ہے "اور جب وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کسی معاملہ میں جمع ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر جاتے نہیں" کیونکہ دُعا سے فراغت اذن ہی تصور ہوتا ہے اور اس پر عرف جاری ہے۔ (ت)

تو ایسی حالت میں اتنی دعائے طویل کہ بعض مقتدیوں پر ثقیل ہو مطلقاً نہ کرنی چاہئے اگرچہ اس کے بعد سنت نہ ہو جیسے فجر و عصر۔

هذا ماظهر لی تفقها وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی واذا امر الامام بالتخفیف فی الصلوة ای عدم الزیادہ علی القدر المسنون اجمعوا علی انه لا یمکث فی مکانه مستقبل القبلة سائر الصلوات فی ذلك علی السواء۔	غور وفکر میں یہ مجھ پر واضح ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ ان شاء اللہ درست ہوگا اور جب امام کو نماز میں تخفیف کا حکم ہے یعنی قدر مسنون پر اضافہ کرے تو اس پر اجماع ہے کہ امام اپنی جگہ پر قبلہ رُخ ہو کر نہ ٹھہرے تمام نمازیں اس حکم میں برابر ہیں، (ت)

حلیہ میں ہے:

وقد صرح غیر واحد بانه یکره له ذلك[1]۔	متعدد علماء نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یکره تاخیر السنة الا بقدر اللهم انت السلام الخ	سنتوں میں تاخیر اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قال الحلوانی لاباس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال، قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت فی حفظی حملہ علی القلیلۃ [1]اھ	زیادہ مکروہ ہے، حلوانی نے فرمایا اذکار کے ساتھ فرائض وسنن میں فاصلے میں کوئی حرج نہیں، کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے، حلبی کہتے ہیں کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی ہے تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے قلت اور مجھے یہاں تک یاد ہے کہ یہ (تنزیہی) قلیل فصل پر محمول ہے اھ (ت)

حلیہ میں ہے:

تحمل الکراھۃ علی التنزیھیۃ بعد دلیل التحریمیۃ [2]۔	جب تحریمی پر دلیل نہ ہو تو مکروہ کو تنزیہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

قول عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مقدار مایقول الھم انت السلا الخ یفید ان لیس المراد انہ کان یقول ذلك بعینہ بل کان یقعد زمانا یسع ذلك المقدار ونحوہ من القول تقریبا فلا ینافی ماروی مسلم وغیرہ عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا سلم من صلٰوتہ قال بصوتہ الا علی لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ ولا نعبد ولہ الثناء الحسن، لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ لاالکفرون، لان	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا یہ فرمان کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم انت السلام الخ کی مقدار پڑھتے، فائدہ دے رہا ہے کہ ان کی مراد بعینہٖ یہی الفاظ نہیں بلکہ اتنی دیر بیٹھنا جس میں یہ یا اس کی مقدار تقریبًا پڑھا جائے۔ لہٰذا یہ روایت مسلم وغیرہ کی اس روایت کے منافی نہیں جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، اسی کی حمد ہے، اور وہ ہر شیئ پر قادر ہے، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طرف آنے کی طاقت وتوفیق اللہ تعالٰی ہی عطا فرماتا ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، نعمت اسی کی ہے اور اُسی کا فضل

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۶۶
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید، قد یسع کلو احد من نحو ھذہ الاذکار لعدم التفات الکثیر بینھا[1] اھ مختصرا۔	اھے، اعلٰی تعریف اسی کی ہے۔ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں، ہماری تابعداری اسی کے لئے خالص ہے، اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں" کیونکہ مقدار مذکور تقریبًا ہے تحدیدًا نہیں وہ وقت ان تمام اذکار کی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ ان میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہے اھ مختصرا (ت)

بلکہ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق قدس سرہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

تعجیل قیام بہ سنت مغرب منافی نیست مرخواندن آیۃ الکرسی وامثال آنرا چنانکہ در حدیث وارد شدہ است کہ بخواند بعد از نمازِ فجر و مغرب دہ بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر[2]۔	مغرب کی سنتوں کے لئے جلدی قیام آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھنے کے منافی نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نماز فجر و مغرب کے بعد دس مرتبہ یہ پڑھا جائے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک لہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر۔ (ت)

فقہ کی کسی کتاب معتمد میں یہ نہیں کہ جس نماز کے بعد سنت ہے اُس کے امام کو قبلہ سے پھرنا ہی منع، ہاں فصل طویل کو ناپسند فرماتے ہیں اور اُس کے معنی ان کلماتِ علماء سے کہ فقیر نے نقل کئے ظاہر ہوگئے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۲: از کھاتہ ضلع رامپور مرسلہ قاضی ضیاء الدین احمد صاحب ۳ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں عرصہ کثیر گزرا زمانہ پادشاہت اسلام میں قاضی شرع نے جو قاضی بااختیار تھے جامع مسجد قائم کی اور وہ مقام شرائط جمعہ کے موافق مناسب سمجھ کر نماز جمعہ و نماز عیدین اُسی مسجد میں ہوتی رہی اور مسلسل اُسی وقت سے حسبِ اجازت وہدایت اصل قاضی یا حاکم وقت مذکور کے اُسی خاندان میں امامت رہی اب ایک شخص نے بوجہ مخالفت چند امور دنیاوی کے امام سے رنج کرکے ایک دوسری مسجد میں جو تھوڑے زمانے سے تیار ہوئی ہے نماز عید ادا کی اور باشندگانِ دیہ کو جامع مسجد قدیم کو آنے سے روک کر بہکا کر بہت سے اشخاص کو اُس نماز میں شریک کیا اور نماز پڑھائی اور جامع مسجد قدیم میں بھی مثل قدیم نماز پڑھی گئی اور جماعت ہوئی تو اب دریافت طلب ہے کہ اُس مسجد جدید میں امام قدیم سے مخالفت کرکے نماز عید ہوئی یا نہیں؟ اور ایسے نماز پڑھوانے والے کے واسطے جو تفریق جماعت کا مرتکب ہوا

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۲

[2] اشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۱۸

کیا حکم ہے اور آئندہ اس طریقہ سے نماز ہو گی یا نہیں؟

الجواب:

جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطانِ اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکیں تو بضرورت عام اہل اسلام کسی کو امام مقرر کرلیں، صورتِ سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدھا (اللہ تعالٰی اس کی مدت کو دراز فرمائے۔ت) سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایام قدیم میں مستمر ودائم ہے تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلا مجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔

لان الخیرة لھم انما یکون عند الضرورة لفقد الماذون فاذا وجد فلا ضرورة فلا خیرة۔	انھیں اختیار ضرورت کے وقت ہے جب مامور نہ ہو اور جب مامور ہے تو اب ضرورت نہیں لہٰذا اختیار بھی نہ ہوگا۔(ت)

یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیت امامت معدوم ہوجائے اور اس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو، جب ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا اس دوسرے شخص کی امامت نہ ہوئی اُس کے پیچھے نماز عید وجمعہ محض باطل ہوں گی وہ سخت گناہوں کا خود بھی مرتکب ہوگا اور اُتنے مسلمانوں کو بھی شدید معصیتوں میں مبتلا کردے گا وہ دوسری مسجد کا جمعہ حرام ہوگا اور ظہر کا فرض سرپر رہے گا اور عیدین میں نماز عید باطل ہوگی۔ اُس کا پڑھنا گناہ ہوگا واجبِ عید سرپر رہ جائے گا تفریق جماعت تو وہاں کہی جائے کہ نماز جمعہ یا عیدین اس کے پیچھے بھی صحیح ہوجائیں، جب یہاں سرے سے ہوئی ہی نہیں تو تفریق کیسی، بلکہ ابطال نماز ہے کہ سب سے سخت تر ہے، اللہ تعالٰی توفیق توبہ بخشے، یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے، آج کل جُہّال میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے کہ جمعہ یا نماز عید نہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہوئے اور ایک شخص کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لی وہ نماز نہیں ہوتی اور اُس کے پڑھنے کا گناہ الگ ہوتا ہے عوام کے خیال میں یہ نمازیں بھی پنجگانہ کی طرح ہیں کہ جس نے چاہا امامت کرلی حالانکہ شرعًا یہاں امام خاص اس طریق معیّن کا درکار ہے اُس کے بغیر یہ نمازیں ہو نہیں سکتیں، تنویر الابصار میں ہے:

یشترط لصحتھا السلطان اومامورہ باقامتھا[1]۔	سلطان یا اس کے مامور کا جمعہ کو قائم کرنا صحت جمعہ کے لیے شرط ہے۔(ت)

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹-۱۱۰

درمختار میں ہے:

فی السراجیة لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز[1] الخ	سراجیہ میں ہے اگر اجازت خطیب کے بغیر کسی نے جمعہ پڑھا یا تو جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله انه لاتصح اقامتها الا لمن اذن له السلطان بواسطة اوبدونها امابدون ذلك فلا[2]۔	اس کا حاصل یہ ہے کہ اقامت جمعہ درست نہیں مگر اس شخص کے لئے جسے سلطان نے اجازت دی خواہ یہ اجازت بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اگر بغیر اجازت کسی نے جمعہ قائم کیا تو درست نہیں۔(ت)

تنویر ودر میں ہے:

(ونصب العامة) الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) امامع عدمهم فیجوز للضرورة[3]۔	خطیب کو (عوام کا مقرر کرنا) (معتبر نہیں بشرطیکہ جب مذکورہ لوگ ہوں) لیکن اس صورت میں جب یہ لوگ نہ ہوں تو ضرورت کے لئے امام کا تقرر درست ہوگا(ت)

اُنھیں کے باب العیدین میں ہے:

(تجب صلٰوتهما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها) فانها سنة بعدها وفی القنیة صلٰوة العید فی القری تکره تحریما ای لانه اشتغال بما لایصح لان المصر شرط الصحة[4] ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم	(عیدین کی نماز شرائط جمعہ کے ساتھ ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے) کیونکہ نماز عید ان شرائط کے بعد سنت ہے۔ قنیہ میں ہے کہ دیہاتوں میں عید مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر ہونا صحت کے لئے شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۹۲

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[4] درمختار باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

مسئلہ ۱۳۲۳: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ قصبہ بنیازان ڈاک خانہ لکھی گنج مرسلہ منشی طالب حسین خاں ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں ایک مسجد ہے جہاں لوگ بہت دنوں سے جمعہ پڑھا کرتے ہیں اگرامام مع چند لوگوں کے نماز جمعہ پڑھ لے تو بعدہ، دوسرے لوگوں کو تکرارِ نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟اور اگر پڑھ لیا تو نماز اُن کی ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ایک مسجد میں تکرارِ نماز جمعہ ہرگز جائز نہیں۔

وقد اخطأ بعض العصریین من لکھنؤ فی تجویز ذلك مغترا بجواز التعدد کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	بعض معاصرین لکھنؤ نے اسے جائز کہہ کر غلطی کی ہے انھیں تعدد جمعہ کے جواز سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا۔(ت)

جمعہ وعیدین کی امامت مثل نماز پنجگانہ نہیں کہ جسے چاہئے امام کردیجئے بلکہ اُس کے لئے شرط لازم ہے کہ امام ماذون من جہتہ سلطان الاسلام ہو بلاواسطہ یا بالواسطہ کہ ماذون کا ماذون ہو یا ماذون الماذون کا ماذون ہو۔

وھلم جرا بضرورۃ اوبدونھا ایضا علی اختلاف القیلین مع شرط المعلوم المبین فی کلمات العلماء الکرام۔	اور اسی طرح آگے ضرورت کی وجہ سے یااس کے بغیر بھی اختلاف قولین کی بناپر باوجودیکہ علماء کرام کی عبارات میں شرط معلوم اور واضح ہے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر بغیر اُس کی اجازت کے دوسرا شخص امامتِ جمعہ کرے نماز نہ ہوگی، سراجیہ میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذااقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ [1] اھ اقول ولااستثناء فان الاذن یعم الاذن دلالۃ۔	اگر خطیب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب اس کی اقتداء کسی ایسے شخص نے کی جو جمعہ قائم کرسکتا تھا اھ **اقول:** یہاں استثناء کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اجازت اس اجازت کو بھی شامل ہے جو دلالۃً ہو۔(ت)

درمختار میں ہے: **واقرہ شیخ الاسلام** (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا ہے۔ت) ہاں جہاں ماذونِ سلطان نہ باقی ہو وہاں بضرورت اقامت شعار اجتماع مسلمین کو قائم اذن سلطان قرار دیا ہے۔

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

یعنی مسلمان متفق ہو کر جسے امام جمعہ مقرر کرلیں وہ مثل امام ماذون من السلطان ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمهم فیجوز للضرورة[1]۔	مذکورہ اشخاص کے ہوتے ہوئے عوام کاخطیب مقرر کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر مذکورہ افراد نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ جو امر ضرورۃً جائز رکھا گیا وہ حد ضرورت سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

لما عرف من القاعدة المطردة الفقهیة بل والعقلیة ان ماکان بضرورة فقدر بقدرها	کیونکہ فقہ بلکہ عقلاً قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کچھ ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ ضرورت کی مقدار کے برابر ہی ہوتا ہے۔ (ت)

اور مسجد واحد کے لئے وقتِ واحد میں دو امام کی ہرگز ضرورت نہیں، تو جب پہلا امام معیّن جمعہ ہے دوسرا ضرور اُس کی لیاقت سے دور ومہجور تو اُس کے پیچھے نماز جمعہ باطل ومحذور، البتہ اگر امام معین نے براہ شرارت خواہ اپنی کسی خاص حاجت کے سبب جلدی کی اور وقت معہود سے پہلے معدودے چند کے ساتھ نماز پڑھ لی عامہ جماعت مسلمین وقت معین پر حاضر ہوئی تو اب ظاہرًا مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ انھیں جائز ہو کہ دوسرے شخص کو باتفاق عام مسلمین امام مقرر کریں اور نماز جمعہ پڑھیں۔

لحصول الضرورة بالضرورة ولم تندفع بما فعل الامام بل لم یحصل من فعله ماکان نصبه فما نصب الاللعامة لالعدة نفر کما لایخفی ولیحرر۔ والله تعالٰی اعلم۔	واضح ضرورت پائے جانے کی وجہ سے اور یہ ضرورت امام کے فعل سے پوری نہیں ہوئی بلکہ جس مقصد کے لئے اس کا تقرر ہوا وہ حاصل نہ ہوا وہ تو عام لوگوں کے لئے مقرر تھا نہ کہ چند لوگوں کے لئے جیسا کہ مخفی نہیں، اسے واضح کرلینا چاہئے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۴: مرسلہ ظہور احمد از بیتھو ڈاک خانہ چاکند ضلع گیا

جس موضع میں تین مسجد ہوں اور بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب لوگ گنجائش نہ کرسکیں اور اس جگہ سے تین میل شہر متصل ہو اُس موضع میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اس جگہ کے لوگوں کو جمعہ پڑھنا اُس شہر میں واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ یہ جو عبارت وقایہ کی ہے کہ: **مالایسع اکبر مساجده اهله مصر**[2] (ایسی جگہ کہ بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب مسلمان گنجائش نہ کرسکیں جمعہ واجب ہے یا نہیں

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[2] شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴۰

یعنی مسلمان عاقل بالغ جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔

الجواب:

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کے لئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار یشترط لصحتہا المصر، اوفنائه وهو ماحوله اتصل به اولا کما حررہ ابن الکمال وغیرہ لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل[1] اھ ملخصا ،فی ردالمحتار قد نص الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیرذلك [2] اھ وفی درالمختار عن القنیة صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة [3]	تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اھ ملخصًا تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اھ ملخصًا ، ردالمحتار میں ہے کہ ائمہ نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ فنا سے مراد وہ میدان ہے جو دفن موتی اور شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑ دوڑ اور چوپایوں کے لئے ، لشکر کے اجتماع کے لئے یا نشانہ بازی وغیرہ کے لئے ہو اھ ، در مختار میں قنیہ سے ہے کہ دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسے عمل مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ صحتِ عید کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے (ت)

مصر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں وہاں کے اہل جمعہ نہ سمائیں اپنے ظاہر معنی پر ہمارے ائمہ کے مذہب متواتر کے خلاف ہے ولہٰذا محققین نے اسے رد فرمایا اور تصریح کی کہ اس تصریح پر خود مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ

---

[1] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۱

[3] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

شہر سے خارج ہوئے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ باطل ٹھہرتا ہے کہ اُن کی مساجد کریمہ اپنے اہل کی ہمیشہ سے وسعت رکھتی ہےں، غنیہ شرح منیہ علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافا کثیرا والفصل فی ذلك ان مکة والمدینه مصران تقام بھما الجمع من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لایصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرھما وھو مالو اجتمع اھله فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانه منقوض بھما اذمسجد کل منھما یسع اھله وزیادۃ فلا یعتبر ھذا التعریف وبالاولی ان لایعتبر تعریفه بما یعیش فه کل محترف بحرفته اویوجد فیه کله محترف فان مصر وقسطنطنیة من اعظم امصار الاسلام فی زماننا ومع ھذا فی کل منھما حرف لا توجد فی الاخری فضلا عن مکة والمدینة [1] انتھی باختصار	تعریف شہر میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے تو ہر وہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وہ شہر کہلائے گا اور جو تفسیر شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت مثلاً صاحب مختار اور صاحب وقایہ وغیرہ نے اختیار کی کہ (وہ مقام شہر ہوگا) اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہو جائیں اور مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہے، ان دونوں (مکہ ومدینہ) کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی تھیں لہٰذا یہ تعریف معتبر نہیں، اور بطریق اولٰی شہر کی یہ تعریف غیر معتبر ہے کہ ہر وہ مقام جس میں ہو کاریگر اپنی صنعت کے ساتھ ہو یا وہاں ہر قسم کا کاریگر موجود ہوں کیونکہ ہمارے دور میں مصر اور قسطنطنیہ مسلمانوں کے سب سے بڑے شہروں میں سے ہیں، باوجود اس کے دونوں میں سے ایک میں مخصوص صنعت ہے جو دوسرے میں نہیں چہ جائیکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہو، غنیہ کی عبارت اختصاراً ختم ہوئی۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالو اجتمع اھله فی اکبر مساجدہ لایسعھم [2]۔	ایک قول یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو ان کے لئے کافی نہ ہو (ت)

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] ملتقی الابحر باب الجمعۃ مطبوعہ مؤسستہ رسالہ بیروت ۱/۱۴۳

مجمع الانہر میں ہے:

اوردبصیغة التمریض لانھم قالوا ن ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	صیغہ تمریض لایا گیا ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۵ تا ۱۳۲۶: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بعد نماز جمعہ احتیاطاً ظُہر پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

(۲) خطبہ جمعہ میں جب نام پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا آوے اُس وقت سامعین کو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) احتیاطی ظہر کی عام لوگوں کو حاجت نہیں۔

(۲) خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر دل میں درود پڑھیں، زبان سے سکوت فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۷: از بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بلابو قصبہ نیلو کھیا مرسلہ محمد نیاز حسین ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

اگر قری میں جہاں مسلمان کثرت سے ہوں اور مکانات آپس میں متصل بلا فاصلہ ہیں اگر ہے تو پندرہ یا بیس گز اور نماز پنجگانہ کے لئے مقرر ہے اذان و جماعت ہوتی ہے وہاں کے لوگ متفق ہو کر ایک شخص کو امام جمعہ مقرر کرکے نماز جمعہ ادا کریں تو علیہ ماوجب لہ (جو ان پر لازم ہے۔ت) سے بری ہوں گے یا نہیں، اور موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد نماز جمعہ ظہر احتیاطی پڑھنا کیسا ہے اور وہ لوگ بسبب اس جمعہ پڑھنے کے مستحق ثواب یا اثم، اور اگر اثم ہے تو کیسا؟ بینوا بالتفصیل مع الدلیل توجروا یوم الاخر والحساب اٰمین یا رب العٰلمین (تفصیلا دلائل کے ساتھ بیان فرمادیجئے اللہ تعالٰی آخرت میں آپ کو اجر عطا فرمائے۔ اے رب العٰلمین! دعا قبول فرما۔ت) صحتِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے پس مصر کی تعریف صحیح موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہا ہے اور تعریف قری جس میں جمعہ واجب نہیں اور نہ وہاں جمعہ پڑھنا جائز کیا ہے، قری اور دیہات

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۶۶

میں فرق ہے یا نہیں، اگر فرق ہے تو کس میں جمعہ جائز اور کس میں ناجائز؟

الجواب:

مذہب حنفی میں فرضیت جمعہ وصحت جمعہ وجوازِ جمعہ سب کے لئے مصر شرط ہے دیہات میں نہ جمعہ فرض نہ وہاں اس کی ادا جائز و صحیح، اگر پڑھیں گے ایک نفل نماز ہوگی کہ برخلاف شرح جماعت سے پڑھی ظہر کا فرض سر سے نہ اُترے گا پڑھنے والے متعدد گناہ کے مرتکب ہوں گے،

للاشتغال بما لایصح کما فی الدرالمختار[1] وللتنفل بجماعة بالتداعی ولترك جماعة الظهر وان ترکوا الظهر فاشنع واخنع۔	یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اور تداعی کے ساتھ نوافل کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور جماعت ظہر کا ترک لازم آتا ہے اور اگر وہ ظہر ترک کردیتے ہیں تو یہ نہایت ہی برا و قبیح عمل ہے۔(ت)

قریہ زبانِ عرب میں شہر کو بھی کہتے ہیں،

قال تعالٰی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی[2]، ای الامصار لعلمهم وحلمهم دون البوادی لغلظهم وجفائهم وقال تعالٰی علی عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ[3]، ای مکة و الطائف وقال تعالٰی مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ[4]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں کو جن پر ہم نے وحی کی اہل قری میں سے" یعنی شہروں سے کیونکہ شہری لوگ صاحب علم وحلم ہوتے ہیں۔ (دوسرے مقام پر) اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "ان دو قریوں میں سے بڑے آدمی پر" یعنی مکہ وطائف۔ (تیسرے مقام پر) اللہ تعالٰی نے فرمایا "تیرے اس قریہ سے جس سے تجھے نکالا" (ت)

اور جب اُسے مصر کے مقابل بولیں تو اس میں اور دِہ میں کچھ فرق نہیں **ثم اقول:** **وبه التوفیق** (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) حق ناصع یہ ہے کہ مصر وقریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوٰۃ وزکوٰۃ نہیں

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] القرآن ۱۲/ ۱۰۹

[3] القرآن ۴۳/ ۳۱

[4] القرآن ۴۷/ ۱۳

جس کو شرع مطہر نے معنی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے لئے مقرر کیا ہو ورنہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہو سکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت ومنقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں دِہ اُنھیں معانی معروفہ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھیر کر کسی دوسرے معنی کے لئے قرار دینا دِہ قرار دہندہ کی اپنی اصطلاح خاص ہوگی جو مناط ومدار احکام و مقصود ومراد شرع نہیں ہو سکتی۔ محقق علی الاطلاق رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

واعلم ان من الشارحین من یعبر عن ھذا بتفسیرہ شرعاً ویجب ان یراد عرف اھل الشرع وھو معنی الاصطلاح الذی عبرنا بہ لاان الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نقلہ فانہ لم یثبت وانما تکلم بہ الشارع علی وفق اللغۃ[1]۔	واضح رہے کہ بعض شارحین نے اس تفسیر کو شرعی کہا ہے اور اس سے اہل شرع کا عرف مراد لینا واجب ہے اور اس اصطلاح کا یہی معنی ہے جس کے ساتھ ہم نے اسے تعبیر کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقل کیا ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں شارع نے اس میں لغت کے مطابق تکلم فرمایا ہے۔(ت)

اور ظاہر کہ معنی متعارف میں شہر ومصر ومدینہ اُسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے، محلے متعدد ودائمی بازار ہوتے ہیں، وہ پرگنہ ہوتا ہے اُس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں، عادۃً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلہ مقدمات کرے، اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ ودِہ وموضع وگاؤں کہلاتی ہیں، شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد ومدار احکام جمعہ وغیرہا ہیں، ولہذا ہمارے امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

فی تحفۃ الفقھاء عن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما تقع	تحفہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے شہر وہ ہوگا جو بڑا ہو اس میں سڑکیں، بازار، سرائے ہوں وہاں کوئی ایسا والی ہو جو اپنے دبدبہ، اپنے علم یا غیر کے علم کی وجہ سے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکیں، حوادثات میں لوگ

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴

من الحوادث وھذا ھو الاصح[1]۔	اس کی طرف رجوع کریں اور یہی اصح ہے۔(ت)

ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے ولہذا دارالحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو، نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں، اصطلاح شرع میں وہ گاؤں ہیں، حاشا یہ محض غلط ہے قیامت تک کوئی ثبوت نہیں دے سکتا کہ شرع مطہر نے کفار کے امصار کبار کو مصر ومدینہ سے خارج اور دِہ گاؤں بتایا ہو اس بناپر کہ وہاں اقامتِ حدود وتنفیذِ احکام شرع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی مکہ معظّمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کہ کفر وکافرین کا تسلط وغلبہ تھا ظاہر وعیاں ہے اور اکثر مرسلین کرام اصحاب شرائع جدیدہ علیہم الصلٰوۃ والسلام ایسے ہی شہروں میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں کے ساکن ہوکر انھیں پر مبعوث ہوتے اب کیا معاذ اللہ یہ کہا جائے گا کہ شرعاً ی مرسلین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین دیہاتی تھے حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی[2]۔ ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور شہری ہی تھے۔ ان میں کوئی عورت نہ تھی نہ کوئی گنوار بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت غلبہ کفار کے سبب مکہ معظّمہ سے ہجرت کی ضرورت ہوئی اس وقت بھی قرآن عظیم نے مکہ مکرمہ کو شہر ہی فرمایا وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡیَتِكَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ ۚ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ﴿۱۳﴾[3]۔ بہتیرے شہر کو تمھارے اس شہر سے جس نے تم کو نکالا زیادہ قوت والے تھے ہم نے ہلاک کردئے تو ان کا کوئی مددگار نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دارالحرب کے شہر کفر کے شہر ہیں اور اقامت جمعہ کو اسلامیہ شہر درکار، اسی طرف نظر کرم فرماکر کلام قدماء میں جبکہ اسلام کا دور دورہ تھا اور اسلامی شہر اسلامی احکام کے پابند تھے لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود (وہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ اور جاری کرسکے۔ت) واقع ہوا اس سے مقصود وہی تھا کہ اسلامی شہر کہ اُس وقت اسلامی شہر ایسے ہی ہوتے تھے، یہ معنی نہ تھے کہ تنفیذ احکام واقامت حدود سنخ حقیقت شہر میں داخل ہے، یہ نہ ہو شہر شرعاً شہر ہی نہ رہے گا گاؤں ہوجائے گا حالانکہ فتنہ بلوائیان مصر میں خاص زمانہ خلافت راشدہ میں چندروز تنفید احکام نہ ہوئی کیا اُس وقت مدینہ طیبہ گاؤں ہوگیا تھا اور اس میں جمعہ پڑھنا حرام باطل ہوا تھا؟ حاشا ہرگز ایسا نہیں، خود یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایام فتنہ میں اقامت جمعہ ہوگی اور شہر شہریت سے خارج نہ ہوگا، ولہذا ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] القرآن ۱۲/ ۱۰۹

[3] القرآن ۴۷/ ۱۳

لومات الوالی اولم یحضر الفتنۃ ولم یوجد احد ممن لہ حق اقامۃ الجمعۃ نصب العامۃ لھم خطیبا للضرورۃ کما سیأتی مع انہ لا امیر والا قاض ثمہ اصلا، وبھذا ظھر جھل من یقول لاتصح الجمعۃ فی ایام الفتنۃ مع انھا تصح فی البلاد التی استولی علیھا الکفار کما سنذکرہ فتامل[1]۔	اگر والی فوت ہوگیا یا فتنہ کی وجہ سے آنہیں سکتا اور وہاں کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو جمعہ کی امامت کا حقدار ہے تو پھر ضرورت کی وجہ سے خطیب مقرر کرسکتے ہیں جیسا کہ عنقریب آرہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کہ وہاں کبھی قاضی یا امیر نہ ہو، اس سے اس شخص کی جہالت بھی واضح ہوگئی جو کہتا ہے کہ فتنہ کے دنوں میں جمعہ صحیح نہیں حالانکہ جمعہ ان شہروں میں درست ہے جن پر کفار کی ولایت ہو جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے پس غور کیجئے۔(ت)

اس تعریف میں الفاظ ینفذ ویقیم (نافذ کرے اور قائم کرے۔ت) موہم فعلیت تھے جس سے بعض کبراء کو دھوکا ہو جسے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد یقدر علی الانصاف (وہ انصاف پر قادر ہو۔ت) نے زائل کردیا کما بینہ فی الغنیۃ وردالمحتار وغیرھما من الاسفار (جیسے کہ یہ بات غنیہ اور ردالمحتار وغیرہ جیسی کتب میں ہے۔ت) اور حقیقۃً غور کیجئے تو ارشاد امام میں علمہ او علم غیرہ (اپنے یا غیر کے علم کی بناء پر۔ت) کہ مفید تقیید اسلام والی ہے یہ بھی اُس زمانے کی حالت کے مطابق تھا اس وقت میں اور اس کے بعد صدہا سال تک اس کی نظیر قائم نہ ہوئی تھی کہ شہر دارالاسلام ہو اور حاکم کافر ولہذا نظر بحالت موجودہ اسلامیت شہر واسلام شہریار میں تلازم تھا ان بندگان خدا کے خواب میں بھی یہ خیال نہ گزرتا ہوگا جو آج آنکھوں کے سامنے ہے کہ شہر دارالاسلام اور اس پر کفار حکام ورنہ حقیقۃً صرف اُسی قدر درکا ہے کہ اسلامی شہر ہو اگرچہ والی کافر ہی ہو، ولہذا جامع الرموز میں زیر قول ماتن شرط الادئھا المصر والسلطان (ادائے جمعہ کے لئے شہر او سلطان کا ہونا شرط ہے۔ت) فرمایا:

الاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط[2]۔	اطلاق بتاتا ہے کہ اسلام شرط نہیں۔(ت)

مبسوط ومعراج الدرایہ وجامع الفصولین وہندیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ۔	اگرچہ والیِ شہر کافر ہو مسلمانوں کے لئے جمعہ کا

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۰

[2] جامع الرموز فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۳

الجمعۃ۔[1]	قیام جائز ہے۔(ت)

توآفتاب کی طرح روشن ہوا کہ صرف اسلامی شہر ہونا درکار ہے تنفیذ احکام یا اقامت حدود یا اسلام والی کچھ شرط نہیں اور بحمد اللہ تعالٰی ہم نے اپنے فتاوٰی میں دلایل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر وقصبات میں (جن کو شہر کہتے ہیں اور وہ نہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے، متعدد ودائمی بازار ہیں، وہ پرگنہ ہیں، ان کے متعلق دیہات ہیں، اُن میں ضرور کوئی حاکم فصل مقدمات کے لئے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت اور تحقیقات یا چالان کا مختار ہے) وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور انھیں میں جمعہ صحیح ہے ان کے علاوہ جتنی ابادیاں ہیں گاؤں ہیں اگرچہ مکانات پختہ اور مسلمان ومساجد بکثرت ہوں ان میں نہ جمعہ فرض نہ جائز نہ صحیح، یہ حق تحقیق وتحقیق حق ہے جس سے سرمُوحق متجاوز نہیں، یہ تعریف کہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے سُکّان اہل جمعہ نہ سمائیں اگر بطور تعریف مانی جائے تو صریح باطل ہے جس پر وہ اعتراضاتِ قاہرہ وارد ہیں جن کا جواب اصلاً ممکن نہیں اور اگر کچھ اور نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ اس تعریف پر خود مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ گاؤں ٹھرے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ معاذاللہ حرام وباطل قرار پاتا ہے اکبر مساجدہ (وہاں کی سب سے بڑی مسجد۔ت) کو اپنے ظاہر پر رکھیں اور ان میں متعدد مساجد صغیرہ وکبیرہ اور ان سب میں اکبر ہونا شرط کریں جب تو مکہ معظّمہ کا شہر نہ ہونا صراحۃً واضح کہ مکہ معظّمہ میں سوا مسجد الحرام کے کوئی مسجد صدہا سال تک نہ تھی اور عجب نہیں کہ اب بھی نہ ہو۔ نورالعین وردالمحتار کتاب الوقف میں ہے:

لامسجد فی مکۃ سوی المسجد الحرام[2]۔	(مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ کوئی مسجد نہیں۔ت)

اور اگر ایک مسجد پر قناعت کریں اور مجازًا ٹھہرالیں کہ جب یہی ایک مسج تو یہی اکبر مساجد ہے تو اول تو یہ اکس قدر مقاصد شرع مطہر سے دور مہجور ہے، ایک عظیم اسلامی شہر جس میں لاکھ مسلمان مرد ومقاقل رہتے ہیں اُس میں ایک مسجد فرض کیجئے جس میں لاکھ سے زائد یا صرف لاکھ آدمی آسکیں اور ایک گمنام پہاڑی کی نلی میں بن کے کنارے دو جھونپڑیاں وحشی جنگلیوں کی ہو جن میں آٹھ دس مرد رہتے ہیں اور انھوں نے ایک چبوترہ چند گز کا بنالیا ہے جس میں سات آدمیوں کی گنجائش ہے آگے امام اور پیچھے تین تین آدمیوں کی دو صفیں، رو لازم ہے کہ وہ شہر عظیم الشان گاؤں ہو اور اس میں جمعہ حرام، اور یہ کوردہ مصر جامع ومدینہ عظیمہ ہو اور اس میں جمعہ فرض، کیا ارشاد حدیث:

[1] ردالمحتار، باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۵۹۵/۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۲۱/۳

لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلٰوۃ فطر ولااضحی الافی مصر جامع اومدینۃ عظیمۃ[1].	مصر جامع اور بڑے شہر کے علاوہ کسی جگہ نہ جمعہ ہو سکتا ہے نہ تکبیراتِ تشریق، نہ نماز عید لفطر اور نہ نماز عیدالاضحیٰ۔(ت)

کا یہی منشا ہے، حاشا وکلّا معہذا ایسا ہو تو دن میں چھ چھ بار مصریت وقرویت پلٹا کھائے، ایک بستی میں سَو اہل جمعہ رہتے ہیں اور اس کی اکبر مساجد میں اتنے آدمیوں کی وسعت ہے تو گاؤں ہے پھر دن چڑھے ان میں ایک لڑکا بالغ ہوا تو وہ شہر ہو گیا کہ اب اس مسجد میں وہاں کے اہل جمعہ کی وسعت نہ رہی، دوپہر کو ایک شخص وہاں سے سکونت چھوڑ کی چلا گیا تو پھر گاؤں ہو گیا اب پھر وسعت ہو گئی پھر دن رہے ایک غلام آزاد ہوا تو پھر شہر ہو گیا کہ وسعت نہ رہی شام کو ایک شخص مر گیا تو پھر گاؤں ہو گیا، عشاء کو ایک مجنون ہوش میں آگیا تو پھر شہر ہو گیا، آدھی رات ایک شخص کی آنکھیں جاتی رہیں تو پھر گاؤں کا گاؤں رہا وعلی ہذا القیاس، بلکہ فرض کیجئے کہ ابھی وہ شہر تھا اور جمعہ فرض تھا مسلمان جمعہ کے لئے جمع ہوئے امام خطبہ پڑھ رہا ہے کہ خبر آئی فلاں مر گیا اب جمعہ حرام ہو گیا خطبہ بے کار گیا کہ شہر گاؤں ہو گیا، امام نے خطبہ چھوڑا اور اعلان ہوا کہ بھائیوں ظہر کی نیت باندھو، تکبیر ہوتی ہی تھی کہ ایک لڑکے نے کہا میری انکھ لگ گئی تھی احتلام ہو گیا، وہ نہانے کو گیا یہاں امام پھر خطبہ کو جائے کہ اب یہ پھر شہر ہے اور پہلا خطبہ کہ بوجہ زوال محلیت بیکار ہو گیا تھا پھر اعادہ کرے ابھی دوسرے خطبہ تک نہ پہنچا تھا کہ خبر آئی فلاں کی آنکھیں جاتی رہیں اب امام پھر اترے اور ظہر کا اعلان دے، تکبیر ہو رہی ہے کہ صف میں سے ایک مسافر نے اُٹھ کر کہا صاحبو! کیوں جمعہ کھوتے ہو میں یہاں چند روز کے لئے آیا تھا مگر اب یہیں کا ساکن ہو گیا امام سے کہئے پھر سہ بارہ خطبے کو جائے، اس الٹ پھیر میں معلوم نہیں کہ عصر کا وقت آنے تک جماعت کہ جمعہ نصیب ہو یا ظہر، یہ سب خوبیاں اس تعریف کی ہیں اور ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دونوں بلد کریم مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کی مساجد طیبہ قطعاً وہاں کے اہل جمعہ بلکہ ان سے بدر جہا زائد کی وسعت رکھتی ہیں جیسا کہ بحمد اللہ تعالٰی آنکھوں سے مشاہدہ ہے تو وہ دونوں شہر کریم معاذ اللہ گاؤں ہوئے اور ان میں جمعہ حرام ٹھہرا، اس سے زیادہ شناعت اور کیا ہو گی، اور یہ وسعت آج کی نہیں زمانہ اقدس حضور۔سید عالم۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی تھی۔ تو معاذ اللہ زمانہ اقدس سے وہ گاؤں ہی تھے اور ان میں جمعہ حرام تھا مگر ہوتا تھا، اب یہ منتہائے شناعت کبرٰی ہے جس سے مافوق متصور نہیں، جامع ترمذی شریف میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رحم اللہ عثمٰن زاد فی مسجد ناحتی وسعنا ھذا مختصر اللہ تعالٰی عثمان پر رحمت فرمائے اس نے ہماری

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ من قال لاجمعہ الخ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۱

مسجد شریف بڑھادی یہاں تک کہ اس میں ہم سب نمازیوں کی وسعت ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ سب نمازیوں کی وسعت ہوجانا صرف اہل جمعہ کی وسعت سے کہیں زیادہ ہوگی، تو معاذاللہ اس تعریف پر حاصل حدیث یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی عثمان کا بھلا کرے اس نے ہماری مسجد بڑھا کر مدینہ کو گاؤں کردیا اور اس میں جمعہ حرام ہوگیا، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاستسقاء میں ہے:

من ہو مقیم بالمدینۃ لا یبلغ قدر الحاجۃ وعند اجتماع جملتہم یشاھد اتساع المسجد الشریف فی اطرافہ، وانما شدۃ الزحام فی الروضۃ الشریفۃ وماقاربھا للرغبۃ فی زیادۃ الفضل والقرب من المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا فی الشرح [1]۔	جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں ان کی تعداد جمعہ کے لئے مذکورہ ضرورت کو پورا نہیں کرتی تمام اہل مدینہ کے اجتماع کے باوجود مسجد نبوی شریف کی اطراف کو خالی دیکھا جاتا ہے، ریاض الجنۃ اور اس کے آس پاس کی جگہ پر لوگوں کا ازدحام اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے مصطفٰی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قرب اور مزید فضل نصیب ہوتا ہے، اسی طرح شرح میں ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

الفصل فی ذلک ان مکۃ والمدینۃ مصر ان تقام بھما الجمع من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتأ خرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھما وھو مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بھما اذا مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ [2]۔	فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے تو ہر وہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وہ شہر کہلائے گا اور جو تعریف شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت مثلاً صاحب مختار اور صاحب وقایہ وغیرہ نے اختیار کی کہ (ہر مقام شہر ہوگا) "اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہوجائیں اور مسجد میں ان کے لئے گنجائش نہ رہے" ان دونوں مکہ ومدینہ کی وجہ سے محل اعتراض ہیں کیونکہ ان کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی ہیں۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاستسقاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

لاجرم علمانے تصریح کی فرمائی کہ یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔ ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالواجتمع اھله فی اکبر مساجدہ لایسعھم[1]۔	بعض نے شہر کی یہ تعریف ہے کہ وہاں کے تمام لوگ اگر جمع ہوں تو وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے کافی نہیں۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

انما اورد بصیغة التمریض لانھم قالوا ان ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین[2]۔	"قیل" لایا گیا ہے اس لئے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شرح نقایہ وغیرہ میں ہے معہذا معلوم ہے اور خود اس تعریف کے اختیار کرنے والوں کو اقرار ہے کہ وہ روایت نادرہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں وہ سب مرجوع عنہ اور متروک ہے، بحر الرائق میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم یبق قولا له[3]۔ ملخصا۔	جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ امام کا قول نہیں رہے گا۔ ملخصًا (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوا به ان ماخرج عن ظاھر الروایة لیس مذھبا لابی حنیفة ولا قولا له[4]۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ نہ امام صاحب کا مذہب ہوتا ہے اور نہ قول (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما خلف ظاھر الروایة لیس مذھبا لاصحابنا[5]۔	جو ظاہر الروایہ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب (احناف) کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

---

1 ملتقی الابحر باب الجمعۃ مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/۱۴۳

2 مجمع الانہر شرح ملتقی لابحر، باب الجمعۃ، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/۱۴۳

3 بحر الرائق، فصل یجوز تقلید من شاء الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

4 فتاوٰی خیریۃ ،کتاب الطلاق مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ،۱/ ۵۲

5 ردالمحتار ،کتاب احیاء الموات ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸

توظاہر الروایہ مصحح معتمد معمول علیہ مختار جمہور مؤید ومنصور کے خلاف ایک روایت نادرہ پر عمل وفتوی کیونکر روا۔ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع[1]۔	جو قول مرجوح ہو اس پر حکم وفتوی جاری کرنا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقو وجھه واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایة اذالم یصحح والافتاء بالقول الموجوع عنه انتھی[2]۔	جیسا کہ امام ابو یوسف کے قول کے موجودگی میں امام محمد کے اس قول پر فتوی جائز نہیں جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو یا اس قول کی وجہ قوی نہ ہو اور اس کی نسبت ظاہر روایت کے خلاف فتوی دینا اور بھی باطل ہے جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ ہو اور یوں ہی اس قول پر جس سے رجوع کرلیا گیا ہو فتوی ناجائز ہے انتہی، ح۔(ت)

یہ تحقیق مسئلہ ہے اور بحمد اللہ اہل انصاف وعلم صاف جانیں گے کہ حق اس سے متجاوز نہیں، ہم نہ اس کے خلاف عمل کرسکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری پر فتوی دے سکتے ہیں مگر در بارہ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لئے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول کا نامِ پاک لیں غنیمت ہے، مشاہدہ ہے کہ اس سے روکیے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾[3]	کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔(ت)

سیدنا ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

شیئ خیر من لا شیئ[4]۔	(کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے)

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار، مطلب فی حکم التقلید مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵

[3] القرآن ۹۶/ ۱۰

[4] کنز العمال ذیل ادب الصلٰوۃ حدیث ۲۲۵۵۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث بیروت ۸/ ۲۰۲

رواہ عنہ عبدالرزاق فی مصنفہ انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مر برجل لایتم رکوعا ولاسجودا فقال شیئ خیر من لاشیئ[1]۔	حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نہ نماز کا رکوع صحیح ادا کررہا تھا نہ سجود، تو آپ نے فرمایا: کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔(ت)

امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک شخص کو بعد نماز عید نفل پڑھتے دیکھا حالانکہ بعد عید نفل مکروہ ہیں، کسی نے عرض کیا: یاامیر المومنین! آپ نہیں منع کرتے۔فرمایا:

اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالٰی اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ[2]۔ذکرہ فی الدر المختار۔	میں وعید میں داخل ہونے سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کیا تونے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے،اسے درمختار میں ذکر کیا گیا۔

اُسی سے بحرالرائق میں ہے:

(ھذا للخواص) اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولاتنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات[3]۔	یہ خواص کا معاملہ ہے، باقی عوام کو تکبیرات کہنے اور نوافل پڑھنے سے بالکل منع نہیں کیا کرتے، کیونکہ انھیں نیکیوں کا بہت کم شوق ہوتا ہے۔(ت)

کتاب التجنیس والمزید پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

سئل شمس الائمۃ الحلوانی ان کسالی العوام یصلون الفجر عند طلوع الشمس افتز جرھم عن ذلك قال لا لانھم اذامنعوا عن ذلك ترکوھا اصلا واداؤھا مع تجویز اھل الحدیث لھا اولی من ترکھا اصلا[4]۔	شمس الائمہ حلوانی سے سوال ہوا کہ عوام سستی کرتے ہوئے طلوع شمس کے وقت نماز فجر ادا کرتے ہیں کیا ہم انھیں زجر و توبیخ کریں؟ فرمایا: ایسا نہ کرو کیونکہ اگر تم اس سے ان کو روکو گے تو نماز بالکل ترک کردیں گے نماز کا ادا کرلینا چھوڑ دینے سے بہتر ہے اور محدثین اسے جائز بھی سمجھتے ہیں۔(ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ عبدالرزاق ذیل الصلوٰۃ حدیث ۲۲۵۵۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث ۸/ ۲۰۲

[2] درمختار، باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۵

[3] بحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] بحرالرائق باب العیدین، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

در مختار میں ہے:

لایجوز صلٰوۃ مطلقاً مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[1]۔ (ملخصًا)	طلوعِ آفتاب کے وقت کوئی نماز جائز نہیں مگر عوام کو نماز پڑھنے سے فقہاء نے نہیں روکا ورنہ وہ بالکل ترک کردیں گے، ہر وہ عمل جس کی ادا بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجا لانا ترک سے بہتر ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلا یمنعون افادان المستثنی المنع لا الحکم بعدم الصحۃ عندنا قولہ کما فی القنیۃ وعزاہ صاحب المصفی الی الامام حمید الدین عن شیخہ الامام المحبوبی والی شمس الائمۃ الحلوانی وعزاہ فی القنیۃ الی الحلوانی والنسفی[2] ۔(ملخصًا)	قولہ "عوام کو منع نہ کیا جائے" بتلارہا ہے کہ استثناء "نہ روکنے کا" ہے نہ یہ کہ ہمارے نزدیک عدم صحت کا حکم نہیں ہے قولہ "جیسا کہ قنیہ میں ہے" صاحب مصفی نے اس کی نسبت امام حمید الدین کی طرف کی ہے اور انھوں نے اپنے شیخ امام محبوبی سے بیان کیا ہے اور اس کی نسبت شمس الائمہ حلوانی کی طرف کی ہے اور قنیہ میں اس کی نسبت حلوانی اور نسفی دونوں کی طرف کی ہے۔(ت)

ہاں جب سوال کیا جائے تو جواب میں وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے وللہ الحمد یہ عوام کالانعام کے لئے ہے البتہ وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتوی کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوعہ عنہا غیر صحیح کی بناپر ان جہال کوردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیتے ہیں یہ ضرور مخالفتِ مذہب کے مرتکب اور ان جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں **نسأل اللہ العفووالعافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۲۸: از مدرسہ اسلامیہ امروہہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ارکانی ۱۳ محرم ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد مکلّف اور اُس کے

---

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

قریب قریب بھی اتنے مرد مقیم ہیں اُس بستی میں منصفی تھانہ شفاخانہ ڈاک خانہ بازار بھی ہیں اب یہ مصر ہے یا قریہ؟ اس بستی والے پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو یہاں جمعہ ادا کرنے سے صلٰوۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ ہمارے ملک برہما کی آبادی میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دوہزار تلک مقیم ہیں ایسی بستی کم ہے اور ادنٰی درجے میں بعض بستیوں میں دس بیس مرد مسلمان مکلّف مقیم ہیں البتہ جن بستیوں میں سو دوسو چار پانچ سو مرد مکلّف ہیں بہت ساری ہیں بعض بسیتوں میں سات آٹھ سو مکلّف مقیم ہیں، اب ان آبادیوں میں سے کوئی شہر کہلا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر سب کو گاؤں مانیں گے تو کوئی بڑے گاؤں میں بھی جمعہ اور عیدین فرض یا واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب نہیں تو ان بستیوں میں سے کسی میں جمعہ ادا کرے تو صلٰوۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر آپ بڑے گاؤں میں جمعہ درست بتائیں تو ان بستیوں میں کون سی بستی بڑی کہلائے گی؟ اس کی تشریح فرمادیں، جن آبادیوں میں کئی ایک حصے ہیں فقط زراعت وغیرہ کی میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک دوسرے سے بسا ہے ہر ایک کا نام بھی آپس میں جداگانہ ہے مگر اطراف میں ایک ہی نام مشہور ہے اب کیا سب کو ملا کر ایک بڑی بستی ماننا پڑے گی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے حتی الامکان جواب مفصل اور مدلّل سے ہم نابیناؤں کو ہدایت فرمائیں۔

الجواب:

فرضیت وصحت وجوازِ جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے، جو جگہ بستی نہیں جیسے بَن سمندر یا پہاڑ، یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات، یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس فرانس کے بلاد، اُن میں جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع وباطل وگناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، شہر ہونے کے لئے یہ چاہئے کہ اس میں متعدد کوچے متعدد دائمی بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں کہ موضع فلاں فلاں وفلاں پرگنہ شہر فلاں اور اُس میں کوئی حاکم یا فیصلہ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو دونوں باتیں عادۃً متلازم ہیں سلطنت جسے پرگنہ قرار دیتی ہے ضرور اس میں کوئی حاکم لااقل منصف یا تحصیلدار رکھتی ہے اور جہاں سلطنت کوئی کچہری قائم کرتی ہے اسے ضرور ضلع یا کم از کم پرگنہ بتاتی ہے اور عادۃً پہلی دو باتیں بھی ان دو کو لازم ہیں، جو پرگنہ ہوتا ہے جہاں کچہری مقرر ہوتی ہے وہاں ضرور متعدد بازار متعدد کوچے ہوتے ہیں،

ولاعکس فقد تتعدد ولاحاکم ولا رساتیق فذکر الاولین لایغنی عن الاخیرین بخلاف الاخیرین ففیھما الکفایۃ ولذا انما بنی الامر علیھما فی اقرب الاقاویل الی الصواب۔	اس کا عکس نہیں (یعنی جہاں بازار ہوں وہاں کچہری کا ہونا ضروری نہیں) اور کبھی کوچے بازار متعدد ہوتے ہیں مگر حاکم اور متعلقہ دیہات نہیں ہوتے تو پہلے دو کاذکر آخری دو کے ذکر سے کفایت نہیں کرتا برخلاف آخری دونوں کا ذکر وہ کفایت کرتا ہے اسی لئے صحت کے قریب ترین قول میں معاملہ کی بنا ان دونوں پر کی گئی ہے۔(ت)

فتاوٰی غیاثیہ پھر غنیہ شرح منیہ میں ہے:

لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع و القریة کبیرة لھا قری وفیھا وال حاکم جازت الجمعة بنواالمسجد اولم یبنوا و ھوقول ابی القاسم الصفار وھذا اقرب الاقاویل الی الصواب [1] ۔	اگر جمعہ بغیر جامع مسجد کے قریہ میں پڑھ لیا حالانکہ وہ قریہ بڑا تھا اور اس کے ارد گرد متعدد دیہات تھے اور وہاں والی وحاکم بھی تھا تو جمعہ جائز ہے خواہ وہ مسجد بنائیں یا نہ بنائیں، شیخ ابوالقاسم الصفار کا یہی قول ہے اور یہ تمام اقوال میں سے صواب کے زیادہ قریب ہے۔(ت)

غنیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

وھو لیس ببعید مماقبلہ والمسجد الجامع لیس بشرط [2] انتھی واراد بما قبلہ ما قدم عن تحفة الفقھاء للامام علاء الدین السمرقندی عن الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلدة کبیرة فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال قال فی التحفة ھذا ھو الاصح [3] اھ وانما لم یکن بعیدامنہ لما قدمنا ان السکک والا سواق تلزم عادة للامرین المذکورین کما قال فی الغنیة ایضا بعد نقل مافی التحفة ، الاان صاحب الھدایة ترک ذکر السکک والرسایتق بناء علی الغالب ان الامیر والقاضی شانہ القدرة علی تنفیذ الاحکام واقامة الحدود ولایکون الا فی بلد	یہ قول اپنے ماقبل قول سے دور نہیں اور مسجد جامع ہونا جمعہ کے لئے شرط نہیں انتہی اور ماقبل قول سے وہی مراد ہے جو امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے لکھا کہ وہ مقام شہر ہے جو نہایت بڑا ہو، اس میں کوچے بازار ہوں اور اس سے متعلقہ دیہات ہوں اور اس میں کوئی والی ہو، تحفہ میں کہا یہی اصح ہے اھ اس قول کی ماقبل قول سے بعید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً کوچے اور بازار مذکورہ دونوں امور کو لازم ہوتے ہیں جیسا کہ غنیہ میں بھی قنیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا البتہ صاحب ہدایہ نے کوچے اور دیہات کے ذکر کو ترک کردیا اس بناء پر کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ امیر اور قاضی جو احکام کے نفاذ اور اقامتِ حدود کی شان

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[2] غنیۃ المستملی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[3] غنیۃ المستملی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

كذلك قال فالحاصل ان اصح الحدود ماذكر فى التحفة لصدقه على مكة والمدينة وهما الاصل فى اعتبار المصرية[1] اھ	رکھتے ہیں وہ اسی طرح کے شہر میں ہی ہوتے ہیں پھر کہا اصح تعریف وہی ہے جو تحفہ میں ہے کیونکہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے ہر ایک پر صادق آرہی ہے اور وہ دونوں شہر کے حوالے سے اصل کا درجہ رکھتے ہیں اھ (ت)

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اُس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار، جیسے **بحمد اللہ تعالٰی** سلطنت علیہ عالیہ عثمانیہ ودولت خداداد افغانستان حفظہما اللہ تعالٰی عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل** (ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ ت) اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں: ایک یہ کہ پہلے اُس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان وقامت وغیرہا کلًا یا بعضا برابر اُس میں اب تک جاری رہی ہوں جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہوسکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان واقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلامزاحمت ادا کرتے ہوں جیسے کہ روس فرانس وجرمن وپرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے، یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کرکے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھادئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہوسکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ اُن کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کردیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان شعائر اسلام سے اسلامی نہیں ہوجاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کرکے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائر اسلام بالکل اٹھادیئے مگر وہ صوبہ سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر شہر اسلامی ہی رہے گا کہ اگرچہ کافر نے شعائر اسلام یکسر اٹھادئے مگر چار سمت سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہونے کے اُس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔

وهذه بحمده تعالٰى فوائد نفيسة سمح	بحمد اللہ تعالٰی یہ نہایت ہی قیمتی فوائد ہیں جیسے ہر صاحب فہم

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۵۵۱

بها البراع لو استرسلنا فی الکلام علی دلیلها و تفاصیلها لخرجنا عن القصد مع ان اکثرها جلیلة عند من له اجالة نظر فی الکتب الفرعیة واجادة فکر فی الاصول الشرعیة فلنقتصر علی نقل بعض نصوص فقهیة۔	عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر دلائل اور تفاصیل میں جائیں تو مقصود سے دور چلے جائیں گے۔علاوہ ازیں ان لوگوں پر آشکار ہیں جو کتب نفیسہ میں نظر اور اصول شرعیہ میں عمدہ فکر رکھتے ہیں ہم، یہاں چند مخصوص فقہیہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔(ت)

جامع الفصولین و مبسوط و معراج الدرایہ وہندیہ ورد المحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

الحکم اذا ثبت بعلة فما بقی شیئ من العلة یبقی الحکم ببقائه فلما صارت بلدة دارالاسلام باجراء احکامه فما بقی شیئ من احکام و اثاره تبقی دارالاسلام وکل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم واماطاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد[1] الخ	جب کوئی حکم کسی علت کی بناء پر ہو تو جب تک علت رہتی ہے حکم بھی باقی رہے گا تو جب کوئی شہر احکام اسلامی کے اجراء سے دارالاسلام بن گیا تو جب تک احکام و آثار میں سے کچھ نہ کچھ باقی ہوگا وہ شہر دارالاسلام ہی رہے گا اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو وہاں جمعہ اور عیدین کا قیام، خراج لینا، قضاکے نفاذ اور بیوگان کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن کفار کی طاعت غلط اور دھوکا ہے وہ شہر جہاں کفار والی ہیں وہاں جمعہ اور عیدوں کا قیام مسلمانوں کے لئے جائز ہے الخ (ت)

شرح نقایہ میں کافی سے ہے:

دارالاسلام مایجری فیه حکم امام المسلمین[2]۔	دارالاسلام وہ ہوتا ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو۔(ت)

فصول عمادی میں ہے:

ان دارالاسلام لا تصیر دارالحرب اذابقی شیئ من احکام الاسلام وان زال	جب احکام اسلامی کچھ نہ کچھ باقی ہوں دارالاسلام دارالحرب نہیں بن سکتا اگرچہ اہل اسلام کا وہاں

[1] جامع الفصولین، فصل فی القضا، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳-۱۴

[2] شرح نقایہ المعروف جامع الرموز کتاب الجہاد مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ایران ۴/ ۵۵۶

غلبۃ اھل الاسلام [1]۔	غلبہ حاصل نہ رہے۔(ت)

اسی طرح کتب کثیرہ سے مستفاد ہے:

وبالجملۃ یشترط لدار الاسلام ابتداء اعنی صیرورۃ دارالحرب دارالاسلام جریان حکم سلطان الاسلام فیھا وبقاء مجرد ظھور شعائر الاسلام ولو بعضا وان لم یبق الحکم والاسلطان واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔	الغرض دارالاسلام ابتداءً بننے کے لئے یہ شرط ہے یعنی دارالحرب کا دارالاسلام بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہاں سلطان اسلام کا حکم جاری ہو اور دارالاسلام کو باقی رہنے کے لئے شعائر اسلامی کا باقی رہنا ضروری ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ وہاں حکم اور سلطان باقی نہ ہوں اور اللہ تعالٰی ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔(ت)

درروغرر میں ہے:

تصیر دارالاسلامی دارالحرب باجراء احکام الشرك واتصال بدارالحرب بحیث لایکون بینھما مصر للمسلمین [2] الخ	دارالاسلام اس وقت دارالحرب بن جاتا ہے جب وہاں احکام شرک جاری ہوجائیں اور اس کا اتصال کسی دارالحرب سے ایسا ہو کہ ان کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو۔(ت)

درمنتقی میں ہے: البحر المالح ملحق بدارالحرب [3] (نمکین سمندر دارالحرب کا حکم رکھتا ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

یلحق بھا البحر الملح ونحوہ کمفازۃ لیس ورائھا بلاد اسلام نقلہ بعضھم عن الحمو وفی حاشیۃ ابی السعود عن شرح النظم الھاملی سطح البحرلہ حکم دارالحرب۔ [4]	نمکین سمندر دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے، اور ہر وہ جنگل بھی جس سے آگے مسلمانوں کا شہر نہ ہو، یہ بات بعض نے حموی کے حوالے سے نقل کی ہے اور حاشیہ ابی سعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطح سمندر کا حکم دارالحرب کا ہے۔(ت)

---

[1] فصول عمادی

[2] دررالحکام فی شرح غررالحکام باب المستامن مطبوعہ مطبعۃ کامل الکائنہ فی دار سعادت مصر ۱/ ۲۹۵

[3] درمنتقی علی ہامش مجمع الانہر فصل فی مایبقٰی من احکام المستامن مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۵۹

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب استیلاء الکفار۔الخ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۶/ ۲۵۵

اس تحقیق سے تمام صورِ مستفسرہ کا حکم واضح ہو گیا جو آبادیاں پر گنہ ہے اور اُن میں کوئی کچہری ہے (نہ فقط تھانہ یا ڈاک خانہ یا شفا خانہ فصلِ مقدمات کے لئے نہیں ہوتے) اور وہاں سلطنت اسلام ہے یا پہلے تھی اور جب سے غیر مسلم کا قبضہ ہو بعض شعائر اسلام بلامزاحمت اب تک جاری ہیں جیسے تمام بلاد ہندوستان و بنگالہ ایسے ہی ہیں وہ سب اسلامی شہر ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اور جو آبادی پر گنہ ہیں اُس میں کوئی کچہری نہیں یا کچہریاں ہیں پر گنہ ہے مگر اُس میں سلطنت کبھی نہ ہوئی یا تھی مگر اس کے بعد کفار نے شعائر اسلام یکسر بند کردئے گو بعد کو پھر اجازت بھی دے دی ہو، وہ سب یا گاؤں ہیں غیر اسلامی شہر، اُن میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، پڑھنے سے گناہ ہو گا اور جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط نہ ہو گا، اب فقط یہ سوال رہا کہ ایک آدمی کے چند حصے ہیں اور اُن میں باہم بوجہ زراعت فاصلہ ہے آیا وہ ایک ہی آبادی متصور ہوگی یا متعدد؟ ظاہراً اس سوال سے سائل کا مقصود مردم شماری کا لحاظ ہے کہ ان سب کے ساکنین ملا کر اُس بستی کی مردم شماری سمجھی جائے گی یا جُدا جُدا؟ جیسا کہ تمام سوال میں اس نے تعداد ساکنان کا ذکر کیا ہے، مگر تحقیق جواب سے واضح ہو گیا کہ مردم شماری و تعداد سکان پر اصلاً نظر نہیں، جو بستی پر گنہ نہیں اُس میں فیصلہ مقدمات کا کوئی حاکم نہیں مطلقاً گاؤں ہے اس کی مردم شماری کسی قدر ہو، اور جو پر گنہ ہے اس میں کچہری مقرر ہے وہ شہر ہے اگرچہ مردم شماری میں کم ہو، ہاں جو آبادی شرعاً شہر قرار پائے اور اس میں جمعہ فرض صحیح ٹھہرے اور اس کے گرد اور آبادیاں میل ڈیڑھ میل کی مسافت پر واقع ہوں بیچ میں زراعت ہوتی ہوں وہاں ایک یہ سوال متوجہ ہوتا ہے کہ اُن ساکنانِ حوالی پر بھی جمعہ فرض، اور ان مواضع میں اس کی ادا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قولِ محقق پر یہ ہے کہ شہر کے گردا گرد جہاں تک کوئی موضع مصالح شہر کے لئے معین کیا گیا ہو مثلاً کیمپ یا عیدگاہ یا شہر کا قبرستان، وہاں وہ سب فنائے مصر ہے اس میں جمعہ صحیح اور اس کے اہل پر جمعہ فرض اگرچہ بیچ میں زراعت کا فاصلہ ہو اور اگر مصالح شہر سے اسے تعلق نہیں اور بیچ میں فصل ہے تو وہ توابع شہر سے نہیں نہ اُس میں جمعہ صحیح نہ اُس کے ساکنوں پر فرض۔ ردالمحتار میں ہے:

قدنص الائمة علی ان الفناء ماأعد لدفن الموتٰی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلك ، وبه ظهر صحتها فی تکیة السلطان سلیم بمرجة دمشق وکذافی مسجده بصالحیة دمشق فانها من فناء دمشق وان انفصلت عن	ائمہ نے تصریح کی ہے کہ فناء سے مراد وہ جگہ ہے جو اموات کی تدفین او رشہری ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑے اور چارپایوں کے دوڑانے کی جگہ لشکر گاہ اور نشانہ بازی سیکھنے کے لئے جگہ وغیرہ۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مقام مرجہ دمشق میں سلطان سلیم کے تکیہ میں جمعہ صحیح ہے اس طرح مقام صالحیہ دمشق پر ان کی مسجد میں بھی کیونکہ وہ فنائے دمشق ہے اگرچہ

دمشق بمزارع[1] اھ مختصرا	دمشق سے کاشتی زمینوں کی وجہ سے الگ ہے۔اھ مختصرا(ت)

نیز دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بستی شہر ہو یا نہ ہو جب اُس کا ساکن تین منزلہ کے ارادے سے سفر کو چلا تو آیا جب اپنی خاص آبادی سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ٹھہرائے گا اور قصر کرے گا اگرچہ وہ دوسری آبادیاں ہنوز راہ میں آنے والی ہوں یا جب ان سب ابادیوں سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیچ میں فاصلہ ہے زراعتیں ہوتی ہیں تو ان سے گزر جانے کا لحاظ نہ ہوگا اگرچہ وہ مصالح شہر ہی کے لئے مقرر کی گئی ہوں، جب اپنی آبادی سے نکل جائے گا مسافر ہو جائے گا، ہاں جہاں تک آبادی متصل چلی گئی ہو وہ موضع واحد ہے اس سے تجاوز ضرور ہوگا، ردالمحتار میں ہے:

اما الفناء وھوالمکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃ مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃ فلا کما یاتی بخلاف الجمعۃ فتصح اقامتھا فی الفناء ولو منفصلا بمزارع[2]۔	فناء وہ جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً چوپایوں کے دوڑنے، اموات کی تدفین اور مٹی وغیرہ پھینکنے کے لئے ہو اگر شہر کے ساتھ متصل ہو، تو پھر مسافر کا اسی سے گزر جانا معتبر ہے اور اگر بمقدار غلوۃ(تیر مارنے کا انتہائی فاصلہ) یا مزرعہ(کھیت) جدا ہے تو اس کا گزرنا ضروری نہیں جیسا کہ آرہا ہے۔ بخلاف جمعہ کے اس کا قیام فناء میں جائز ہوتا ہے خواہ وہ مزارع کی مقدار جدا ہو۔(ت)

نیز تیسرا سوال یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں آبادی میں نہ رہوں گا پھر اپنی خاص آبادی جس میں رہتا تھا چھوڑ کر گرد کی کسی آبادی میں سکونت اختیار کی تو آیا قسم سچی ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُن آبادیوں کے خاص خاص نام جدا ہیں اور سب ملا کر ایک جدا نام سے تعبیر کی جاتی ہیں تو اگر اس نے وہ نام لے کر قسم کھائی جو خاص اس کی آبادی کا تھا اور اُسے چھوڑ کر دوسری آبادی میں جارہا جس پر وہ نام اطلاق نہیں کیا جاتا اور اس کا ساکن عرف میں اُس آبادی کا ساکن نہیں ٹھہرتا تو قسم پُوری ہوئی اور اگر وہ نام لیا تھا جس میں یہ سب داخل ہیں جس ابادی میں اب آیا وہ اسی پہلی آبادی کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساکن کو اُسی کا ساکن تصور کیا جاتا ہے تو قسم پوری نہ ہوئی کفارہ دے۔

وذلك لان مبنی الایمان علی المعنی المتفاھم فی العرف فعلیہ یدار الحکم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے ہے کہ اقسام کا مدار اس معنی پر ہوتا ہے جو عرفی ہو لہٰذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۱

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر ۱/ ۵۷۸

مسئلہ ۱۳۲۹ : از گوالیار ضلع مندسور قصبہ جادو مرسلہ عبدالملک خاں ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں اباد ایک ہی محلّہ میں قریب قریب واقع ہیں جمعہ کے روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجد میں مانند صلوٰۃ خمسہ کے جمعہ پڑھا کرتے ہیں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح جمعہ پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کی شرائط سے حضور سلطان ہے یا نائب یا ماذون باقامۃ جمعہ تو یہ شرط یہاں پر مفقود ہے اور ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے جمعہ پڑھا کریں، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے واسطے سلطان یا اس کے نائب مامور کا ہونا شرط نہیں، اگر ان سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں بھی جمعہ پڑھنا کچھ حرج نہیں بلکہ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے امیدوار قولِ فیصل ہوں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع ادائے جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب یا ماذون یا ماذون الماذون **وھلم جرا** (اسی طرح اگے چلے چلو۔ت) کا اقامت کرنا باتفاق ائمہ حنفیّہ شرط ہے **کتب المذھب طافحۃ بذلك** (کتب مذہب اس سے مامور ہیں۔ت) مگر یہ ان شرائط سے ہے کہ محلِ ضرورت میں بخلفیت بدل ساقط ہوجاتی ہیں جیسے صحت نماز کے لئے وضو شرط ہے اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمّم اس کا خلیفہ وبدل ہے اور اس سے واضح تر استقبالِ خطبہ ہے کہ قطعًا شرط ہے اور بحال تعذر جہت تحری اس کی نائب، یوں ہی اقامت سلطان بمعنی مذکور ضرور شرط جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعین مسلمین قائم مقام تعین سلطان ہے تو اسے شرط نہ کہنا بھی غلط اور اس کے نہ ہونے کے سبب یہاں جمعہ صحیح نہ ماننا اس سے زیادہ باطل وغلط اور مذہب صحیح و معتمد و مفتی بہ میں تعددِ جمعہ مطلقًا جائز ہے۔ کما نص فی غیر ما کتاب **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۳۳۰: از پیلی بھیت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امامت پنجگانہ وامامت جمعہ وعیدین کا ایک ہی حکم ہے کیا؟ فقط

الجواب:

جمعہ وعیدین وکسوف امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے، پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان صحیح القرائۃ صحیح الطہارۃ مرد عاقل بالغ غیر معذور امامت کرسکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی

اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو **تجوز الصلٰوۃ خلف کل بر وفاجر** (ہر نیک وبد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں مگر جمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کر سکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم ان پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اوّلاً: وہ سلطانِ اسلام ہو۔

ثانیاً: جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں یہ امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالثاً: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اُس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن اُن پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے، اُس کے خلاف پر عوام بطورِ خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اُس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اُس کے ہوتے ہوئے ان کی اقرار داد کوئی چیز نہیں، تنویر الابصار ودر مختار باب الجمعہ میں ہے:

یشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر وفناء والثانی السلطان اومامورہ باقامتها [1]۔	صحتِ جمعہ کے لئے سات چیزیں شرط ہیں: ایک یہ شہر اور فناء شہر، دوسری سلطان یا اقامت جمعہ پر اس کی طرف سے کوئی مامور ہو (ت)

فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں ہے:

اذاخلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر	جب کامل سلطان سے زمانہ خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر لازم ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کرے اور اس وقت علماء ہی والی ہو جائیں گے اور جب ان کا کسی معاملہ پر

[1] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۹

جمع ہونا مشکل ہوجائے تو ہر علاقہ کے لوگ اپنی طرف کے علماء کی اتباع کرلیں، اور اگر اس علاقہ میں علماء زیادہ ہوں تو ان میں زیادہ علم والے کی اتباع کریں اور اگر وہ برابر ہوں تو قرعہ ڈال لیا جائے (ت)	باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم۔[1]

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں، (ت)	اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ[2]۔

ائمہ دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں نص علیه العلامة الزرقانی فی شرح المواھب وغیرہ فی غیرہ (علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

مذکورہ لوگ (سلطان وغیرہ) ہوں تو لوگوں کا خطیب کو مقرر کرنا درست نہ ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔(ت)	نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمهم فیجوز للضرورة[3]۔

فتاوٰی قاضی خاں ورد المحتار میں ہے:

اگر کسی نے امام کی اجازت کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اجازت دی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)	خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز الا ان یکون الامام امرہ بذالک[4]۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳۱: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار تاریخ ۱۸ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ گاؤں میں درست ہے یا نہیں؟

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلثۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] القرآن ۴/۵۹

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۴

الجواب:

جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہیں اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں توان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ ورسول کا نام لے لیں غنیمت کما فی البحر الرائق والدر المختار میں والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا (جیساکہ بحر الرائق، در مختار اور حدیقۃ ندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳۲تا۱۳۳۳: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۲ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ جمعہ واعیاد کا سوائے زبان عربی خواہ فارسی ہو یا دیگر زبان ہو پڑھنے کی نسبت جناب مفتی سعداللہ صاحب مرحوم اپنے فتاوی سعدیہ میں فرماتے ہیں:

نزد امام ابو حنیفہ جائز ومکروہ بکراہت تنزیہی است۔	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ جائز مگر مکروہ تنزیہی ہے۔(ت)

اور اسی جواب میں اختتام عبارت میں ہے:

اگر کسے خطبہ بقدر واجب کہ نزد صاحبین بقدر تشہد است بعربی ادا کردہ باشد خواندن ماورایش درفارسی وغیر آں نزد ایشان مضائقہ ندارد کمافی منح الغفار شرح تنویر الابصار۔	اگر کوئی شخص خطبہ بمقدار واجب جو صاحبین کے نزدیک تشہد کی مقدار عربی میں پڑھ لے اور اس کے علاوہ خطبہ کسی اور زبان میں پڑھ لے تواس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیساکہ منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے۔(ت)

جناب مولوی عبدالحہ صاحب اپنے مجموعہ فتاوی کے جلد دوم میں بہت شد ومد کے ساتھ خطبہ کو عربی زبان عربی میں سنت مؤکدہ اور غیر زبان میں پڑھنے کو مکروہ تریمی وبدعت ضالہ تحریر فرماتے ہیں، مگر اُسی فتاوٰی کے جلد سوم میں مکروہِ تنزیہی تحریر فرماتے ہیں، لہٰذا جو خطبہ کُلًا غیر زبان میں ہو یا بعضًا مخلوط بزبان عربی وزبانِ دیگر میں ہو پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بدعت ضالہ یا مکروہِ تنزیہی یا جائز بلا کراہت، جو حکم ہواس سے ہدایت فرمائی جائے، **بینوا توجروا**

(۲) خطبہ جمعہ مصنفہ حضرت مخدوم سعد الدین عرف مخدوم شیخ سعد قدس سرہ، خیر ابادی خلیفہ حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنوی قدس سرہ اللہ العزیز جو منسلکہ ہذا ہے منجملہ عبارت خطبہ مذکور کے:

چوں گفتہ حضرت محمد مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

بار خدا اگر گلیم بر سر کشم کوئی يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ(۱) قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ(۲) نِّصْفَهٗۤ واگر بیروں آرم گوئی واهجرهم هجرا جمیلا، مراچه باید کرد فرمان آمد اے توراحت می طلبی وما از تو سر گردانی میخواہم تو میخواہی که بامن حساب حسنات بسر بری بوگوشه نشینی ومامی خواہم که مرا باتو وترا بامن صدہزار گونه حساب بود تو کیستی که خاص جمع میخواہی حکم برانبیاء اولین کردیم بپریشانی، اگر شادت بینم گویم اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۷۶) [1] واگر دل تنگت بینم گویم وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (۹۷) [2] زہے سر گردانی که مشتِ خاک راست کیست که دریں، ماتم ومصیت وقوف دارد فریاد داز محمد برخاست یالیت رب محمد لم یخلق محمدا وفریاد عاشقاں بریں نوع ست اے کاش نزادے پسرے مادر عالم ÷ خودنه بدی نام ونشان پدر من ÷ عاقبت ایں دینائے مکارہ وغدارہ پابسته نداری که سلطانِ مرسلاں ایں معامله بودہ است۔

بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! اگر میں کملی سر پر لیتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں "اے چادر اوڑھنے والے رات کو تھوڑا قیام کر نصف رات" اگر میں باہر آتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں، "ان کو احسن طریقے سے چھوڑ دے" مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اللہ تعالٰی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے محمد! آپ راحت کے طلبگار ہیں اور ہم آپ سے محنت وپریشانی چاہتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ میری نیکیوں کا حساب ہو اور گوشہ نشین رہوں، اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم تیرے ساتھ اور آپ میرے ساتھ سو ہزار قسم کا حساب رکھیں، آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا اگر میں تجھے خوش دیکھوں گا تو کہوں گا "یقینا اللہ تعالٰی خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا" اور اگر تیرے دل کو تنگ پاؤں تو کہوں گا "ہم جانتے ہیں اس بات کو کہ آپ کا سینہ ان کی باتوں سے تنگ ہے" وہ پریشانی کتنی اچھی ہے جو مشت خاک کو حاصل ہوئی ہے کون ہے جو اس معاملہ میں ماتم مصیبت کا اظہار کرے، محمد کی طرف سے یہ فریاد ہوئی اے رب محمد! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا، عشاق کی فریاد اسی طرح کی ہوتی ہے، کاش اس کائنات میں کوئی ماں بیٹا ہی نہ جنتی، یا خود، میرے باپ کا نام ونشان تک نہ ہوتا، اس مکار وغدار دنیا کے پاؤں تو نہیں باندھ سکتا جبکہ رسولوں کے سربراہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ معاملہ تھا۔ (ت)

اس عبارت پر ایک صاحب کو جو بنظر حالت زمانہ حال ذی علم خیال کئے جاتے ہیں یہ اعتراض ہے کہ اس عبارت میں اہانت وبے حرمتی حضرت نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہے جو باعثِ تکفیر قاری وسامعین خطبہ ہے کیونکہ اس مضمون کا استنباط نہ کیسی آیتِ قرآنی سے ہے نہ کسی حدیث سے، یہ اعتراض معترض کا صحیح ہے یا غلط؟ اور اگر غلط ہے تو معترض کے اعتراض کا کیا جواب ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن ۲۸/۷۶

[2] القرآن ۱۵/۹۷

الجواب:

خطبہ میں غیر عربی زبان کا خلط کرنا ضرور مکروہ تنزیہی وخلافِ سنت رسول متوارثہ ہے اور بالکل خطبہ غیر عربی زبان میں ہونا اور زیادہ مکروہ **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر اسے مکروہ تحریمی وبدعت ضلالت کہنا محض غلط وباطل وبے دلیل ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) یہ خطبہ پڑھنا حرام اور محض بدخواہی عوام الاسلام ہے، یہ مخاطبہ ہائلہ کہ اس میں مذکور ہوا اصلا کسی آیت یا حدیث یا اثر یا کسی کتاب معتمد معتبر میں اس کا پتا نہیں، نہ حضرت سید نا مخدوم شیخ سعد بدھن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بروجہ صحیح اس کا ثابت ہونا معلوم اگر ایسی ہی حکایت بے سروپا ہے جب تو اس کا واجب الرد ہونا خود ظاہر، اور اگر خطائے نساخ نہ ہو تو اس کی بے ربطی عبارت خود اس کے بطلان نسبت پر دلیل زاہر مثلاً صدر خطبہ میں **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام ومن تاب توبۃ نصوحا من التابعین** (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالٰی اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ شخص جس نے خالص توبہ کرلی وہ تابعی ہے۔ت) خطبہ ثانیہ میں **نشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ خصوصا علی افضل الصحابۃ وافضلھم بالتحقیق** (ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خصوصا صحابہ سے افضل اور بالیقین ان سے صاحبِ فضیلت پر۔ت) پھر اصل مقصود خطبہ کہ لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے یعنی اعمال صالحہ کی ترغیب دینا، معاصی سے روکنا، یہ خطبہ اس سے اصلاً بحث نہیں رکھتا بلکہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، جب ہر جمعہ جاہل لوگ سنیں گے کہ اللہ عزوجل فرماچکا ہے کہ ہر کہ گواہی دہد مرا بوحدانیت ومرترا برسالت درآید بہ بہشت برہر کاریکہ او باشد (جو میری وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دے دے وہ جنت میں داخل ہوگا اسکے عمل جیسے بھی ہوں) اس کا کیسا برا اثر ان پر پڑے گا وہ سمجھ لیں گے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اعمال فضول ومہمل ہیں، پھر عوام کے سامنے یہ تین مصلحات خاصہ صوفیائے کرام مثل قمار بازی وقلندری وچاک دامنی وعیاری کا تذکرہ کس قدر خلاف مقاصد خطبہ ہے اور ان سب سے بدتر اور کروروں درجہ بدتر وہ تذکرہ کہ مصطفٰی سید المرسلین اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خطاب ہو تو کیستی کہ خاطر جمع می خواہی حکم برانبیائے اولین کہ دیم بہ پریشانی (آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا۔ت) اس سے صاف صاف انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم کی معاذ اللہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضیلت ٹپکتی ہے، ایسے محاورات میں اعلٰی ہی سے استشاد کیا کرتے ہیں، مثلاً کسی امیر سے کہیں تیری کیا حقیقت ہے سلاطین تو اس سے محفوظ نہ رہے، اور اگر تنزل بھی کیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اگلے انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے افضل نہ ہونا تو اس کا صاف کہنا ہے یہ کیا گمراہی نہیں، پھر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف راحت کی نسبت، اور وہ بھی

یوں مرضیِ الٰہی کے خلاف، اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس فریاد کا انتساب کہ یالیت رب محمد لم یخلق محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اے ربِ محمد! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا ل، ت) جہال کی نگاہ سے معاذاللہ سقوط عظمت کا باعث ہوگا اور عیاذًا باللہ یہ عقیدہ ہو تو ایمان ہی گیا کہ ایمان تو صرف ان کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔

قال اللہ تعالٰی لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر، اور ان کی خوب تعظیم و توقیر کرو۔ (ت)

غرض کسی طرح گمان نہیں کیا جاتا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ الکریم نے یہ خطبہ تصنیف فرمایا ہو اور اگر بالفرض حضرت ممدوح سے اس کا ثبوت صحیح بروجہ معتمد ہو کہ حضرت نے یہ مخاطبہ کہیں ذکر فرمایا تو اب نظر اس میں ہوگی کہ آیا بر سبیل نقل وحکایت ہے یا بربنائے کشف والہام، برتقدیر اول جبکہ مدار روایت پر رہا تو مسئلہ علوم ظاہرہ کے دائرہ میں آگیا صحتِ سند درکار ہوگی اور کسی ولی معتمد کا کوئی نامعتمد حکایت کسی سے نقل فرمانا اس کی روایت کو صحیح وواجب الاعتماد نہ کردے گا،

وھذا ما اعتذ روا بہ عن الامام محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی ایرادہ الاحادیث الواھیۃ فی الاحیاء مع جلالۃ قدرہ فی العلوم الظاہرۃ الباطنۃ۔	یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ اہل علم نے امام محمد غزالی کی طرف سے اس بات پر عذر کے طور پر پیش کیا جو انھوں نے باوجود علوم ظاہری وباطنی میں عظیم ماہر ہونے کے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں احادیث موضوعہ ذکر کی ہیں۔ (ت)

مولٰی بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہ، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

(قیل کثیرا مایوجد عدول فی غیر الائمۃ علم من عادتھم انھم لایروون الاعن عدل) فارسالھم ایضا یقتضی تعدیل من رووا عنھم فیکون حجۃ کارسال الائمۃ فلا فوق اقول لانسلم وجود العدول بالصفۃ المذکورۃ فی غیر الائمہ۔ بل العدول من غیرھم لایبالون عمن أخذ وا و رووا ألاتری) ان الشیخ علاء الدولۃ السمنانی قدس سرہ	(کہا گیا ہے کہ غیر ائمہ میں جو اکثر عادل پائے جاتے تو ان کے معمول سے معلوم ہے کہ وہ کسی عادل ہی سے روایت کرتے ہیں) لہٰذا ان کا ارسال بھی اس کا مقتضی ہے کہ جن سے انھوں نے روایت کی ہے وہ عادل ہیں لہٰذا ان کی روایت مرسلہ، ائمہ کے ارسال کی طرح ہی حجت ہوگی اور ان میں کوئی فرق نہ ہوگا (اقول) ہم غیر ائمہ میں صفت مذکورہ کے ساتھ عدل تسلیم نہیں کرسکتے بلکہ غیر ائمہ میں جو عادل ہیں وہ اس بات کی پرواہ نہیں

[1] القرآن ۹/۴۸

کیف اعتمد علی الرتن الھندی وأی رجل یکون مثلہ فی العدالۃ (ولو سلم فذلك بزعمھم وکثیرامایخطؤن) فیظنون غیر العدل عدلا[1] (ملخصًا)	کرتے کہ وہ کس سے روایت لے رہے ہیں، کیاآپ نے نہیں دیکھا کہ شیخ علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہ نے رتن ہندی پر کیسے اعتماد کرلیا، حالانکہ ان کی مثل عدالت میں کون ہے؟ (اور اگر یہ تسلیم کرلیاجائے تویہ ان کے زعم کے مطابق ہے حالانکہ عام طور پر وہ خطا کرتے ہیں) پس وہ غیر عادل گمان کرلیتے ہیں (ملخصا) (ت)

مخاطبہ ذکر فرمایا بحمد اللہ ہم غلامانِ بارگاہِ اولیاء ان میں نہیں کہ کشف والہام باطل یا نا معتبر ٹھہرائیں احتمال خطا کشف مبتدین واوساط میں ہوتا ہے اکابر واصلین نفعنا اللہ تعالٰی ببر کاتہم فی الدنیاوالآخرۃ والدین کا کشفِ متین والہام مبین حق و صحیح ہوتا ہے، مولٰی بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہ، فواتح میں فرماتے ہیں:

ان تاملت فی مقامات الاولیاء وموجیدھم واذوا قھم کمقامات الشیخ محی الدین وقطب الوقت السیدمحی الملۃ والدین الیسد عبدالقادر الجیلانی الذی قدمہ علی رکا ب کل ولی والشیخ سھل بن عبداللہ التستری والشیخ ابن مدین المغربی و الشیخ ابی یزید البسطامی وسید الطائفۃ جنید البغدادی والشیخ ابی بکر الشبلی والشیخ عبداللہ الانصاری والشیخ احمد التامقی الجامی وغیرھم قدس اسرارھم علمت ان ما یلھمون بہ لا یتطرق الیہ احتمال وشبھۃ بل ھوحق حق حق مطابق لما فی نفس الا مرویکون مع علی خلق علم ضروری انہ من اللہ تعالٰی لکن لاینالون	اگر آپ اولیاء کے مقامات، وجدان اور اذواق میں غور و فکر کریں مثلاً مقاماتِ شیخ محی الدین، قطب وقت السید محی الملۃ والدین السید عبدالقادر جیلانی جن کا مبارک قدم ہر ولی کی گردن پر ہے، شیخ سہل بن عبداللہ تستری، شیخ ابومدین المغربی، شیخ ابویزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ عبداللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی وغیرہ توآپ بالیقین جان لیں گے کہ جو کچھ انھیں الہام کیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا احتمال وشبہ راہ نہیں پاسکتا بلکہ وہ حق حق حق اور نفس الامر کے مطابق ہوتا ہے، اور اس میں انھیں اس بات کا بھی علم یقینی ہوتا کہ یہ اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور وہ یہ علمی مقام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مدد وتائید سے پاتے ہیں بغیر واسطہ اور وسیلہ کے

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/ ۱۷۵

هذا لوعاء من العلم الابالمدد المحمدی و تأییده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا بالذات من غیر وسیلة اصلا [1] الی اٰخرما افاد و اجاد علیه رحمة الملك الجواد۔	نہیں پاتے الٰی آخرہٖ جیسا کہ انھوں نے خوب بیان کیا اور ان پر مالک وجواد اللہ کی رحمت ہو۔(ت)

اب یہ مخاطبہ ان مقامات رازونیاز سے ہوگا مولٰی وعبد ومحبوب میں ہوتے ہیں جن میں دوسرے کو دخل دینا حرام، انھیں نقل مجلس بنانا حرام بلکہ بحال فسادنیت کفر صریح بلاکلام، بھلا یہ تو ایک مخاطبۂ کشفیہ ہوگا، امیر المؤمنین ایک شخص کو کہ سورہ عبس شریف کی تلاوت بکثرت کرتا زجر شدید فرمایا، امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

قدقال علمائنا رحمة الله تعالٰی علیهم ان من قال عن نبی من الانبیا علیهم الصلٰوة والسلام فی غیر التلاوة والحدیث انه عص اوخالف فقد کفر نعوذ بالله من ذلک [2]، وقد قال الامام ابوعبدالله القرطبی رحمه الله تعالٰی فی کتاب التفسیر له حین تکلم علی قوله وطفقا یخصفان علیها من ورق الجنة الاٰیة فی سورة طٰهٰ. قال القاض ابوبکر ابن العربی رضی الله تعالٰی عنه لایجوز لاحدمنا الیوم ان یخبر بذلك عن اٰدم علیه الصلاة والسلام الا اذا ذکرناه فی اثناء قوله تعالٰی عنه اوقول نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاما ان نبتدی ذلك من نفسنا فلیس بجائز لنا فی اٰبائنا	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہر وہ شخص جو تلاوت قرآن وحدیث رسول پڑھنے کے علاوہ کہے کہ فلاں نبی نے نافرمانی کی یا شریعت کی مخالفت کی وہ کافر ہوجائے گا، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، امام ابو عبداللہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورہ طٰہٰ میں "وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتّے چپکانے لگے" کے تحت لکھا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہم میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ آج وہ حضرت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بارے میں ایسی بات کی اطلاع دے البتہ اس صورت میں جب وہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمان پڑھ رہا ہو یا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مبارک، ہم اپنی طرف سے ایسے واقعات کو بیان کرنا شروع کردیں تو یہ ہم اپنے قریب اپنی مثل پہلے آباء کے بارے میں نہیں کہہ سکتے

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی ھل کان یجوزلہ علیہ السلام الاجتہاد الخ مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/ ۳۷۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵

الادنین الینا المماثلین لنا فکیف بابینا الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین[1] انتھی	تو اس ہستی کے بارے میں یہ کیسے جائز ہوگا جو ہمارے باپ سب سے اقدم، اعظم، اکبر اور مقدم نبی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین انتہی (ت)

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الدعا بھا (ای بالمغفرۃ) له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من امته لاینبغی لا یھامه القصور من المدعو له کالدعاء له بالرحمة واماقول اللّٰه تعالٰی لیغفرلك اللّٰه ماتقدم من ذنبك وماتأخرو دعاؤه لنفسه بالمغفرۃ فلا یقاس علیه[2]۔	امت کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دعا (برائے مغفرت) جائز نہیں کیونکہ اس میں آپ سے کوتاہی کا وہم ہوتا ہے جیسے کہ آپ کے لیے رحمت کی دعا کرنا بھی مناسب نہیں، رہا معاملہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی کا کہ "اللہ تعالٰی نے معاف فرمادئے آپ کے معاملات سابقہ اور آنے والے" اور آپ کا اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنا تو اس پر دیگر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، مدارج النبوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

بدانکہ ایجا ادبے وقاعدہ ایست کہ بعضے از صفیا وازاہل تحقیق ذکر کردہ اندو شناخت آں ورعایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال ست وآں اینست کہ اگراز جناب ربوبیت جل وتعالٰی خطابے وعتابے وسطوتے وسلطنتے واستغنائے واقع شود مثل انک لا تھدی، ولیحبطن عملک، ولیس لک من الامر شیئ وترید زینة الحیٰوۃ الدنیا وامثال آں یا از جانب نبوت عبودیتے یاانکسارے وافتقارے وعجزے ومسکنتے بوجود آید مثل انما انا بشر مثلکم، اغضب کما یغضب العبد، ولا اعلم	واضح رہے کہ یہاں ادب اور قاعدہ ہے جسے بعض اصفیا اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور اس کا جان لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکلات سے نکلنے کا حل اور سلامت رہنے کا سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر اللہ رب العزت جل وعلا کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، رعب ودبدبہ کا اظہار یا بے نیازی کا وقوع ہو مثلاً آپ ہدایت نہیں دے سکتے، آپ کے اعمال ختم ہوجائیں گے، آپ کے لئے کوئی شیئ نہیں، آپ حیات دنیوی کی زینت چاہتے ہیں، اوراس کی مثل دیگر مقامات، یا کسی جگہ نبی کی طرف سے

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۶/۳

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی کیفیۃ الصلٰوۃ علیہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴۸۵/۳

ماوراء ھذا الجدار ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ومانند آن مارا نباید دراں دخل کنیم او اشتراک جوئیم وانبساط نمائیم بلکہ برحد ادب وسکوت وتحاشی توقف نمائم خواجہ رامی رسد کہ با بندۂ خود ھرچہ خواہد بگوید وبکند واستعلاء واستیلا نماید وبندہ نیز باخواجہ بندگی وفروتنی کند دیگرے راچہ مجال یارائے آنکہ دریں مقام درآید ودخل کند وحدِ ادب بیروں رود ایں مقام پالغز بسیارے از ضعفا وجہلا وسبب تضرر ایشاں است ومن اللہ العصمۃ والعون[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	عبدیت، انکساری، محتاجی وعاجزی اور مسکینی کا ذکر آئے مثلاً میں تمھاری طرح بشر ہوں، مجھے اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے عبد کو آتا ہے اور میں نہیں جانتا اس دیوار کے ادھر کیا ہے، میں نہیں جانتا میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور اس کی مثل دیگر مقامات، ہم امتیوں اور غلاموں کو جائز نہیں کہ ان معاملات میں مداخلت کریں، ان میں اشتراک کریں اور اسے کھیل بنائیں، بلکہ ہمیں پاس ادب کرتے ہوئے خاموشی وسکوت اور توقف کرنا لازم ہے، مالک کا حق ہے کہ وہ اپنے بندے سے جو چاہے فرمائے، اس پر اپنی بلندی کا غلبہ کا اظہار کرے، بندے کا بھی یہ حق کہ وہ اپنے مالک کے سامنے بندگی اور عاجزی کا اظہار کرے، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے، اس مقام پر بہت سے کمزور اور جاہل لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں جس سے وہ تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، اللہ تعالٰی محفوظ رکھنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۴: از افریقہ جوہانس برگ مرسلہ محمد ابراہیم صاحب شافعی ۱۳ شعبان ۱۳۲۷ھ

امام حنفی ہے اور مقتدی شوافع بھی ہیں اگر خطبہ اُولٰی جمعہ میں امام اوصیکم بتقوی اللہ نہ پڑھے اور درود شریف نہ پڑھے تو شوافع کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

مذہب شافعی پر شافعی کی نماز نہ ہوگی کہ وصیت ودرود ان کے نزدیک ارکانِ خطبہ سے ہیں اور خطبہ بالاتفاق شرط صحت نماز جمعہ، جب رکن فوت ہوئے خطبہ نہ ہوا، جب خطبہ نہ ہوا، نماز نہ ہوئی۔ کتاب الانوار میں ہے:

لصحۃ الجمعۃ وراء الشروط العامۃ شروط الٰی ان قال السابع خطبتان قبل الصلٰوۃ وارکانھما خمسۃ حمداللہ تعالٰی الثانی	صحت جمعہ کے لئے شروط عامہ کے علاوہ ساتویں شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے دو خطبے ہوں اور اس کے ارکان پانچ ہیں ایک اللہ تعالٰی کی حمد، دوسرا

[1] مدارج النبوۃ وصل در ازالۂ شبہات از بعضے آیات مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۸۳

الصلٰوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الثالث الوصیۃ بالطاعۃ والتقوی [1] اھ ملتقطاً	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں درود وسلام، تیسرا اطاعت وتقوٰی کی نصیحت اھ ملتقطا (ت)

اسی میں ہے:

لصحۃ الاقتداء شروط الاول ان یکون الامام مظھر مسلماً الثانی ان تصح صلوتہ باعتقاد المأموم فلو اقتدی الشافعی بالحنفی وقد مس فرجہ اوترك البسملۃ او الحنفی بالشافعی الذی افتصد اواحتجم ولم یتوضأ بطلت صلٰوتہ [2] اھ مختصرا۔	صحت جمعہ اقتداء کے لئے شروط ہیں اول یہ کہ امام مسلمان ظاہر ہو دوسرا یہ کہ اس کی نماز مقتدی کے اعتقاد کے مطابق درست ہو، اگر شافعی نے کسی حنفی کی اقتداء کی تو امام نے شرمگاہ کو چھولیا یا اس نے بسم اللہ ترک کردی یا حنفی نے ایسے شافعی کی اقتداء کی جس نے رگ کٹوائی یا پچھنے لگوائے اور وضو نہ کیا تو اقتداء کرنے والے کی نماز باطل ہوجائے گی اھ اختصاراً (ت)

فتاوی امام ابن حجر مکی شافعی میں ہے:

ان علم انھم یترکون بعض الارکان او الشروط لم تصح منھم جمعۃ فلا یجوز لاحد ان یصلی معھم [3] (ملخصاً)	اگر یہ جان لیا گیا ہو کہ انھوں نے بعض ارکان یا شرائط کو ترک کردیا ہے تو ان کا جمعہ صحیح نہ ہوگا لہٰذا ان کے ساتھ جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہوگی اھ (ملخصاً)

ترک درود تو سخت تر ہے، درود خطبہ میں اگر نامِ اقدس نہ لیا ضمیر پر اکتفا کی مثلاً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو امام مذکور نے بطلان خطبہ ونماز ثابت کیا، اسی طرح ان کے شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ، نے شرح بہجہ وشرح روض وشرح منہج میں فرمایا: کما ھو مذکور کلہ فی فتاواہ الکبری (جیساکہ یہ تمام ان کے فتاوٰی الکبرٰی میں مذکور ہے۔ت) آدمی کہ تنہا نماز پڑھے اسے بالاجماع مستحب ہے کہ جملہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذاہب کی حتی الامکان رعایت رکھے اور حتی الامکان کے یہ معنی کہ جہاں تک اس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے کما نص علیہ فی غیر ماموضع فی ردالمحتار وفی المسلك المتقسط للملا علی القاری وغیرھما (جیسے کہ اس پر ردالمحتار اور المسلک المتقسط للملا علی قاری وغیرہ میں متعدد مقامات پر

[1] الانوار لاعمال الابرار فصل الصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/۱۰۰

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل الوالی فی محل ولایۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/۸۵

[3] فتاوٰی کبرٰی فقہیہ ابن حجر مکی باب الصلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۳۹

تصریح ہے۔ت) نہ کہ وہ امور جو اپنے مذہب میں مسنون اور دوسرے مذہب ائمہ حق میں فرض ہوں کہ اب تو اس کی ترک سخت جہالت، نہ کہ امام کہ دوسرے مذہب کے اہل سنت بھی اس کے مقتدی ہوں اسے تو حتی الوسع اس مذہب کی رعایت کمال مہم ومؤکد ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۵: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب نواب مولوی سلطان خاں صاحب　۴صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

جمعہ کے دن چند آدمیوں نے مل کر مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی بعدہ، اور دس بارہ آدمی آگئے انھوں نے بھی اذان واقامت خطبہ کے ساتھ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی پھر دس بارہ آدمی آگئے انھوں نے بھی ایسا کیا، تو دوسری تیسری جماعت والوں کا جمعہ ادا ہولیا یا نہیں، فقط، **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز جمعہ وعیدین مثل عام نمازوں کے نہیں کہ جسے امام کر دیا نماز ہوگئی ان کے لئے ضرور ہے کہ اما خود سلطان اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ، اور یہ نہ ہوں تو بضرورت وہاں کے عام مسلمانوں نے جسے امامت جمعہ کے لئے معین ومقرر ہو، تو ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام امامِ معین ومقرر کردہ جمعہ تھا اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں، اور اگر کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی کی نہ ہوئی مثلاً سر راہ مسجد ہے دس بارہ راہگیر گزرے ایک نے آگے ہو کر نماز جمعہ پڑھائی پھر کچھ اور آئے انھوں نے بھی ایسا ہی کیا یوں ہی دس بیس جماعتیں ہوئیں جمعہ ایک کا بھی نہ ہوا اور فرض ظہر سب کے ذمہ رہا، درمختار میں ہے:

الجمعۃ یشترط لصحتها السلطان اومامورہ باقامتها ونصب العامۃ غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمه فیجوز للضرورۃ[1] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم	صحت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا مقرر کردہ برائے اقامت جمعہ کا ہونا ضروری ہے، مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور اگر مذکور اشخاص نہیں تو ضرورت کے لئے عوام کا تقرر جائز ہوگا اھ مختصراً۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۶: از گنور تحصیل سونی تپ ضلع رہتک مرسلہ حافظ احمد حسین صاحب امام مسجد　۲۳ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز امام اول کا خطبہ پڑھ کے جلسہ کرنا ہے اس جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا، مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی؟ زید درمیان خطبین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت اور حرام بتاتا ہے۔ یہ عقیدہ

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹و ۱۱۰

زید کا موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں؟

الجواب:

زید کا قول باطل ہے، دونوں خطبوں کے بیچ میں امام کو دعا مانگنا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ خود عین خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امینہ کے لئے دونوں دستِ انور بلند فرما کر دعا مانگنا کتب صحاح میں موجود ہے، مقتدیوں کے بارہ میں مذہب حنفی میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف وامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما بلا شبہ ان کے لئے بھی جائز فرماتے ہیں، اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں آئیں، ایک مطابق قول صاحبین کے امام کے نزدیک بھی مقتدیوں کو بین الخطبتین دعا مانگنا جائز ہے امام سغناقی نے نہایہ وامام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شروح ہدایہ میں فرمایا: **ھو الصحیح** یہی صحیح ہے۔

سننها خمسة عشرة رابعتها التعوذ فی نفسه قبل الخطبة سادستها البداية بحمد الله تعالیٰ [1] الخ ملخصًا	اس کی پندرہ سنتیں ہیں چوتھی یہ کہ خطبہ سے پہلے دل میں تعوذ کا پڑھنا، چھٹی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ابتداء کرنا الخ ملخصًا (ت)

پھر یہ کوئی ایسا امر نہیں جس پر تشدد ضروری ہو، بہ نرمی سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو گروہ بندی واثارت فتنہ کی حاجت نہیں **والفتنة اکبر من القتل** (فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۷: از جیل کان پور مرسلہ کلن خاں جمعدار ۱۲ شوال ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ جیل میں جہاں پانچ چھ سو آدمی قیدی وحوالاتی اور ملازمین رہتے ہیں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جہاں پر صوم صلوٰۃ کی جماعت کو عام اجازت ہے اس میں روک ٹوک نہیں مگر باہر کے لوگ بغیر اجازت اندر نہیں آسکتے نہ اندر کے باہر جاسکتے ہیں، پس جو مسلمان اندر جیل کے ہیں اور جن کی تعداد سو سے زائد ہے جمعہ کے روز جماعت سے نماز جمعہ ادا کریں یا نماز ظہر کی، امید کہ بواپسی ڈاک جواب سے سرفرازی بخشی جائے، زیادہ حد آداب!

الجواب:

جمعہ کی ایک شرط اذن عام ہے، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا تو اس میں نماز جمعہ ناممکن و باطل ہے اور ظہر کی جماعت بھی ان کو جمعہ کے دن جائز نہیں، جبکہ جیل حدود شہر میں ہو، بلکہ ہر شخص تنہا ظہر پڑھے ملازم ہو یا ماخوذ، ہاں جیل بیرونِ شہر ہو تو ظہر بجماعت پڑھیں، تنویر الابصار میں ہے:

[1] بحر الرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۷

يشترط لصحتها الاذن العام فلو دخل امير حصنا واغلق بابه وصلى باصحابه لم تنعقد [1]۔	صحت جمعہ کے لئے اذن عام شرط ہے، اگر کسی امیر نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا یا تو یہ جمعہ منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

کرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظهر بجماعته فی مصر قبل الجمعة وبعدها [2]۔ وهو سبحٰنه وتعالٰی اعلم	شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کے لئے جمعہ سے پہلے اور بعد نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ وہو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جہاں پر حکم مصر رکھتا ہے اور بنا بر قول معتبر کے وہاں جمعہ ہوتا ہو ان میں احتیاط ظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو نہیں پڑھتے ہیں جمعہ پڑھنے سے ظہر ساقط ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اس کا ثبوت شرع میں ہو تو اس کو کس نیت سے پڑھنا چاہئے اور جو اس کا مانع ہو از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ بينوا بالدلائل الشرعية وتوجروا بالبراهين العقلية (دلائل شرعیہ سے بیان کرو اور براہینِ عقلیہ سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

بلاشبہ جو اسلامی مصر ہو اور وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو اور امام میں کوئی شبہہ ناجوازیِ امامت کا نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنا ممنوع وبدعت ہے مگر یہ بات آج عامہ بلاد میں کہیں نہیں سوا حرمین شریفین وغیرہما، بعض بلاد کے، یونہی جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو جس نے سب سے اول جماعت میں پڑھا اسے احتیاطی ظہر کی اجازت نہیں، اور جہاں مصریت میں شبہہ ہو یا امام یا اس کی ماذونیت میں یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور اپنی جماعت سب سے پہلے ہونا معلوم نہیں وہاں اگر شبہہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب، مگر اس کا حکم خواص کے لئے ہے عوام کو حاجت نہیں تحملا للضرر الادنی مخافة الاقوی (بڑے ضرر سے ڈرتے ہوئے ادنٰی ضرر کو برداشت کرتے ہوئے۔ت) خواص یہ نیت کریں کہ پچھلی وہ ظہر جو میں نے پائی اور ادا نہ کی اور یہ خطرہ بھی نہ آنے پائے کہ جمعہ ہوگیا تو یہ میرے نفل ہیں، ورنہ فرض، نہ جمعہ کی نیت کے وقت تردد ہو کہ تردد منافی نیت ہے، جو منع کی جگہ منع کرتا ہے حرج نہیں اور جو استحباب کی جگہ منع کرتا ہے احمق ہے اور وجوب کے

---

[1] تنویر الابصار مع درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲

محل پر منع کرتا ہے تو گنہگار ہے **وتفصیل المسألۃ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق** (مسئلہ کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے اور یہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۹: نیٹھور ضلع بجنور مرسلہ محمد عبدالحہ سوداگر جفت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جس جامع مسجد میں ایسا امام نماز پڑھاتا ہو جو صاحب جائداد ہے اور دوسری جائداد سودی روپیہ لے کر خریدی اور اس کے بدلنے کو چند اشخاص اہل شہر جن کا زور زیادہ ہے پسند نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی اس بابت ذکر بھی کرے تو خوف فتنہ کا ہے ایسی صورت میں شہر میں سے کسی محلّہ کے آدمیوں کو متفق ہو کر کسی دوسری مسجد میں جمعہ کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس امام کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو شہر میں دوسری جگہ جہاں کوئی امام صالح امامت جمعہ پڑھاتا ہو وہاں جانا واجب ہے اور اگر شہر میں دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہی نہ ہو یا اور امام بھی ایسا ناقابل امامت ہوں تو نیا امام سُنّی صحیح العقیدہ، صحیح خواں، صحیح الطہارۃ، مسائل داں کہ فاسق معلن نہ ہو مقرر کریں اور اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۰: از حیدر آباد دکن محلّہ سلطان پورہ مکان نمبر ۲۹۵۴/۶ مرسلہ مولوی محمد عبدالجلیل صاحب نعمانی مہتمم امور مذہبی ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ وعیدین عربی عوام نہیں سمجھ سکتے ہیں کیا ان کے لحاظ سے اردو زبان ہی میں پڑھا جاسکتا ہے؟ **بینوا توجروا ان اجرکم علی اللہ تعالٰی** (بیان کرکے اجر پاؤ کہ تمہارا اجر اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت)

الجواب:

زمان برکت نشان حضور پر نور سید الانس والجان علیہ علی الہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور وماثور اور باآنکہ صحابہ ومن بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزار ہا بلاد عجم فتح ہوئے ہزار ہا جوامع بنیں، ہزار ہا منبر نصب ہوئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوئے، اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے باانیہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی زبان میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو **کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا** (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے۔ت) سنتِ متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے،

فی الدرالمختار ان لمسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم [1] اھ ای ثبت وتاکد،	درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں میں توارث کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا ان کی اتباع واجب ہے اھ یعنی ثابت اور مؤکد ہے۔(ت)

نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت، جانب خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔

اقول: وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوہ فکان ذلك کفامنھم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترك اذا لامعنی لتوارثہ ولامساغ للتأسی فیہ لانہ غیرمفعول ولا مقدور کما نص علیہ الاکابرا لصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروك لا یتقرب بھا الااذاصار الترك کفا وہو فعل وہ المکلف بہ فی النھی لا الترك بمعنی العدم لانہ لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر [2] اھ ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمہ اللہ تعالٰی اتقن ھذا فانہ من اجل المھمات۔	**اقول:** اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ ونصیحت کا تقاضا بعینہٖ موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا پھر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کا رکنا ہے ترک نہیں اور رکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے، کیونکہ اس کے نقل ہونے کا معنی نہیں اور نہ ہی اس میں اقتداء جائز ہے کیونکہ وہ معمول سے نہیں اور نہ ہی قدرت میں، جیسے کہ اس پر ہمارے اسلاف اکابر نے تصریح کی ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک کے ساتھ تقرب نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب ترک کف کی صورت میں ہو اور وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم کیونکہ معدوم قدرت عبد کے تحت نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔ اس سے مراد تحریر الاصول للامام المحقق المطلق نے ذکر کیا ہے اسے اچھی طرح یاد کرلو کیونکہ یہ نہایت اہم معاملہ میں سے ہے۔(ت)

اذان ضرور بلانے اور ان لوگوں کو اطلاع وقت دینے کے لئے ہے مگر غیر عربی میں ہو تو ہرگز اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہوجائے کہ اذان صرف سنت تھی جب فی نفسہٖ برخلاف سنت ہوئی راسا

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۴۷

فوت ہوگئی، تنویر میں ہے:

الاذان علامه مخصوص علی وجه مخصوص بالفاظ کذلك[1]۔	اذان، الفاظِ مخصوص میں بطریق مخصوص اطلاع دینا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انه لایصح بالفارسیة وان علم انه اذان وهو الاظهر والاصح کما فی السراج[2]۔	اس میں اشارہ ہے کہ یہ فارسی میں جائز نہیں، اگر یہ معروف یہ کہ اذان ہے اور یہی اظہر واصح ہے جیساکہ سراج میں ہے ۔ (ت)

خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے قال اللہ تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۝[3] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ت) اور خود قرآن عظیم کہ اس کا تو نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝[4] (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ت) پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اس کے لئے نماز وقرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کردئے جائیں گے نہ خطبہ واذان، یہ اس کا اپنا قصور ہے اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا. انگریزی کی حالت دیکھئے اس پر کیسے اندھے باولے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اس سے کچھ غرض نہیں اللہ تعالٰی توفیق دے وہدایت بخشے، اٰمین واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴۱تا۱۳۴۳: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اذان ثانی جمعہ کے دن امام کے قریب اندر مسجد کے جو مروج ہے اس میں کراہت یعنی کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

(۲) فصیل حوض خارج مسجد ہے یا داخل مسجد؟

(۳) ابوداؤد کی حدیث میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت میں

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۲

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۲

[3] القرآن ۲۰/۱۴

[4] القرآن ۴۷/۲۴

باب مسجد پر اذان کا ذکر ہے اُس وقت تک اذان اول شروع تھی یا نہیں؟ اگر اس وقت میں صرف ایک اذان تھی تو جب سے دوسری اذان شروع ہوئی اُس وقت بھی بقیہ خلفائے راشدین کے وقت میں اذانِ ثانی باب مسجد پر ہوتی تھی یا امام کے متصل منبر کے پاس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) علمائے کرام نے کراہت لکھی اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت غالبًا کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اذان دروازۂ مسجد پر ہُوا کی، اور کبھی نہ حضور سے منقول نہ خلفائے رشدین سے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو، اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہ تنزیہی کو بیان جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے پھر اس میں ترک ادب بارگاہ الٰہی ہے **والعلم بالحق عند اللہ۔**

(۲) حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) صدر خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ تک وہی ایک اذان خطبہ تھی انھوں نے اذانِ اول زائد فرمائی مگر اذانِ خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی، نہ کسی خلیفۂ راشد سے اس میں کوئی تغییر منقول، ہاں امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں ہشام بن عبدالملک بادشاہ مروانی کی نسبت لکھا کہ اس نے سنت کو بدلا اس کا زمانہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسی ۸۰ برس بعد ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۴:　مسئولہ مولوی فضل الرحمان صاحب از چھاؤنی صدر بازار فیروزپور پنجاب　۱۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ ایک قلعہ میں جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں اور نہ ملازمان کو باہر بجز وقت معینہ کے منجملہ پانچ صد مردمان مسلمان ملازمان کے ایک جماعت وہاں نماز جمعہ باجازت مشتہرہ گورنمنٹ قائم کرتی ہے وہاں بنائے مسجد نہیں ہے نیز متصل قلعہ مذکور کے شہر اور چھاؤنی صدر بازار میں چند جگہ دیگر مساجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے کیا اس جماعت کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے بعض علمائے دین نے بحوالۂ فتاوی عالمگیری و درمختار بباعث عدم اذن عام او جماعت مذکور کو محبوسین وغیرہ کا مقیس علیہ قرار دے کر عدمِ جواز اور نادرست ہونے نماز جمعہ کا فتوٰی دیا ہے اور بعض نے بحوالۂ عبارت شامی کہ

قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا کانت لاتقام الافی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لایتحقق التفویت کما افادہ التعلیل تامل۔	**میں کہتا ہوں** کہ مناسب یہ ہے کہ محل نزاع وہ صورت ہے جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ ہو تو پھر محلِ نزاع نہیں کیونکہ پھر تفویت متحقق نہیں جیسا کہ علت کے بیان نے فائدہ دیا ہے، غور کرو۔ (ت)

درست ہونے نماز جمعہ کا فتوٰی دیا ہے۔ بیّنوا بالدلیل توجروا بالاجر جزیل (دلیل سے بیان کرکے اجر عظیم پائیں۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ قلعہ کی بندش ہے، باہر کا کوئی شخص نماز کے لئے اس میں نہیں جاسکتا تو اذنِ عام نہ ہوا، اور اذن عام فی نفسہٖ شرط جمعہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ قول کسی سے نقل نہ فرمایا بلکہ یہ ان کا اپنا خیال ہے جسے وہ قُلتُ سے شروع فرماتے ہیں اور خود اُن کو بھی اس پر وثوق نہیں کہ آخر میں تامل کا حکم فرماتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اہل بحث نہیں ان کی بحث کا اگر مسئلہ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہو تاہم وہ ایک بحث ہے جو حجت نہیں ہوسکتی نہ کہ جب ان کی بحث مخالف منقول ومنصوص واقع ہے کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کے بھی منقول نہیں ہوتی جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی کما بیناہ فی کتابنا فصل القضاء فی رسم الافتاء (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں بیان کیا ہے۔ت) براہ بشریت یہ بحث اسی طرح واقع ہوئی، فقیر نے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مسئلہ کی بحث تمام کردی ہے اس میں سے یہاں صرف یہ چند کلمات کافی ہیں کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی کتاب مستطاب بدائع اور ان کے سوا اور ائمہ اپنی تصانیف میں اور ان سب سے امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نقل فرماتے ہیں:

السلطان اذاصلی فی دارہ والقوم مع امراء السطان فی المسجد الجامع قال ان فتح باب دارہ جاز، وتکون الصلٰوۃ فی موضعین، ولو لم یاذن للعامۃ وصلی مع جیسشہ لاتجوز صلٰوۃ السلطان وتجوز صلٰوۃ العامۃ[1]۔	جب سلطان نے اپنی دار میں اور قوم نے اس کے حکم سے جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا تو انھوں نے فرمایا اگر دار کا دروازہ کھولا تھا تو جائز، اور نماز دونوں جگہ ہوجائے گی، اور اگر عوام کو اذنِ عام نہ تھا اور بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ جمعہ ادا کیا تو سلطان کی نماز جائز نہیں البتہ عوام کی نماز جائز ہوگی۔(ت)

دیکھو یہ نص صریح ہے اجلّۂ ائمہ کی نقل اور محرر مذہب امام محمد سے بلاخلاف منقول کہ قلعہ سے باہر بھی جمعہ ہوا اور قلعہ میں بھی سلطان نے پڑھا اگر قلعہ میں آنے کا اذن عام دیا تھا تو دونوں جمعے صحیح ہوگئے ورنہ باہر کا جمعہ صحیح ہوا اور قلعہ کا باطل، صاف ثابت ہوا کہ اذن عام فی نفسہٖ شرطِ صحت جمعہ ہے اگرچہ جمعہ متعدد جگہ پایا جائے اور تقویت لازم نہ آئے ولیس بعد النص الاالرجوع الیہ (نص پائے جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ت)

[1] بدائع الصنائع مفہوماً فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۱

مسئلہ ۱۳۴۵: مسئولہ محمود حسن صاحب از بمبئی پوسٹ بائی کھلا ۲۰ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ میں اسی[۸۰] اشخاص حنفیّہ اور بیس[۲۰] اشخاص شافعیہ ہر دو مذہب کے درمیان شافعی امام جمعہ میں خطبہ کے دو رکعت فرض پڑھا کے حنفیوں نے نماز سے فارغ ہوئے بعدہٗ مذکور امام نے اپنے مذہب والوں کو لے کر پھر دوبارہ چار رکعت فرض نماز پڑھواتا ہے لیکن ہر دو مذہب والوں کے ساتھ دو رکعت فرض پڑھنے سے شافعیہ مذہب کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ہو امام شافعی المذہب نیتِ جمعہ میں شک وتردد کو راہ نہیں دیتا خالص صحیح نیت فرض جمعہ کی کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے جبکہ فرائض مذہب حنفی کا پابند ہو مثلاً فصد لے کر یا زخم خواہ پھوڑیا سے پیپ یا پانی بہہ کر ضرور وضو کرلیتا ہو دہ در دہ سے کم پانی میں اگر نجاست پڑجائے اس سے طہارت نہ کرتا ہو وضو میں چہارم سر سے کم کے مسح پر قناعت نہ کرتا ہو وضو کئے ہوئے پانی سے دوبارہ وضو نہ کرتا ہو وعلی ہذا القیاس اگر ان باتوں کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ اولٰی حنفی کے پیچھے ہے اگر رعایت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی کی نماز باطل ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو مکروہ ہے کما حقق کل ذٰلک فی البحر والدر وغیرھما (جیسا کہ اس تمام کی بحر اور در وغیرہ میں تحقیق ہے۔ت) اور جمعہ کی نیت کے ساتھ شک کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے کہ **لانیۃ الا بالعزم ولا عزم مع الشک** (عزم کے بغیر نیت نہیں اور شک کی صورت میں عزم نہیں ہوتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۶: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر خاں مسئولہ عبداللطیف خاں صاحب ۲۲ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جامع مسجد کے امام معین کے بغیر اذن دوسرے شخص نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ بھی امام معین کے بے اذن پڑھائی اور امام مذکور اس میں شریک نہ ہوا اس صورت میں وہ نماز ہوئی یا نہیں، اگر نہ ہوئی تو ظہر کی قضا فرض ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ بے اجازت خطیب معین دوسرا شخص خطبہ نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا خطبہ جائز نہ ہوگا، اور خطبہ شرط نماز جمعہ ہے، جب خطبہ نہ ہوا نماز بھی نہ ہوئی۔ عالمگیری میں ہے:

رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر لایجوز ذٰلک الا ان یکون الامام امرہ بذٰلک کذا	کسی شخص نے اذن امام کے بغیر خطبۂ جمعہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب امام نے اسے حکم دیا ہو، جیسا کہ

فی فتاوی قاضی خاں[1]۔	فتاوٰی قاضی خاں میں ہے (ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ امام معین کے بغیر اذن اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ پڑھائے تو نماز نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ امام اس نماز میں شریک ہوجائے۔ فتاوٰی سراجیہ و در مختار میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لا یجوز الااذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ[2]۔	اگر کسی نے اذن خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب مقتدی ایسا شخص ہو جو جمعہ کا والی تھا۔ (ت)

یہاں کہ خطبہ بھی بے اجازت امام پڑھا گیا اور نماز بھی بے اُس کی اجازت کے پڑھائی گئی اور امام اس میں شریک نہ ہوا تو دو وجہ سے وہ نماز ناجائز ہوئی اُن پر ظہر کی قضا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

مسئلہ ۱۳۴۷: مولوی نعیم الدین صاحب از مراد آباد ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

حضور عالی سلامِ نیاز، میں جمعہ کی نماز قلعہ کی مسجد میں پڑھاتا ہوں اس مسجد کا وسیع صحن ہے مسجد سے باہر راستہ ہے جو ایک بانس کے قریب مسجد کے فرش سے نیچا ہے کوئی جگہ ہی نہیں جہاں مؤذن کھڑا ہوسکے سخت حیرانی ہے یا بعض ایسی مسجدیں ہیں کہ ان میں بعد صحن کے کسی دوسرے شخص ہندو وغیرہ کی دیواریں ہیں کہ ان دیواروں پر میذنہ نہیں بنایا جاسکتا اسی صورت میں کیا کیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ت) یہاں دو سنتیں ہیں، ایک محاذات خطیب، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا، جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا **کما ھو لضابطۃ المستتمرۃ الغیر المنخرمۃ** (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے۔ت) یہاں ارجح واقوی سنت ثانیہ بوجوہ **اولاً** مسجد میں اذان سے نہی ہے، قاضی خاں وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتح القدیر وبحر الرائق وبرجندی وعلمگیری میں ہے: **لایؤذن فی المسجد**[3]۔ (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ت) نیز فتح القدیر ونظم وطحطاوی علی المراقی وغیرہا میں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی کلمات الاذان والاقامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے، ردالمحتار میں قبیل احکام مسجد ہے:

لا یلزم منه ان یکون مکروہا الا بنہی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلا بدله من دلیل [1]۔	اس سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا مگر یہ کہ نہی خاص وارد ہو کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے، لہٰذا اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اور اجتنابِ ممنوع، ایتان مطلوب سے اہم و اعظم ہے، اشباہ میں ہے:

اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتنائه بالمامورات، ولذا قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا امرتکم بشیئ فاتوا منه مااستطعتم وان نہیتکم عن شیئ فاجتنبوه وروی فی الکشف حدیثا لترك ذرة مما نهی الله تعالٰی عنه افضل من عبادة الثقلین ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة ولم یسامح فی الاقدام علی المنہیات [2]۔	شریعت کے ممنوعات کا اہتمام اس کے مامورات سے زیادہ ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شیئ کا حکم دوں تو اس کو استطاعت کے مطابق بجالاؤ اور اگر میں تمھیں کسی شیئ سے منع کروں تو اس سے بچو۔ الکشف میں یہ حدیث منقول ہے ایک ذرہ کے برابر اس کام سے رک جانا جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا جن وانس کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رفع مشقت کے لئے واجب کا ترک جائز ہوتا ہے لیکن ممنوعات پر عمل کی اجازت نہیں۔ (ت)

ثانیًا محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے، اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلبِ مصلحت سے سلبِ مفسدت اہم ہے۔ اشباہ میں ہے:

درء المفاسد اولٰی من جلب المصالح [3]۔	مفاسد کا دفع کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے۔ (ت)

وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربار ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربار شاہی میں اگر چوب دار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہوا چلّائے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو، ضرور گستاخی بے ادب ٹھہرے گا، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۲۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۲۵

کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے پھر اسی خود کمرۂ کچہری میں کھڑا ہو کر چلّائے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امور ادب میں شرعاً عرف معہود فی الشاہد ہی کا لحاظ ہوتا ہے محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

يحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم فى القيام والمعهود فى الشاهد منه تحت السرة [1]۔	حالتِ قیام میں بقصد تعظیم جو معروف ہو اس کے مطابق ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس معروف کا مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔(ت)

اسی بناء پر علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے حالانکہ صدرِ اول میں یہ حکم نہ تھا، فتاوٰی سراجیہ و فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **دخول المسجد متنعلا مکروہ** [2] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ت) عمدۃ المفتین و ردالمحتار میں ہے: **دخول المسجد متنعلا من سوء الادب** [3] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ت) مسئلہ اولٰی یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں کوئی حدیث موافق نہ تھی اور ثانیہ میں حدیث برخلاف تھی بایہنمہ امور ادب میں عرف شاہد کا اعتبار فرمایا تو جہاں خود حدیث بھی موافق ہی موجود ہے ادب معروف کا لحاظ نہ کرنا کس درجہ گستاخی وبیباکی ہے معہذا احدیث نے مسجد میں چلّانے سے بھی منع فرمایا ہے، بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

اخرج المنذری مرفوعا جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشرائکم ورفع اصلاتکم [4]۔ **قلت** رواہ ابن ماجة عن واثلة ابن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه وعبدالرزاق فی مصنفه بسند اسلم عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه	امام منذری نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور دیوانو اور خرید وفروخت اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ، **میں کہتا ہوں** اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام عبدالرزاق نے مصنف میں محفوظ سند سے

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹
[2] فتاوٰی سراجیہ باب المسجد از کتاب الکراہیۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۷۱
[3] ردالمحتار مطلب فی احکام المساجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶
[4] ردالمحتار مطلب فی احکام المساجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے (ت)

تو اس ادب کی طرف خود حدیث میں ارشاد موجود ہے اور علماء نے اس ممانعت کو ذکر کے لئے بھی عام ہونے کی تصریح فرمائی، درمختار میں ہے:

یحرم فیہ (ای فی المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر الاللمتفقھة [1]۔	(مسجد میں) سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ ہے اور ذکر کے لئے آواز کو بلند کرنا بھی، البتہ دین پڑھانے اور سمجھانے والا آواز بلند کرسکتا ہے۔ (ت)

تو اصل منع ہے جب تک ثبوت نہ ہو جیسے اقامت وقرائتِ نماز لیکن یہاں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اندرون مسجد اذان کا ہرگز ثبوت نہیں، تو اگر کچھ اور دلیل نہ ہوتی اسی قدر اس کے بے ادبی وممنوع ہونے کو بس تھا بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے جس کے لئے مساجد کی بنانہ ہو، صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا [2]۔	جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ (ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار وغیرہ میں ہے: کرہ انشاد ضالة (گمشدہ شئی کا (مسجد میں) اعلان کرنا مکروہ ہے۔ت) تو اگر کسی کا مصحف شریف گم گیا اور وہ تلاوت کے لئے مسجد میں پوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہ بنیں، اگر اذان دینے کے لئے اس کی بنا ہوئی تو ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا، ہمارے بھائی اگر گردنیں عظمتِ الٰہی کے حضور جھکا کر آنکھیں بند کرکے براہ انصاف نظر فرمائیں تو جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کر سکتے

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] صحیح مسلم باب نہی من اکل ثوما الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

احکم الحاکمین عزجلالہ کے دربار کو اُس سے محفوظ رکھنا لازم جانیں نہ کہ حدیث کا وہ ارشاد پھر کتب معتمدہ فقہ کی یہ صریح تصریحات کہ مسجد میں اذان منع ہے سب کچھ دیکھیں اور ایک رواج پر اڑے رہے ہیں، ذی انصاف بھائیو! یہ آپ کی شان نہیں۔

ثالثًا محاذات خطیب ایک اختلافی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمہ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوئےبروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے پنجگانہ کی اذان، علامہ خلیل ابن اسحٰق مالکی توضیح فرماتے ہیں:

اختلف النقل ھل کان یؤذون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوعلی المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار [1] ۔ نقلہ ابن القاسم عن مالك فی المجموعۃ ونقل ابن عبدالبر فی کافیہ عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم [2] ۔	نقل میں اختلاف ہے کہ کیا اذان نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی یا اس منار پر جس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے نقل کیا کہ اذان منار پر ہوتی تھی، اسے ابن القاسم نے "مجموعہ" میں امام مالک سے نقل کیا اور شیخ ابن عبدالبر نے کافی میں امام مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا امر قدیم نہیں ہے۔ت)

امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذاصعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر و عمر و صدرامن خلافۃ عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم ثم زاد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانًا اٰخر بالزوراء وھو موضع بالسوق وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منار پر اذان دے، یہی طریقہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائی دور میں تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا جو بازار میں مقامِ زوراء پر دی جاتی تھی اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والی اذان کو منار پر

[1] المختصر فی فروع المالکیۃ

[2] کافی فروع المالکیۃ

علیه وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك ثم لما تولی هشام نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر بین یدیه[1]۔ (ملخصًا)	ہی باقی رکھا اور اس وقت خطیب منبر پر ہوتا، پھر جب ہشام والی بنے تو جو اذان منار پر ہوتی تھی اسے منبر پر چڑھنے کے وقت منبر کے سامنے کردیا۔(ت)

یہاں تک کہ فرمایا:

فقد بان ان فعل ذلك فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة فیتمسك بعض الناس بهاتین البدعتین ثم صار کانه سنة معمول بها ولیس له اصل فی الشرع وانما هی عوائد وقع الاستئناس بها فصار المنکر لها کانه یاتی ببدعة علی زعمهم، فانالله وانا الیه راجعون علی قلب الحقائق اھ مختصرا[2]۔	یعنی روشن ہوا کہ اس اذان کا مسجد میں خطیب کے سامنے کہنا بدعت ہے جسے ابتداءً بعض لوگوں نے اختیار کیا پھر اس کا ایسا رواج پڑگیا گویا وہ سنت ہے حالانکہ شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں وہ تو یہی ایک عادت ہے کہ لوگوں کے جی اس میں لگ گئے تو جو اس پر انکار کرے ان کے زعم میں گویا وہی بدعت نکالتا ہے توانّاللہ وانّاالیہ راجعون حق لوگوں میں کیسا اُلٹا ہوگیا کہ حق کو باطل، باطل کو حق سمجھنے لگے اھ مختصرًا

علامہ یوسف بن سعید سفطی مالکی حاشیۂ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں:

الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروه کما نص علیه البرزلی وقد نهی عنه مالك وفعله علی المنار والامام جالس هوالمشروع اھ سکندری[3] اھ باختصار۔	دوسری اذان زمانہ قدیم میں منار پر ہوتی تھی، اہل مغرب کا اب تک اسی پر عمل ہے، امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ اس پر برزلی نے تصریح کی، اور امام مالک نے اس سے منع فرمایا، اذان کا اس وقت منار پر دینا جب امام منبر پر ہو یہی مشروع ہے اھ سکندری اھ اختصارًا (ت)

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی احدث فی المساجد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۱۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی احدث فی المساجد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۱۲

[3] حاشیہ جواہر زکیۃ شرح لمقدمۃ العشماویۃ

بخلاف اذانِ مسجد کہ مالکیہ بھی اسے ممنوع جانتے ہیں۔ مدخل میں ہے:

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد فیمنع من الا ذان فی جوف المسجد لوجوہ،احدھا انہ لم یکن من فعل من مضی [1] الخ	مسجد میں اذان ممنوع ہونے کے بیان میں فصل، مسجد میں اذان کئی وجہ سے منع ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اسلاف کا طریقہ نہیں رہاالخ (ت)

تو ثابت ہوا کہ اذانِ بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم واعظم واکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے درگزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں ھذا کلہ ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ تمام مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۳۴۸: مسئولہ اقبال حسین از قصبہ سرولی ضلع بریلی ۲۹صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے کہ خطبہ جمعہ کا ایک فرض ہے دوسرا سنت، یا دونوں فرض ہیں، بینوا توجروا

الجواب:

خطبہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صرف بقدر الحمد فرض ہے اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ذکر طویل جیسے عرف میں خطبہ کہیں تو نفس فرض اگرچہ اولٰی بلکہ اس کے بعض سے ادا ہوجاتا ہے مگر جب کوئی مطلق مامور بہ ہو تو قاعدہ شرع یہ نہیں کہ اس کے ایک حصے کو جو ادنی درجہ کا اطلاق مطلق کا ہو مامور بہ ٹھرائیں باقی کو خارج بلکہ جس قدر واقع ہو سب اُسی مطلق کا فرد ہے تو سب اسی صفت سے متصف ہوگا جیسے فرض قراءت نماز میں ایک آیت سے ادا ہوجاتا ہے اب یہ نہ کہیں گے کہ الحمد شریف کی پہلی آیت فرض تھی باقی اُس کا غیر بلکہ الحمد اور سورت بلکہ سارا قرآن مجید اگر ایک رکعت میں ختم کرے سب زیر فرض داخل ہوں گے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پس قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ت) کا فرد ہے ولہٰذا اگر سورۂ فاتحہ پڑھ کر سُورت ملانا بھول گیا اور وہاں یاد آیا تو حکم ہے رکوع کو چھوڑے اور قیام کی طرف عود کرکے سورت پڑھے اور رکوع میں جائے حالانکہ واجب کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز نہیں ولہٰذا اگر پہلی التحیات بھول کر پورا کھڑا ہوگیا اب عود کی اجازت نہیں مگر سُورت کے لئے خود شرع نے عود کا حکم دیا کہ جتنا قرآن مجید پڑھا جائے گا سب فرض ہی میں واقع ہوگا تو یہ واجب کی طرف عود نہیں بلکہ فرض کی طرف، ولہٰذا اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا نماز نہ ہوگی کہ

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی النھی عن الاذان مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۵۱

پہلا رکوع عود الی الفرض کے سبب زائل ہوگیا تو جس طرح الحمد اور سورت دونوں سے فرض ہی ادا ہوتا ہے یوں ہی دونوں خطبوں سے بھی کہ سب مطلق فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کرآؤ۔ ت) کے تحت میں داخل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان ۱۳۲۰ھ

(تعریف حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق)

مسئلہ ۱۳۴۹: از احمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دونوں جوابوں میں کون سا جواب احق بالقبول ہے:

سوال: علمائے دین متین اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں خطیب کو خطبۂ ثانی میں منبر سے ایک سیڑھی اُترنا اور پھر چڑھ جانا یہ شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالسند الکتاب وتوجروا فی یوم الحساب۔

الجواب ھوالصواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب کو سیڑھی اُترنا اور چڑھنا جائز نہیں بدعت شنیع ہے جیسا کہ شامی جلد اول صفحہ ۸۶۰ میں مذکور ہے:

قال ابن حجر فی التحفۃ وبحث بعضھم ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الٰی درجۃ سفلٰی ثم العود بدعۃ قبیحۃ	ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ بحث کی ہے کہ یہ جو عادت بنالی گئی ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت منبر کی نچلی سیڑھی اور پھر دوبارہ اوپر والی سیڑھی پر

شنیعة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	چلاجانا بدترین بدعت ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

محمد عیسٰی عفی عنہ، المجیب مصیب عنداللہ عبدالرحمٰن ولد مولوی محمد عیسٰی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o اللھم ارنا الحق وارزقنا اتباع وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان اور رحم والا ہے، اے اللہ ! ہمیں حق دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔(ت)

مجیب لبیب نے زینہ اترنے کا ناجائز ہونا بلکہ بدعت شنیعہ ہونا جو علامہ شامی نے ابن حجر شافعی کے قول سے جو ان کی کتاب تحفہ میں نقل کیا ہے ثابت کیا ہے ہر گز ناجائز ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے نہ بدعت شنیعہ ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح میں لکھا ہے:

ان المسئلة الواقعة متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال فی مذھبنا اومذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنہ وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمتہ والنھی عنہ خصوصا[2] انتھی مختصرا۔	یعنی اگر کوئی مسئلہ ایسا واقع ہو کہ اس کی تخریج ہمارے حنفی مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن ہو شافعیوں یا حنبلیوں یا مالکیوں کے مذہب کے موافق اس کی تصریح ممکن ہو تو وہ ایسا منکر نہیں کہ اس کا انکار کرنا اور اس سے منع کرنا واجب ہو بلکہ ایسا اس منکر کیلئے ہے جس کی حرمت اجماعی ہو اور شارع علیہ السلام نے اس سے بالخصوص منع کیا ہو انتہی مختصرًا(ت)

اب اہل انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہی اس زینہ اترنے کی وجہ کیا ہے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ نولکشور میں تحریر فرماتے ہیں: میدانیہ کہ در خطبہ روز جمعہ نام سلاطین کہ در زینہ پایہ سہ فرود آمدہ می خوانند وجہش چیست ایں تواضعیست کہ سلاطین عظام نسبت بآں سرور وبخلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نمودہ اند و جائز نداشتہ اند کہ اسامی ایشاں بااسامی اکابردین دریک درجہ مذکور شود **شکر اللہ سعیھم**[3] انتھی علامہ حسین کاشفی مؤلف تفسیر حسینی اپنی کتاب "ترغیب الصلٰوۃ" میں فرماتے ہیں:

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۸

[2] طریقہ محمدیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الثالث الثلاثون مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب نود ودوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۱۶۲

ازاں پایہ منبر کہ حمد وثنا ودرود گفتہ ذکر خلفائے کرام کردہ نشیب آید وذکر کرودعائے سلطان چوں تمام کند باز بالا رفتہ خطبہ باقیہ تمام کند[1] انتہی مطلب عبارت مکتوب کا یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی جان لیں کہ جمعہ کے دن خطبہ میں نام بادشاہوں کو نیچے کے زینے منبر پر اُتر کر پڑھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے، آنجناب اس کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تواضع وفروتنی ہے کہ بڑے بڑے مسلمان بادشاہوں نے بہ نسبت نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والسلام وخلفائے راشدین آں سرورِ کائنات علیہم الصلٰوۃ والتسلیمات کے کی ہے اور ان بادشاہوں نے یہ بات جائز نہیں رکھی ہے کہ بادشاہوں کے نام ساتھ اسامی اکابر دین کے ایک درجہ میں مذکور ہوں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ رحمۃ الباری اُن نیک بخت بادشاہوں کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ان بادشاہوں کی کوشش کو قبول کرے اور ان کو جزائے خیر عطافرمائے۔اور مطلب عبارت "ترغیب الصلٰوۃ" کا یہ ہے کہ منبر کے اس زینۂ معلومہ پر حمد وثناء ودرود پڑھ کر اور ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کرکے نیچے کے زینہ پر خطیب آئے اور ذکر ودعائے سلطان کرکے جب دعائے سلطان تمام ہو جائے پھر اوپر کے زینہ پر چڑھ کر خطبہ باقیہ تمام کرے۔اب منصفین غور فرمائیں کہ ہمارے حنفی مذہب کی کتاب میں بھی اس زینہ اُترنے کے لئے ملا حسین کاشفی حنفی مصنف تفسیر حسینی نے تحریر فرمایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی وجہ بھی بیان کردی ہے کہ بوجہ مذکور الصدر کے یہ زینہ اُترنا جاری ہوا ہے اب جو علماء اس کو بدعتِ قبیحہ شنیعہ فرماتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں کہ بدعت قبیحہ ومنکر مطابق عبارت شرح طریقہ محمدیہ کے جب ہوتی ہے کہ اس کی تخریج ہمارے مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن نہ ہو اور مانحن فیہ میں خود ہمارے حنفی مذہب کی کتابوں میں اس زینہ اترنے کو تحریر فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے اب یہ زینہ اترنا بدعت کیسے ہوا، ہاں جو علماء اس کو بدعت قرار دیتے ہیں حنفی مذہب کی اور کتابوں سے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت کریں یا کسی کتاب میں یہ لکھا ہو کہ زینہ اترنا حرام اجماعًا ہے یا شارع علیہ السلام نے صراحۃً منع فرمایا ہے جب اس کا منکر ہونا ثابت ہو تو اس سے منع کرنا واجب ہوگا **ودونہ خرط القتاد** (جبکہ اس کے آگے مضبوط رکاوٹ ہے۔ت) اور جو علماء اس زینہ اترنے کو بدعت قبیحہ شنیعہ قول علامہ ابن حجر شافعی سے ثابت کرتے ہیں ان پر یہ بات ضرور ہے کہ اس کا بدعت قبیحہ شنیعہ ہونا ثابت کریں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۱۷۹ میں ہے:

---

[1] ترغیب الصلٰوۃ لعلامہ حسین کاشفی

قال الشافعی رحمه الله تعالٰی ما احدث مما یخالف الکتاب اوالسنة اوالاثر اوالاجماع فهو ضلالة وما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذلك فلیس بمذموم [1] انتهی۔	یعنی حضرت امام شافعی (جن کے علامہ ابن حجر مقلد ہیں) فرماتے ہیں جو ایسی چیز نکالی جائے کہ وہ کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اقوال اصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا اجماع امت کے مخالف ہو وہ بدعتِ ضلالت وبدعت قبیحہ شنیعہ ہے اور جو چیز نیکی سے ایسی نکالی جائے کہ وہ اشیائے اربعہ مذکورہ میں سے کسی چیز کے مخالف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہے انتہی

بلکہ وہ بدعت حسنہ ہے بالجملہ فعل بدعت غیر مذکور میں جن کے اقسام ثلثہ مشہورہ اعنی واجبہ مندوبہ ومباحہ ہیں ان میں سے ایک میں داخل ہے۔ اب اہل انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہ زینہ اترنا کون سی قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کون سی حدیث شریف کے خلاف ہے یا کون سے اقوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے۔ جب ان ادلۂ مذکورہ کے خلاف نہ ہوا تو مطابق فرمانے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت نہ ہوا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول "وما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذلك فلیس بمذموم" (جو ایسی نیکی ایجاد کی جائے جو مذکورہ اشیاء (کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اقوالِ صحابہ اور اجماعِ اُمت) کے خلاف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہوتی۔ت) میں داخل ہوا اور امام شافعی کے قول کے برخلاف علامہ ابن حجر شافعی کا قول دیکھ کر اس زینہ اترنے کو بدعت قبیحہ شنیعہ کہنا مردود ومطرود ہوگیا، عاقل منصف کے لئے اشارہ کافی ہے،

هذا ما عندی والله اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	یہ میرے نزدیک ہے اور اللہ سب سے خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم اور کامل ہے۔(ت

) حررہ الفقیر الٰی ربہ القدیم عبدالرحیم عفی عنہ

الحمد لله المنزل القراٰن المبین ÷ علی عارج معارج التقریب المکین صلی الله تعالٰی علیه واله وصحبه اجمعین ÷ الیه یصعد الکلم الطیب والحمدلله رب العلمین ÷	سب تعریف اللہ کے لئے جس نے قرآن مبین اس ذاتِ اقدس پر نازل فرمایا جو لامکان کی بلندیوں پر فائز ہوئی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہٖ اجمعین، اور اسی کی طرف مبارک کلمات بلند ہوئے ہیں، الحمدللہ رب العالمین۔(ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۶

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق کسی فعلِ مسلمین کو بدعت شنیعہ وناجائز کہنا ایک حکم اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو یہ حکم کہ ان کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے انھوں نے اس سے منع فرمادیا ہے، اور مسلمانوں پر یہ کہ وہ اس کے باعث گنہگار ومستحق عذاب وناراضیِ رب الارباب ہیں، ہر خداترس مسلمان جس کے دل میں اللہ ورسول جل وعلاوصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کامل عزت وعظمت اور کلمۂ اسلام کی پوری توقیر ووقعت اور اپنے بھائیوں کی سچی خیر خواہی ومحبت ہے کبھی ایسے حکم پر جرأت روا نہ رکھے جب تک دلیل شرعی واضح سے ثبوت کافی ووافی نہ مل جائے۔

قال اللہ تعالٰی: اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸۰ [1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یا تم ایسی بات اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں (ت)

کیا اللہ عزوجل پر بے علم حکم لگائے دیتے ہو، دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصولِ اربعہ ہیں اور ہمارے لئے قول مجتہد صرف ایسی ہی جگہ علمائے کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہرگز اس مسئلے کو یونہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے بلکہ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اسی کے ذمہ رہے وَلِّ حَارَّهَا مَنْ تَوَلّٰى قَارَّهَا (معاملہ کے گرم حال کو بھی اس کے سپرد کردو جو سرد حال کا مالک ہے یعنی اچھا پہلو جس کے سپرد کیا ہے برا پہلو بھی اسی کے سپرد کردو یا جو نفع اٹھاتا رہا وہی بوجھ اور نقصان بھی اٹھائے۔ اہل عرب کے نزدیک گرم چیز بری اور ٹھنڈی چیز اچھی سمجھی جاتی ہے۔ حارّ العمل سخت اور کٹھن کام، اور قارّ العمل آسان کام۔ت) اگر احیانًا کوئی اسے بطور جزم لکھ جاتا ہے تو اس پر گرفت ہوتی ہے کہ ساقہا مساق المنقول فی المذہب یہ اس مسئلے کو ایسا لکھ گیا گویا مذہب میں منقول ہے خود اسی ردالمحتار وغیرہ کے مواضع عدیدہ سے نظر کرنے والوں کو یہ بیان عیاں ہوجائے گا یہاں بھی علامہ شامی نے وہی طریق برتا، یہ نہ فرمایا کہ نزول وصعود ممنوع یا بدعت شنیعہ ہے بلکہ ابن حجر شافعی کا کلام نقل فرمادیا کہ ماخذ مسئلہ متمیز رہے، منقول فی الذہب ہونا درکنار اپنے کسی عالم مذہب کا مذکور نہ سمجھا جائے، وہی تحفظ امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی نے ملحوظ رکھا، مسئلے کا حکم خود نہ لکھا جس سے جزم مفہوم ہو، بلکہ فرمایا **بحث بعضھم** بعض نے یوں بحث کی ہے، بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیہ یا مخصوصہ مذہب کے

---

[1] القرآن ۸۰/۲

تحت میں داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث و نظر پر موقوف نہیں مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ حرام، یہ صورت خاصہ اگرچہ اصلاً کسی کتاب میں منقول نہیں مگر اسے ہرگز بحثِ فلاں نہ کہا جائے گا کہ کتب مذہب میں اس کلیہ عامہ کی تصریح ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر جو ارتضاع ہو موجب تحریم ہے، تو ثابت ہوا کہ علامہ شامی یا امام ابن حجر اسے کسی کلیہ مذہب کے نیچے بھی صراحۃً داخل ہونا نہیں مانتے ورنہ یہ قال ابن حجر و بحث بعضهم (ابن حجر نے کہا اور اس میں بعض نے بحث کی ہے۔ت) پر اکتفانہ کرتے، پھر بعضهم (کم از کم۔ت) کے لفظ نے اور بھی اشعار کیا کہ یہ خیال صرف بعض کا ہے اکثر علماء اس کے مخالف ہیں لااقل ان کی موافقت ثابت نہیں، خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں اس اشارہ واشعار کی جابجا تصریح کی، درمختار میں نظم الفرائد سے نقل کیا: ع

واعتاقه بعض الائمة ينكر [1]

(بعض ائمہ کا اسے آزاد اقرار دینا ناپسند ہے۔ت)

اس پر علامہ شامی نے اعتراض فرمایا ہے:

مفهوم قول بعض الائمة ينكر انه يجوزه اكثرهم ولم ينقل ذلك [2] الخ	قولہ "بعض الائمۃ ینکر" کا مطلب یہ ہے کہ اکثر نے اس نے اسے جائز قرار دیا ہے الخ (ت)

بلکہ تصریح فرمائی کہ ایسی تعبیر اس قول کی بے اعتمادی پر دلیل ہوتی ہے، درمختار کتاب الغصب میں تھا:

اختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا [3]۔	ہمارے زمانے میں بعض نے امام کرخی کے قول پر فتوی دیا ہے۔ (ت)

شامی نے کہا:

هذا من كلام الزيلعي اتى به لاشعار هذا التعبير بعدم اعتماده [4] (ملخصًا)	یہ امام زیلعی کا کلام ہے ان کی یہ تعبیر واضح کر رہی ہے کہ یہ معتمد نہیں (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار فصل صفۃ الصلوٰۃ میں تھا:

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار کتاب الصید مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۳۹

[3] درمختار کتاب الغصب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[4] ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۳۳

لوبقی حرف اوکلمة فاتمه حال الانحناء لاباس به عند البعض منیة المصلی [1]۔	اگر ایک حرف یا کلمہ رہ گیا تھا جو نماز میں جھکنے کی حالت میں پورا گیا تو بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، منیۃ المصلی ۔(ت)

شامی نے لکھا:

قوله لاباس به عند البعض اشار بهذا الی ان هذا القول خلاف العتمد [2] الخ	قولہ "بعض کے نزدیک کوئی حرج نہیں" اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ قول معتمد کے خلاف ہے الخ (ت)

اس تقریر منیر سے بحمد اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ علامہ شامی خواہ امام ابن حجر کی تحریر اس دعوے جزم بحکم عدم جواز کے اصلا مساعد نہیں بلکہ ہے تو مخالف ہے، اب رہی بعض کی بحث،

اقول: اوّلاً وہ بعض مجہول ہیں اور مجہول الحال کی بحث مجہول الماخذ کیا قابل استناد بھی نہیں، اسی ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی میں ہے:

قول المعراج رأیت فی موضع الخ لایکفی فی النقل لجهالته [3]۔	صاحب معراج کا قول کہ میں نے کسی جگہ پڑھا ہے الخ ان کے عدم علم کی وجہ سے نقل کے لئے کافی نہیں۔(ت)

ثانیاً محتمل بلکہ ظاہر کہ وہ بعض ائمہ مجتہدین سے نہیں اور مقلدین صرف کہ کسی طبقہ اجتہاد میں نہ ہوں نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں، نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے والا لکان تقلید مقلد وهو باطل اجماعا (ورنہ یہ مقلد کی تقلید ہوجائے گی اور وہ بالاتفاق باطل ہے۔(ت)

ثالثاً اس پر کوئی دلیل ظاہر نہیں، اگر کہیے حادث ہے اقول مجرد حدوث اصلاً نہ شرعاً دلیل منع، نہ اس کی حجیت، علامہ شامی نہ امام ابن حجر نہ ان بعض کسی کو تسلیم، ردالمحتار میں ہے:

صاحب بدعة ای محرمة والا فقد تکون	صاحبِ بدعت محرمہ ہوگا ورنہ کبھی بدعت واجبہ

[1] درمختار واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

[2] ردالمحتار واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۲۴/۱

[3] ردالمحتار کتاب النکاح، باب الولی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۹/۲

واجبة کنصب الادلة للرد علی اھل الفرق الضالة وتعلم لنحو المفھم للکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسة وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھة کزخرفة المساجد ومباحة کالتوسع بلذیذ المأکل والمشارب الصیاد کمافی شرح جامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النوی ومثله فی الطریقة المحمدیة للبرکوی[1]۔	ہوتی ہے جیسے کہ گمراہ فرقوں کی گمراہی کارد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو کتاب وسنت کی تفہیم کے لئے ضروری ہے اور کبھی مستحب ہوگی جیسے کہ سرائے اور مدرسہ اور ہر نیکی کاکام جو پہلے دور میں نہ تھا، اور کبھی مکروہ ہوگی جیسے مساجد کو مزین کرنا، اور مباح ہوگی جیسے کھانے پینے اور لباس میں وسعت اختیار کرنا جیساکہ امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب نوی سے بیان کیا، اور برکوی کی طریقۂ محمدیہ میں بھی اسی طرح ہے۔(ت)

امام ابنِ حجر فتح المبین میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبھا وعمل المولد واجتماع الناس له کذلك[2]۔	حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے، میلاد شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بھی بدعتِ حسنہ ہی ہے۔(ت)

خود اسی قول میں بدعت کو قبیحہ شنیعہ سے مقید کرنا مشعر ہے کہ نفس بدعیت مستلزم قبیح وشناعت نہیں معہذا یوں تووہ محل جس پر یہ نزول وصعود ہوتا ہے یعنی ذکر سلاطین خود ہی بدعت تھا تو اس نزول وصعود کے ساتھ تخصیص کلام کی وجہ نہ تھی اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت جامع الرموز:

ثم یدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان متجنبا فی مدحه عما قالوا انه کفر وخسران کما فی الترغیب وغیرہ[3] اھ۔	پھر بادشاہِ وقت کے لئے یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالٰی اسے عدل واحسان کی توفیق دے لیکن بادشاہ کی مدح سرائی سے اجتناب کرے کیونکہ علماء نے کہا ہے کہ ایسا کرنا کفر اور خسارہ ہے جیساکہ ترغیب وغیرہ میں ہے(ت)

فرمایا:

اشار الشارح بقوله وجوز الی حمل قوله	شارح نے "یہ جائز ہے" کہہ کر اس طرف اشارہ

---

[1] ردالمحتار باب الامامة مطلب البدعة خمسة اقسام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[2] فتح المبین

[3] ردالمحتار باب الجمعة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۹

ثم یدعو علی الجواز لاالندب لانہ حکم شرعی لابدلہ من دلیل وقد قال فی البحر انہ لا یستحب لماروی عن عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ حین سئل عن ذلك فقال انہ محدث وانماکانت الخطبۃ تذکیر اھ ولامانع من استحبابہ فیھا کما یدعی لعموم المسلمین فان فی صلاحہ صلاح العالم ومافی البحر من انہ محدث لاینافیہ فان سلطان ھذا الزمان احوج الی الدعاء لہ ولامراءہ بالصلاح والنصر علی الاعداء وقد تکون البدعۃ واجبۃ اومندوبۃ [1] اھ مختصرا۔	کیا ہے کہ "پھر دعا کرے" کے الفاظ جواز پر محمول ہیں ندب پر نہیں کیونکہ ندب حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے، اور بحر میں ہے کہ یہ مستحب نہیں کیونکہ حضرت عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ نئی ایجاد ہے اور خطبہ تو محض نصیحت کے لئے ہوتا ہے اھ تو خطبہ میں سلطان کے لئے دعا کرنا مستحب ہونے میں کوئی امر مانع نہیں جیسے کہ تمام مسلمانوں کے لئے اس میں دعا کی جاتی ہے کیونکہ سلطان کی اصلاح تمام جہاں کی اصلاح ہوتی ہے، اور جو بحر میں ہے کہ یہ نئی چیز ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس دور میں بادشاہ اور اس کے رفقاء اس دعا کے زیادہ محتاج ہیں کہ ان کی اصلاح ہو اور وہ دشمن پر غالب آئے اور بعض اوقات بدعت واجب یا مندوب ہوتی ہے اھ مختصرًا (ت)

اگر کہئے زیادت علی السنۃ ہے **اقول:** یوں تو ذکر سلاطین بلکہ ذکر عمین کریمین وبتول زہرا وریحانتین مصطفٰی وستہ باقیہ من العشرۃ المبشرۃ بلکہ ذکر خلفائے اربعہ بھی صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم جمیعا وبارک وسلم سب سے زیادہ علی سنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھہریں گے، زیادہ علی السنۃ وہ مکروہ ہے کہ باعتقاد سنت ہو ورنہ باعتقادِ اباحت یاندب زیادت نہیں۔ درمختار بیان سنن الوضوء میں ہے:

لوزاد لطمأنینۃ القلب اولقصدالوضوء علی الوضوء لاباس بہ وحدیث فقدتعدی محمول علی الاعتقاد [2]۔	اگر کسی نے (تین سے) زائد بار اعضاء کو دھویا اور مقصد اطمینانِ قلب یا وضو پر وضو تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، باقی فرمانِ نبوی "ایسا کرنے والے نے زیادتی کی" اعتقاد (کہ اس کے بغیر وضو نہیں ہوتا) پر محمول ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۹

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

اسی ردالمحتار میں بدائع امام ملک العلماء سے ہے:

الصحیح انه محمول علی الاعتقاد دون نفس الفعل حتی لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید [1]۔	صحیح یہ ہے کہ یہ اعتقاد پر محمول ہے نفسِ فعل پر نہیں حتی کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی مگر عقیدہ یہ تھا کہ سنت تین دفعہ ہی ہے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی۔(ت)

خود علامہ شامی فرماتے ہیں:

| اقول قد تقدم ان المنهی عنه فی حدیث قد تعدّی محمول علی الاعتقاد عندنا کما صرح به فی الهدایة وغیرہ وقال فی البدائع انه الصحیح حتی لوزاد اونقص واعتقدان الثلاث سنة لایلحقة الوعید (الی ان قال) ان من اسرف فی الوضوء بماء النهر مثلا مع عدم اعتقاد سنة ذلك . نظیر من ملاء اِناءً من النهر ثم افرغه فیه ولیس فی ذلك محذور سوی انه عبث لا فائدة فیه وهو فی الوضوء زائد علی المامور به فلذاسمی فی الحدیث اسرافًا قال فی القاموس الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة ولا یلزم من کونه زائداعلی المامور به وغیر طاعة ان یکون حرامًا نعم اذا اعتقد سنیته یکون قد تعدی وظلم لا عتقادہ مالیس بقریة قربة فاذاحمل علماؤنا النهی علی ذلك [2]۔ | میں کہتا ہوں کہ پہلے گزرا کہ ہمارے نزدیک فرمان نبوی"اس نے زیادتی کی" میں ممنوع اعتقاد ہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے،اور بدائع میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی اور اعتقاد یہ رکھاکہ سنت تین دفعہ ہی ہے تو وہ گنہگار نہ ہوگا (آگے چل کر کہاکہ) وہ شخص جو نہر کے پانی میں وضو کرتے ہوئے اسراف کرتا ہے لیکن اس کے سخت ہونے کا اعتقاد نہیں کرتا لیکن اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے نہر سے برتن بھرا پھر اس میں واپس ڈال دیا، تو اس میں کوئی قباحت نہیں سوائے اس کے یہ عمل عبث ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ مامور بہ وضو میں زائد شیئ ہے پس اسی لئے حدیث میں ایسے کو اسراف کا نام دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے اسراف ، فضول خرچی یا ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جو مقام طاعت کے علاوہ ہو ، مامور بہ سے زائد یا مقامِ طاعت کے علاوہ خرچ کرنے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا البتہ |

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۹
[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸

اگر کہئے اس میں اندیشہ ہے کہ عوام سنت سمجھ لیں گے

اقول: اوّلاً وہی نقوض ہیں کہ یہ نفس اذکار بھی سنت نہیں تو اندیشہ یہاں بھی حاصل۔اور تحقیق یہ ہے کہ اندیشہ مذکورہ نہ فعل کو بدعت قبیحہ شنیعہ کردیتا ہے نہ اس کے ترک کو واجب، بلکہ جہاں اندیشہ ہو صرف اتنا چاہئے کہ علماء کبھی کبھی اُسے بھی ترک کردیں تاکہ عوام سنت نہ سمجھ لیں،اسے ناجائز وبدعت قبیحہ ہونے سے کیا علاقہ! فقیر غفرالمولی القدیر نے اپنی کتاب رشاقۃ الکلام حاشیۃ اذاقۃ الاثام میں اس کی بکثرت تصریحات ائمہ دین علمائے معتمدین حنفیّہ وشافعیہ ومالکیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیں،اسی ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

مقتضی الدلیل عدم المداومۃ لاالمداومۃ علی الترك فان لزوم الایھام ینتفی بالترك احیانا اھ اختصار	دلیل کا تقاضا عدمِ مداومت ہے نہ کہ ترک پر مداومت کیونکہ کبھی کبھار ترک سے لازم وواجب ہونے کی نفی ہوجاتی ہے اھ باختصار (ت)

اب نہ رہامگر ادعائے عبث کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں،اور عبث ہر جگہ مکروہ ہے نہ کہ خود عبادت میں۔اس کا جواب الف ثانی کے مکتوبات سے فاضل مجیب دوم سلمہ، نے بروجہ کافی نقل کردیا جس سے اس کی مصلحت ظاہر ہوگئی اور توہم عبث زائل ہولیا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) جن اعصار وامصار میں بعض نے یہ بحث کی وہاں اس فعل پر ایک نکتہ جمیلہ ودقیقہ جلیلہ اصول شرعی سے ناشیئ ہوسکتا ہے جس سے یہ فعل شرعاً نہایت مفید ومہم قرار پاتا اور بحث باحث کا اصلاً پتا نہیں رہتا ہے خطبے میں ذکر سلاطین اگرچہ محدث ہے مگر شعارِ سلطنت قرار پاچکا یہاں تک کہ کسی ملک میں کسی کی سلطنت ہونے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ وہاں اس کا سکّہ وخطبہ جاری ہے، سلطنتِ اسلامی میں اگر خطیب ذکر سلطان ترک کرے موردِ عتاب ہوگا، مصر ہو تو گویا باغی اور سلطنت کا منکر ٹھہرے گا اور ایسی حالت میں مباح بلکہ مکروہ بھی بقدر اندیشہ فتنہ موکد بلکہ واجب تک مترقی ہوتا ہے،اسی ردالمحتار میں اسی مسئلہ ذکر سلطان میں ہے:

وایضا فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الاٰن من شعار السلطنۃ فمن ترکہ یخشی علیہ ولذا قال بعض العلماء لوقیل ان الدعاء لہ واجب لما فی ترکہ	سلطان کے لئے منبر پر دعا کرنا بھی اب سلطنت کے شعار میں سے ہوگیا ہے، جو اسے ترک کرے گا اس پر نقصان کا خدشہ ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں کوئی بُعد نہیں اگر یہ کہہ دیا جائے

من الفتنۃ غالباً لم یبعد کما قیل بہ فی قیام الناس بعضھم لبعض [1]۔	کہ سلطان کے لئے دعا کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک پر غالبًا فتنہ اٹھنے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کے بعض کے لئے قیام کے بارے میں کہا گیا ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ صدہا سال سے اکثر سلاطین زماں فسّاق ہیں، اس کا فسق اور کچھ نہ ہو تو حدود شرعیہ یک لخت اٹھا دینا اور خلاف شریعت مطہرہ طرح طرح کے ٹیکس اور جرمانے لگانا کیا تھوڑا ہے، اسی ردالمحتار آخر کتاب الاشربہ میں سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

قد قالوا من قال سلطان زماننا عادل کفر [2]۔	علماء نے فرمایا جو ہمارے دور کے سلطان کو عادل کہے گا وہ کافر ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ جس طرح وہ خطبہ میں اپنا نام نہ لانے پر ناراض ہوں گے یوں ہی اگر نام بے کلمات مدح و تعظیم لایا جائے تو اس سے زیادہ موجب افروختگی ہوگا اور فاسق کی مدح شرعًا حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش [3]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی فی مسندہ و البیھقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے اسے امام ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابویعلی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

خطباء جب کہ مجبورًانہ اس میں مبتلا ہوئے ان بندگان خدا نے چاہا کہ اس ذکر کو خطبے سے علیحدہ بھی کر دیں کہ نفس عبادت اسی امر پر مشتمل ہے اور بالکل خطبے سے جدائی بھی نہ معلوم ہو کہ آتشِ فتنہ مشتعل نہ رہے اس

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۹

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۷

[3] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

کے لئے اگریوں کرتے کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے کچھ دیر خاموش رہتے اس کے بعد ذکر سلاطین کرکے بقیہ تمام کرتے تو یہ ہر گز کافی نہ تھا کہ مجلس واحد رہی اور مجلس واحد حسب تصریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے جو کچھ ایک مجلس میں کہا گیا گویا سب الفاظ دفعۃً واحدۃ معًا صادر ہوئے۔

وعن هذا يتم ارتباط الايجاب بالقبول اذا لحقة فی المجلس والا فی الايجاب انما كان لفظاصدر فعدم والقبول کم یوجد بعد و اذا وجد لم یکن الايجاب موجودًا والموجود لايرتبط بالمعدوم كما افاده فی الهداية وغيرها۔	اور اس سے ایجاب کا قبول سے ربط تمام ہوگا بشرطیکہ وہ مجلس کے اندر ہی ہو ورنہ جب ایجاب لفظًا صادر ہوا اور ابھی تک قبول معرضِ وجود میں نہیں آیا اور جب وہ معرضِ وجود میں آیا تو ایجاب نہ تھا اور موجود کسی معدوم سے مرتبط نہیں ہوسکتا، ہدایہ وغیرہ میں ایسے ہی تحریر ہے (ت)

لہٰذا یہ تدبیر نکالی کہ اس ذکر کے لئے زینہ زیریں تک اتر آئیں اور بقدر امکان مجلس بدل دیں کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے نیچے اترنا شرعًا اس کے قطع ہی کے لئے معہود ہے تو عمومًا اجنبی خصوصًا بہ نیت قطع تبدل مجلس وانفصال ذکر کا باعث ہوگا جس طرح تلاوت آیت سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے کو علماء نے تبدیل مجلس گنا ہے، اسی ردالمحتار میں ہے:

لعل وجهه ان الانتقال من غصن الی غصن و التسدية ونحو ذلك اعمال اجنبية كثيرة يختلف بها المجلس حكما كالكلام والاكل الكثير لما مر من ان لمجلس اوالبيت يختلف حكما بمباشرة عمل يعد فی العرف قطعا لما قبله ولاشك ان هذه الافعال كذلك وان كانت فی المسجد اوالبيت بل يختلف بها حقيقة لان المسجد مكان واحد حكما وبهذه الافعال المشتملة على الانتقال يختلف	شاید وجہ یہ ہے کہ ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونا اور کپڑا بنانے کے لئے تانا لگانا اعمال اجنبی اور کثیر ہیں جن کی وجہ سے مجلس حکمًا مختلف ہوجاتی ہے جیسے کثیر کلام اور طعام سے مجلس بدل جاتی ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ مجلس اور گھر، ہر ایسے کام سے حکمًا تبدیل ہوجاتے ہیں جنھیں عرف میں ماقبل کام کو ختم کرنے والا کہا جاتا ہو اور ان افعال کے ایسا ہونے میں شک ہی نہیں اگرچہ یہ مسجد یا گھر میں سرزد ہوں بلکہ ان میں حقیقۃً تبدیلی آجائے گی کیونکہ مسجد حکمًا ایک جگہ کی طرح ہوتی ہے

حقیقة بخلاف الاکل فان الاختلاف فیه حکمی[1]۔	اور ان افعال جو انتقال پر مشتمل ہیں کی وجہ سے حکماً مختلف ہوجائے گی بخلاف کھانے کے، کیونکہ اس میں اختلاف حکماً ہوگا۔ (ت)

اس میں اس قدر ہوگا کہ بیچ میں خطبہ قطع کرنا ہوا اس محظور کے دفعہ کو، اس میں کیا محذور جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح حدیث شاہزادوں کے لینے کے لئے خطبہ قطع فرماکر نیچے اترنا پھر اوپر تشریف لے جانا ثابت تو بعضھم کی بحث اصلا متجر نہ تھی۔ غرض نقل مذکور میں مدعی عدم جواز کے لئے کوئی محل احتجاج نہیں، جہاں صورت یہ ہو جو فقیر نے ذکر کی وہاں اس نزول وصعود سے یہی نیت کریں اور جب ذکر ومدح سلطان ترک نہ کرسکیں اس مصلح کے ترک کی کوئی وجہ نہیں اور جہاں ایسا نہ ہو جیسا ہمارے بلاد میں وہاں مدح میں الفاظ باطلہ ومخالفہ شرع ذکر کرنا خود حرام خالص ہے، خصوصاً کذب وشنائع کو عبادت میں ملانا، تو اس کے لئے یہ نزول عذر نہیں ہوسکتا، اور جب مخالفات شرع سے پاک تو بہ نیت اظہار مراتب، جس طرح شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالٰی کے مکتوبات میں ہے: نزول وصعود ایک وجہ موجہ رکھتا ہے اس صورت میں اس پر نکیر لازم نہیں، ہاں عوام سے اندیشۂ اعتقاد سنیت کے سبب علماء کو مناسب کہ گاہ گاہ اس نزول صعود بلکہ خود ذکر سلطان اعز اللہ نصرہ کو بھی ترک کریں ورنہ دعائے سلطان اسلام محبوب ومندوب ہے اور اس نیت کے لئے نزول وصعود میں بھی حرج نہیں، اور بے دلیل شرعی مسلمانوں پر الزام گناہ وارتکاب بدعت شنیعہ باطل مبین، پس الحق بالقبول حکم مجیب ثانی ہے ھذا ما ظھر لی (یہ مجھ پر واضح ہوا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۰: از ڈاک خانہ مہر گنج چڑنکی ضلع بریسال مکان منشی عبدالکریم مرسلہ محمد حسین صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک فریق اسمہ دودمیاں متواطن فورید فوری اند صلوۃ جمعہ را بملک بنگالہ بلکہ ہندرا حرام گویند چرا اینجا شہر یست بمصداق قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وینفذ الاحکام ویقیم الحدود ایں تعریف نیست مگر اجرت تسبیح وتہلیل وغیر ذلک اخذ می کنند ویک جماعت صلوۃ جمعہ رامی خوانند وایں دیار را	ایک فریق جو فورید فوری میں رہائش پذیر ہیں ان کو دودمیاں کہا جاتا ہے ان کے نزدیک بنگالہ بلکہ تمام ہندوستان میں جمعہ حرام ہے کیونکہ یہاں جو شہر ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قول کہ (وہاں حاکم احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرے) کی تعریف پر پورے نہیں اترتے، حالانکہ

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۴

شہر گویند بمطابق قول صاحبین وہو قول البعض وہو موضع اذا اجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لم یسعھم فہو مصر بمصداق ایں کہ ملک بنگالہ وہند را شہر بگویند ونماز مذکور درو ادامی کنند مگر اجرت تسبیح تہلیل را حرام گویند وایں گویند بمطابق قول امام اعظم حرام است ونزد صاحبین جائزست مگر قول متقدمین را اتباع می کنم ومتاخرین درپائے نشدم علی ہذا القیاس ایں ہر جماعت تنازع می کنند۔	وہ تسبیح و تہلیل پر اجرت لیتے ہیں ایک جماعت ______ جمعہ ادا کرتی ہے اور اس علاقہ کو صاحبین کے قول کے مطابق شہر قرار دیتی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ شہر کی اس تعریف "ہر جگہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے تمام لوگ جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھتی ہو" کے مطابق ملک بنگالہ اور تمام ہندوستان کو شہر کہتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں تسبیح و تہلیل پر اجرت حرام کہتے ہیں کہ امام اعظم کے قول کے مطابق حرام اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر میں متقدمین کے قول کی اتباع کرونگا نہ کہ متاخرین کی، علی ہذا القیاس یہ دونوں جماعتیں آپس میں تنازع کررہی ہیں۔ (ت)

الجواب:

آنکہ گویند المصر مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ نہ مذہب امام ست نہ قول صاحبین بلکہ روایت نادرہ مرجوحہ است و حاجت باونیست امصار دیار ہند وبنگالہ بلا شبہہ شہر ہائے دارالاسلام ست و جمعہ در انہا فرض وترک او معصیت شدیدہ و انکار او ضلالت بعیدہ درمذہب امام وسائر ائمہ ما مصر آنست کہ کوچہا و بازار ہائے دائمہ داشتہ باشد ومر اورا روستاہا باشد چنانکہ اورا در اصلاح حال ضلع یا پرگنہ خوانند ودر وحاکمے باشد کہ بہ حشمت وسطوت خود داد ستم زدہ از ستمگراں تواں گرفت اگرچہ نہ گیرد ہمین ست معنی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود الا از ہند و بنگالہ چہ گوئی خود حرمین محترمین ہیز از مصریت خارج شوند واقامت جمعہ انجا	یہ جو شہر کی تعریف کررہے ہیں کہ وہ مقام جس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کے لئے گنجائش و وسعت نہ رکھتی ہو یہ مذہب امام ہے نہ صاحبین کا قول بلکہ روایت نادرہ مرجوعہ ہے اور اس کی حاجت بھی نہیں ہندوستان اور بنگالہ بلاشبہہ شہر دارالاسلام ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اس کا ترک سخت گناہ اور اس کا انکار شدید گمراہی ہے، امام اعظم اور باقی ائمہ کے ہاں شہر وہ ہوتا ہے جس کے کوچے ہوں اور دائمی بازار ہوں اور اس کے لئے دیہات ہوں جنھیں موجودہ اصطلاح میں ضلع یا پرگنہ کہا جاتا ہے اور وہاں کوئی نہ کوئی ایسا حاکم ہو جو اتنے اختیارات رکھتا ہو کہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاسکے اگرچہ وہ عملاً ایسا نہ کررہا ہو" وہ احکام کو نافذ کرسکے اور

حرام زیراکہ حدود از صدہا سال مفقود مسدود شدہ است وبر تسبیح و تہلیل اجرت خواند گرفتن روانیست اجارہ در امور مباحہ باشد نہ درطاعت ومعصیت کماحققہ المولی بن عابدین الشامی فی ردالمحتار والعقود الدریۃ وشفاء العلیل واللہ تعالٰی اعلم۔	حدود قائم کرسکے "کا یہی معنی ہے ورنہ ہند اور بنگلہ کی کیا بات ہوئی خود حرمین شریفین بھی شہر کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے اور وہاں جمعہ حرام ہوگا کیونکہ حدود کا قیام صدیوں سے ختم اور بند ہوگیا ہے اور تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ کرایہ واجرت امور مباحہ میں ہوتی ہے نہ کہ امور طاعت ومعصیت میں جیساکہ ابن عابدین شامی ردالمحتار، عقود الدریۃ اور شفاء العلیل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۱: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

حامدا ومصلیا، ماقولکم ایھا العلماء الکرام من الاحناف العظام فی ھذہ المسئلۃ ان صلٰوۃ الجمعۃ واجبۃ علی اھل القری ام لا بینوا بجواب شاف توجروا بثواب واف۔	اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے، حنفی علماء کرام کا اس مسئلہ میں کیا فرمان ہے کہ اہل دیہات پر جمعہ لازم ہے یا نہیں؟ جواب کافی سے نوازکر ثوابِ کامل حاصل کریں۔ (ت)

الجواب:

الجمعۃ علی اھل القری لیست بواجبۃ لقولہ علیہ الصلٰوۃ^ف والسلام لا جمعۃ ولاتشریق ولا صلٰوۃ فطر ولااضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینۃ عظیمۃ [1]۔ وفی فتح القدیر ان قولہ تعالٰی فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ لیس علی اطلاقہ اتفاقا بین الامۃ اذلا یجوز اقامتھا فی البراری اجماعا ولا فی کل قریۃ عندہ فکان خصوص المکان مرادا	جمعہ اہل دیہات پر لازم نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جمعہ تکبیرات تشریق، عید الفطر، عید الاضحٰی کی نماز صرف جامع شہر یا بہت بڑے شہر میں ہی ہوسکتی ہے، فتح القدیر میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "پس تم اللہ تعالٰی کے ذکر کی طرف بھاگو" ائمہ کے ہاں بالاتفاق مطلق نہیں کیونکہ جمعہ کا قیام جنگلوں میں بالاتفاق جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک دیہات میں جمعہ نہیں ہوسکتا تو یہاں

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۰۱/۲

ف: مصنف ابن شیبہ میں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً منقول ہے۔ نذیر احمد

فیھا اجماعا فقدر الشافعی القریۃ الخاصۃ وقدرنا المصر وھو اولی لحدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ولو عورض بفعل غیرہ کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مقدما علیہ فکیف ولم یتحقق معارضۃ ماذکرنا ایاہ ولھذا لم ینقل عن الصحابۃ انھم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر و الجمع الافی الامصار دون القری ولوکان النقل ولواحادا[1] ایضا ان الجمعۃ فرضت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو بمکۃ قبل الھجرۃ[2] کما اخرجہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فلم یکن اقامتھا من اجل الکفار فلما ھاجرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن ھاجرمعہ من اصحابہ الی المدینۃ لبث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بنی عمر وبن عوف اربعۃ عشر ایام ولم یصل الجمعۃ فھذا دلیل علی عدم الجمعۃ فی القری والا لصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ ومع ان البخاری روی فی صحیحہ کان الناس یتنابون وفی روایۃ یتناولون الجمعۃ من منازلھم والعوالی فیأتون فی	بالاتفاق جگہ کہ تخصیص کرنا ہوگی، امام شافعی نے دیہات کی تحقیق کی اور ہم نے شہر کی، اور شہر حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وجہ سے اولٰی ہے اور اس کا معاوضہ اگر دوسرے کے عمل سے ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اس پر تقدیم ہوگی اور یہ تقدیم کیوں نہ ہو کہ ہمارے مذکور معنی کے خلاف معارضہ ثابت ہی نہیں اسی لئے صحابہ سے یہی منقول ہے کہ جب انھوں نے علاقے فتح کئے تو فقط شہروں میں جامع مسجد اور منبر بنائے نہ کہ دیہاتوں میں، اور اگر وہ دیہاتوں میں بناتے تو ان کا یہ عمل منقول ہوتا خواہ کوئی ایک ہی روایت ہوتی، اور یہ بھی مسلم ہے کہ جمعہ حضور علیہ السلام پر مکہ میں قبل از ہجرت فرض ہوا جیساکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نقل کیا ہے لیکن وہاں کفار کی وجہ سے آپ نے جمعہ قائم نہ فرمایا جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چودہ دن تک قبیلہ بنو عمر وبن عوف کے ہاں ٹھہرے رہے مگر آپ نے وہاں جمعہ قائم نہ فرمایا، یہ دلیل ہے اس پر کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں جمعہ قائم فرماتے اور باوجودیکہ امام بخاری نے صحیح روایت کیا کہ لوگ جمعہ پاتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھر اور عوالی سے جمعہ کے لئے آتے پس وہ غبار میں آتے تو انھیں غبار پہنچتی

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۳

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۳

الغبار فیصیبھم الغبار والعرق ویخرج منھم العرق [1] الحدیث وفی القدوری ولاتصح الجمعۃ الافی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولاتجوز فی القری [2] قال مولنا بحرالعلوم فی ارکانہ تحت قولہ تعالٰی یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصّلٰوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکر اللہ وذروا البیع (ای یحرم البیع ویجب السعی الی الجمعۃ بعد سماع النداء) ثم ان البیع قد یطول الکلام فیہ فیفوت الخطبۃ اوالجمعۃ لان التجار یترکون صفقا تھم فی ھذا الزمان ولذامنع من النداء الاول [3] فالبیع والشراء فی المصر ظاہر وقال ایضا فیہ ویکرہ للمریض وغیرہ من المعذورین ان یصلوا الظھر یوم الجمعۃ بجماعۃ، والاباس بالجماعۃ للظھر للقروی لان الجمعۃ جامعۃ للجماعات فی المصر [4]۔ فعلم ان شرط المصر لوجوب الجمعۃ مشروع لا نہ جری التوارث من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ھذا الاٰن ان لایصلی الجمعۃ	اور پسینہ آتا، اور قدوری میں ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کی جامع یا شہر کی عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں، مولٰنا بحر العلوم "ارکان الاسلام" میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی "اے ایمان والو ! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے ندادی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ اور بیع ترک کردو" کے تحت لکھتے ہیں یعنی اذان کے بعد بیع حرام ہے اور جمعہ کی طرف سعی لازم ہے پھر بیع میں گفتگو طویل ہوجانے کی وجہ سے جمعہ اور خطبہ فوت ہوجاتا ہے کیونکہ ایسے وقت تاجر سودا ختم نہیں کرتے اور اسی لئے نداءاوّل کے وقت ہی سے اس سے منع کردیا گیا پس بیع وشراء کا شہر میں ہونا ظاہر ہے، اور وہاں یہ بھی فرمایا کہ مریض اور دیگر معذور لوگوں کے لئے جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے البتہ دیہاتی لوگوں کے لئے ظہر کی جماعت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شہر میں جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہوتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وجوب جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا مشروع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ظاہری حیات سے لے آج تک یہی متوارث ہے کہ اہل دیہات جمعہ نہیں پڑھتے،

[1] صحیح البخاری باب من این توتی الجمعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۳

[2] المختصر للقدوری باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ص ۳۹

[3] رسائل الارکان فصل فی الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۸

[4] رسائل الارکان فصل فی الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۸

اہل البدو والقری فالعمل علی قول صاحب القدوری لازم علی المقلدین لانہ قولہ مطابق لمذہب الحنفی واتبعوہ ورجحوہ جمہور فقہاء المحققین ولم ینکرہ احد من علماء الحنفیین کما فی الدرالمختار فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لو افتونا فی حیٰ وتہم [1] الحق احق بالاتباع والمقلد الذی یخالفہ فحکم غیر جائز کما فی الدرالمختار واما المقلد فلا ینفذ قضائہ بخلاف مذہبہ اصلا [2] فشرط المصر لصحۃ الجمعۃ محقق عند الجمہور الحنفیۃ بلاانکار احدلکن البتتۃ فقال الامام الشافعی موضع فیہ بنیان غیر منتقلۃ ویکون المقیمون اربعون رجلا من اصحاب المکلفین فاذا کان کذلک لزمت الجمعۃ واختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاہر الروایات بلدۃ لہا امام اوقاضی یصلح الاقامۃ الحدود۔ و فی فتح القدیر قال الامام ابوحنیفۃ المصر کل بلدۃ فیہا سکک واسواق وبہا رساتیق ووال ینصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ	تو صاحب قدوری کے قول پر مقلدین کے لئے عمل لازم ہے کیونکہ ان کا قول مذہب حنفی کے مطابق ہے اور جمہور فقہاء محققین نے اسی کی اتباع کرتے ہوئے اسے ہی راجح قرار دیا ہے اور علماء احناف میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا جیسا کہ درمختار میں ہے تو ہم پر اس کی اتباع لازم ہے جسے انھوں نے راجح کہا اور اس کی تصحیح کی جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں اس پر ہمیں فتوٰی دیتے تو اسی کی اتباع کی جاتی اور حق ہی اتباع کے لائق ہے اور وہ مقلد جو اس کی مخالفت کرے اس کا حکم جائز نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے بہر حال اپنے مذہب کے خلاف مقلد کی قضاء اصلاً نافذ ہوگی صحت جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا جمہور احناف کے ہاں ثابت ہے اور اس میں کسی کو انکار نہیں، ہاں تعریف شہر میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں نہ منتقل ہونے والی آبادی ہو اور وہاں چالیس مکلّف آدمی مقیم ہوں تو وہاں جمعہ لازم ہوجاتا ہے، ہمارے مذہب میں اس بارے میں روایات مختلف ہیں، ظاہر الروایت میں ہے کہ ایسا شہر ہو جس میں کوئی ایسا امام یا قاضی ہو جو اقامتِ حدود کی طاقت رکھتا ہو، فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں شہر وہ ہوگا جس میں محلے اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کی

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵
[2] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

من الحوادث [1] ورواية عن الامام ابی یوسف المصر موضع یبلغ المقیمون فیه عدد الایسع اکبر مساجد ایاهم فی الهدایة وهوا ختار البلخی [2] وبه افتی اکثر المشائخ لما رأوا فساد اهل الزمان والولاة وعنه ایضاً کل موضع فیه یسکن عشرة الأف رجل، و عنه ایضاً ان کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وهو اختیار الکرخی [3] کذافی الهدایة وقال بعضهم هو ان یعیش کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی حرفة اخری وقال بعضهم هوان یکون بحال لوقصد هم عدو یمکنهم دفعه وقال بعضهم ان یولد فیه کل یوم ویموت فیه انسان، وقال بعضهم هو ان لا یعرف عدد اهله الابکلفة ومشقة فمختار اکثر الفقهاء مراعة لضرورة زماننا والمفتی به عند جمهور المتاخرین فی تعریف المصر الروایة المختارة للبلخی ای	فریاد رسی کرسکے اور ایسا عالم ہو جس کی طرف لوگ مختلف پیش آنے والے واقعات میں رجوع کرسکیں، امام ابویوسف سے روایت ہے کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں کے رہائشی اتنے ہوں کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے ناکافی ہو، ہدایہ میں ہے یہ امام بلخی کا مختار ہے اور فساد زمانہ اور امراء کا فتنہ دیکھتے ہوئے اکثر مشائخ نے اسی پر فتوی دیا، اور امام ابویوسف سے یہ روایت بھی ہے کہ ہر وہ جگہ شہر ہے جہاں دس ہزار مرد مقیم ہوں یہ بھی روایت ہے کہ ہروہ مقام جہاں ایسا امیر یا قاضی ہو جواحکام کو نافذ اور اقامت حدود کا اختیار رکھتا ہو، امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایاہدایہ، بعض کی رائے یہ ہے کہ وہاں ہر صاحب صنعت سالہاسال سے اس طرح رہتاہو کہ اسے دوسری صنعت کی محتاجی نہ ہو، بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر وہاں دشمن حملہ آور ہو تو ان سے دفاع ممکن ہو بعض نے کہا کہ وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی پیدا ہو اور کوئی نہ کوئی مرے، بعض نے کہا کہ وہاں کے رہائشی لوگوں کی تعداد کا علم بغیر مشقت کے نہ ہوسکے، ہمارے زمانے کی ضرورت کے پیش نظر تعریف شہر میں اکثر فقہاء کا مختار اور متاخرین کا مفتی بہ قول وہی روایت ہے جو امام بلخی کی مختار ہے وہ مقام شہر ہے جس کی سب سے

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

[2] الہدایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[3] الہدایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۴۸

مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفون بھا، وقال ابوشجاع ھذا حسن ماقیل فیہ وفی الولوالجیہ وھو صحیح[1] بحر وعلیہ مشی فی الوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدرر علی قول الاٰخر وظاہرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ بقولہ لظھور التوانی فی احکام الشرع لاسیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار[2] وکل موضع یصدق علیہ التعریف المذکور فھو مصر تجب الجمعۃ علی اھلہ والافلا تجب سواء ذلك الموضع یتعارف بلفظ القریۃ اودونھا غیر المصر، فالاٰن ھو لاحق فی حکم المصر شرعا لا عرفا لتطبیق تعریف المتاخرین وھذا احسن ومالایصدق عیہ التعریف المذکور فھو لیس بمصر شرعا وعرفا ففی لفظ القریۃ اعتبار ان شرعا بحیث ترسم بہ وبحیث لاترسم بہ ففی الاول تصح الجمعۃ وھی مدینۃ عظمۃ اوقریۃ کبیرۃ وفی الثانی لا تصح الجمعۃ وھی قریۃ صغیرۃ ومفازۃ ومثلھا کما یدل علیہ عبارۃ القھستانی وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ فیھا اسواق[3]۔وفی البحر لاتصح فی قریۃ ولامفازۃ لقول

بڑی مسجد وہاں کے مکلّف لوگوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو شیخ ابوشجاع کہتے ہیں کہ ان تعریفات میں یہ حسن ہے، ولوالجیۃ میں ہے کہ یہی صحیح ہے، بحر، وقایہ ، متن مختار اور اس کی شرح میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے،اور متن درر میں اسے ہی دوسری قول پر مقدم کیااور ظاہرًاترجیح اسی کو ہے، صدرالشریعۃ نے اپنے اس قول سے تائید کی ہے کہ کیونکہ احکامِ شرع خصوصا اقامتِ حدود میں سستی واقع ہو چکی ہے، ہر وہ جگہ جس پر تعریف صادق آرہی ہو وہ شہر ہے اور وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ لازم ہوگا اور اگر تعریف صادق نہ آئے تو وہاں جمعہ نہیں ہوگاخواہ وہ قریہ کے نام سے متعارف ہو یا کسی اور نام سے، تواب وہ مقام متاخرین کی تعریف کے مطابق حکم مصر میں شرعا ہوگا نہ کہ عرفاً اور یہی احسن ہے، اور جس پر تعریف مذکور صادق نہ ہو وہ شرعًا شہر ہے نہ عرفاً لفظ قریہ میں شرعًا دو۲ اعتبار ہیں ایک وہ جس کی یہ تعریف کی گئی، دوسری وہ جس کی یہ تعریف نہ ہوسکے، پس پہلے میں جمعہ صحیح ہے اور بڑا شہر یا قصبہ ہے اور درسرے میں جمعہ صحیح نہیں اور یہ دیہات ہے اور جنگل کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اس پر قہستانی کی عبارت دال ہے کہ قصبات اور بڑے دیہاتوں جن میں بازار ہوں جمعہ فرض ہوتا ہے، اور بحر میں ہے کہ قریہ اور جنگل میں جمعہ نہیں ہوسکتا

[1] بحرالرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰/۲

[2] شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ دہلی ۲۴۰/۱

[3] جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۶۱/۱

علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لا جمعۃ ولا تشریق ولاصلٰوۃ فطر ولااضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ ثم قال فلا تجب علی غیر اھل المصر[1] کذا فی الطحطاوی فبینھما عموم وخصوص فثبت بالدلائل المذکورۃ فرضیۃ الجمعۃ مخصصۃ بالاجماع فان صلی الجمعۃ اھل قریۃ لایقال لھا مصر شرعا لایسقط الظھر عن ذمتہ وان صلی الظھر فرادی یعصو بکبیرۃ لترك الواجب ای الجماعۃ الظھر باداء جماعۃ النفل وھذا من قباحۃ عظیمۃ، اعلم ان الجمعۃ جامعۃ للجماعات وفی اداء الظھر بالجماعۃ تفریق الجماعۃ عن الجمعۃ وتقلیلھا فیھا بخلاف اھل القرٰی اذلا جمعۃ علیھم، ولا یفضی اداء الظھر بالجماعۃ الٰی تفریق الجمعۃ و تقلیلھا فیکون ذلك فی حقھم کسائر الایام فی جواز اداء الظھر بالجماعۃ من غیر کراہۃ مجالس الابرابر فقول من یقول ما الفرق بین الجمعۃ والظھر غیر الخطبتین وصحت الجمعۃ بلاکراھۃ فی کل موضع مثل الظھر سواء کان ذلك الموضع مصرا اوقریۃ اوغیرہ وتارکھا بلاعذر فاسق وعاص، مردود وقائلہ ضال مضل	کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے کہ جمعہ، تکبیرات تشریق، نماز عیدالفطر اوراضحٰی مصر جامع یا بڑے شہر کے سوا نہیں ہوسکتیں، پھر کہا اہل شہر کے علاوہ یہ کسی پر لازم نہیں طحطاوی میں اس طرح ہے، تو ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے تو دلائل مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ بالاتفاق فرضیت جمعہ مخصوص ہے تو اگر ایسے اہل دیہات جمعہ قائم کریں جسے شرعًا شہر نہیں کہا جاسکتا تو ان کے ذمّے سے ظہر ساقط نہ ہوگی، اور اگر وہ تنہا ادا کریں گے تو انھوں نے کبیرہ کا ارتکاب کیا کیونکہ واجب کا ترک ہوا یہی نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے ظہر کی جماعت ترک کردی اور یہ عظیم قباحت ہے۔ واضح رہے کہ جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہے، ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کی جماعت کو متفرق اور کم کرنا ہے۔ بخلاف اہل دیہات کے کہ وہاں جمعہ لازم نہیں تو وہاں ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کے لئے تفریق و تقلیل کا سبب نہیں ان کے لئے تو یہ دن جماعت کے ساتھ بلاکراہت ظہر ادا کرنے کے لحاظ سے دیگر دنوں کی طرح ہی ہے مجالس الابرار، تو وہ شخص جو کہتا ہے کہ جمعہ اور ظہر کے درمیان خطبوں کے علاوہ کوئی فرق نہیں، جمعہ ہر جگہ ظہر کی طرح ادا ہوجاتا ہے خواہ شہر ہو یا دیہات یا اور کوئی مقام ہو، اس کا تارک فاسق اور مردود ہے تو ایسے قول کا قائل گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے اور اس کا تعلق مقلدین سے

[1] بحرالرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۰

ليس منا المقلدين وعلى المقلدين اجتناب عن اقواله وافعاله واحتراز عن مصاحبته ومخالطته والله اعلم وعلمه احكم كتبه احقر الورى ابو الفيض محمد حبيب الرحمٰن عفا الله عنه۔	نہیں ، اس کے اقوال وافعال، اس کی محبت و مخالطت سے مقلدین کو احتراز کرنا لازم ہے، اللہ تعالٰی کا علم کامل واکمل ہے، کتبہ احقر الوری ابوالفیض محمد حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۔(ت)

الجواب:

الذی يدعي عموم الجمعة كل محل ولا يخصه بمصر ولا قرية فقد خالف الاجماع وهو ضلال بلا نزاع وقد اجتمع ائمتنا على اشتراط المصر لها وان الاشتغال به فى القرى تكره تحريما لكونه اشتغالا بما لا يصح كما فى الدر[1] وغيره وقد حققنا المسئلة فى رسالتنا لوامع البها وغير ما موضع من فتاوٰنا واما المصر فالصحيح فى تعريفه ماهو ظاهر الرواية عن امامنا الاعظم رضى الله تعالٰى كما بيناه فى فتاوٰنا بما لا مزيد عليه واما ما لايسع اكبر مساجده اهله فغير صحيح عند المحققين كما نص عليه فى الغنية وكفى قاضيا عليه بالبطلان ان مكة والمدينة تخرجان عليه من المصر وتمنع الجمعة فيهما لان اتساع مسجديهما لايوف مؤفة من يرد اليهما من الافاق مشاهد مرئى فضلا عن اهلهما خاصة۔ والله تعالٰى اعلم	جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ جمعہ ہر مقام پر ہو جاتا ہے اس کے لئے کسی شہر اور دیہات کی تخصیص نہیں، وہ بالاتفاق اجماع کے مخالف اور گمراہ ہے ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے دیہاتوں میں جمعہ کا قیام مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ نادرست کام میں مشغول ہونا ہے جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے، اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ لوامع البہا اور اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ کی ہے، شہر کی صحیح تعریف جو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ظاہر الروایت میں منقول ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وہ تفصیل دی جس پر اضافہ دشوار ہے، رہی یہ تعریف کہ "جس جگہ کی سب سے بڑی مسجد اس کے باشندوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو" محققین علماء کے ہاں درست نہیں، جیسا کہ اس پر غنیہ میں تصریح ہے اور اس تعریف کے بطلان پر یہی دلیل کافی ہے کہ اس صورت میں مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ دونوں ہی شہر نہ ہوں اور ان میں جمعہ کی نماز منع ہو کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ وہ تو مشرق تا مغرب آنے والے زائرین سے نہیں پر ہوتیں، چہ جائیکہ وہاں کے لوگوں کے لئے کافی نہ ہوں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

مسئلہ ۱۳۵۲: از بنگال

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذان ثانی میں مقتدیوں کو بھی مناجات کرنا اور جمعہ و عیدین کے خطبہ کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جواز کہتے ہیں عدمِ جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔

الجواب:

اذانِ ثانی کا جواب امام دے مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں صاحبین اجازت دیتے ہیں تبیین الحقائق میں اول کو احوط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح، تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے، اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہئے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے ابتدائے خطبہ میں بسم اللہ کہنے کے جواز میں تو شک نہیں کہ منع شرعی نہیں مگر آہستہ کہے، کتابوں میں جس قدر لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اعوذ آہستہ پڑھ کر خطبہ شروع کرے کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۳: از نصیر آباد محلّہ تیلیان مرسلہ محمد عمر صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

داود ولد محمد علی عرف پیر جی پیش امام مسجد دودھیان نصیر آباد مورخہ ۵ جولائی ۱۹۱۸ء بروز جمعہ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور جب خطبہ اول ختم کرکے دعا کے لئے بیٹھے اُس وقت دو شخصوں نے کھڑے ہو کر سنت پڑھنا شروع کی تب مسمّٰی داود مذکور بالا نے کچھ خطبہ ثانی پڑھ کر فرمایا کہ سنتوں کا خطبہ اول وثانی میں پڑھنا ناجائز ہے اور جب خطبہ میں نام محمد مقتدی سنیں تو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا ناجائز ہے، آیا یہ مسئلہ جو مسمّٰی داود نے بیان کیا قرآن شریف وحدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کی نسبت جو خطبہ میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا جائز نہ جانتا ہو اس کے حق میں از روئے شرع شریف میں کیا حکم ہے آیا خارج اسلام ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو ایسے عقیدہ والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے جائز ہے یا نہیں؟ شیخ محمد عمر نصیر آباد رسول بخش اوورسیر، محمد اکبر خان، قمرالدین کلرک۔ نور محمد مستری۔ لعل محمد

الجواب:

اطراف واقطار سے ہمارے معزز اہلسنت بھائی حفظھم اللہ تعالٰی بعض سوالات بعض مسائل فقہیہ کی نسبت بھیجتے ہیں ان سوالوں میں جو قول کسی کا نقل کرتے ہیں اسے وہابیت وغیرہ ضلالتوں سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص چنین وچناں ہے جواب استفتاء میں یہاں خط ملحوظ نہیں ہوتا خصوصًا بارہا وہ بات جو اس شخص کی طرف نسبت کی فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے اب اس کی تصحیح کیوں نہ کیجئے، کہ بات صحیح ہے اور تصحیح کیجئے تو عوام ذہن میں وہابی وغیرہ ضالین کی باتوں کا صحیح ہونا آتا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ وہ اس کی اور باتوں

کو بھی صحیح یا مشکوک ہی سمجھنے لگیں، اور یہ ان کے دین کا نقصان ہے، وہابی ہو یا کوئی کافر، یہودی، مجوسی، بت پرست وغیرہم کسی کی سب باتیں جھوٹی نہیں ہوتیں کوئی نہ کوئی بات ہر شخص سچ کہتا ہے، فقہ حنفی تو متعدد اشخاص مثل زمخشری وزاہدی ومطرزی معتزلہ گزرے ہیں ان کے اقوال فروعِ فقہ میں نقل ومسلم ہوتے ہیں اور عقائد میں وہ لوگ گمراہ بددین ہیں یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، بلاشبہ صحیح مذہب یہی ہے کہ دونوں خطبوں کا سننا فرض ہے اور کسی خطبے کے وقت نہ سنتیں پڑھنے کی اجازت، نہ اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر عزشانہ وغیرہ نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ زبان سے کہنے کی اجازت کہ بحالت خطبہ سلام وکلام مطلقًا حرام ہے، ہاں دل میں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہیں، درمختار میں ہے:

اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولاکلام الی تمامها خلاقضاء فائتة لم یسقط الترتیب بینها و بین الوقتیة. فانها لاتکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحة الجمعة والا لا فیحرم کلام ولو تسبیحا اوامر بمعروف بل یجب علیه ان یسمع ویسکت[1]۔ (ملخصا)	جب امام آجائے تو اب اتمام تک نہ کلام نہ نماز جو فوت شدہ نماز کی قضاء کے علاوہ ہو جبکہ اس میں اور وقتی نماز میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، لہٰذا قضاء میں کراہت نہیں تاکہ جمعہ صحیح ہو، سراج وغیرہ، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کلام حرام خواہ ایک تسبیح ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح امر بالمعروف بھی، بلکہ اس پر لازم ہے کہ خطبہ سنے اور خاموش رہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ینصت ان قرأ الامام آیة ترغیب اوترھیب کذا الخطبة فلا یأتی بمایفوت الاستماع لو کتابة اوردسلام وان صلی الخطیب علی البنی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الااذاقرأ اٰیة صلوا علیه فیصلی علیه المستمع سرا بنفسه وینصت بلسانه عملا بامری صلوا وانصتوا[2]۔ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم	جب امام کوئی آیت ترغیب یا ترہیب پڑھے تو مقتدی خاموش رہے، اسی طرح خطبہ کا معاملہ ہے، پس ایسا کام نہ کرے جس سے سماع فوت ہوتا ہو اگرچہ کتابت ہی کیوں نہ ہو یا سلام کا جواب دینا ہو اگرچہ خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ رہا ہو البتہ جب خطیب آیت صلوا علیہ کہے تو سننے والا دل میں آہستہ درود شریف پڑھ لے اور زباں سے خاموش رہے تاکہ دونوں حکموں درود شریف پڑھو اور خاموش رہو پر عمل ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] درمختار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۱

مسئلہ ۱۳۵۴: از اودیپور میواڑ راجپوتانہ مہارانا اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۲۹ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ
جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ پڑھتا ہے تو کتاب میں دیکھ کر پڑھتا ہے اور ایک شخص یہاں بے دیکھے کتاب پڑھتا ہے لہٰذا فرمائیں دونوں میں کس کا عمل موافق سنت ہے؟

الجواب:

دیکھ کر اور زبانی نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵۵: از بنبی اسٹیشن باندرہ محلّہ نواپارہ مسجد مرسلہ محمد جہانگیر صاحب امام مسجد مذکور ۱۱محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
جناب مولانا صاحب حجۃ قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ، السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکتہ، گزارش یہ ہے کہ یہ رسالہ آپ کی خدمت میں روانہ کرکے عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں آپ کی مہر ہے اور آج کل یہاں دعاء بین الخطبتین میں تنازع ہے تو ہم لوگ اس رسالہ پر آپ کی مہر دیکھ کر عمل کرلیا ہے کیونکہ آپ کی دستخط تحریر ہیں اور چند علمائے ہند نامی کی بھی دستخطیں تحریر، اس وجہ سے لوگوں نے بے دغدغہ عمل کرلیا ہے تو اسی واسطے آپ کی خدمت میں ارسال کرکے عرض ہے کہ دستخط آپ کے موجود ہیں اور دیگر علمائے ہند نامی گرامی کی تحریر ہے تو عمل کریں یا نہ کریں اور اس رسالہ میں جو دلیلیں تحریر ہیں صحیح ہیں یا نہیں، جیسا آپ تحریر فرمائیں آمنا کیا جائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ،، دعا بین الخطبتین ہرگز ایسی چیز نہیں ہے جس سے ممانعت پر کچھ بھی زور دیا جائے ایسے مسائل میں تفرقہ اندازی، فتنہ پردازی، جدال پسندی، فریق بندی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ شہرت چاہتے ہیں، فقیر کی عبارت کہ اس رسالہ میں منقول ہوئی ہے کہ اس میں بہت قطع وبرید کی کی گئی ہے میرا مسلک اس میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود میرے سامنے مقتدین دعا کرتے ہیں اور میں کبھی منع نہیں کرتا اور یہی مسلک میرے آبائے کرام اور محققین اعلام کا رہا ہے رحمۃ اللہ تعالٰی اجمعین، خود بنبی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا نہ بعد کو، اس رسالہ میں بہت اغلاط فاحشہ ہیں اور بہت اکاذیب باطلہ ہیں، یہاں تک کہ صحیح حوالوں کو جھٹلایا ہے اور خود محض جھوٹا حوالہ کتاب پر گھڑ کر دیا ہے ان امور کی تفصیل اور مسئلہ کی تحقیق جمیل ایک رسالہ ہوسکتی ہے مسلمانوں کو سمجھ لینے کو اتنا کافی ہے کہ یہ شخص اور اس کے استاذ دیوبندی ہیں گنگوہی کے شاگرد اور گنگوہی وتھانوی کے مداح، اور یہ وہ ہیں کہ علماء کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان کے کفر کا فتوٰی دیا اور فرمادیا کہ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**

جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، نہ کہ وہ جو انھیں عالمِ دین جانے اور چنان وچنیں مانے، **والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۶: ہادی حسن خاں از کانپور نئی سڑک ۱۵صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات ہے جس کی آبادی تقریبًا پانچسو کے ہے اور اس میں ایک ایسی مسجد ہے کہ اگر اس گاؤں کے مکلفین اس میں جمع ہوں تو مسجد پر نہ ہوگی اور اس کے قریب دو دو کوس پر کئی قصبے ہیں تو اس گاؤں میں از روئے مذہب حنفی نمازِ جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

باجماع جملہ ائمہ حنفیہ اس میں جمعہ وعیدین باطل ہیں اور پڑھنا گناہ، تمام متون وشروح وفتاوٰی میں ہے: **شرط صحتھا المصر** [1] (جمعہ کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے۔ت) درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرۃ تحریما لانہ اشتغال بمالا یصح لان المصر شرط الصحۃ [2]۔	دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں کونکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے۔(ت)

خود نہ پڑھیں گے حکم پوچھا جائے گا تو فتوی یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے قائم نہ کریں گے بااین ہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔ درمختار:

کرہ تحریما صلٰوۃ مطلقا اونفلا مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک [3]۔ (ملخصًا)	طلوعِ آفتاب کے وقت ہر نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ نفل ہو لیکن عوام کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جائے گا کیونکہ وہ بالکل ترک کردیں گے، اور جو بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجالانا ترک سے اولٰی ہوتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلایمنعون افادان المستثنی المنع	قولہ "فلایمنعون" واضح کررہا ہے کہ استثناء

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[3] درمختار کتاب الصلوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

لاالحکم بعدم الصحۃ عند ناقولہ عندالبعض ای بعض المجتہدین کالامام الشافعی ھنا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	منع کا ہے نہ کہ عدم صحت کے حکم کا ہمارے نزدیک، قولہ عند البعض یعنی بعض مجتہدین مثلاً امام شافعی کے نزدیک اس مقام پر جواز کا قول ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۷: عبدالستار ابن اسمٰعیل از رنگون ۲ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں جمعہ کی نماز پڑھانے والا دیوبندی یا بدعقیدہ اور دوسری کسی مسجد میں بھی جمعہ نہ ہوتا ہو یا تمام مساجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے ان کے امام بدمذہب ہوں تو ایسی صورت میں اہل سنت جمعہ کو ترک کرے یا کوئی اور حکم ہے؟ نیز ایسا ہی عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب صورت ایسی ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کسی مسلمان صالح امامت کو اپنا امام مقرر کریں اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، جمعہ قائم کرنے کے لئے اگر کوئی مسجد بنائیں تو اذن عام مسلمین واشتہار کے ساتھ کسی میدان خواہ مکان میں پڑھیں اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور سب مساجد کے امام دیوبندی یا وہابی یا غیر مقلد یا نیچری یا مرزائی وغیرہم مرتدین ہیں تو فرض ہے کہ ظہر تنہا تنہا پڑھیں ان لوگوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے جیسے کسی بت پرست یا آریہ کے پیچھے یہ ترک جمعہ نہ ہوا کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں لغو وباطل حرکت ہے نماز ہی نہیں، اور ان کی اقتداء بوجوہ حرام قطعی ہے بلکہ ان کے عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انھیں قابل امامت جانے تو کافر ہوجائے **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ت) ہاں اگر کہیں ایسا بدمذہب ہو جس پر حکم کفر نہیں جیسے تفضیلیہ، اور سنی کی امامت نہ مل سکے تو اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھ لے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵۸: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دوسری بستی میں جمعہ ہوتا ہے لوگ وہاں جاکر جمعہ پڑھتے ہیں اب وباء یعنی ہیضہ وغیرہ آگیا ہو تو ایسی حالت میں اس ہیضہ والی بستی میں جاکر جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ جگہ حوالیِ شہر ہے تو دوسری جگہ نہیں اسی کا حصہ ہے ورنہ اگر خود شہر ہے تو بغیر وبا بھی یہیں جمعہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳

قائم کیا جائے نہ کہ دوسری جگہ پڑھنے جائیں، اور اگر گاؤں ہے تو ان پر جمعہ نہیں بحالت وباء وہاں نہ جائیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۹: از بمنی بنجر ضلع منڈلا مسئولہ عبدالستار صاحب پیلی بھیتی ۳ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر سننا جائز ہے؟

الجواب:

خطبہ سننے کی حالت میں حرکت منع ہے اور خطبہ بلاضرورت کھڑے ہو کر سننا خلاف سنت ہے، عوام میں یہ معمول ہے کہ خطیب آخر خطبہ میں ان لفظوں پر پہنچتا ہے ولذکراللہ تعالٰی اعلٰی تو اس کے سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یہ حرام ہے کہ ہنوز ختم نہ ہوا چند الفاظ باقی ہیں اور خطبہ کی حالت میں کوئی عمل حرام ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۰: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مطبع سرکاری مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ بامامتِ خود پڑھا یا دوسری مسجد میں ایک ضرورت کی وجہ آجانے سے خود مقتدی ہو کر بھی جمعہ پڑھا، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

کوئی حرج نہیں جبکہ امامت پہلے کرچکا ہو فان التنفل بالجمعۃ غیر ممنوع (جمعہ کو نفل بنانا منع نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۱: از شہر مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا قول ہے علمائے اہلسنت وجماعت کا اس مسئلہ میں کہ شہر میں بہت جگہ نماز ہوتی ہے تو ہر وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہے جامع مسجد ہے اور جامع مسجد کی فضیلت رکھتی ہے یا وہی ایک مسجد جو متصل قلعہ کے جامع مسجد مشہور ہے اور شہر میں بہت جگہ جمعہ ہونے میں کچھ ممانعت تو نہیں ہے اور جمعہ میں کم از کم کَے آدمی ہوں جو نہ ہو سکے اور زیادہ ثواب شہر کس مسجد میں ہے؟

الجواب:

جامع مسجد وہی ایک مسجد ہے شہر میں متعدد جگہ جمع ہونے کی ممانعت نہیں، جمعہ کے لئے کم سے کم امام کے

سوا تین آدمی ہوں مگر جمعہ وعیدین کا امام ہر شخص نہیں ہو سکتا وہی ہو گا جو سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب یا اس کا ماذون، اور ان میں کوئی نہ ہو تو بضرورت جسے عام نمازی امامِ جمعہ مقرر کرلیں، جمعہ کا زیادہ ثواب جامع مسجد میں ہے مگر جبکہ دوسری جگہ کا امام اعلم وافضل ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۲: از جرودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید الطاف حسین صاحب زمیندار و گورنمنٹ پنشنر ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں تین مسجدیں ہیں اور تینوں میں پنجوقتہ باجماعت نماز ہوتی ہے آٹھ سات حافظ قرآن ہیں، دو تین حاجی الحرمین الشرفین ہیں، دس پندرہ اچھی فارسی اور دو تین کچھ عربی فارسی پڑھے ہوئے ہیں، ایک صاحب مدرسہ طیبہ دہلی کے سند یافتہ اور تین چار عطائی طبیب ہیں، ایک شخص آنکھیں بناتا ہے، ایک قرآن مکتب ہے جس میں دس بارہ طالب علم قرآن شریف حفظ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک گورنمنٹی مدرسہ ہے ڈاک خانہ بھی موجود ہے، پانچ چھ آدمی انگریزی داں ہیں جن میں بی اے اور ایف اے بھی ہیں پندرہ سولہ آدمی گورنمنٹی ملازم ہیں جو دس روپیہ سے تین سو روپیہ تک تنخواہ پاتے ہیں ایک شخص گورنمنٹ سے تیس روپیہ پنشن پاتا ہے، تین چار دکانیں ہیں جن میں ضرورت کی تمامی اشیاء ہمہ وقت دستیاب ہوتی ہیں، تین چار بزاز ہیں، دو پنواڑی کی ایک عطاء کی دکان ہے، تین چار گھر قصابوں کے ہیں، پانچ چھ پختہ مکانات ہیں، سات پختہ کنویں بستی میں آبنوشی کے ہیں سوائے گڑریوں اور چماروں کے ہندو کوئی آباد نہیں، قربانی وغیرہ آزادی سے ہوتی ہے زمیندار مسلمانوں کی ہے، بھنگی، سقّہ، بڑھئی، لوہار، حجام وغیرہ پیشہ ور سب آباد ہیں قریبًا بارہ سو ۱۲۰۰ کی مردم شماری ہے، ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے جس میں کبھی کبھی تین تین سو آدمیوں کا مجمع ہو جاتا ہے، اب بعض بعض حضرات معترض ہیں کہ اس بستی میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں اور چند اشخاص نے جمعہ کی نماز ترک بھی کردی ہے، حالانکہ موجودہ مذکورہ کی موجودگی میں نمازِ جمعہ وعیدین ترک کی جائے یا بدستور پڑھی جائیں۔

الجواب:

اگر وہ پرگنہ ہے اس کے متعلق دیہات ہیں اور ایسی حالت میں ضرور جانب سلطنت سے کوئی حاکم وہاں فصل خصومات وفیصلہ مقدمات کے لئے ہوتا ہے مثلاً تحصیلدار وغیرہ جب تو وہ شہر ہے اور اس میں ادائے جمعہ وعیدین ضرور لازم، اور ان کا تارک گنہگار وآثم۔

فقد صدق علیھا حد المصر الصحیح المروی فی ظاھر الروایۃ عن الامام الاعظم	اس پر شہر کی وہ صحیح تعریف صادق آرہی ہے جو ظاہر الروایۃ میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

رضی اللہ تعالٰی عنه انها بلدة فیها سکك واسواق ورساتیق وفیها وال[1] الخ	مروی ہے کہ وہ بڑا شہر جس میں کوچے اور بازار ہوں اور کوئی نہ کوئی والی ہو الخ (ت)

اور اگر وہ پرگنہ نہیں یا وہاں کوئی حاکم فصلِ مقدمات پر مقرر نہیں مگر زمانہ سلطنت اسلام میں وہ ایسا تھا اور جب سے اس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا۔ صلٰوۃ مسعودی باب ۳۳ میں ہے:

جائے راکہ حکم شہر دادند بعد ازاں خرابی پذیرد آں حکم شہر باقی ماندتا اگر ایشا نائب سلطان باجمع درانجا نماز آدینہ گزارند روابود[2]۔	وہ جگہ جسے شہر قرار دیا گیا خرابی کے بعد بھی وہ حکم شہر رکھتا ہے اگر نائب سلطان نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرے تو اب بھی ادا ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو مذہب حنفی میں وہاں جمعہ وعیدین نہیں پھر بھی جبکہ مدت سے قائم ہے اسے اکھاڑا نہ جائے گا، نہ لوگوں کو اس سے روکے گا مگر شہرت طلب،

قال اللہ تعالٰی اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ﴿ؕ۱۰﴾[3] وفیه عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجهه۔ واللہ تعالٰی اعلم.	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے" اور اسی آیت کے تحت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک روایت ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۳: از کراچی صدر بازار دفتر انجمن جمعیۃ الاحناف مرسلہ ابوالرجا غلام رسول صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

جناب تقدس مآب، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن اشفاق، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی۔ سلطان العلماء اہلسنت، برہان الفضلاء الملۃ، قدوۃ شیوخ الزمان، مولنا المخدوم، بحر العلوم، اعلحضرت، امام الشریعت والطریقت، مجدد مائۃ حاضرۃ، متع اللہ المسلمین، بطول بقائہم ودامت علی روس المسترشدین فیوضاتکم وبرکاتکم، بعد سلام مسنون واشتیاق روز افزوں آنکہ بحکم شاوروا (مشورہ طلب کرو۔ت) حضرت سے التماس ہے ایک عرصہ ہوا غربائے اہلسنت کراچی کی صدائے محزون نے تاحال کوئی اثر پیدا نہیں کیا، جمعہ وعیدین جماعت کی جیسی کچھ تکلیف ہے ناقابل بیان ہے لہٰذا دعا فرمائے، اس وقت حضور پر نور وارث سجاد رسالتمآب

---

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

[2] صلٰوۃ مسعودی باب ۳۳ در بیان نماز آدینہ مطبع احمدی بمبئی، انڈیا ۲/ ۱۷۴

[3] القرآن ۹۶/ ۱۰-۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالٰی جناب کی دعا کی برکت سے ہم فقیروں کے لئے جامع اہلسنت پیدا کردے کہ صدر کے مسلمانانِ اہلسنت فریضہ جمعہ ادا کرسکیں، صدر میں دو مسجدیں ہیں، اس وقت دونوں پر تصرف ایسی طاقتوں کا ہے کہ جن کے نزدیک دینداری اور مذہب معاذاللہ جنون ہے یااہلسنت کی موجودہ مشہور ومتعارف صورت کہ جس پر ہم اور ہمارے شیوخ کرام ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی شرک وبدعت ہے لہٰذا جامع احباب ومتعلقین تراویح وفرائض ایک کرایہ کے مکان میں جو وسیع اور قابل انعقاد محافل ہے ادا کرلیا کرتے ہیں جمعہ جاکر ایک مسجد جو صدر سے قریبًا میل بھر کے فاصل پر ہوگی یا کم وبیش پہنچ کر ادا کرلیتے ہیں لیکن بعض کو یہ مسجد قریب پڑجاتی ہے اور بعض کو دقت ہوتی کیاایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے مکان میں جو کرایہ کا مکان ہو جمع ہو کر جمعہ وعیدین ادا کرسکتے ہیں جناب مجددیہ سے جو فرمان ہو خواہ ہاں یانہ، قوم کو اور میری تسلی ہوجائے گی۔

الجواب:

جناب محترم ذی المجد والکرم اکرالله تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جمعہ کے لئے شہر کا یا فنائے شہر کے سوانہ مسجد شرط ہے نہ بنا، مکان میں بھی ہوسکتا ہے میدان میں بھی ہوسکتا ہے اذن عام درکار ہے، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

السلطان اذاصلی فی دارہ ان فتح باب دارہ جاز وان لم یاذن للعامۃ لاتجوز [1]۔(ملخصًا)	سلطان نے اگر اپنی دار میں نماز جمعہ پڑھی اگر دروازہ کھلا تھا توجائزاور اگر عوام کو شرکت کی اجازت نہ تھی تو جائز نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

یشترط لصحتھا المصر اوفنائہ وھو ماحولہ لاجل مصالحہ کدفن ا لموتی ورکض الخیل [2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے فنائے مراد شہر کے ارد گرد جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو، مثلًا قبرستان اور گھڑ دوڑ کے لئے جگہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۴: از حبیب والا ضلع بجنور تحصیل دھامپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی ہے جس کی کل آبادی قریب ۹۰۰ کے ہے اور اس میں

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان شرائط الجمعہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۹

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

ہر چیز بھی وقت پر نہیں مل سکتیں، لہٰذا ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ وجوب صلٰوۃ کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ مدلل بیان ہوں۔

الجواب:

جمعہ صرف شہر فنائے شہر میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ شہر وہ بستی ہے جس میں متعدد کوچے دائم بازار ہوں، اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں فیصلہ مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو، وجوبِ جمعہ کی سات شرطیں ہیں:

(۱) حریت (۲) ذکورت (۳) عقل (۴) بلوغ (۵) شہر میں اقامت (۶) اتنی صحت کہ حاضرِ جماعت ہو کر پڑھ سکے

(۷) عدم مانع مثل حبس وخوفِ دشمن وباران شدید وغیرہ

ان کی تفاصیل اور بعض استشہاد در مختار وغیرہ میں **وقد ادخلنا البصر وقدرۃ المشی فی الصحۃ** (ہم نے صحت میں بینائی اور چلنے کی قدرت کو شامل کیا ہے) اور اس کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

(۱) شہر یا فنائے شہر

(۲) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون یا بضرورت جسے عام مسلمین نے امام جمعہ بنایا ہو،

(۳) وقت ظہر ختم تک باقی رہنا۔

(۴) خطبہ وقتِ ظہر میں

(۵) قبل نماز کم از کم تین مسلمان مرد عاقلوں کے سامنے خطبہ ہونا۔

(۶) جماعت سے ہونا جس میں کم از کم تین ایسے مرد ہوں۔

(۷) جمعہ کے اذنِ عام ہونا بلاوجہ شرعی کسی کی روک نہ ہو۔

بیان دلائل سے کتب لبریز ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۵: از مولیس پور برہامر سلہ محمد واحد خطیب مسجد قبرستان نئی بستی ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف رحمہم اللہ تعالٰی کہ ائمہ مساجد احناف کو نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف کا خطبہ ہر جمعہ وعیدین میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور حنفیّہ کے نزدیک کون سا خطبہ معتبر ہے؟

الجواب:

صدیق حسن خاں غیر مقلد لامذہب تھا اس کی تصنیف کا خطبہ اہلسنت کو پڑھنا نہ چاہئے **لان فیہ تنویھا بذکرہ**

وترویجا لمکرہ وذلك لایجوز (کیونکہ اس میں اس کے ذکر کا احترام اور اس کے مکر کی ترویج ہے اور یہ جائز نہیں۔ت) خصوصًا اگر اس میں اپنے مذہب کی خباثت درج کی ہو جب تو قطعًا حرام ہے خطب ابن نباز مصری اچھے ہیں اور اب ہند میں علمی کے خطبے، مگر اردو اشعار خطبہ میں پڑھنا مناسب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶۶: از مراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص خطبہ میں آیہ قرآنی میں تعوذ و تسمیہ پڑھتا ہے حالانکہ سلف سے کہیں یہ بدعت ثابت نہیں، اگر یہ مسنون ہوتا تو کہیں بھی علمائے کرام سے ثابت ہوتا، خصوصًا ہمارے ہادی مرشد حضرت مولانا صاحب مجدد ملت حاضرہ یعنی آپ خود ایسا تجویز فرماتے، اب یہ تجدید خلاف ائمہ سلف کے ہوئی، کہاں تک ناجائز ہے؟

الجواب:

خطبہ میں آیہ قرآنی سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے اور اگر وہ آیت ابتدائے سُورہ ہے تو بسم اللہ شریف بھی، فقیر کا ہمیشہ اسی پر عمل ہے، اور اگر سر آیت پر بھی بسم اللہ پڑھ لے گا حرج نہیں، ردالمحتار میں ہے:

فی الامداد و فی المحیط یقرأ فی الخطبۃ سورۃ اوٰیۃ فاذ اقرأ سورۃ تاٰمۃ یتعوذ ثم یسمی قبلھا وان قرأ اٰیۃ قیل یتعوذ ثم یسمی و اکثر ھم قالوا یتعوذ ولا یسمی [1]۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم	امداد اور محیط میں ہے کہ خطبہ میں سورت یا آیت پڑھی جائے، جب سورۃ پڑھے تو تعوذ پڑھے پھر بسم اللہ اگر ایک ایت ہی پڑھنی ہو، بعض نے کہا تعوذ پڑھے پھر تسمیہ، اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ تعوذ پڑھے اور تسمیہ نہ پڑھے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رمضان علی صاحب بنگالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ میں خطبہ نہیں ملا اور وقت بھی تنگ ہو گیا جو اور مسجد سے تلاش کرکے لاسکے اور امام صاحب کہ کوئی خطبہ نہیں دیا تھا تو اس صورت میں کس طرح نماز ادا کی جائے گی اور اگر بغیر خطبہ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:

نماز جمعہ بے خطبہ باطل ہے، خطبہ مختصر کافی ہے، ایسا شخص امامِ جمعہ نہیں ہو سکتا جو خطبہ نہ پڑھ سکے۔واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

مسئلہ ۱۳۶۸: از شہر کانپور توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبیدار مرحوم معرفت مولانہ مولوی حافظ عبید اللہ صاحب مرسلہ محمد جعفر ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجموعہ خطب علمی کاپڑھنا نماز جمعہ وعیدین میں جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس خطبہ میں کچھ اشعار اردو کے بھی شامل ہیں اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے لوگ جن کی زبان اردو ہے اس کو بہت شوق سے سنتے ہیں اور اکثر بزرگ اس خطبہ کو بکثرت نماز جمعہ وعیدین میں پڑھا کرتے ہیں سید محبوب علی شاہ صاحب سکندریہ حیدرآباد دکھن جو مرید بھی کرتے ہیں اور وعظ بھی فرماتے ہیں انھوں نے بمبئی محلّہ کماٹی پورہ گلی نمبر ۵ میں بآواز بلند بعد نماز جمعہ یہ فرمایا کہ مجموعہ خطب علمی کاپڑھنااور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے اس سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ علمی کامذہب رافضی تھا، لہٰذا بکمال ادب مستدعی ہوں کہ اس مسئلہ میں شرعا کیا حکم ہے، آیا مجموعہ خطب علمی کاپڑھنااور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے یا نہیں، اور علمی کامذہب کیا تھا؟ علمی نے خطبہ میں صحابہ کرام کی تعریف اور مدح بھی کی ہے مع حوالہ کتاب مطلع فرمائے، کہ نماز جمعہ وعیدین مجموعہ خطب مذکور بالاپڑھنے سے جائز ہوگی یا نہیں؟ اور درحقیقت اگر علمی کامذہب اہلسنت والجماعت تھاتو جو شخص علمی کو رافضی کہے اس کے حق میں کیا حکم ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور اس کامرید ہونا کیساہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مولٰنا محمد حسن علمی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سُنّی صحیح العقیدہ اور واعظ وناصح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مداح اور میرے حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے انھیں رافضی نہ کہے گا مگر کوئی ناصبی یا خارجی، دکھنی صاحب نے اگر کسی کی سُنی سنائی بے تحقیق کہہ دی تو یہ آیہ کریمہ:

فَتَبَيَّنُوٓا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ ۝ [1]	تحقیق کرلو کہیں جہالت کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ آور نہ ہوجاؤ تو پھر تم اپنے کئے پر نادم ہوجاؤ۔ (ت) کاخلاف کیا،

صحیح حدیث:

لاتذکروا موتاکم الابخیر [2] رواہ البخاری وغیرہ۔	اپنے فوت شدگان کو اچھائی سے یاد کیا کرو، اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۶/۴۹

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الافۃ الثامنۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۰—۴۹۱

اور حدیث صحیح:

کفا بالمرء کذابا ان یحدث بکل ماسمع [1] رواہ مسلم وغیرہ۔	کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بیان کردیتا ہے، اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

آیت کا ارشادیہ ہے کہ غیر ثقہ کی خبر خوب کی تحقیق کرلو کہیں کسی کو جہالت سے آزار دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے ہو، اور حدیث اول کا کہ اپنے اموات کو خیر ہی سے یاد کرو اور دوم یہ کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کو یہ بہت ہے کہ جو کچھ سنے اس پر اعتبار کرکے لوگوں سے بیان کردے اور اگر اپنی طرف سے کہا تو آفت سخت تر ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذکر امرأ بما لیس فیہ لیعیبہ بہ حبسہ اللہ فی نار جھنم حتی یاتی بنفاذ ماقال فیہ [2]۔	جو کسی کے عیب لگالے کو وہ بات بیان کرے جو اس میں نہیں اللہ اسے نار جہنم میں قید کرے گا یہاں تک کہ اپنے کئے کی سند لائے۔

دوسری روایت میں ہے:

کان حقا علی اللہ ان یذیبہ یوم القیمۃ فی النار حتی یاتی بانفاذ ماقال [3] ۔ رواہ طبرانی بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ پر حق ہے کہ جب تک اپنی اُس بات کا ثبوت پیش نہ کرے اُسے اتشِ دوزخ میں پگھلائے، اسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور بفرضِ غلط اگر معاذاللہ کوئی بدمذہب ہی خطبہ تصنیف کرے اور وہ صحیح ہو اس میں کوئی بدمذہبی نہ ہو تو اس کے پڑھنے سے نماز کیوں ناجائز ہونے لگی۔ یہ دل سے مسئلہ گھڑنا اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرنا ہے، ہاں اردو زبان خطبہ میں ملانا نہ چاہئے کہ خلاف سنت متوارثہ ہے یہ دوسری بات ہے اسے عدمِ جوازِ نماز سے کیا علاقہ، شخص مذکور اگر اپنی ان حرکات پر مصر رہے اور تائب نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ چاہئے نہ اس کے ہاتھ پر بیعت، ویتوب اللہ علی من تاب (اللہ تعالٰی ہر توبہ قبول کرنے والے پر کرم فرماتا ہے، ت) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

[1] صحیح مسلم النہی عن الحدیث بکل ماسمع مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۸

[2] معجم اوسط حدیث ۸۹۳۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/۴۳۲

[3] معجم الاوسط بحوالہ الطبرانی الکبیر باب فی الشہود دار الکتاب بیروت ۴/۲۰۱

مسئلہ ۱۳۶۹: از سرکوں تحصیل کھٹیماڈاک خانہ ٹنک پور مرسلہ ننھّے خاں صاحب ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

جمعہ کی نماز ہر شخص پر فرض ہے سوااُن کے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مستثنٰی فرمادیا، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۱۳ باب وجوب الجمعہ میں طارق ابن شہاب سے مرفوعًا روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ جمعہ حق ہے اور واجب ہے مگر چار پر، ۱غلام اور ۲عورت اور ۳نابالغ اور ۴بیمار، یعنی ان چار کے سوا سب پر واجب ہے، خود کسی کا نوکر ہو یا سودا گر یا کھیتی والا یا مزدور ہو، بعض روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے، اور اسی کتاب کے اُسی صفحہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعا روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ باز آئیں لوگ جمعہ کا ناغہ کرنے سے ورنہ اللہ تعالٰی ان کے دلوں پر مہر لگادے گا پھر وہ منافقوں میں سے ہو جائیں گے یعنی ان کا نام منافقوں کے دفتر میں لکھا جائے گا، ہاں اتنی قید اور شرط تو حدیث میں آئی ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھو، سو جماعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہوئے خواہ دو ہوں یا زیادہ ان کو جماعت کہتے ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف **باب الجماعۃ وفضلها** ف۳ ابو موسٰی اشعری سے مرفوعا روایت ہے اور مشکوٰۃ شریف کے **باب الجمعہ** میں روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص تین جمعے بلاضرورت نہ پڑھے تو لکھا جاتا ہے منافق اس کتاب میں جو نہ مٹتی ہے نہ بدلتی ہے، لہٰذا نمازِ جمعہ ہر جگہ پڑھنا چاہئے خواہ شہر ہو یا گاؤں ہو یا جنگل ہو یا بَن ہو کیونکہ حدیث شریف میں کوئی خصوصیت نہیں آتی ہے۔ فقط حررہ محمد اشرف خاں عفی عنہ۔

الجواب:

جمعہ بَن میں حرام ہے اور گاؤں میں ناجائز ہے اور عمومات اپنے شروط سے مشروط ہوتے ہیں، احادیث سے جو جاہلانہ استناد کسی جاہل نے کیا ہے وہ اگر دامنِ ائمہ چھوڑے تو یہی بتائے کہ یہ حدیثیں اس نے شروع میں کیونکر حجت قرار دیں، اللہ تعالٰی نے سورہ جمعہ میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا[1] (اے ایمان والو) مطلق ارشاد فرمایا ہے اس میں عورت یا بچے یا غلام یا مریض یا مسافر کسی کا استثنا نہیں تو کیوں نہیں کہتا کہ چار برس کے بچے پر بھی جمعہ فرض ہے وہ احادیث سب خبر آحاد ہیں اور خبرِ احاد موجب ظن، تو ان سے استدلال کرنا اس کو حرام اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ[2] (وہ نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی۔ ت) اور فرماتا ہے: اِنَّ الظَّنَّ

---

[1] القرآن ۶۲/۹

[2] القرآن ۱۰/۶۶

لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا[1] (بلا شبہہ ظن حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔ت) تو ان پر عمل خصوصًا عموم قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس نے حلال کرلیا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ ان احادیث آحاد کی صحت ثابت کرلے، ائمہ مجتہدین کا اجتہاد نہ ماننا اور بخاری ومسلم کی تصحیح یا نسائی ودارقطنی کی تعدیل وتخریج پر اعتماد کرنا ظلم شدید وجہل بعید ہے، کون سی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ بخاری جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے مانو اور جسے ضعیف کہہ دیں اسے نہ مانو یا یحیٰی وشعبہ جسے ثقہ کہہ دیں اسے معتمد جانو اور ضعیف کہہ دیں تو ضعیف جانو، قرآن وحدیث متواترہ اجماع امت کو حجت بتاتے ہیں، اور اجماع امت ہے کہ جمعہ کا حکم مطلق وعام نہیں مقید بقیود مشروط بشرائط ہے اور جو اجماع کا خلاف کرتا ہے قرآن عظیم فرماتا ہے:

نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾[2] ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے وہ بہت بری پھرنے کی جگہ، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۰: مرسلہ جناب جدالحسین از فرید پور مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں معہ چند اشخاص اپنے محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلّہ کی مسجد جاکر نمازِ جمعہ کو ادا کرنا باوجود اس کے کوئی طریقہ فضیلت نہیں رکھتی ہے نہ مسجد بڑی نہ جماعت کثیر نہ امام افقہ، ہاں اتنا ہے کہ دوسرے محلّہ کی مسجد ربع میل اور اپنے محلّہ کی مسجد ثلث میل فاصلہ پر ہے جائز یا نہیں؟ اور ان لوگوں کے جانے کی وجہ سے اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت کم ہوتی ہے اکنوں ان لوگوں کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر منع نہ کرنے کے ان لوگوں کے ساتھ اور لوگوں کے بھی جانے کا احتمال ہے اور بصورت جائز ہونے کے کون سی مسجد میں افضل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ مسجد جامع میں افضل ہے، مسجد محلّہ کا حق نماز پنجگانہ میں ہے، جب ہو جامع نہیں اور دوسری جگہ جانے میں ان کو آسانی ہے تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۱: از شہر روہیلی ٹولہ مسئولہ طالب علم بنگالی ۲۳ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس گاؤں میں تعریف شہر کی صادق آئے مثلاً بڑی سے بڑی مسجد میں اس کے اہل نہ جمع ہوسکیں اور گلیاں اور بازار ہوں اور اس میں چند مولوی ہوں مسئلہ دین کا جاری کرتے ہوں اور قاضی ہو کر انصاف مظلوم کا کرتے ہوں اُس گاؤں کے متصل اور گاؤں بھی ہے ایسے

---

[1] القرآن ۱۰/۳۶

[2] القرآن ۴/۱۱۵

گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گاؤں متصل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ دیہات اس کے متعلق ہوں یہ ضلع یا پرگنہ ہو اپنے اپنے طور پر فیصلہ کرنے سے شہر نہیں ہو جاتا بلکہ والیِ ملک یا اس کا مقرر کردہ حاکم ہو، اگر یہ دونوں باتیں ہیں تو اس میں جمعہ جائز و صحیح ہے ورنہ باطل و ناجائز ۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷۲تا۱۳۷۶: مسئولہ مکرم احمد اللہ صاحب صدر بازار ہردوئی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) جمعہ الوداع رمضان المبارک کو نبی کریم احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع پڑھا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں پڑھا ہے تو سب سے پہلے خطبہ الوداع کس نے پڑھا ہے اور اس کا موجد ومخترع کون ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ مجتہدین فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالٰی۔

(۳) شریعت مقدسہ مطہرہ منورہ محمدیہ حنفیّہ اہلسنت وجماعت میں خطبہ الوداع کا کیا درجہ ہے فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح؟ صاف صاف مدلل تحریر فرمائیں۔

(۴) جس جمعہ الوداع کو خطبہ الوداع نہ پڑھا جائے وہ جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور تارک خطبۃ الوداع کس درجہ کا خاطی وگنہگار ہے، قابل ملامت وزجر ہے یا نہیں؟ ملامت وزجر کرنے والے تو گنہگار نہ ہوں گے؟ امامت اس کی جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) کتاب شبیہ الانسان کے ص ۲۴۴ میں لکھا ہے:

اما خواند کلماتِ حسرت وافسوس در خطبہء آخر رمضان مباح است فاما از سلف منقول نیست وافضل ترک ست تا عوام راگمان وجوب و سنتش نگردد دریں شرط ست کہ روایت دروغ وبہتان بر رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دراں نباشد والاحرام ہمچنانکہ این ست۔	رمضان کے آخری جمعہ میں حسرت وافسوس کے کلمات پڑھنا مباح ہے لیکن اسلاف سے منقول نہیں، ترک افضل ہے تاکہ عوام اسے واجب یا سنت نہ بنالیں، شرط یہ ہے کہ اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ شامل نہ ہو ورنہ حرام ہے اور وہ یہ ہے

اکثر محمد مصطفیٰ محبوب ومطلوبِ خدا	خدا کے محبوب ومطلوب محمد عربی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
گفتے دریں حسرتا ای ماہ رمضان الوداع	حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے اے ماہِ رمضان ! الوداع۔ (ت)

یہ فتوٰی مفتی سعد اللہ نامی کسی بزرگ کا ہے جو ۱۲۹۶ھ میں مطبع نولکشور کانپور میں چھپا ہے جناب اس فتوٰی کے متعلق کیا فرماتے ہیں آیا صحیح قابلِ عمل ہے یا واجب الرد؟ جو کچھ ہو صاف تحریر فرمائے، **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) الوداع جس طرح رائج ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۲) نہ صحابہ کرام ومجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نہ اس کا موجد معلوم،

(۳) وہ اپنی حد ذات میں مباح ہے ہر مباح نیتِ حسن سے مستحب ہوجاتا ہے اور عروض وعوارض خلاف سے مکروہ سے حرام تک۔

(۴) جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے خاص خطبہ الوداع کوئی چیز نہیں ان کے ترک سے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا اس کے ترک میں کچھ خلل نہیں، نہ تارک پر نہ زجر وملامت روا جبکہ ترک بر بنائے وہابیت نہ ہو، ہاں اگر وہابیت ہے تو وہابی کے پیچھے نماز بیشک ناجائز محض باطل اور وہ زجر وملامت سے بھی سخت تر کا مستحق ہے۔

(۵) اس فتوے میں جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے سوائے اس لفظ کے کہ "افضل ترک است" اس کی جگہ یوں چاہئے التزامش نہ شاید گاہے ترک ہم کنند تا عوام گمان وجوب وامتنان ؟ (اس کا التزام نہیں کرنا چاہئے کبھی اسے ترک کردیں تاکہ عوام کو وجوب یا سنت ہونے کا وہم نہ ہو، ت) **فقد صرح العلماء الکرام ان الترك احیانا یزیل الایہام** (علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات ترک کردینا عوام کے وہم کو زائل کردیتا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۷: از ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ نہروی مدرسہ حافظ پور مخلص الرحمان

بخدمت شریف جناب مولانہ مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، عرض یہ ہے کہ ہمارے ملک بنگالہ میں ایسی بستیاں ہوا کرتی ہیں کہ ہر ایک میں متعدد پارہ یعنی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک پارہ جُدا جُدا نام سے موسوم ہے، ایک پارہ سے دوسرے پارہ علیحدہ اور اس قدر فاصلہ سے بسا ہے کہ گویا قریہ صغیرہ مستقلہ کے درمیان مواضع منفصلہ میں مزارع اور میدان اور کہیں کہیں

بانس اور دیگر ادنٰی جنگل ہوا کرتے ہیں موسم برسات میں ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے کشتی کی ضرورت کم ہوتی ہے مگر جوتی پہن کر نہیں جاسکتے کہیں کہیں درمیانی فاصلہ میں زانوں تک پانی ہوتا ہے اور اکثر جگہ میں اس سے کچھ کم ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے سوائے کھیتوں کی حدبندی اور چھوٹے چھوٹے راستوں کے اور کوئی بڑا راستہ نہیں ہے یعنی دو آدمی محاذی ہو کر ایسے راستہ سے چلنا دشوار ہے ہاں کہیں کہیں مواشی کے چلنے کے لئے " گوپاٹ " یعنی کچھ زمین افتادہ مثل بڑے راستے کے فراخ چھوٹی ہوئی ہے وہ بھی مثل سڑک کے اونچے نہیں، ہر ایک پارہ کے ابنیہ بھی متصل نہیں بالکل غیر منظّم حالت پر ہیں، ان پاروں کا ایک بڑا نام ہوا کرتا ہے جس سے وہ خط وکتابت وتمسک وقبالہ وگورنمنٹی کاغذات میں مشہور ہوتا ہے اکثر ان گاؤں میں ڈاکخانہ ہے نہ تھانہ وسکک واسواق، روزانہ بالکل نہیں ہاں ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بعض گاؤں کے کنارے میں بازار (ہاٹ) لگتا ہے جس میں لوگ اشیائے خوردنی بیچتے اور خریدتے ہیں مگر بازار کے معین وقت کے سوا وہاں شاذ ونادر ہی کچھ ملتا ہے مگر ایسے دکان دو ایک سے زیادہ نہیں ہوتا، ایسے گاؤں کے پاروں میں نماز جمعہ کے لئے مسجدیں بنی ہیں ان مسجدوں میں جو نہایت بڑی ہوتی ہے اس میں بمشکل چالیس آدمی سما سکتے ہیں، ہر ایک گاؤں یعنی (مجموعہ چند پاروں میں) دو ڈھائی ہزار لوگ ہندو ومسلمان بستے ہیں اس تعداد میں بالغ نابالغ مرد وزن سب شامل ہیں، الحاصل سوائے کثرت مردم کے شہر محکمے کی دوسری کوئی علامت ان پاروں میں نہیں ہے، نماز پنجگانہ کی جماعت نہیں ہوتی، اتفاقیہ دو چار آدمی کہیں جمع ہوتے ہیں تو جماعت پڑھتے ہیں ورنہ کچھ جماعت راتبہ نہیں اب سوال یہ ہے کہ ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنی مطابق مذہب حنفی کے درست ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی پڑھنے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں، ایسے گاؤں کو جو متعدد پارہائے منفصلہ سے بنا ہے اور جس میں دو ڈھائی ہزار لوگ بستے ہیں قریہ کبیرہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا عند اللہ اجرا حسنا**۔ زیادہ والسلام

الجواب:

صورت مذکور میں وہ چھوٹے پارے اور ان کا مجموعہ سب گاؤں ہیں اور ان میں جمعہ ناجائز ہے اور پڑھنا گناہ۔ درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح[1]۔	دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست ہی نہیں۔ (ت)

اور اگر اس کے سبب ظہر ترک کریں گے تو تارک فرض ہوں گے اور ظہر احتیاطًا تنہا پڑھی تو تارک واجب

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

ہوں گے بہر حال متعدد گناہ ان پر لازم ہیں بایںہمہ جہاں لوگ پڑھتے ہوں انھیں نہ روکا جائے **کما افادہ فی الدر المختار فی الصلوٰۃ عند الشروق**[1] (جیسا کہ در مختار میں طلوع آفتاب کے وقت نماز کے بارے میں بیان کیا ہے۔ت) اور خود ہر گز نہ پڑھیں، نہ نئی جگہ قائم کریں گناہ سے بچنا لازم ہے اور پاروں کے مجموعے کو اگرچہ مجموعی طور پر قریہ کبیرہ کہہ سکیں مگر قریہ کبیرہ بمعنی بلدہ صغیرہ ہر گز نہیں جس میں جمعہ جائز ہوسکے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۸ تا ۱۳۸۱: از قصبہ جہاں آماد خاص ضلع پیلی بھیت مرسلہ عاشق حسین بخشی قصبۂ مذکور مورخہ ۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسائل ذیل میں :

(۱) جمعہ کے خطبوں میں عربی عبارت پڑھ کر بعد کو ترجمہ اردو زبان میں محض بہ نیت آگاہی قوم امام جمعہ پڑھے تو کیا نقص یا فضل ہے؟

(۲) خطبہ دراز یا قراءت طویل کا پڑھنا کوئی فضل رکھتا ہے یا نقصان؟

(۳) قبل اور بعد جمعہ سنتوں میں سنت رسول اللہ کہنا کوئی نقصان ہے؟

(۴) مکرر الوداع شریف کوئی عمل شرعی میں نقص رکھتا ہے اور یہ عمل درست ہے یا نادرست؟ **بشریت بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) خطبہ میں عربی کے سوا دوسری زبان ملانا مکروہ وخلاف سنت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) قراءت بقدر سنت سے زائد نہ ہو اور اتنی زیادت کہ کسی مقتدی کو ثقیل ہو حرام ہے، اور خطبہ کی نسبت ارشاد فرمایا کہ آدمی کی فقاہت کی یہ نشانی ہے کہ اسکا خطبہ کوتاہ ہو اور نماز متوسط زیادہ طویل خطبہ خلاف سنت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۳) سنتیں جمعہ کی ہوں یا اور وقت کی، ان کی سنتوں میں نام اقدس کی طرف اضافت کہ حضور کی سنت ہے اس میں کوئی حرج نہیں اس سے وہابیہ منع کرتے ہیں جو نام اقدس سے جلتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) الوداع کہ رائج ہے نہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اس سے منع شرعی، ہاں علماء اس کا التزام نہ کریں، کبھی

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

ترک بھی کریں کہ عوام واجب نہ سمجھنے لگیں، اور سچی الوداع قلب سے ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے خوش ہو اور جانے سے غمگین، اور اگر یہ حالت ہو کہ آنا بار تھا اور جانے کے لئے گھڑیاں گنیں تو جو جھوٹی الوداع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۲: از جانب انجمن اہلسنت وجماعت سہسوانی ٹولہ بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک فرد یا ایک گروہ حنفی المذہب اہلسنت والجماعت کا جو کہ حتی الامکان مشرکوں بدعتیوں وہابیوں اور خصوصا رافضیوں سے مجتنب ہے اور ان سے عمل ترک موالات جائز رکھتا ہے لیکن شرکتِ نماز جماعت اور خ۔صوصا نماز جماعت کثیر کا شائق ہے اس جانکاہ وجگر خراش ہنگامہ محرم الحرام کے موقع پر یہ دیکھتے ہوئے کہ جمعہ کا روز عشرہ کا دن نماز جماعت اور عیدگاہ کا موقع ہے جس کا انتظام بریلی کے حنفی المذہب اہل سنت والجماعت انجمنوں کی مشترکہ کوششوں سے ہوا ہے مگر اس ہنگامہ میں تعزیہ دار بدعتی وغیرہم شامل ہیں نیز اس گروہ کثیر کا اجتماع محض تعزیہ داری وتخت بینی کی وجہ سے ہوا ہے کیا اس نماز جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اور اس کو نماز کا اس قدر ثواب جتنا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے حاصل ہونا چاہئے حاصل ہوگا اور یہ بھی کہ آمد وشد میں اس کی نظر تخت وتعزیہ وغیرہ اور ان اشخاص پر پڑے کہ جو خوشی ومیلہ سمجھ کر اس موقع پر جمع ہوئے ہیں تو اس کے مطمح نظر کو دیکھتے ہوئے اس کے ثواب نماز جماعت وجمعہ میں فرق آتا یا اس کا گناہگار ہونا تو لازم نہ ہوگا۔

الجواب:

جبکہ جماعت کا انتظام سنی حنفی اصحاب نے کیا اور امام سنی حنفی جامع شرائط امامت ہوگا تو اس میں بلاشبہہ جماعتِ کثیر کا ثواب ملنے کی امید واثق ہے، تعزیہ داری ایک بدعت عملی ہے وہ اس حد تک نہیں کہ اس کے مرتکب معاذاللہ رافضی وہابی وغیرہم خبثاء کی مثل ہوں یا معاذاللہ ان کی جماعت جماعت نہ ہو یا ان سے اجتناب ایسا ہی فرض ہو جیسا ان خبیثوں سے ضروریات دین بالائے سر، وہ عقائد ضروریہ اہلسنت کے بھی منکر نہیں، نہ محبوبان خدا کی معاذاللہ توہین کرتے ہیں، نہ کسی محبوب بارگاہ سے معاذاللہ دشمنی رکھتے ہیں، پھر ان خبیثوں کو ان سے کیا نسبت، یہ عقیدۃً ہم میں سے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں پیش خود محبت محبوبانِ خدا کی نیت سے کرتے ہیں، براہ جہالت ونادانی اس میں لہو ولعب وافعال ناجائز شامل کرتے ہیں لہٰذا ان کی جماعت پر حکم جماعت نہ ماننا محض ظلم ہے اور جب اس کی نیت تماشا دیکھنے کی نہیں نماز باجماعت کثیر کی نیت ہے تو راستے میں ان چیزوں پر نگاہ پڑنے کا اس پر الزام نہیں جیسا کہ زمانۂ عرس میں آج کل مزارات طیبہ کی حاضری۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۴: از عیش آرا ضلع میمن سنگھ پوسٹ کالوہا خندہ کار معظم علی صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ رحمہم اللہ تعالٰی فی الدارین کہ اس دیار میں چند علماء جاہلوں کو یہ دھوکا دے رہے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور پڑھنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ جمعہ جبکہ درست نہیں تو اس سے فرض ظہر کا ساقط نہیں ہوا بہت جگہ کے جمعہ کو ایسے ویران کردیا اور عیدین کی نماز بھی منع کرتا ہے اور خود بھی نہیں پڑھتا ہے، اور یہ بھی کہا کرتا ہے کہ جو شخص گاؤں میں نماز جمعہ و نماز عید ادا کرتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا اصرار کرتا ہے اور گناہ کبیرہ کا اصرار کرنے والا کافر ہے، آیا ایسے عالم جو نمازین مومنین کو کافر کہتا ہے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہبِ حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے

قال اللہ تعالٰی اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ﴿ؕ۱۰﴾ [1]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو نماز پڑھنے سے روکتا ہے (ت)

اور جو انھیں کافر کہتا ہے گمراہ وبددین ہے نہ وہ کبیرہ ہے **لاختلاف الائمۃ** (ائمہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے۔ت) نہ کبیرہ پر اصرار اہلسنت کے نزدیک کفر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۴تا ۱۳۸۵: جملہ اہل اسلام قصبہ بیرہٹہ ریاست سوامی جے پور معرفت حامد محمد مدرس فارسی اسکول بیراہٹہ بذریعہ ڈاک خانہ تھانہ غازی ریاست الور۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک قصبہ میں قاضی اور خطیب مسجد جامع سندی پادشاہی رہتے ہیں اور وہ دونوں حسب ونسب میں برابر اور برادر ہیں اور علم فارسی ومسائل میں حسب لیاقت خود ہیں الّا قاضی کہ بزعم قضایت ونفسانیت ونقیض باہمی، یہ کہتا ہے کہ نماز جمعہ پڑھانے کا میرا حق ہے اور خطیب مسجد جامع کہتا ہے کہ میں قاضی نہیں الّا خطیب سندی پادشاہی ہوں میں نماز جمعہ پڑھانے کا مستحق ہوں یا مجھ سے اجازت لے کر آپ قاضی صاحب یا دیگر جو افضل ہوں وہ پڑھائیں لیکن قاضی صاحب بوجوہات مندرجہ بالاکے اجازت ناگوار سمجھتے ہیں اور اسی چھوٹے قصبہ میں جامع مسجد پادشاہی کو چھوڑ کر دو تین آدمیوں میں سے دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اور مسجد جامع درمیان قصبہ کہ جہاں گرد نواح میں قومِ ہنود آباد ہے ایسے مقام پر اہل اسلام کی جماعت

[1] القرآن ۹۶/۹و۱۰

کی نماز ہونا زینت وشوکت اسلام میں داخل ہے پھر جماعت اسلام میں خلل انداز ہو کر جامع مسجد کو چھوڑ کر دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اس حالت میں جمعہ کون پڑھانے کا مستحق ہے خطیب مسجد جامع یا قاضی صاحب یا دیگر اور جازت بھی خطیب سے لینا واجب ہے یا نہیں، اور جمعہ کون سی مسجد میں ہونا واجب ہے، اور اس چھوٹے قصبہ میں دو جمعہ بوجوہات مندرجہ بالا جائز یا ناجائز؟ از روئے شرع شریف مع تشریح کے جواب سے مطلع فرمائیں۔

(۲) ایک قصبہ میں زید نامی شخص کہ جو نابینا اور مرض بھگندر یعنی ناسور دائمی میں مبتلا ہے کہ جس کی وجہ سے جسم وجامہ کی پاکی وناپاکی مشتبہ رہتی ہے کہ جن کا پاک ہونا فرائض نماز میں سے ہے اور زید بھی کہتا ہے کہ مجھ پر سے جمعہ ساقط ہوچکا پھر کیا وجہ ہے کہ عید وجمعہ کی امامت بخواہش نفسانی خود کرتا ہے اگر اس سے کہا جاتا ھے کہ بقول آپ کے جمعہ ساقط آپ پر ہوچکا ہے اور آپ معذور ہیں پھر امامت آپ کی کس طرح جائز اور درست ہوسکتی ہے، زید نے کوئی ثبوت اس بارہ میں نہیں دیا آیا زید کی امامت جائز ہے یا ناجائز؟ اس لئے مکلّف خدمت بابرکت میں ہیں کہ دونوں سوالات کے جواب بالتشریح حوالہ کتب ائمہ مجتہدین وآیات شریف واحادیث شریف تحریر فرمائیں۔

الجواب:

(۱) صورت مذکورہ میں وہ خطیب ہی قابل امامت جمعہ ہے قاضی کو کوئی حق نہیں، یہ قاضی قاضی نکاح خوانی ہوتے ہیں نہ والی قاضی کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ الگ جمعہ پڑھتا ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا جمعہ باطل محض ہے خطیب ہی بوقت ضرورت جبکہ خود بوجہ مرض یا سفر حاضری مسجد سے معذور ہو اپنی جگہ دوسرے کو نائب کرسکتا ہے نہ یہ کہ صرف اس کی اجازت سے دوسری جگہ جمعہ قائم ہوسکے اس کا اسے بھی اختیار نہیں،

فان نصب امام الجمعة لِوَالِی الاسلام فان لم یکن فللعامة لاللخطیب وحدہ۔	امام جمعہ کا مقرر کرنا والیِ اسلام کا کام ہے اور اگر والی نہ ہو تو عوام، خطیب تنہا نہیں کرسکتا۔(ت)

جمعہ اسی مسجد میں ہوگا اور وہاں دوسری جگہ بلاضرورت جمعہ قائم نہ ہوگا **فان بقیة العامة مقید بالضرورة** (کیونکہ باقی عوام کا تقرر ضرورت کے ساتھ مقید ہے۔ت) ہاں اگر وہاں کوئی عالم دین فقیہ معتمد افقہ اہل بلد ہو تو وہ حسب مصلحت اپنے حکم سے دوسری جگہ بھی جمعہ قائم کرسکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) زید اگر واقعی معذور ہے تو جمعہ وغیر جمعہ کسی نماز میں غیر معذورین کی امامت نہیں کرسکتا اور اگر معذور نہیں اور کپڑوں کی نجاست ثابت نہیں تو اور نمازوں کی امامت کرسکتا ہے اور جمعہ وعیدین کی بھی اگر جانب سلطانِ اسلام سے ماذون ہو یا عام مسلمانوں نے اسے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو اور بوجہ نابینائی اس پر جمعہ فرض نہ ہونا جمعہ میں اس کی صحت امامت کا مانع نہیں، جیسے غلام ومسافر. **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۶: از نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ایک اولیاء اللہ کا مجالس خانہ مقرر ہے وہاں عرس شریف کے دن مجلس ہوتی ہے اس مجلس خانہ میں عید نماز یا جمعہ نماز یا مطلق نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب: مجلس خانہ میں نماز ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ہاں مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور بلاعذر ترک مسجد ہو تو گناہ ہوگا مگر نماز ہوجائے گی، یونہی جمعہ وعیدین بھی اگر عام شہرت واذن ہو کہ یہاں جمعہ یا عید پڑھیں گے جو چاہے آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۷: از ایرایان محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دھوپ کی شدت سے اگر خطبہ سنتے وقت چھاتا لگالے تو حرج تو نہیں؟

الجواب: بہتر نہیں، حاضری دربار کے خلاف ہے، اور یہ ضعیف یا مریض ہے اور دھوپ ناقابل برداشت تو لگالے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸۸: از مقام درگر ممالک متوسط مرسلہ جناب ڈاکٹر حسین بیگ صاحب معرفت جناب عبدالمجید صاحب مورخہ ۲ ربیع الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص فجر کی نماز پڑھ کر جمعہ کے روز بازار کرنے کو ایک مقام پر جو کہ سکونت سے نو میل کے فاصلے پر چلا جاتا ہے اور جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتا جس کو عرصہ دراز ہوگیا ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ منافق ہوگیا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہیں دفن کرنا چاہئے اور اس سے میل ومحبت وغیرہ سب ترک کردئے جائیں وہ کہتا ہے کہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کی وجہ سے جاتا ہوں اس پر شرعی فتوٰی کی ضرورت ہے۔ **وبیّنوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ ٹھیک دوپہر ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل جاتا ہے تواس پر اس اصلاً کچھ الزام نہیں اور اگر اسے شہر ہی میں وقت جمعہ ہوجاتا ہے اس کے بعد بے پڑھے چلاجاتا ہے تو ضرور گنہگار ہے مگر یہ باطل ہے کہ اسے قبرستان مسلمین میں دفن نہ کرسکیں اسے نفاقِ عملی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقی۔ ہاں اس جرم پر مسلمان اس سے میل جول ترک کرسکتے ہیں اور پہلی تقدیر پر تو جتنے احکام اس پر لگائے گئے سب غلط ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ وغیرہ شروح و درمختار وغیرہما میں ہے:

الصحیح انه یکرہ السفر بعد الزوال قبل ان یصلیها ولا یکرہ ان یصلیها قبل الزوال[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد جمعہ ادا کرنے سے پہلے سفر پر نکلنا مکروہ ہے البتہ قبل از زوال نکلنا مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱؎ درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳)

مسئلہ ۱۳۸۹: مسئلہ از کشن گنج ضلع پورنیہ مسئولہ ماسٹر محمد طاہر علی صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ انجمن اسلامیہ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار کا دستور ہے کہ اکثر لوگ احاطہ مکان میں ایک چار چھ ہاتھ کا مربع مکان دیوار یا ٹٹی کا بنام، اللہ گھر یا مسجد کے بلا لحاظ پابندی نماز بناتے ہیں، یہ مکان ضرورتاً ادھر اُدھر ہٹا بھی دیاجاتا ہے اور کبھی کھود بھی ڈالتے ہیں غرض ایسی عرفی مسجدوں میں جو بڑی سے بڑی مسجد تھی اس میں لوگوں نے جمعہ جماعت تیار کرلی اور چلتے پھرتے واعظ لوگ آتے انھوں نے ان لوگوں کی شامل جمعہ بھی پڑھا اور پڑھتے ہیں توایسی حالت میں بتحقیق مقلدین احناف یہ خوانندہ جمعہ مصیب ٹھہریں گے یا خاطی؟ جواب مدلل بادلہ حنیفہ ہو۔

الجواب:

یہ مکانات مساجد البیوت کہتے ہیں یہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتے، نہ ان کے لئے حکم مسجد ہے، درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد والوطء فوقه والبول والتغوط ولایکرہ ماذکر فوق بیت جعل فیه مسجد بل ولا فیه لانه لیس	مسجد کا دروازہ بند رکھنا، مسجد کی چھت پر وطی اور بول و براز مکروہ ہے لیکن یہ اس گھر کے اوپر مکروہ نہیں جس گھر میں مسجد ہو بلکہ اس کے اندر بھی مکروہ نہیں کیونکہ

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

بمسجد شرعا[1] ۔ (ملخصًا)	وہ شرعی مسجد نہیں۔(ت)

مگر جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں مکان میں بھی ہوسکتا ہے جبکہ شرائط جمعہ پائے جائیں اور اذن عام دے دیا جائے لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو، کافی امام نسفی میں ہے:

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمه فی داره فان فتح بابها و اذن للناس اذنا عاما جازت۔[2]	اگر سلطان چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز جمعہ ادا کرے تو اگر اس نے دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کو اذنِ عام تھا تو جائز ہے۔(ت)

تو اگر صورت یہ تھی وہ لوگ مصیب ہوئے، ہاں اگر وہاں مسجد جمعہ موجود تھی اس میں نماز نہ ہوئی اور گھر میں قائم کی تو کراہت ہوئی، در مختار میں ہے:

لودخل الامیر قصره واغلق بابه وصلی باصحابه لم تنعقد ولوفتحه واذن للناس بالدخول جاز وکره[3]۔	اگر امیر نے اپنے محل میں داخل ہو کر دروازہ بند کرکے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کی تو جمعہ نہ ہوا اور اگر دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کے لئے اجازت عام تھی تو جائز ہوئی البتہ کراہت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه لم یقض حق المسجد الجامع زیلعی و درر[4]۔	مکروہ اس لئے ہے کہ اس نے جامع مسجد کا حق ادا نہ کیا زیلعی درر(ت)

اور اگر کوئی شرط جمعہ مفقود تھی مثلاً وہ جگہ مصر وفنائے مصر نہ تھی، یا امام امامِ جمعہ نہ تھا یا بعض نمازیوں کو بلاوجہ شرعی، وہاں نماز کے آنے سے ممانعت تھی یا نمازیوں میں وہاں اقامتِ جمعہ مشہور نہ تھی بطور خود ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی اگرچہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی، خلاصہ میں شرح جامع صغیر امام صدر شہید سے ہے:

من جملة ذلك الاذن العام یعنی الاداء علی	ان سے ایک اذن عام بھی ہے یعنی اعلانیہ

[1] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۳/۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶۰۱/۱

[3] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۲/۱

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶۰۱/۱

سبیل الاشتہار[1]۔	ادا کیا جائے۔(ت)

بدائع وحلیہ وغیرہما میں ہے:

| السلطان اذا صلی فی دارہ و القوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع ان فتح باب دارہ واذن للعامة جاز وتکون الصلوة فی موضعین ولو لم یأذن للعامة وصلی مع جیش لا تجوز صلوٰة السلطان وتجوز صلوٰة العامة[2] اھ و تمامه فیما علقناہ علی ردالمحتار۔واللہ تعالٰی اعلم | سلطان نے اپنی دار میں جمعہ پڑھا، باقی لوگوں نے بمع امراء سلطان جامع مسجد میں جمع پڑھا تواب اگر دار کا دروازہ کھلا تھا تو جائز ہے، اور نماز دونوں مقام پر ہوجائے گی اور اگر وہاں عام لوگوں کو اجازت نہ تھی بادشاہ نے صرف اپنے لشکر کے ساتھ نماز ادا کی تو اب سلطان کی نماز نہ ہوئی، ہاں عام کی ہوجائی گی اھ اسکی تفصیل ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ملاحظہ کیجئے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت) |

مسئلہ ۱۳۹۰تا۱۳۹۱: حافظ مولوی حشمت علی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگران ۲۵محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا ارشاد ہے حماۃ سنت سنیہ بیضاء ومحاۃ بدعتِ قبیحہ ظلماء کا اس مسئلہ میں کہ خطبہ میں رغما لانوف الوہابیہ والرافضیہ سرکار حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام اقدس لے کر بہ تبعیّت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) اولی الامر منکم سے حقیقتًا علمائے دین مراد ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو جو عالم اہلسنت دل وجان سے دین وسنت پر فدا ہو اور اس کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچتی ہو اس زمانہ کے علمائے اہلسنت کے اتفاق سے وہ پیشوائے علمائے سید الفقہاء ہو اس نے اپنی زندگی محض حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس قدموں پر تصدق کردینے کے لئے وقف کردی ہو، جہاں کوئی دین میں نیا فتنہ اٹھتے دیکھے، حتی الوسع اس کے مٹانے میں اپنے قلم وزبان وجان سے کوشش کرے، اس کی مبارک زندگی زیادہ ہو، غیب سے اس کی مدد نصرت فرمائی جائے، تمام اعداء اللہ واعداء الرسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ،اس کے غالب رہنے کی خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملک الجلیل ثم لدی الحبیب

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی بحوالہ شرح الجامع الصغیر لصدر شہید ومنہاالجماعۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۱۰/۱

[2] بدائع الصنائع بحوالہ النوادر فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۱

الجمیل جل علاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تفصیل کے ساتھ بیان کرکے اللہ جل جلالہ مالک وجلیل اور اس کے حبیب جمیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اجر پائے۔ت)

الجواب:

جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۲تا۳۹۴: ازآگرہ ابوالعلائی اسٹیم پریس مسئولہ وحید الدین صاحب ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں:

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں اور جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر احتیاطی واجب ہے یا مستحب یا مکروہ؟

(۲) کیاایک وقت میں دو نمازیں فرض ہیں اور کیا جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی۔

(۳) ہندوستان کے جن شہروں میں جامع مسجد کا امام باتفاق مقرر کیا گیا ہے کیا وہ اقامت وادائیگی جمعہ کے لئے کافی ہے یا بادشاہِ اسلام یا نائبِ بادشاہ کی ضرورت۔ مختصر اولہ حوالہ کتب کے ساتھ جواب مرحمت ہو۔

الجواب:

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور ظہر احتیاطی صرف خواص کو مناسب ہے۔ در مختار میں ہے:

نصب العامة غیر معتبر مع وجود من ذکر۔ امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ [1]۔	جب مذکور اشخاص موجود ہوں تو عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور مذکورہ افراد نہ ہوں تو ضرورت کے پیش نظر تقرر جائز ہوگا۔(ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ **لوامع البہا** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) ایک وقت میں دو فرض ہر گز نہیں اور جمعہ جب ادا ہو جائے گا ظہر ساقط ہو جائے گی ایسے ہی خیالوں سے بچنے کو علماء نے عوام کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

ولذا قال المقدسی نحن لا نامر بذلك امثال ھذہ العوام بل ندل	ہم ایسی اشیاء کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو بتاتے ہیں اگرچہ خواص عوام کی

[1] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

علیه خواص ولو بالنسبة الیهم [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم	نسبت سے ہوں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) وہ امام کافی ہے اگر صحیح العقیدہ، صحیح القراءۃ، صحیح الطہارۃ، جامع شرائط صحت ہو، ابھی درمختار سے گزرا: **یجوز للضرورۃ** (ضرورت کے لئے جائز ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۵: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مسئولہ محمد یونس صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر دریا شہر میں واقع ہے اور ایک آگبوٹ یہاں مدام کھڑا رہتا ہے اور جہاز والے چند جہازوں کو اس آگبوٹ میں لاکر جوڑتے ہیں مال اور سواریاں جہازوں کی آگبوٹ اُتارتے ہیں اور آگبوٹ کے اگے ایک پُل لوہے کا بنا ہوا ہے سواریاں شہر کو اسی پُل سے پار ہو کر جاتی ہیں اور اس آگبوٹ اور جہازوں میں تین گز کا فاصلہ ہے اور جہازوں والے بوجہ خوف چوری کے شہر میں جاکر نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہیں تو ازرُوئے شرع نماز ان کی جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

دریا میں نماز جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی، اگر سمندر ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ حکم دارالحرب میں ہے اور دارالحرب میں جمعہ وعیدین باطل۔ ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیة بی السعود عن شرح النظم الهاملی سطح البحرله حکم دارالحرب [2]	۔حاشیہ ابوسعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطح سمندر کا حکم دارالحرب کا ہے (ت)

اسی میں دُرمنتقی شرح الملتقی سے ہے: **البحر الملح ملحق بدارالحرب** [3] (نمکین سمندر، دارالحرب سے ملحق ہے۔ت)) اور اگر دریا ہو تو دریا نہ مصر ہے نہ فنائے مصر، یہاں تک کہ شہر کے دو حصے کہ اس کے دو پہلوؤں پر آباد ہوں دو شہر کے مثل ہیں کہ دریا ایک جدا و مستقل چیز بیچ میں فاصل ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

اصله عندابی حنیفه لایجوز تعدد هافی	اس کی اصل امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہی ہے

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۶-۵۹۷

[2] ردالمحتار باب استیلاء الکفار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶۶-۲۶۷

[3] ردالمحتار باب استیلاء الکفار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶۷

فی مصر وکذاروی اصحاب الاملاء عن ابی یوسف انہ لا یجوز فی مسجدین فی مصر الا ان یکون بینھا نھر کبیر حی یکون کمصرین وکان یامر بقطع الجسر ببغداد کذلك[1]۔	کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اصحاب الاملاء نے امام ابویوسف سے روایت کیا کہ شہر میں دو مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا، ہاں جب ان کے درمیان بڑی نہر ہو تو وہ اس وقت دو شہروں کی طرح ہوجائیں گے، اسی لئے انھوں نے بغداد میں پل ختم کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ فنا تابع ہے نہ کہ قاطع، اور جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے مگر مصر یا فنائے مصر میں، یہ سب اس صورت میں ہے کہ خوف صحیح ہو اترنا متعذر ہو ورنہ نماز پنجگانہ و وتر وسنت فجر بھی ان جہازوں میں نہیں ہوسکتے کہ ان کا استقرار پانی پر ہے اور ان نماز کی شرطِ صحت استقرار علی الارض مگر بحال تعذر، فتح القدیر میں ہے:

فی الایضاح ان کانت موقوفہ فی الشط وھی علی قرار الارض فصلی قائما جاز لانھا اذا استقرت علی الارض فحکمھا حکم الارض فان کات مربوطۃ ویمکنہ الخروج لم تجز الصلوٰۃ فیھا، لانھا اذا لم تستقم فھی کالدابۃ انتھی بخلاف مااذا استقرت فانھا حنیئذ کالسریر[2]	ایضاح میں ہے اگر وہ کشتی کنارے پر کھڑی ہے اور زمین پر برقرار ہے تو نماز کھڑے ہوکر ادا کرے تو نماز جائز ہے کیونکہ اب زمین پر قرار پکڑنے کی وجہ سے زمین کے حکم میں ہی ہے، اور اگر کشتی باندھی ہوئی تھی اور اس سے نکلنا ممکن تھا تو اب اس پر نماز نہ ہوگی کیونکہ جب وہ مستقر نہیں تو وہ چارپایہ کے حکم میں ہے بخلاف اس صورت کے جب وہ مستقر ہے تو اس وقت وہ چارپائی کی طرح ہوتی ہے۔ (ت)

اسی صورت میں اگر جبراً نہ اترنے دیتے ہوں پنجگانہ پڑھیں اور اترنے کے بعد سب کا اعادہ کریں لان المانع من جھۃ العباد (کیونکہ رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۶: از کاٹھیاواڑ ضلع راجکوٹ شہر پور بندر پنج ہسٹری مسئولہ سید غلام محمد صاحب قادری رضوی امام مسجد میٹھی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

امام العلماء المحققین مقدام الفضلاء المدققین حضرت سیدنا مخدومنا و مولٰنا و مولوی حاجی قاری

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۶۲

احمد رضاخاں صاحب قبلہ قادری برکاتی مدظلہ ودام فیضہ، کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ یہاں ملک کاٹھیاواڑ میں اکثر مقامات پر یہ رواج ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ میں سلطان المسلمین کے واسطے دعامانگی جاتی ہے توخطیب بروقت دُعامانگنے کے منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اترتاہے اور بعد دُعامانگ کر ایک سیڑھی اوپر چڑھتاہے اور بعض مقامات پر اس طرح نہیں کیا جاتا ہے یعنی خطیب ایک سیڑیھی نیچے اترتا توزید اس سے اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سلطان کے لئے دعامانگنے کے وقت ایک سیڑھی اترنا چاہئے، عرض یہ ہے کہ یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب:

خطیب کاایک سیڑھی نیچے آنااور پھر اوپر جانا بعض علمانے بمجبوری ایک مصلحت شرعی کے لئے رکھاتھا جس کاذکر مکتوبات شیخ مجدد اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، یہاں وہ مجبوری نہیں، نہ سلاطین کے نام کے ساتھ مبالغہ امیز، غلط الفاظ ملانے کی حاجت، لہٰذا یہ فعل عبث محض ہے، ردالمحتار میں اس کابدعت ہونا نقل کیا، **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۷: از بھوساول ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب صاحب ۷رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ جمعہ کی نماز باجماعت کس وقت سے لے کراور کب تک اداکرسکتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ اور ظہر کاایک وقت ہے زوال شمس کے بعد اذانِ اول ہو پھر سنتیں پھر اذانِ ثانی پھر خطبہ پھر نماز، یہ اس کااول وقت ہے اور ایسے وقت اذان وخطبہ ونماز ہوں کہ سایہ دومثل ہونے سے پہلے اخیر سنتیں ہوجائیں یہ اس کاآخر وقت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۸: از جے پور بیرون اجمیری دروازہ کوٹھی عبدالواجد علی خاں مسئولہ حامد حسن قادری ۱۷رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ خطبہ جمعہ میں بعد جلسہ استراحت درمیانی، کس قدر خطبہ پڑھنا چاہئے اور اس میں کیاکیا مضامین ہوں، کیا صرف چند کلماتِ حمد اور ایک آیت قرآنی سے خطبہ ثانیہ پورا ہوجائے گا، اور کیا نعتِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ودرود شریف وذکر خلفائے کبار واہلبیت کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ودعابرائے مومنین کے ترک سے کچھ نقصان نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خطبہ ثانیہ پوراہونا بایں معنی کہ فرض اداہوجائے، یہ توپہلے ہی خطبہ سے حاصل ہوگیامگر بلاضرورت

سنتِ متوارثہ قدیمہ دائمہ کو چھوڑنا اور مسلمانوں کی تنفیر کا باعث ہونا اور اپنے اوپر فتح بابِ غیبت کرنا اور ارشاد اقدس **بشروا ولاتنفروا** (خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ۔ت) کی مخالفت کرنا دیندار عاقل کا کام نہیں، نعتِ اقدس سے دعا برائے مومنین تک جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب محمود و معمول وماثور ہیں انھیں ضرور بجالانا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۹: از شاہجہان پور محلّہ خلیل مسئولہ امیر خاں مختار عامر ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور میں ایک مسجد ہے اس میں یہ قرار پایا کہ اول ہر وقت یہاں تک کہ جمعہ کی نماز قادیانی پڑھیں، بعد کو اہلسنت مع خطبہ جمعہ کے، تو حضور فرمائے کہ ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ پہلے قادیانی خطبہ پڑھ چکے ہم دوبارہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: نہ قادیانیوں کی نماز ہے نہ ان کا خطبہ، خطبہ کہ وہ مسلمان ہی نہیں، اہلسنت اپنی اذان کہہ کر اسی مسجد میں اپنی خطبہ پڑھیں اپنی جماعت کریں یہی اذان وخطبہ وجماعت شرعًا معتبر ہوں گے، اور اس سے پہلے جو کچھ قادیانی کرگئے باطل ومردود محض تھا۔**وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۰: از جگندل ضلع چوبیس پرگنہ نیا بازار نئی مسجد مسئولہ عبدالستار ہاشمی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے خطبہ اولٰی کے بجائے وعظ وپند عوام کو احکام شرعیہ بتانے اور سمجھانے کے لئے جائز ہے یا نہیں یا قطعی حرام ہے؟ اردو کلام کرنا اندر خطبہ کے یا خطبوں کا ترجمہ یا آیات واحادیث جو خطبوں میں ہیں ان کا ترجمہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خطبہ خود وعظ وپند ہے مگر اس میں غیر عربی زبان کا خلط مکروہ وخلاف سنتِ متوارثہ ہے اگرچہ نفس فرض خطبہ خالص دوسری زبان سے ادا ہوجائے گا صحابہ کرام نے عجم کے ہزاروں شہر فتح فرمائے اور ان میں منبر نصب کئے اور خطبے پڑھے اور ان کی زبانیں جانتے تھے ان سے گفتگو کرتے تھے مگر کبھی منقول نہیں کہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ فرمایا یا غیر زبان کو ملایا:

فھو کف والکف متبع قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد [1]۔	یہ فعل سے رکنا ہے اور رکنے میں اتباع کی جائے گی، حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے کسی معاملہ میں اختراع کی حالانکہ وہ اس میں سے نہ تھی تو وہ مردہ ہوگی۔ت)

[1] صحیح البخاری باب اذا اصطلحوا علی صلحٍ جورٍ فھو مردود مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۱

درمختار میں ہے:

صح لو شرع بغیر عربیہ وشرطا عجزہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ[1]۔	صحیح ہے اگر اس نے نماز کی تکبیر غیر عربی میں شروع کی اور صاحبین کے نزدیک بشرطیکہ وہ عاجز ہو، یہی اختلاف خطبہ کے بارے میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں غررالافکار شرح دررالبحار سے ہے:

کرہ الدعاء بالعجمیۃ لان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی عن اطاعۃ الاعاجم[2]۔	دعا عجمی زبان میں مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عجمی لوگوں کی پیروی سے منع فرمایا ہے۔(ت)

اسی میں ولوالجیہ سے ہے:

التکبیر عبادۃ اللہ تعالٰی لایحب غیر العربیۃ[3]۔	تکبیر، اللہ تعالٰی کی عبادت ہے اور اللہ تعالٰی غیر عربی کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

ہاں اگر اثنائے خطبہ میں مثلاً کسی ہندی کو کوئی فعل ناجائز کرتے دیکھا جیسے خطبہ ہونے کی حالت میں چلنا یا پنکھا جھلنا، اور وہ عربی نہیں سمجھتا تو اردو میں اسے منع کرے کہ یہ حاجت یونہی رفع ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۱تا۱۴۰۳: از بھاجی بازار شہر مسئولہ مظہر حسین صاحب آزاد پرائیویٹ سیکریٹری ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) قاضی وخطیب شہر گورنمنٹ کاخطاب یافتہ ہے اور اس کے متعلق اس کو معاش، زمانہ شاہی سے ملی ہوئی ہے اس نے ذاتی رنجشوں عداوتوں کی وجہ سے خطاب وغیرہ ترک موالات کے سلسلہ میں واپس نہیں کئے، ویسے خلافت کاہمدرد اور قولاً فعلاً امداد کی اور کرنے کو تیار ہے، بوجہ خطیب ہونے کے عیدین میں خطبہ پڑھتا ہے کیا شرعاً ایسے شخص کا خطبہ سُننا جائز ہے؟

(۲) جامع مسجد اور عیدگاہ میں ایک شخص حافظ قاری جو دو حج بھی کرچکا ہے اور خطاب یافتہ نہیں ہے منجانب قاضی وخطیب مذکور امامت کے لئے عرصہ دراز سے مقرر ہے اس کی امامت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۴
[2] ردالمحتار مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵
[3] ردالمحتار مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵

(۳) ایک شہر میں دو خطاب یافتہ مسلمان ہیں خلافت کمیٹی بھی قائم ہے، اس کمیٹی نے ایک خطاب یافتہ کی جانبداری اختیار کر رکھی ہے اس کو خطاب وغیرہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتی اور اس کی تولیت میں جو مسجد ہے اور اس میں اسی خطاب یافتہ کی جانب سے امام مقرر ہے، اس کا خطبہ سُننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور دوسرے خطاب یافتہ کا خطبہ سُننا اور اس کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے، کیا کمیٹی کا یہ فعل فتاوٰی علمائے کرام احکامِ خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور احکام شرعیہ میں کوئی تفرقہ ہے یا سب مسلمانوں کے لئے یکساں اور عام ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جو زمانہ شاہی سے منصب خطبہ وامامت پر منصوب ہے بلاوجہ شرعی اس کے خطبہ سُننے کو ناجائز بتانے والا شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرتا ہے، خطاب واپس نہ کرنا کوئی ایسا جرم نہیں جس کے سبب اس کا خطبہ سننا منع ہو جائے اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ [1] (بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر افتراء باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ت)

(۲) جائز ہے اگر اس میں کوئی مانع شرعی نہ ہوا اگرچہ خطاب یافتہ ہو۔

(۳) یہ تفرقہ محض جہالت اور افتراء بر شریعت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۴: از ایرایان ضلع فتحپور سادات مسئولہ سید صغیر حسین صاحب نائب مدرس مڈل اسکول ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کو آجائے اور اذان کہی جائے تو کلمات اذان کا جواب دینا اور بعد ازاں دعائے اذان پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک پر اذان میں انگوٹھا چومنا یا خطبہ میں آں حضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اذانِ خطبہ کے جواب اور اس کے بعد دُعا میں امام وصاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے بچنا اولٰی، اور کریں تو حرج نہیں، یوں ہی اذانِ خطبہ میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن خطبہ میں محض سکوت وسکون کا حکم ہے، خطبہ میں نامِ پاک سن کر صرف دل میں درود شریف پڑھیں اور کچھ نہ کریں زبان کو جنبش بھی نہ دیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶

مسئلہ ۱۴۰۵: از قصبہ سرسی محلّہ بوچڑ خانہ کلاں پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد مسئولہ حافظ خدا بخش و شیخ عبدالعزیز یکم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ فرقہ نجدیہ کے اشخاص جابجا گشت کرتے ہیں اور مومنین مومنات کو بہکاتے پھرتے ہیں ان کا بیان سننے کو کوئی نہیں ٹھہرتا، تو انھوں نے اب یہ کید کیا ہے کہ بوقت خطبہ جمعہ اغوا شروع کرتے ہیں اور اس کا نام خطبہ رکھتے ہیں، یہ فرقہ کیا حکم رکھتا ہے ار خطبہ جمعہ دراصل اردو میں جائز بھی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہابیہ کفار مرتدین ہیں جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کے فتوے "حسام الحرمین" سے ظاہر ہے، ان کا خطبہ باطل، ان کی نماز باطل، ان کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی ہندو یا نصرانی کے پیچھے، اور اردو میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کا خلاف اور بہت برا ہے، اور وہابیہ کے طور پر تو اصل ایمان میں خلل انداز ہے کہ بدعت ہے اور ان کے نزدیک ہر بدعت اصل ایمان میں خلل انداز اگرچہ اُن کے پاس سرے ہی سے نہیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۶: از اوجین گوالیار مرسلہ مولوی یعقوب علی خاں ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک قصبہ میں نسلاً بعد نسلٍ مسند قضا پر بحکم حاکم واتفاقِ جماعتِ مسلمانان مامور ہے اور امامت وخطابت اور نماز عیدین بلکہ تمام کاروبار متعلقہ عہدہ قضا کرتا ہے اور سوائے زید کے شوہرِ ہندہ نے تمام عمر امامت وخطیبی نہ کی باوجود ان وجوہات کے ہندہ نے بعد وفاتِ شوہر اپنے کے بشرارت چند کس زید کو بلاوجہ خدمتِ مذکور سے علیحدہ کرکے عمرو داماد اپنے کر بحکم حاکم قائم مقام زید کیا چاہتی ہے، ہندہ چچی زید ہے تو باجازت واعانت عورت بلا استرضائے اقوام اہل اسلام عمر و امامت وخطابت کرسکتا ہے یا نہیں؟ بسند کتاب بیان فرمائیں۔

الجواب:

عورت کہ سلطنت نہ رکھتی ہو اور اسی طرح سلطانِ اسلام یا اس کے نائب ماذون کے سوا کسی حاکم کا کسی شخص کو خطیب یا امام جمعہ مقرر کرنا اصلاً معتبر نہیں، نہ ایسے شخص کے خطبہ پڑھتے یا نماز پڑھانے سے جمعہ ادا ہوسکے کہ اس میں اذنِ سلطانِ اسلام شرط ہے جسے اس نے مقرر کیا یا اس کے مقرر کئے ہوئے نے اذن دیا وہی خطیب وامام ہوسکتا ہے دوسرا نہیں، درمختار میں ہے:

الجمعۃ شرط لصحتھا السلطان اومامورہ باقامتھا قالوا یقیمھا امیر البلد ثم الشرطی ثم	صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے مامور برائے اقامتِ جمعہ کا ہونا ضروری ہے فقہاء نے فرمایا

القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ [1] اھ ملتقطا	کہ جمعہ امیر یا شہر قائم کرے اس کے بعد محاسبہ پھر قاضی پھر وہ شخص جسے قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو اھ اختصارًا (ت)

پس اگر آباء واجداد زید سلطنت اسلام سے اس عہدہ پر از جانبِ سلاطین اسلام مقرر تھے اور وہ خطباء وائمہ یکے بعد دیگرے اپنی اولاد میں ایک دوسرے کو نائب کرتے آئے یہاں تک کہ یہ نہایت زید تک پہنچی تو زید خود سلاطین اسلام کی طرف سے اس عہدہ پر مامور گنا جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے اگر تمام اہل شہر بے اس کے اذن کے دوسرے کو امام یا خطیب مقرر کرنا چاہیں گے ہر گز جائز نہ ہوگا نہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی خطبہ خوانی یا امامت صحیح ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

الاذن من السلطان انما یشترط فی اول مرۃ فاذا اذن باقامتها لشخص کان له ان یأذن لغیره وذلك الغیرله ان یأذن لاخر وهلم جرا ولاتصح اقامتها الا لمن اذن له السلطان بواسطة او بدونها اما بدون ذلك فلا [2] اھ ملخصا	سلطان کا اذن پہلی دفعہ شرط ہے جب سلطان کسی شخص کو اقامت جمعہ کا اذن جاری کر دے تو وہ شخص کسی دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے اسی طرح وہ آگے ایسا کر سکتا ہے، اقامتِ جمعہ وہ قائم کر سکتا ہے جس کو اذنِ سلطان حاصل ہو خواہ بلاواسطہ اذن ہو یا بالواسطہ۔ لیکن اگر اذن نہیں تو جمعہ قائم نہیں کر سکتا اھ تلخیصًا (ت)

اور اگر ایسا نہیں یعنی اس کے اجداد جانبِ سلاطین اسلام سے مامور نہ تھے یا س کی انھوں نے نائب نہ کیا تاہم جبکہ یہ خود باتفاق مسلمین امامت وخطابت پر مامور ہے تو ہمارے اعصار وامصار میں بلاریب امام وخطیب صحیح شرعی ہے کہ جہاں سلطان نہ ہو اس امر کا اختیار عامہ مسلمین کے ہاتھ ہوتا ہے وہ جسے مقرر کردیں اسی کا تقرر ٹھیک ہے، درمختار میں ہے:

نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمهم فیجوز للضرورۃ [3]۔	عوام کا خطیب کو مقرر کرنا مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا (ت)

تو اس صورت میں بھی دوسرا کوئی شخص بغیر اذن زید کے امامت وخطابت کا مجاز نہیں کہ آخر یہ خطیب شرعی ہے

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۔۱۰۹

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۲

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

اور خطیب شرعی کے بے اجازت دوسرا امامت یا خطابت نہیں کرسکتا، ردالمحتار میں ہے:

قولہ لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز ظاہرہ ان لاخطیب خطب بنفسہ والاخر صلی بلا اذنہ ومثلہ مالو خطب بلااذنہ لما فی الخانیۃ وغیرھا خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز [1] اھ	قولہ "اگر کسی نے اذنِ خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں" اس کا ظاہر بتا رہا ہے کہ خطیب نے خود خطبہ دیا مگر نماز اس کی اجازت کے بغیر دوسرے نے پڑھادی اور اسی کی مثل وہ صورت ہے جب بلااجازتِ خطیب کسی نے خطبہ دے دیا، کیونکہ خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی نے بغیر اجازتِ امام خطبہ دیا اور امام حاضر تھا تو یہ جائز نہیں اھ (ت)

ہاں اس صورت میں اگر عامہ مسلمین جیسے آج تک تقرر زید پر متفق رہے اب بوجہ شرعی معزولی زید پر متفق ہوجائیں اور دوسرے شخص کو قائم کردیں تو اس صورت زید معزول اور دوسرے کا تعین صحیح ومقبول ہوگا صرف عورت کی جاہلانہ حرکت یا حاکم سلطنت غیر اسلامی کی شرکت واعانت محض بیکار وبے سود ہے کہ کسی منصب سے معزول کرنے کا اسی کو اختیار ہوتا ہے جسے مقرر کرنے کا اختیار تھا وہ اصالۃً سلطانِ اسلام ہے اور ضرورۃً جماعاتِ مسلمین نہ کہ عورت یا حکامِ سلطنت غیر اسلام کما لایخفی علی من لہ بالفقہ ادنی الالمام (جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہو جو فقہ میں ادنٰی سا درک رکھتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰۷: از بنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بروز جمعہ نیت چار رکعت سنت کی باندھی، بعدہ، امام نے خطبہ شروع کیا اب وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کرے یا چار رکعت پوری پڑھے اس میں جو کچھ اختلاف درمیان علمائے حنفیہ سے ہے وہ جناب پر ظاہر ہے لیکن بطور نمونہ قدرے درج ذیل ہے:

فی الدرالمختار فی باب الجمعۃ ولو خرج و ھو فی السنۃ اوبعد قیامہ لثالثۃ النفل یتم فی الاصح ویخفف القراءۃ وایضا فیہ فی باب ادراك الفریضۃ وکذا سنۃ الظھر [2]	درمختار کے باب الجمعہ میں ہے کہ اگر امام آگیا اور نمازی سنن ادا کر رہا تھا یا نفل کی تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو تو اصح قول کے مطابق اسے مکمل کرلے اور قراءت میں تخفیف کرے، اس کے باب ادراک الفریضہ میں بھی یہی ہے

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۴۔۵۹۳

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

وسنة الجمعة اذا اقیمت اما خطب الامام یتمها اربعا علی القول الراجع لانها صلٰوة واحد لیس القطع للاکمال، بل للا بطال خلا فالما رجحه الکمال [1]۔ وفی العلمگیریة ولوکان فی السنة قبل الظهر والجمعة فاقیم اوخطب یقطع علی راس الرکعتین یروی ذلك عنه ابی یوسف رحمه الله تعالٰی وقد قیل یتمها کذافی الهدایة، وهو الاصح کذافی محیط السرخسی، وهو الصحیح هکذا فی السراج الوهاج [2]۔فی الصغیری شرح منیة اذا صعدالامام المنبر یجب علی الناس ترك الصلٰوة [3] الی اٰخره فی حاشیة ردالمحتار علی الدرالمختار متعلق، لمارجحه الکمال حیث قال وقیلك یقطع علی رأس الرکعتین وهوالراجح لانه یتمکن فی قضائها بعدالفرض ولا ابطال فی التسلیم علی الرکعتین فلا یفوت فرض الاستماع والاداء علی الوجه الاکمل بلاسبب اھ۔ **اقول**: وظاهر الهدایة اختیاره و علیه مشی فی الملتقی ونور الایضاح والمواهب و	اور اسی طرح سنتِ ظہر اور سنتِ جمعہ میں اگر تکبیر کہی جائے یا امام خطبہ شروع کردے تو قولِ راجح کے مطابق وہ چار رکعت مکمل کرے کیونکہ یہ ایک ہی نماز کے حکم میں ہے یہاں انقطاع، اکمال نہیں بلکہ ابطال ہوگا، اس کے خلاف ہے جسے کمال نے ترجیح دی۔ اور عالمگیری میں ہے اگر کوئی شخص ظہر اور جمعہ کی پہلی سنتوں میں تھا تکبیر کہی گئی یا خطبہ شروع ہوگیا تو دو رکعات ادا کرکے ختم کردے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اور بعض نے کہا کہ تمام کرے اسی طرح ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے، محیط سرخسی میں یہی ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح سراج الوہاج میں ہے، صغیری شرح منیہ میں ہے جب امام منبر پر چڑھے تو لوگوں میں نماز کاترک کردینا لازم ہے الخ حاشیہ ردالمحتار علی الدرالمختار میں کمال کی ترجیح کے بارے میں ہے کہ بعض نے کہا دو رکعتوں پر اختتام کردے یہی راجح ہے کیونکہ فرائض کے بعد ان کی قضا ممکن ہے اور دو رکعات پر سلام ان کا ابطال بھی نہیں، پس اب خطبہ کا سننا جو فرض ہے وہ بھی فوت نہ ہوگا اور کامل طریقہ پر سنن کی ادائیگی بھی ہوجائے گی۔ **اقول**: ہدایہ کا ظاہر یہی کہ یہ ان کا مختار ہے، اس پر ملتقی، نورالایضاح، المواہب، جمعۃ الدرر اور فیض میں ہے شرنبلالیہ میں

[1] در مختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۲۰/۱

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸۰

جمعۃ الدرر والفیض وعزاہ فی الشرنبلالیۃ الی البرھان وذکر فی الفتح انہ حکی عن السغدی انہ رجع الیہ لما راہ فی النوادر عن ابی حنیفۃ وانہ مال الیہ السرخسی والبقالی وفی البزازیۃ انہ رجع الیہ القاضی النسفی و ظاھر کلام المقدسی المیل الیہ ونقل فی الحلیۃ کلام شیخہ الکمال ثم قال وھو کما قال ھذا[1] الخ فی شرح الوقایۃ اذا خرج الامام حرم الصلٰوۃ [2] وفی عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ لمولنا واستاذنا مولوی عبدالحی صاحب مرحوم ومغفور واخرج اسحق بن راھویۃ فی مسندہ عن السائب کنا نصلی فی زمن عمر یوم الجمعۃ فاذا خرج عمر وجلس علی المنبر قطعنا الصلٰوۃ[3] الخ

اسے برہان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، فتح میں ہے سغدی سے منقول ہے کہ اس کی طرف رجوع اس لئے کیا کہ نوادر میں امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے، اور اسی کی طرف سرخسی اور بقالی نے میلان کیا ہے اور بزازیہ میں ہے کہ اس کی طرف قاضی نسفی نے رجوع کیا، کلام مقدسی سے ظاہراً اسی طرف میلان معلوم ہوتا ہے، حلیہ میں کمال کا کلام نقل کر کے کہا کہ وہ اسی طرح ہے جو یہ کہا گیا ہے الخ شرح وقایہ میں ہے جب امام آجائے تو نماز حرام ہوجاتی ہے. عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جو ہمارے استاذ مولوی عبدالحی کا ہے میں لکھا ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے مسند میں حضرت سائب سے روایت کیا کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں نماز پڑھتے تھے تو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز ختم کردیتے تھے الخ (ت)

الجواب:

دونوں قول قوی و صحیح ہیں اور دونوں طرف جزم و ترجیح اور مختار فقیر قول اخیر کہ اول روایت نوادر ہے اور ثانی مفاد ظاہر الروایہ والفتوی متی اختلفت فالمصیر الی ظاھر الروایۃ (جب روایات مختلف ہوں تو ظاہر الروایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ محرر المذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا وناھیك بہ حجۃ وقدوۃ (اس میں وہی مقتدا کافی ہیں، ت) فتح القدیر میں ہے: الیہ اشار فی الاصل[4] (اسی کی طرف اصل میں اشارہ ہے۔ت) معہذا کثرت تصحیح وافتائے صریح بھی اسی

---

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۷

[2] شرح الوقایہ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۴

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۴

[4] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۳

طرف ہے:

والقاعدة ان العمل بما علیه الاکثر کما نصوا علیه فی غیر ماکتاب وبیناه فی رسالتنا بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز۔	اور یہ قاعدہ ہے کہ عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ فقہاء نے کتب میں متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تفصیل اپنے رسالے "بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز" میں دی ہے۔(ت)

قولِ اول کی ترجیح صریح کتب معتمدہ مرجحین میں کہ اس وقت فقیر کے پاس ہیں خانیہ و فتح کے سوا کسی میں نظر سے نہ گزری

اما الحلیة فقد تبعت الفتح واما المراقی فانما تبع البرھان شرح مواھب الرحمٰن بشھادۃ غنیة ذوی الاحکام واما الطرابلسی فانما اقتفی اثر الکمال کما ھودابه فی کل مقال قال الکلام الی الکمال مع ان الشرنبلالی خالف نفسه فی جمعة غنیة کما یأتی۔	حلیہ نے فتح کی اتباع کی ہے، مراقی نے غنیہ ذوی الاحکام کے بیان کے مطابق برہان شرح مواہب الرحمٰن کی اتباع کی ہے، طرابلسی نے کمال کی اقتداء کی جیسا کہ ان کا ہر جگہ یہی طریقہ ہے اور کہا کہ کلام کمال کی طرف ہی ہے باوجودیکہ شرنبلالی نے جمعہ غنیہ میں خود اپنی مخالفت کی ہے جیسا کہ آرہا ہے۔(ت)

اور قولِ اخیر کو صاحب محیط وامام عبدالرشید وامام ابو حنیفہ ولوالجی وامام علی سی بن محمد قرہ شہری صاحب مبتغی وامام ظہیر الدین مرغینانی صاحب ظہیریہ وعلامہ شمسی وصاحبِ سراج وہاج نے فرمایا: **ھو الصحیح**[1] (صحیح قول یہی ہے۔ت) امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: **ھو الاصح**[2] (اصح قول یہی ہے۔ت) درمختار میں ہے: **فی الاصح**[3] (اصح قول میں یہی ہے۔ت) متنِ تنویر میں ہے: **علی الراجح**[4] (یہ راجح قول کے مطابق ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے: **صحح المشائخ**[5] (مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) مجمع الانہر میں ہے: **صححه اکثر المشائخ**[6] (اکثر مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) اسی طرح جامع الرموز وہندیہ ونہر وغیرہا میں اس کی تصحیح وترجیح

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰
[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰
[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳
[4] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹
[5] بحر الرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۸
[6] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

مذکور یہاں تک کہ امام اجل مجہتد الفتوی حسام الدین عمر صدر شہید قدس سرہ نے فتاوٰی صغری میں فرمایا: **علیہ الفتوی**[1] (فتوٰی اسی پر ہے۔ت) شرنبلالیہ میں ہے:

اقول: الصحیح خلافه وھو انه یتم سنة الجمعة اربعاوعلیه الفتوی کما فی الصغری وھو الصحیح کما فی البحر عن الولوالجیة والمبتغی[2] الخ۔	**میں کہتا ہوں** صحیح اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار سنتیں مکمل کرے، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ صغری میں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ بحر میں ولوالجیہ اور مبتغی سے ہے الخ۔(ت)

لاجرم بحر میں قولِ اول کی نسبت فرمایا: **ھو قول ضعیف وعزاہ قاضی خاں الی النوادر**[3] (یہ ضعیف قول ہے اور قاضی خاں نے اس کی نسبت نوادر کی طرف کی ہے۔ت) رہیں روایات قطع وترک و تحریم نماز بخروج امام للخطبہ انھیں اس مبحث سے علاقہ نہیں وہ فریقین کی منصوصہ و متفق علیہا ہیں ان کے معنٰی یہ ہیں کہ خروج امام کے بعد کوئی نماز (سوائے فائتہ واجب الترتیب کے) شروع نہ کرے پہلے سے جو انتظارِ امام میں نوافل وغیرہا پڑھ رہاہے اس کا سلسلہ قطع کردے متمادی نہ رہے نہ یہ کہ جو نماز پڑھ رہاہے وہ حرام ہوگئی اسے قطع کردے نیت توڑدے یہ قطعًا باطل ہے ورنہ اگر ہنوز نیت ہی باندھی یاایک ہی رکعت پڑھی کہ امام خطبہ کے لئے خارج ہواتو فورًا نیت توڑدینا واجب ہو یہ کسی کا قول نہیں نصوص عامہ کتب مذہب اس کے بطلان پر متظافر و متواتر ہیں **کما لا یخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم**

1
2
3

رِعَایۃ المَذھَبَین فی الدّعاءِ بین الخُطبتین ۱۳۱۰ھ

(دو خطبوں کے درمیان دُعا کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۴۰۸: از کٹھور اسٹیشن سائن ضلع سورت مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربیہ ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

اس جائے پر بروز جمعہ بین الخطبتین کے جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دُعا آہستہ مانگی جاتی ہے اور بعض لوگ اس کو مکروہِ شدید وحرام وبدعتِ سیئہ وشرک قرار دے کر اس فعل کو منع کرتے ہیں، لہٰذا التماس یہ ہے کہ اس کے جوابِ باصواب سے جو دافع جدال ہو تحریر فرما کر رفعِ خصومت بین المسلمین فرمائیں۔

الجواب:

امام کے لئے تو اس دُعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، جس کے لئے نہیِ شارع نہ ہونا ہی سند کافی، ممنوع وہی ہے جسے خدا رسول منع فرمائیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بے اُن کی نہی کے ہرگز کوئی شے ممنوع نہیں ہوسکتی خصوصًا دُعا سی چیز جس کی طرف خود قرآنِ عظیم نے بکمال ترغیب وتاکید علی الاطلاق بے تحدید وتقیید بلایا اور احادیث شریفہ نے اسے عبادت ومغزِ عبادت فرمایا، پھر یہاں صحیح حدیث کا فحوی الخطاب اُس کی اجازت پر دلیل صواب کہ خود حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے کو مدینہ طیبہ پر سے کھل جانے کی دُعا مانگنا، صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حالانکہ وہ قطعِ خطبہ کو مستلزم، تو بین الخطبتین بدرجہ اولٰی جواز ثالث، لاجرم علمائے کرام نے شروح حدیث وغیرہ کتب میں صاف اُس کا جواز افادہ فرمایا، مولٰنا علی قاری مکی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی مرقاۃ شرح

مشکوٰۃ میں زیرِ حدیث یخطب ثم یجلس فلایتکلم (امام خطبہ پڑھے پھر بلا گفتگو بیٹھ جائے۔ ت) فرماتے ہیں:

لایتکلم ای حال جلوسه بغیر الذکر اوالدعاء اوالقراءۃ سرا و الاولی القراءۃ لروایۃ ابن حبان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقرأ فی جلوسه کتاب اللہ [1] الخ	نہ گفتگو کرے یعنی بیٹھنے کی حالت میں آہستہ ذکر یا قراءۃ کے علاوہ بات نہ کرے، قراءت اولٰی ہے کیونکہ ابنِ حبان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیٹھنے کی حالت میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے تھے الخ (ت)

حافظ الشان شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی فتح الباری شرح صحیح بخاری شریف میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

واستفید من هذ ان حال الجلوس بین الخطبتین لاکلام فیه لکن لیس فیه نفی ان یذکر اللہ او یدعوہ سرا [2]۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بلاکلام بیٹھنا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں کہ آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر اور دُعا بھی کی جائے۔ (ت)

علامہ زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ثم یجلس فلا یتکلم (جهرا فلا ینافی روایۃ ابن حبان انه کان یقرأ فیه ای الجلوس وقال الحافظ مفادہ [3]) الی اخر مامر۔	پھر خطیب گفتگو کے بغیر بیٹھ جائے (یعنی بلند آواز سے گفتگو نہ کرے یہ بات روایت ابن حبان کے منافی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس (جلوس) میں قراءت فرماتے ہے اور حافظ نے کہا اس کا مفاد وہ جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (ت)

بلکہ صحیح حدیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و متعدد اقوال صحابہ و تابعین کی رو سے یہ جلسہ اُن اوقات میں ہے جن میں ساعتِ اجابت جمعہ کی امید ہے، صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دربارۂ ساعتِ جمعہ فرمایا:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الخطبہ والصلوٰۃ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۲۷۰

[2] فتح الباری شرح البخاری باب القعدۃ بین الخطبتین یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثانی فی ذکر صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۷/ ۳۸۵

امام کے جلوس سے نماز ختم ہونے تک ساعت جمعہ ہے۔(ت)	ھی مابین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰۃ[1]۔

دوسری حدیث میں آیا حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا: شروع خطبہ سے ختم خطبہ تک ہے رواہ ابن عبدالبر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) انہی ابن عمر وابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ خروج امام سے ختم نماز تک ہے۔ یونہی امام عامر شعبی تابعی سے منقول رواہ ابن جریر الطبری (اسے ابن جریر طبری نے روایت کیا ہے۔ت) انھی شعبی سے دوسری روایت میں خروج امام سے ختم خطبہ تک اس کا وقت بتایا رواہ المروزی (اسے امام مروزی نے روایت کیا۔ت) اسی طرح امام حسن بصری سے مروی ہوا رواہ ابن المنذر (اسے ابن المنذر نے روایت کیا۔ت) ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اذان سے نماز تک رکھا رواہ حمید بن زنجویہ (اسے حمید بن زنجویہ نے روایت کیا۔ت) بہر حال یہ وقت بھی ان میں داخل، تو یہاں دُعا ایک خاص ترغیب شرح کی مورد خصوصًا حدیث دوم پر جبکہ کسی مطلب خاص کے لئے دُعا کرنی ہو جسے خطبہ سے مناسبت نہ ہو تو اس کے لئے یہی جلسہ بین الخطبتین کا وقت متعین بلکہ علامہ طیبّی شارح مشکوٰۃ نے بالتعیین اسی وقت کو ساعتِ اجابت بتایا اور اُسے بعض شراح مصابیح سے نقل فرمایا بلکہ خود ارشاد اقدس مابین ان یجلس الامام (امام کے بیٹھنے سے لے کر۔ت) سے یہی جسلہ مراد رکھا، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ کی ساعت کے بارے میں فرمایا کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کرنے تک ہوتی ہے، علامہ طیبّی نے جلوس سے مراد دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا لیا ہے الخ (ت)	می گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درشان ساعۃ الجمعۃ کہ آں ساعت میان نشستن امام ست بر منبر تا گزاردن نماز، طیبّی از جلوس، نشستن میان دو خطبہ مراد داشتہ[2] الخ

اس قول پر تو بالخصوص اسی وقت کی دعا شرعا اجل المندوبات واجب مرغوبات سے ہے پھر اس قدر میں اصلًا شک نہیں کہ جب بغرضِ تقویت رجاء جمع احادیث واقوال علماء چاہئے، جو امثال بابِ مثل لیلۃ القدر

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۸۱

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۵۷

وغیرہا میں ہمیشہ مسلک محققین رہا ہے، تو بقیہ اوقات کے ساتھ اس وقت بھی دعا ضرور درکار ہوگی اور اس کے نیک و مستحسن ماننے سے چارہ نہ ہوگا، لاجرم صاحب عین العلم نے کہا جو اکابر علمائے حنفیہ سے ہیں صاف تصریح فرمائی کہ اس جلسہ میں مستحب ہے، اسی طرح امام ابن المنیر نے افادہ استحسان جمع فرمایا، طرہ یہ کہ یہ قول امام ممدوح حضرات منکرین کے امام شوکانی نے نیل الاوطار شرح ملتقی الاخبار میں نقل کیا اور مقرر و مسلم رکھا

حیث قال فی عدالا قوال، الثلاثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی [1] الخ ثم قال قال ابن المنیر یحسن جمع الاقوال فتکون ساعۃ الاجابۃ واحدۃ منہا لابعینہا فیصادفہا من اجتہد فی الدعاء فی جمعیہا [2] اھ	یہاں انھوں نے تیسواں قول شمار کرتے ہوئے کہاکہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت، اسے طیّبی نے نقل کیا ہے الخ پھر کہا کہ ابن منیر نے کہا تمام اقوال احسن ہے ساعتِ قبولیت تو ایک ہی ہے اسے وہی پائے گا جو تمام وقت دعا میں رہے گا۔ (ت)

یہ حکم امام کا ہے، رہے مقتدی ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم مختلف، امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع وبعد ختم وبین الخطبتین دعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج امام سے ختم نماز تک عندالتحقیق دینی ودنیوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف وجوابِ سلام بلکہ مخل استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالٰی بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل وبعد میں امام ابویوسف کے ساتھ ہیں، درمختار میں ہے:

اذاخرج الامام من الحجرۃ والافقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلٰوۃ ولا کلام الی تمامہا ولو تسبیحا او رد سلام اوامرا بمعروف بلا فرق بین قریب وبعید وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعدھا واذاجلس، عندالثانی والخلاف فی کلام	جب امام حجرہ سے نکلے ورنہ وہ جب منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو، شرح المجمع، تو اس وقت سے اختتام تک نہ نماز ہے نہ کلام اگرچہ وہ ایک تسبیح یا سلام کا جواب یا امر بالمعروف ہو، قریب اور بعید بیٹھنے والے میں کوئی فرق نہیں، صاحبین کے نزدیک خطبہ سے پہلے اور بعد اور امام ابویوسف کے ہاں جب خطیب درمیان میں بیٹھے

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب فضل الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۷۵/۳

[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب فضل الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۷۷/۳

یتلق بالاٰخرۃ اماغیرہ فیکرہ اجماعا[1] اھ ملتقطا	گفتگو میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ اختلاف اس گفتگو کے بارے میں ہے جو آخرت سے متعلقہ ہو اس کے علاوہ گفتگو بالاتفاق مکروہ ہے۔(ت)

تحقیق یہی ہے، اگرچہ یہاں اختلاف نقول، حد اضطراب پر ہے کہ سب کو مع ترجیح و تنقیح ذکر کیجئے تو کلام طویل ہو، اس تحقیق کی بنا پر حاصل اس قدر کہ مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلاشبہ جائز کہ جب عین حالتِ خطبہ میں، وقت ذکر شریف حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دل سے حضور پر درود بھیجنا مطلوب، تو بین الخطبتین کہ امام ساکت ہے دل سے دعا بدرجہ اولٰی روا، ردالمحتار میں ہے:

اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجوز ان یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتوی رملی[2]۔	جب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مبارک ذکر آئے تو بالجہر کی بجائے دل میں درود شریف پڑھ لیا جائے، اسی پر فتوی ہے۔ رملی (ت)

اور زبان سے مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قول امام ہے، تو بیشک مذہب منقح حنفی میں مقتدیوں کو اس سے احتراز کا حکم ہے نہ کہ اس بنائے فاسد پر جو مبنائے جہالات وہابیہ ہے کہ عدمِ ورود خصوص، ورودِ عدم خصوص ہے، وہ بھی خاص حقِ جواز میں، منع کے لئے ممانعت خاصہ خدا اور رسول کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ تو محض جہل وسفہ و تحکم ہے بلکہ اس لئے کہ اذاخرج الامام فلا صلٰوۃ ولاکلام (جب امام نکل آئے تو نہ کوئی نماز ہے نہ کلام۔ت) پس غایت یہ کہ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں انھیں بتادیا جائے نہ کہ معاذاللہ بدعتی گمراہ حتی کہ بلاوجہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہرایا جائے، کیا ظلم ہے جب ان اشقاء کے نزدیک اللہ عزوجلّ کو پکارنا بھی شرک ہوا تو مگر شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین کا پکارنا توحید ہوگا حاش للہ (اللہ ہی کے لئے پاکیزگی ہے۔ت) یہ اُن بدعقلوں کی بدزبانیاں ہیں جن کا مزہ آخرت میں کھلے گا، جب لا الٰہ الا اللہ مسلمانوں کی طرف سے اُن بیباکان پُرسرف سے جھگڑنے آئے گا۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ ﴿۲۲۷﴾[3]	اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔(ت)

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

[3] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

قول ارجح ممانعت سہی پھر بھی ان دعا کرنے والوں کے لئے خود ہمارے مذہب وکتب مذہب میں متعدد راہیں تجویز واجازت کی ہیں:

اوّلاً یہی قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ جو اس ترخیص کے ساتھ اس جہالت نجدیہ کا بھی علاج کافی ہے کہ وہ اس وقت تسبیح بالتصریح جائز بتاتے ہیں حالانکہ بہ لحاظ خصوص وقت ورود اس کا بھی نہیں۔

ثانیاً بعض کے نزدیک مقتدیوں کو صرف جہر ممنوع ہے آہستہ میں حرج نہیں۔ اور اس کی تائید اس قول سے بھی مستفاد کہ عین حالتِ خطبہ میں ذکر اقدس سن آہستہ کر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا اگرچہ تحقیق وہی ہے، کہ دل سے پڑھے،

کما قدمنا عن الرملی وھو معنی مافی الدر المختار من قولہ والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند سماع اسمہ، فی نفسہ [1] اھ وان مال القہستانی الی التاویل بالاخفاء خلافا لما فی الجوھرۃ وغیرھا من الکتب المعتبرۃ قال الشامی ای بان یسمع نفسہ اویصحح الحروف فانھم فسروہ بہ وعن ابی یوسف قلبا کما فی الکرمانی قہستانی واقتصر فی الجوھرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانھا تدرك فی غیرھذا لحال والسماع یفوت [2] اھ مختصرا واما قول القہستانی انھم فسروہ بہ فانما ارادبہ دفع الاستبعاد عما اختارہ من التاویل فان ظاہر اللفظ ھوارادۃ القلب ومع ذلك ربما اطلقوہ وفسروہ بی ای بالاسرار	جیسا کہ رملی کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں، درمختار کے ان الفاظ سے بھی وہی مراد ہے کہ صواب یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر دل میں درود شریف پڑھا جائے اھ اگرچہ قہستانی کا میلان اخفاء کی طرف ہے مگر جوہرہ اور دیگر کتب معتبرہ اس کے خلاف ہیں، شامی کہتے ہیں کہ اس کا اپنا نفس سن لے یا حروف کی تصحیح ہو کیونکہ علماء نے اس کی تفسیر یوں ہی کی ہے، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دل میں پڑھے جیسا کہ کرمانی میں ہے، قہستانی نے جوہرہ میں آخری پر ہی اکتفا کیا ہے ان کے الفاظ میں اس کے ساتھ نطق نہ کرے کیونکہ اس حال کے علاوہ میں اسے پایا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ سماع فوت ہو جائیگا اھ اختصاراً۔ رہا قہستانی کا قول کہ فقہاء نے اس کی تفسیر یہی کی ہے اس سے ان کی مراد اس بُعد کو دور کرنا ہے جو ان کی اختیار کردہ تاویل

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

علی القولین فی تحدیدہ۔	میں تھا کیونکہ "فی نفسہٖ" ظاہرًا الفاظ تو ارادۂ قلب پر دال ہیں حالانکہ اس کے باوجود اس کا اطلاق کرکے اس کی تفسیر مخفی ہونے کے ساتھ کرتے ہیں، ان دونوں اقوال پر جو اس کی تعریف کے بارے میں ہیں۔(ت)

ثالثًا امام نصیر بن یحیٰی وامام محمد بن الفضل وغیرہما عین حالت خطبہ میں بعید کو کہ خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچے انصات واجب نہیں جانتے، اور امام محمد بن سلمہ بھی صرف اولٰی کہتے ہیں اگرچہ مفتی بہ اس پر بھی وجوب، تو اس جلسہ میں کہ آواز ہی نہیں بدرجہ اولٰی واجب نہ کہیں گے۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

قال فی النھایة اذا کان بحیث لایسمعھا لارو ایة فیه عن اصحابنا فی المبسوط وقد اختلف المشائخ المتاخرون فیه فعن محمد بن سلمة الانصات اولی وعن نصیر بن یحیٰی انه کان بعیدا وکان یحرك شفتیه بالقراٰن وفی العنایة ان الانصات مختار الکرخی و صاحب الھدایة وقال بعضھم قراءة القراٰن اولی وھو اختیار الفضلاء[1]۔	نہایہ میں ہے اس وقت جب ایسے مقام پر ہو کہ وہ خطبہ نہیں سن رہا، مبسوط میں ہمارے اصحاب (احناف) سے کوئی ایک روایت نہ ہے، متاخرین مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، محمد بن سلمہ کے نزدیک خاموشی اولٰی ہے، نصر بن یحیٰی کے بارے میں ہے کہ جب ہو خطیب سے دُور ہوتے تو ان کے ہونٹ تلاوتِ قرآن سے حرکت کررہے ہوتے تھے، عنایہ میں ہے خاموشی، کرخی اور صاحب ہدایہ کا مختار ہے، بعض نے فرمایا: تلاوت قرآن اولٰی ہے، فضلاء کے ہاں یہی مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فیض سے ہے: **الاحوط السکوت وبه یفتی**[2] (سکوت ہی احوط ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔ت)

رابعًا بعض علماء کا گمان ہے کہ ہمارے امام کے نزدیک بھی صرف کلامِ دنیوی ممنوع ہے دعاء وذکر مطلقًا جائز حتی کہ عین حالتِ خطبہ میں بھی، اگرچہ صواب اُس کے خلاف ہے کما تقدم عن الدر (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرا۔ت) عبدالغنی نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں:

اما تامین المؤذنین علی دعاء الخطیب والترضی عن الصحابة والدعاء للسلطان بالنصر	خطیب کی دعاء پر مؤذنین کا آمین کہنا، صحابہ کے نام سن کر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا، بادشاہ کے لئے دعا

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۰۷-۳۰۲

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶-۶۰۲

فلیس ھذا من الکلام العرفی بل ھو من قبیل التسبیح ونحوہ فلا یکرہ فی الاصح [1] الخ وبینا علی ھامشھا ان ھذا من اشتباہ عرض لہ رحمہ اللہ تعالٰی من تصحیح النھایۃ والعنایۃ بلفظ لتجویز الکلام الاخروی وانما کلامھا فیما قبل شروع الخطبۃ و بعدھا لاحالھا ثم ھو ایضالا یخلو عن نظر کما یظھر بمراجعۃ ماعلقنا علی ھامش ردالمحتار والاصح الاحوط اطلاق المنع کم افادہ الزیلعی لذالم یمش علیہ فی عامۃ الکتب المعتمدہ کالبحر والنھر والدر ورد المحتار۔	یہ کلام عرفی نہیں بلکہ از قبیل تسبیحات وغیرہ ہے لہذا اصح قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں الخ، ہم نے اس کے حاشیہ میں تحریر کیا کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کو یہ اشتباہ نہایہ اور عنایہ کی تصحیح سے عارض ہوا کیونکہ انھوں نے کلام اُخروی پر محمول کیا ہے حالانکہ ان کا کلام خطبہ سے پہلے یا بعد پر محمول ہے نہ کہ درمیان میں، پھر وہ بھی محلِ نظر ہے جیسا کہ حاشیہ ردالمحتار کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوگا اصح اور احوط مطلقًا منع ہے جیسا کہ زیلعی نے فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ عامہ کتب معتمدہ میں اس مسلک کو اختیار نہیں کیا گیا مثلًا بحر، نہر، در اور ردالمحتار (ت)

اور مذاہب دیگر پر نظر کیجئے تو حد درجہ کی توسیعیں ہیں حتّی کہ محیط میں تو یہاں تک منقول کہ:

من العلماء من قال السکوت علی القوم کان لازما فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الیوم فغیر لازم [2] اھ ونقلہ عنہ القھستانی۔	بعض علماء نے کہا کہ لوگوں پر سکوت رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لازم تھا اب لازم نہیں رہا اھ اسے قہستانی نے نقل کیا ہے۔(ت)

علمائے محتاطین تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں انکار بھی ضروری و واجب نہیں جانتے نہ کہ عیاذًا باللہ نوبت تا بہ تضلیل واکفار۔ سیدی عارف باللہ محقق نابلسی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

ان المسئلۃ الواقعۃ کما ھی الاٰن فی جوامع بلادنا وغیرہ یوم الجمعۃ من الموذنین متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال	مسئلہ درپیش جیسا کہ اب ہمارے شہر کی جامع مساجد میں مؤذنین جمعہ کے دن (امام کی دعا پر آمین) کہتے ہیں اس کی تخریج و ثبوت ہمارے مذہب

---

[1] حدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ ۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۰۹۔۳۰۳

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۷۔۲۶۲

فی مذہبنا او مذہب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمته والنھی عنه[1]۔	یا دوسرے مسلک میں ممکن ہے، تو یہ ایسا ناجائز نہیں کہ اس کا انکار اور اس سے منع لازم ہو، منکر تو وہ ہوتا ہے جس کی حرمت اور ممانعت پر اجماع ہو۔(ت)

بالجملہ مقتدیوں کا یہ فعل تو علی الاختلاف ممنوع مگر مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک بدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی تو یہ حضرات مانعین خود اپنی خبر لیں اور امام کے لئے تو اس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، ہاں خوف مفسدۂ اعتقاد عوام ہو تو التزام نہ کرے، فقیر غفراللہ تعالٰی اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اخلاص کبھی درود پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا کہ مقتدی دیکھ کر خود بھی مشغول بدعانہ ہوں، مگر معاذ اللہ ایسا ناپاک تشدد شرع کبھی روا نہیں فرماتی، مولٰی تعالٰی ہدایت بخشے آمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۴۰۹: از ہیل کتور ضلع اوٹکنڈ مکان سومار سیٹھ صاحب مرسلہ سید حیدر شاہ صاحب ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

جناب فیض مآب جامع علوم نقلیہ وحاوی فنون عقلیہ علامۂ دہر فہامۂ عصر مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہ، ادائے آداب کے بعد بندہ حیدر شاہ عرض رساں ہے کہ ایک مسئلہ کی ضرورت ہے چونکہ آپ مشاہیر علمائے انام سے ہیں اور آپ کے اخلاق واوصاف بے نہایت ہیں اور بہت لوگوں سے سنا ہے کہ آپ حنفی المذہب سنی المشرب ہیں ونیز جوابِ سوال جلد ترسیل فرماتے ہیں، لہٰذا التماس خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ احقر کو جواب سے سرفراز فرمائیں، مذہب حنفی وشافعی میں بین الخطبتین ہاتھ اٹھاکے دعا مانگنی مشروع ومسنون ہے یا نہیں؟ مترجم اردو الدرالمختار، ایک جگہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ بریلی کے علماء سے اسی مسئلہ میں استفتاء طلب کیا گیا تھا چنانچہ وہاں علماء کا فتوی یہی ہوا کہ ہاتھ اٹھاکے دعا مانگنی بین الخطبتین بدعت سیئہ وغیر مشروع ہے، پس آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط چونکہ آپ متوطن بریلی کے ہیں آپ کو حقیقت اس کی کماینبغی معلوم ہوگی پس آپ اطلاع دیجئے کہ مترجم نے ٹھیک لکھا ہے یا محض دھوکا دہئ عوام الناس ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

مسنونیت مصطلحہ کہ تارک، مستوجب عتابِ الٰہی یا آثم ومستحق عذاب الٰہی ہو والعیاذ باللہ یہ نہ کسی کا

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

مذہب نہ دُعا کرنے والوں میں کوئی ذی فہم اس کا قائل بلکہ وقت مرجوالاجابۃ جان کر دُعا کرتے ہیں اور بیشک وہ ایسا ہی ہے اور دعا مغزِ عبادت وانحائے ذکرالٰہی عزوجل سے ہے جس کی تکثیر پر بلاتقیید وتحدید نصوص قرآن عظیم واحادیث متواترہ نبی رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم ناطق اورہاتھ اٹھانا حسبِ تصریح احادیث وتظافرارشادات علمائے قدیم وحدیث سُنن و آدابِ دُعا سے ہے خطیب کے لئے اُس کی اجازت ومشروعیت تو باتفاق مذہبین حنفی وشافعی ہے یونہی سامعین کے لئے جبکہ دُعا دل سے ہو نہ زبان سے اور سامعین کا اُس وقت زبان سے دُعا مانگنا جس طرح ان بلاد میں مروج ومعمولی ہے، مذہبِ شافعیہ میں تواُس کی اجازت ومشروعیت ظاہر کہ ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی میں خطبہ ہوتے وقت بھی کلام سامعین ناجائز وحرام نہیں جانتے صرف مکروہ مانتے ہیں اور کراہت کلام شافعیہ میں جب مطلق بولی جاتی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہوتی ہے بخلاف کلمات ائمتنا الحنفیہ رحمھم اللہ تعالٰی فان غالب محملھا بھا مطلقۃ فیھا کراھۃ التحریم (بخلاف ہمارے ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالٰی کی عبارات کے کیونکہ ان میں غالب یہی ہے کہ مطلقًا کراہت مکروہ تحریمی ہے۔ت) علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ آذات الید مسئلۃ الشطرنج میں فرماتے ہیں:

الکراہۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیھیۃ لا التحریمیۃ بخلاف مذہبنا[1]۔	شوافع کے نزدیک مطلقًا کراہت کااطلاق مکروہ تنزیہی پر ہوتا ہے نہ کہ تحریمی پر۔بخلاف ہمارے مذہب کے (اس میں تحریمی پر ہے)۔(ت)

اور سکوتِ خطیب کے وقت جیسے قبل وبعد خطبہ وبین الخطبتین اصلًا کراہت بھی نہیں مانتے۔امام ابویوسف اردبیلی شافعی کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

لایجب الاستماع وھو شغل السمع بالسماع[2]۔	استماع واجب نہیں اور استماع سے مراد کانوں کو سماع میں مشغول کرنا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایحرم الکلام حال الخطبۃ لاعلی الخطیب ولا علی الماموین السامعین وغیر ھم	خطبہ کے دوران کلام حرام نہیں نہ خطبہ پر نہ مقتدیوں پر،ہاں بغیر غرض کے مکروہ ہے،مثلا

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۴۴۰

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیہ مصر ۱ /۱۰۱

لکن یکرہ الا لغرض مھم کاندارمن یقع فی بئراو عقرب ویتعلم خیرا اونھی عن شیئ [1]۔	کنویں میں گرنے والے کو متنبہ کرنا یا بچھو سے بچانا یا خیر کا حکم دینااور برائی سے روکنا جائز ہے (ت)

اسی میں ہے:

لایکرہ الکلام حال الاذان ولابین الخطبتین ولابین الخطبۃ والصلٰوۃ [2]۔	اذان، دونوں خطبوں کے درمیان اور خطبہ اور نماز کے درمیان کلام مکروہ نہیں۔(ت)

علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکی فتح المعین بشرح قرۃ العین میں فرماتے ہیں:

یکرہ الکلام ولایحرم حالۃ الخطبۃلا قبلھا ولو بعد الجلوس علی المنبر ولابعدھا ولابین الخطبتین ویسن تشمیت العاطس والردعلیہ ورفع الصوت من غیر مبالغۃ بالصلٰوۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ذکر الخطیب اسمہ او وصفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال شیخنا ولا یبعد ندب الترضی عن الصحابۃ بلارفع صوت وکذا التامین لدعاء الخطیب [3] اھ مختصرا۔	دورانِ خطبہ کلام مکروہ ہے، خطبہ سے پہلے اگرچہ خطیب منبر پر بیٹھ چکاہو اور دو خطبوں کے درمیان کلام حرام نہیں ہے، چھینک مارنے والے کا جواب دینا اور اس کے بدلہ میں دعا دینا سنت ہے اور جب خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم یا وصف ذکر کرے تو صلٰوۃ وسلام عرض کیا جاسکتا ہے البتہ آواز بلند نہ کی جائے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صحابہ کے نام پر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دعاء خطیب کے وقت آمین آواز بلند کئے بغیر کہنا مستحب ہونا بعید نہیں اھ اختصارًا (ت)

یونہی مذہب حنفی میں امام ثانی قاضی ربانی سیدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی مطلقًا جواز ہے، اوقات ثلثہ غیر حال خطبہ یعنی قبل وبعد دعابین خطبتین میں اگرچہ کلامِ دنیوی منع فرماتے ہیں مگر کلام دینی مثل ذکر وتسبیح مطلقًا جائز رکھتے ہیں، اورپُرظاہر دُعا خاص کلامِ دینی عبادت الٰہی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

اذا خرج الامام فلاصلٰوۃ ولاکلام وھو قول	جب امام آجائے تو کوئی کلام ونماز نہیں، اور یہی

[1] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/ ۱۰۱

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/ ۱۰۱

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین فصل فی صلوۃ الجمعۃ عامر الاسلام پور پریس ترونگاری انڈیا ص ۱۴۶

الامام وقال ابویوسف ومحمد لا باس بالکلام اذاخرج قبل یخطب واذانزل قبل ان یکبر واختلفا فی جلوسه اذا سکت فعند ابی یوسف یباح لان الکراهة للاخلال بغرض الاستماع ولااستماع ، وله اطلاق الامر [1] اھ ببعض اختصار۔	امام کا قول ہے، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کہتے ہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح جب امام منبر سے اترے اور تکبیر سے پہلے بھی گفتگو میں کوئی حرج نہیں، جب منبر پر خطیب خاموش بیٹھا ہو تو اس وقت ان میں اختلاف ہے امام ابویوسف کے نزدیک مباح ہے کیونکہ کراہت کی وجہ خطبہ سننے میں خلل کا واقع ہونا ہے اور یہاں استماع نہیں ہے ان کی دلیل امر کا اطلاق ہے اھ مختصراً (ت)

صاحبِ مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ خروج امام سے فراغِ نماز تک کلام سے ممانعت فرمائی، مشائخ مذہب اس سے مراد میں مختلف ہوئے اور تصحیح بھی مختلف آئی، بعض فرماتے ہیں مرادِ امام صرف دنیوی کلام ہے، اوقاتِ ثلٰثہ میں دینی کی اجازت عام ہے، نہایہ وعنایہ میں اسی کو اصح کہا، ایسا ہی فخر الاسلام نے مبسوط میں فرمایا، مشائخ کرام نے مطلق مراد لیا، امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کو احوط کہا۔

قلت واطلاقات المتون واکثر الکتب علیه ماشیة وعامة التفاریع عنه ناشیة کما یظهر بمراجعة ما علقنا علی ردالمحتار فهو اصح التصحیحین فیما اعلم کیف لاوقد صرح المحققون ان الدنیوی مکروہ اجماعا فلو لم ینهی الامام الاعنه لارتفع الخلاف مع ان الکتب المعتمدة عن اٰخرها متظافرة علی اثباته۔	میں کہتا ہوں کہ متون کے اطلاقات پر اور اکثر کتب اسی پر جاری ہیں اور عام تفریعات اس سے مستخرج ہیں جیسا کہ ہمارے حاشیہ ردالمحتار سے ظاہر ہے اور میرے علم کے مطابق دونوں تصحیحوں میں یہ اصح ہے اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ کلامِ دنیوی بالاتفاق مکروہ ہے، اور اگر امام نے اس سے ہی منع کیا ہے تو اب اختلاف مرتفع ہوجائے گا حالانکہ تمام کتب اس اختلاف کے ثبوت سے مالا مال ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں زیرِ قولِ مصنف اذاخرج الامام فلاصلٰوۃ ولاکلام (جب امام آجائے تو

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

کوئی نماز اور کلام نہیں۔ت) ہے:

اطلق فی منع الکلام فشمل التسبیح والذکر والقراءۃ وفی النھایۃ اختلف المشائخ علی قول ابی حنیفہ قال بعضھم انما کان یکرہ ماکان من کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلاوقال بعضھم کل ذلك مکروہ والاول اصح اھ وکذا فی العنایۃ وذکر الشارح ان الاحوط الانصات اھ ویجب ان یکون محل الاختلف قبل شروعہ فی الخطبۃ ویدل علیہ قولہ "علی قول ابی حنیفۃ" و اماوقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریما ولوکان امرا بمعروف اوتسبیحا اوغیرہ کما صرح بہ فی الخلاصۃ وغیرھا[1] انتھی باختصار	منع کلام مطلقًا کہا، لہذا یہ تسبیح، ذکر اور قراءت کو بھی شامل ہوگا، نہایہ میں ہے کہ مشائخ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر اختلاف کیا ہے بعض نے کہا یہاں وہی گفتگو مکروہ ہے جو لوگوں کی (دنیوی گفتگو) ہو، رہی تسبیح وغیرہ تو وہ مکروہ نہیں، بعض نے کہا کہ یہ تمام مکروہ ہے اور پہلا اصح ہے اھ عنایہ میں بھی اسی طرح ہے، شارح نے ذکر کیا کہ احوط خاموش ہونا ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل اختلاف خطبہ میں شروع ہونے سے پہلے ہو اور اس پر اس کے یہ الفاظ کہ "ابو حنیفہ کے قول پر" دلالت کررہے اور خطبہ کے وقت کلام مکروہ تحریمی ہے خواہ امر بالمعروف یا تسبیح یا اس کی مثل ہو جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس پر تصریح ہے، انتہی باختصار (ت)

طحطاوی وردالمحتار مبحث الفاظ افتا میں ہے:

قولہ وغیرھا کالاحوط والاظھر[2]۔	اس کا قول "اس کے علاوہ الفاظ "مثلًا احوط واظہر ہیں۔(ت)

درمختار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

بعض الالفاظ اٰکد من بعض فلفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح والاحوط اٰکدمن الاحتیاط[3] اھ مختصرا۔	بعض الفاظ بعض کی نسبت زیادہ موکد ہوتے ہیں لفظِ فتوی، لفظ صحیح سے اور احوط، احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے اھ مختصرًا (ت)

[1] بحرالرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۸

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

بالجملہ خلاصہ کلام یہ کہ دعائے مذکور خطیب کے لئے مطلقًا اور سامعین کے لئے دل میں بالاتفاق جائز مذہب امام شافعی و قول امام ابی یوسف پر اُن کے لئے زبان سے بھی قطعًا اجازت اور ارشاد امام کی ایک تخریج پر مکروہ دوسری پر جائز، ائمہ فتوی نے دونوں کی تصحیح کی تو احدا لصحیحین پر دُعائے مذکور امام و مقتدین سب کو دل وزبان ہر طرح سے باتفاق مذہبین حنفی وشافعی، مطلقًا جائز ومشروع، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب ترجیح مختلف متکافی ہو تو مکلّف کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے اصلًا محلِ اعتراض وانکار نہیں، بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں ہے:

متی کان فی المسئلة قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما[1]۔	جب مسئلہ میں دو اقوال صحیحہ ہوں تو ان میں سے ایک پر فتوی اور قضاء جائز ہوتی ہے۔(ت)

ولہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی بآنکہ یہاں تصحیح تبیین کوارجح جانتا ہے ہمیشہ سامعین کو بین الخطبتین دعا کرتے دیکھا اور کبھی منع وانکار نہیں کرتا ہے **ھذا جملة القول فی ھذا الباب والتفصیل فی فتاوٰنا بعون الوھاب** (اس مسئلہ میں یہ گفتگو کا خلاصہ ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالٰی کی اعانت سے ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) رہی مترجم درمختار کی علمائے بریلی سے وہ نقل معلوم نہیں کہ اس نے اپنے زعم میں علمائے بریلی سے کون لوگ مراد لئے، اُس کے زمانے میں ان اقطار کے اعلم علماء کہ اپنے عصر ومصر میں حقیقةً صرف وہی عالم دین کے مصداق تھے یعنی خاتمة المحققین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد، فقیر برسوں جمعات میں اقتدائے حضرت والا سے مشرف ہُوا حضرت ممدوح قدس سرہ، جلسہ، بین الخطبتین میں دُعا فرمایا کرتے اور سامعین کو دعا کرتے دیکھ کر کبھی انکار نہ فرماتے اور مترجم کے زمانے سے پہلے بریلی میں اس امر کا استفتا ہوا، مولٰنا احمد حسین مرحوم تلمیذ اعلحضرت سیّد العلماسند العرفا مولٰنا الجد قدس سرہ الامجد نے جواز مشروعیت پر فتوی دیا اعلحضرت نوراللہ مرقدہ الشریف وفاضل اجل مولٰنا سیّد یعقوب علی صاحب رضوی بریلوی ومولوی سیّد محمود علی صاحب بریلوی وغیرہم علمائے کرام نے اُس پر مہریں فرمائیں یہ فتوی مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی مسمّی بمفید المسلمین میں مندرج ومشمول اور اطمینان سائل کے لئے یہاں منقول:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بیٹھنا امام کو بعد قراءت خطبہ پہلے کے سنت ہے یا نہیں؟ اور خطیب کس قدر جلسہ میں توقف کرے اور یہ او قاتوں

[1] درمختار خطبة الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴

قبولیت دعا سے ہے یا نہیں؟ اور دُعا مانگنا ہاتھ اُٹھا کے مستحسن ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بیٹھنا خطیب کا درمیان دونوں خطبوں کے سنت ہے، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں باب القعدہ بین الخطبتین یوم الجمعہ میں مرقوم ہے:

حدثنا مسدد ثنا بشر بن المفضل ثنا عبید الله عن نافع عن عبد الله بن عمر، قال کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یخطب خطبتین یقعد بینهما[1]۔	مسدد نے ہمیں اور انھیں بشر بن مفضل نے انھیں نافع نے انھیں عبداللہ بن عمر نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے۔(ت)

اور اس بیٹھنے کو سنت بمقدار تین آیات عالمگیری میں بالتصریح بیان کیا ہے:

والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین هکذا فی البحر الرائق ومقدار الجلوس بینهما مقدار ثلث اٰیات فی ظاهر الروایة هکذا فی السراج الوهاج[2]۔	پندرھویں سنت دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہے، اسی طرح بحرالرائق میں ہے، ان کے درمیان بیٹھنے کی مقدار ظاہر الروایۃ کے مطابق تین آیات کی تلاوت کی مقدار ہے۔ ایسے ہی سراج الوہاج میں ہے۔(ت)

اور بیچ حصن حصین کے ایک اوقاتِ قبول دعا سے مابین الخطبتین ہے اور بیچ ظفر جلیل شرح حصن حصین کے اُس وقت مانگنا دُعا کا طیبی سے نقل کیا:

وساعة الجمعة ارجی ذلك و وقتها مابین ان یجلس الامام فی الخطبة الی ان تنقضی الصلٰوة[3] م د۔	اور ساعت جمعہ کی بہت امید والی ان وقتوں کی ہے یعنی سب وقتوں میں سے ساعتِ جمعہ میں امید قوی ہے قبولیت کی، اور وقت ساعت جمعہ کا ہے مابین بیٹھنے امام کے سے منبر پر، خطبہ کے لئے تمام ہونے نماز تک، نقل کی یہ مسلم اور ابوداؤد نے۔(ت)

ظاہر تر یہ ہے کہ مراد بیٹھنے امام کے سے بیٹھنا امام کا ہے اول شروع خطبہ کے، اور وہی وقت حرمتِ کلام کا ہے غیر امام کو، کذا قال العلی (جیسا کہ علی نے بیان کیا۔ت) اور طیبی نے بیٹھنے سے

---

[1] صحیح البخاری باب القعدہ بین الخطبتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷

[2] فتاوی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[3] حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۲۱

بیٹھنا درمیان دونوں خطبوں کے مراد رکھا ہے، اور ایک روایت میں ساعت جمعہ کی یہ ہے انتہی، اور بھی صاحب فتح الباری نے اُن تمام اوقات اجابتِ دُعا سے ایک جلسہ امام کو درمیان خطبتین فرمایا ہے:

حیث قال الثلٰثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی عن بعض شراح المصابیح[1]۔	ان کے الفاظ میں تیسواں مقام دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا وقت ہے، اسی طیبی نے بعض شارحین مصابیح سے نقل کیا ہے۔(ت)

اور بھی شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کتنے اوقات اجابت دعا سے شمار فرمائے ہیں ایک اُن میں سے جلسہ کرنے خطیب کو درمیان خطبتین تحریر کیا،

العاشر ما بین خروج الامام الی ان تقام الصلٰوۃ الحادی عشر مابین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان تقضی الصلٰوۃ الثانی عشرمابین اول الخطبۃ والفراغ منہا الثالث عشر عند الجلوس بین الخطبتین[2]۔	دسواں امام کے نکلنے اور اقامتِ نماز تک ہے، گیارھواں امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک ہے، بارھواں شروع خطبہ سے لے کر اس سے فراغت تک ہے، تیرھواں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت ہے۔(ت)

اور وقت جلسۂ خطیب کے کلام کرنا نزدیک امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے درست ہے تاتارخانیہ میں نقلاً عن العتابیہ مرقوم ہے:

ولوسکت الخطیب حین جلس ساعۃ قال ابو یوسف یباح لہ التکلم فی تلك الساعۃ[3]۔	امام منبر پر بیٹھ کر ایک ساعت خاموش رہا تو امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس وقت گفتگو مباح ہے۔(ت)

اور درمختار میں مثل اسکے مرقوم ہے، اور صحیح بخاری شریف میں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ہے بیچ باب رفع الیدین فی الخطبہ کے عین حالت خطبہ میں دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول، اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز جمعہ کے خطبہ فرماتے تھے کہ ایک شخص آیا پس کہا اے

---

[1] فتح الباری باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۷

[2] حرز ثمین شرح حصن حصین للسیوطی

[3] فتاوٰی تاتارخانیۃ کتاب الصلٰوۃ، شرائط الجمعۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی ۲ /۶۹

رسول اللہ کے ! ہلاک ہوئے جاتے ہیں چار پائے اور ہلاک ہوئے جاتے ہیں شاۃ (بکریاں) پس دعا فرماؤ اللہ سے یہ کہ تر کرے ہم کو، پس دراز کئے آپ نے ہاتھ مبارک اپنے اور درخواست دعا کی کی:

حدثنا مسدد ثنا حماد بن زید عن عبدالعزیز عن انس وعن یونس عن ثابت عن انس قال بینما النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ اذقام رجل فقال یارسول اللہ ھلك الکراع وھلك الشاۃ فادع اللہ ان یسقینا فمد یدیہ ودعا[1]۔	ہمیں مسدد نے انھیں حماد بن زید نے انھیں عبدالعزیز نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور یونس سے ثابت نے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ہم حاضر تھے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ! چار پائے ہلاک ہورہے ہیں بکریاں ہلاک ہورہی ہیں اللہ تعالٰی سے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالٰی ہمیں بارش عطافرمائے تو آپ نے اللہ تعالٰی کے حضور ہاتھ پھیلادئے اور دعا کی۔(ت)

جبکہ کلام کرنا اس وقت میں کلام مجتہد سے ثابت ہو اور دعا مانگنا دُعا کا عین حالتِ خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت اور متحقق ہے، پس مانگنا دُعا کا افضل العبادات سے ہے نزدیک حق تعالٰی جل وعلاکے، اور وہ وقت قبولیت دعا کا ہے موافق مرقومہ بالاکے اور اکثر روایات معتبرہ کے، اور مانع کلام وغیرہ کا پڑھنا خطیب کا تھاوہ بھی اُس وقت میں نہیں ہے کمال مستحسن ہوگا، اور بھی بیچ مفتاح الصلٰوۃ کے دعا مانگنا ہاتھ اٹھاکے درست فرمایا اور مقدار جلسہ کی بقدر سہ (۳) آیات کے مجتبٰی سے اور سند اجابت دعا کی صحیح مسلم وشارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ساتھ لفظ صواب کے نقل کی، مفتاح الصلٰوۃ میں مرقوم ہے:

درمیان دوخطبہ کہ امام بنشیند دعا بطریق اولٰی جائز خواہد بود علی الخصوص دراحادیث آمدہ کہ ساعۃ الاجابۃ مابین ان یجلس الامام فی الخطبۃ الی ان تنقضی الصلٰوۃ کما صح فی صحیح مسلم وجزم الامام النووی فی شرح مسلم وقال ھو الصواب پس باید	دو خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت دُعا کرنا خصوصًا بطریقِ اولٰی جائز ہونی چاہئے کیونکہ احادیث میں آیاہے کہ قبولیت کی ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا یہی

[1] صحیح البخاری باب رفع الیدین فی الخطبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۷

صواب ہے لہٰذا امام کے بیٹھنے کے وقت، جو ظاہر الروایۃ کے مطابق تین ۳ آیات کی مقدار ہے جیسا کہ مجتبٰی وغیرہ میں ہے، یہ دعا پڑھ لی جائے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بہتری اور نیکی عطافرما اور آخرت میں بھی بہتری عطافرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے تاکہ ظاہر الروایت اور احادیث صحیحہ پر عمل ہو جائے اور اگر دعا میں ہاتھ اٹھائے تو یہ بھی اس طریقہ دعا کے موافق ہے جو احادیث میں آیا ہے اور اسلاف کا بھی عمل ہے۔(ت)	کہ در وقت جلوس کہ در ظاہر الروایۃ مقدار سہ ۳ آیت وارد ست کما فی المجتبی وغیرہ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار خواند کہ عمل بر ظاہر الروایہ واحادیث صحیحہ واقع گردد واگر دست برداشتہ بخواند موافق طریقۂ دعا کہ دراحادیث ست واقع گردد و عمل بزرگان نیز ہست [1]۔

اور ایسا ہی بیچ فتوح الاوراد کے مرقوم ہے اور بیچ حصن حصین کے ایک آداب دعا میں رفع یدین کو بسندِ حدیث تحریر کیا ہے، ورفعھما ع وان یکون رفعھما حذوالمنکیبین [2] دامس، یعنی آدابِ دعا سے ہے اُٹھانا دونوں ہاتھوں کا طرف آسمان کے، نقل کی یہ صحاح ستّہ میں، اور یہ کہ ہووے ہاتھ اٹھانا برابر مونڈھوں کے، نقل کی سنن ابوداؤد واحمد وحاکم نے اس سے خوب واضح ہوا کہ دعا مانگنا ساتھ رفع یدین کے چاہئے، البتہ خالی ہاتھ اٹھانا بغیر دُعا کے عبث اور بے فائدہ ہے اور یہ بھی واضح و لائح ہُوا کہ دعا مانگنا اور ہاتھ نہ اٹھانا، آداب دعا کے، سے دور ہونا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احمد حسین بیگ غفراللہ لہ۔ محمد رضا علی خاں۔ سید یعقوب علی رضوی، خویدیم اطلبہ سید محمود علی سیّد محمد ذاکر عفی عنہ علمائے بریلی رحمہم اللہ تعالٰی کا فتوی یہ ہے اور عمل وہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۴۱۰: اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جمعہ میں کوئی سورہ کلام مجید کی

[1] مفتاح الصلٰوۃ

[2] حصن حصین آداب الدعاء مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۷

چھوٹی پڑھی جائے یا بڑی، اور چھوٹی پڑھی جائے تو کس قدر اور بڑی پڑھی جائے تو کس قدر، بدیں وجہ کہ مسجد کی یہ حالت ہے کہ کچھ نمازی اندر سایہ کے اور کچھ باہر فرش پر جہاں بالکل دُھوپ اور فرش بھی گرم ہوتا ہے۔

الجواب:

جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ، دوسری رکعت میں سورہ منافقون، اور کبھی پہلی میں **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ ①** [1] اور دوسری میں **هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ①** [2] ثابت ہے، اور حسبِ حاجت و مصلحت کمی بیشی کا اختیار ہے، اور اگر مقتدیوں پر تکلیف و ناگواری ہو تو اختصار لازم ہے مگر حتی الامکان قدرِ مسنون سے کمی نہ کرے کہ قدرِ مسنون کا محض کسل کی وجہ سے ناگوار ہونا ان کا قصور ہے جس میں نہ وُہ مستحق رعایت نہ اُس کے سبب ترک سنّت کی اجازت، ہاں اگر مثلاً کوئی مریض یا ضعیف ایسا ہو کہ بقدر سنت پڑھنا بھی اُس کے لئے باعثِ تکلیف ہوگا تو اُس کی رعایت واجب ہے اگرچہ نمازِ جمعہ کوثر و اخلاص سے پڑھانا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۸۷/ ۱

[2] القرآن ۸۸/۱

اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة ۱۳۲۰ھ

(اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۴۱۱: از ملک بنگالہ موضع شاکوچپل ضلع سہلٹ ڈاکخانہ جگدیش پور مرسلہ مولوی ممتاز الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان، مسجد کے اندر دینا کیسا ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ اذان، مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا مسجد کے، اور برتقدیر اول بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں یہ بلا کراہت سب علماء کے نزدیک جائز ہے اور سلف صالحین سے لے کر اس زمانہ تک کل امصار و دیار میں اسی طریقہ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری ودائر ہے، شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے کہے، ہدایہ میں ہے منبر کے سامنے کہے، اور اسی پر علما کا عمل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا مگر یہ اذان، اور در مختار میں ہے خطیب کے سامنے کہے، ان عبارات سے ہویدا ہُوا کہ روبرو خطیب کے مسجد کے اندر کہے اور باہر مسجد یا صحن مسجد میں کھڑا ہو کر اذان کہنا خلاف کُتبِ فقہ وسلف صالحین کا ہے انتہی، اور بعض لوگ کہتے ہیں جمعے کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہو کر مکروہ نہیں ہے، اگرچہ جہاں تک اطلاق بین یدیہ آتا ہے

سب جگہ درست ہے انتہی، ان میں کون سا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

ہمارے علمائے کرام نے فتاوٰی قاضی خان وفتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر و نظم و شرح نقایہ برجندی و بحر الرائق و فتاوٰی ہندیہ وطحطاوی و علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے فتاوٰی خانیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنة اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد[1]۔	یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہئے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔

بعینہٖ یہی عبارت فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الاقامة فی المسجد لابد واماالاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالو لایؤذن فی المسجد[2]۔	یعنی تکبیر توضرور مسجد میں ہوگی، رہی اذان وہ منارے پر ہو۔ منارہ نہ ہو تو بیرونِ مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو۔ علمافرماتے ہیں مسجد میں اذان نہ ہو۔

نیز خود باب الجمعہ میں فرمایا:

هوذکرالله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله[3]۔	وُہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حوالیِ مسجد کے اندر، اس لئے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔

شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبد العلی میں ہے:

فی ایرادالمئذنة اشعاربان السنة فی الاذان ان یکون فی موضع عال بخلاف الاقامة فان السنة فیها ان تکون فی الارض وایضافیه اشعاربانه لایؤذن فی المسجد فقد ذکرفی الخلاصة انه ینبغی الخ[4]۔اھ	یعنی صدر الشریعۃ قدس سرہ، نے اذان کے لئے منارے کا جو ذکر فرمایا اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ اذان میں سنّت یہ ہے کہ بلند جگہ پر ہو بخلاف تکبیر کہ اس میں سنت یہ ہے کہ زمین پر ہو، نیز اس میں تنبیہ ہے، کہ اس مسجد میں نہ دی جائے، خلاصہ میں اس کی ممانعت کی تصریح ہے الخ اھ باختصار۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں مسائل الاذان مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۳۷

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[3] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

[4] شرح النقایہ للبرجندی باب الاذان مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۸۴

بحر الرائق میں ہے:

فی القنیۃ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض وفی المغرب اختلاف المشائخ اھ والظاھر انہ یسن المکان العالی فی اذان المغرب کما سیأتی وفی السراج الوھاج ینبغی ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران وفی الخلاصۃ ولایؤذن فی المسجد [1] اھ مختصرا۔	یعنی قنیہ میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین پر ہونا سنّت ہے اور مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے وُہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی پر ہونا سنّت ہے اور سراج الوہاج میں ہے اذان وہاں ہونی چاہئے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے، اور خلاصہ میں فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دے اھ مختصرا۔

اسی میں بعد چند ورق کے ہے:

السنۃ ان یکون الاذان فی المنارۃ والاقامۃ فی المسجد [2]۔	سنّت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم، فان لم یکن ثمہ مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح [3]۔	یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلاقید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا، رہا لفظ **بین یدی الامام** (امام کے سامنے۔ت) یا **بین یدی المنبر** (منبر کے سامنے۔ت) سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے، ان عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے مواجہہ میں ہو، اس سے یہ کہاں کہ امام کی گود میں منبر کی کگر پر ہو جس سے داخلِ مسجد ہونا استنباط

---

[1] بحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

[2] بحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

کیا جائے بین یدی (یعنی سامنے۔ت) سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے جو وقت طلوع مواجہہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہے گا کہ آفتاب میرے سامنے ہے۔ یا فارسی میں مہر روبروئے من است (سورج میرے چہرے کے سامنے ہے۔ت) یا عربی میں الشّمس بین یدی (سورج میرے سامنے ہے۔ت) حالانکہ آفتاب اس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے، اللہ عزّوجل فرماتا ہے: یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ[1] اللہ سبحانہ، جانتا ہے جو کچھ اس کے سامنے ہے یعنی آگے آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی و مستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اُس میں داخل ہے۔ یونہی ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا:

لَهٗ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَاخَلْفَنَا وَمَابَیْنَ ذٰلِكَ ۚ[2]۔	باللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔

تمام ماضی و مستقبل وحال سب کو شامل ہے، ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظرِ قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہر شَے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو، قال اللہ تعالٰی:

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ[3] الآیۃ۔	اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتیں بارانِ رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب انہوں نے اُبھارے بوجھل بادل، ہم نے اس رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اتارا اُس سے پانی۔

بین یدی (یعنی آگے۔ت) نے قربِ مطر کی طرف اشارہ فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اُترے بلکہ چلیں اور بادل اُٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے۔ وقال اللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا):

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾[4]۔	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے نہیں جیسا کہ اے کافرو! تم گمان کرتے ہو وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔

آیت نے قربِ قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، پھر اُس کا قرب اُسکے لائق ہے۔

---

[1] القرآن ۲۰/۱۱۰

[2] القرآن ۱۹/۶۴

[3] القرآن ۷/۵۷

[4] القرآن ۳۴/۴۶

تیرہ سو تینتالیس ۱۳۴۳ برس گزر گئے ہنوز وقت باقی ہے پس جو اذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذاتِ امام میں دی جائے اُس پر ضرور بین یدیہ (اس کے روبرو۔ت) صادق ہے بلاشبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوئی، اور اسی قدر درکار ہے، غالبًا خود مستدلین کو معلوم تھا کہ قریبِ مسجد، بیرونِ مسجد، مواجہہ امام ک و بھی بین یدیہ شامل ہے ولہٰذا روبر خطیب کہنے کے بعد، ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ مسجد کے اندر مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوئے۔ شامی وہدایہ ودر مختار وغیرہ وغیرہا میں کہیں اس کی بُو بھی نہیں۔ اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی روشن ہو جائیں اور اس ادعائے توارث کا حال بھی کھل جائے، سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے:

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر[1]۔	نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت وخلفائے راشدین کے کیا متوارث ہے، ہاں یہ کہئے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحات فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدیہ وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ یہاں اس سنّت کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کی مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی **ذلك فضل اللہ یوتیہ من**

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

یشاء واللہ ذوالفضل العظیم والحمدللہ رب العٰلمین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت) بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ اتنا سمجھے بین یدیہ سے داخل مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علماء یہ ادعاء نہ ہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں ۱۳۰۲ہجری میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ عالیا حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ بریلی سے شدالرحال کرکے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کردیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلا تعارف نہ ہوا ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا، کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خان، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لئے، کہا ہم ان کو نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلٰی ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعاعلیہ گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑے ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر، کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کرلیا ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے)

الحمدللہ حق واضح ہوگیا۔

اقول: وباللہ التوفیق یہاں دو۲ نکتے اور قابل لحاظ وغور ہیں:

اول اگر بانیِ مسجد نے مسجد بناتے وقت تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے، اور اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہ ہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاً جائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محلِ معین بانی نے وضو کے لئے بنوادیا ہو تو اس میں وضو جائز کہ اس قدر مستثنٰی قرار پائے گا۔ اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعدلذلك لا یصلی فیہ	مسجد میں کُلی اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں اس کے لئے جگہ بنائی گئی ہو اور اس میں نماز ادانہ کی جاتی ہو یا کسی برتن میں وضو

اوفی اناء[1]۔	کرلیا جائے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ الوضوء الا فیما اعد ذلک[2] ملخصًا۔	وضومکروہ ہے مگر اس جگہ میں جو اس کے لئے تیار کی گئی ہو ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان ماءہ مستقذر طبعا، فیجب تنزیہ المسجد عنه کمایجب تنزیھھاعن المخاط والبلغم بدائع[3]۔	کیونکہ وضوکا پانی طبعًا ناپسند ہے لہٰذا اس سے مسجد کو بچانا ضروری ہے جیسے مسجد کو ناک اور بلغم سے محفوظ رکھنا ضروری ہے، بدائع ۔(ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

ھذا تعلیل علی مذھب محمد ن المفتی به اما علی قول الامام بنجاسة الماء المستعمل .فظاھر[4]۔	یہ امام محمد کے مفتٰی بہ قول کی دلیل ہے۔ رہا معاملہ امام اعظم کے قول کا ۔وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ ماءِ مستعمل کو ناپاک کہتے ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله الا فیما اعدلذلك انظر ھل یشترط اعداد ذلك من الواقف ام لا[5]	ان کا قول"مگر اس جگہ جو وضوکے لئے تیار کردہ ہو" دیکھئے کیا اس جگہ کا وضوکے لئے بنانا واقف سے شرط ہے یا نہیں؟(ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وھی ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیةفان بعدہ لیس له ولا لغیرہ تعریضه للمستقذرات	**اقول:** ہاں ایک اور شیئ اس کے اوپر ہے وہ یہ کہ یہ وضوکے لئے رکھنا تمام مسجدیت سے پہلے ہو کیونکہ اگر اس کے بعد ہو تواب واقف اور دوسروں

[1] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۰
[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۸
[4] جدالممتار علی ردالمحتار باب احکام المساجد مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/ ۳۱۶
[5] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مایکروفیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من ان الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتاسکنی الامام قبل تمام المسجدیة جازلانه من مصالحه امابعد فلا یجوز ویجب الهدم۔	کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسجد کے کسی حصہ کو گندگی کے لئے بنائیں بلکہ ہر وہ فعل جائز نہیں جو مسجد کی عزّت کے منافی ہو، یہ اصول اس مسئلہ سے مستنبط ہے جو وقف میں آتا ہے کہ مسجد کے اوپر واقف نے تمام مسجدیت سے پہلے رہائش بنادی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد سے ہے البتہ تمام مسجد کے بعد یہ جائز نہیں اور اسکا گرانا ضروری ہے(ت)

اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرونِ مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہ، مسجد بڑھائی گئی ہو اور زمین متعلقِ مسجد مسجد میں لے لی کہ اب مئذنہ اندرونِ مسجد ہوگیا اس پر بھی اذان میں حرج نہ ہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کے لئے مصنوع ہوچکا تھا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ہاں اگر داخلِ مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانی مسجد نیا مکان اذان کے لئے مستثنٰی کرنا چاہے تواُس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسی کو اُس سے استثناء یا فعل مکروہ کے لئے بناکا اختیار نہیں، دُرمختار میں ہے:

لو بنی فوقه بیتاللامام لا یضرلانه من المصالح امالو تمت المسجدیت ثم ارادالبناء منع. ولوقال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیه فاذاکان هذافی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدارالمسجد[1]۔	اگر مسجد کے اوپر امام کے لئے جگہ بنائی تو ضرر نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ مسجد میں سے ہے اگر مسجد مکمل ہوگئی اور پھر رہائش بنانا چاہتے تو اب منع ہے اور اگر واقف کہے کہ میرا ارادہ یہی تھا تواس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاتارخانیہ، جب واقف کا یہ حال ہے تو غیر کیسے بنا سکتا ہے، لہٰذا اس کا گرانا ضروری ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر ہو۔(ت)

دوم متعلقاتِ مسجد میں مسجد کے لئے اذان ہونے کو عرف میں یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرونِ مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو، یُوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے هوذکرالله فی المسجد[2]۔(یہ مسجد میں ذکر الٰہی ہے۔ت) کی وہ تفسیر فرمادی کہ ای فی حدودہ (یعنی مسجد

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

کے حدود میں۔ت) اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراہۃ الاذان فی داخلہ (کیونکہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ت) یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ کوئی سخن ناشناس نظائر حدیث مسلم:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقفا ان من سنن الھدی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ[1]۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ سُنن ہُدٰی میں سے ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان ہو۔(ت)

وامثال عبارت کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ (اس مسجد سے نکلنا مکروہ جس میں اذان دی گئی ہو۔ت) سے دھوکا نہ کھائے اور اشباہ حدیث ابن ماجہ:

عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجتہ وھولا یرید الرجعۃ فھو منافق[2]۔	امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جس نے مسجد میں اذان کو پایا اور بغیر مجبوری کے مسجد سے نکلا اور واپسی کا ارادہ بھی نہ تھا تو وہ منافق ہے۔(ت)

سے دھوکا اور بھی ضعیف تر ہے فان المسجد ظرف الادراک دون الاذان (کیونکہ مسجد ادراک کے لئے ظرف ہے اذان کے لئے نہیں۔ت) ولہٰذا علامہ مناوی نے تیسیر میں اس حدیث کی یوں تشریح فرمائی:

(من ادرك الاذان) وھو (فی المسجد)[3] الخ	(جس نے اذان کو پایا) یعنی اذان کو سنا، حالانکہ وہ (مسجد میں تھا) الخ (ت)

بلکہ خود حدیث شرح حدیث کو بس ہے:

احمد بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج	امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز ادا کئے بغیر

---

[1] صحیح مسلم باب فضلِ جماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

[2] سُنن بن ماجہ باب اذا اذان وانت فی المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث من ادرک الاذان کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

احدکم حتی یصلی[1]۔	کوئی مسجد سے نہ نکلے۔(ت)

بالجملہ جہاں ایسے الفاظ واقع ہوں انہیں دو۲ نکتوں سے ایک پر محمول ہیں۔

| اقول وبہ ینجلی مافی الجلابی انہ یؤذن فی المسجد اومافی حکمہ لا فی البعید منہ[2]اھ ای یؤذن فی حدود المسجد وفنائہ کما فسربہ الامام المحقق علی الاطلاق اوفی نفس المسجد ان کان ثمہ موضع اعدلہ من قبل اویؤذن فیما ھو حکمہ لقربہ منہ بحیث یعدالاذان فیہ اذانالمسجد کما فعل عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث احدث الاذان الاول علی الزوراء دارٍ فی السوق ولایؤذن للمسجد اذاکان غربی البلد مثلًا واذن شرقیہ بل اذن لمسجد حیّ اٰخر لایعدذلک اذانالہ کمالایخفی، فلااستدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کمازعم القھستانی ،وباللہ التوفیق وبماقدمنامن تحقیق مفادبین یدیہ وانہ یستدعی بقرینۃ الحال قربانیاسب المقام لاالاتصال وضح بحمداللہ ماقال القھستانی تحت قول النقایہ اذاجلس علی المنبر اذن ثانیا بین یدیہ مانصہ ، ای | **اقول:** اس سے جلابی کی یہ عبارت بھی واضح ہو گئی کہ مسجد میں یا اس جگہ میں اذان دی جائے جو حکمِ مسجد میں ہو، مسجد سے دُور اور جگہ میں نہ دی جائے اھ یعنی مسجد کے حدود اور فنائے مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ اس کی تفسیر امام محقق علی الاطلاق نے کی ہے، یا مسجد کے اندر بشرطیکہ وہاں پہلے سے جگہ بنائی گئی ہو یا اس جگہ دی جائے جو قرب کی وجہ سے مسجد کا حکم رکھتی ہو کیونکہ وہاں کی اذان کو مسجد کی ہی اذان شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا کہ اذانِ اوّل بازار میں مقامِ زوراء پر دینے کا حکم دیا ، مسجد سے دُور اذان نہ دی جائے مثلًا جب مسجد غربی البلاد ہو اور اذان شرقی میں دی جائے تو اب یہ اذان دوسرے محلّہ کی ہوگی اس مسجد کی اذان اسے شمار نہیں کیا جائیگا جیسا کہ واضح ہے، کلامِ جلابی کلامِ نظم پر استدراک نہیں جیسا کہ قہستانی نے گمان کیا۔اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو کچھ ہم نے گفتگو کی اور "سامنے امام" کا معنٰی بیان کیا اس سے واضح ہوگیا کہ "بین یدیہ" کے الفاظ مقام کے مناسب قُرب کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اتصال کا، بحمد اللہ نقایہ کی عبارت "جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے دوسری اذان |

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۳۷

[2] جامع الرموز بحوالہ الجلابی فصل فی الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر والامام ویسارہ قریبًا منه ووسطهما بالسکون فیشتمل ما اذا اذن فی زاویة قائمة اوحادة اومنفرجة حادثه من خطین خارجین من ها تین الجهتین فلیس القرب منکرا ولابالاتصال مشعرا وانما اراد به اخراج البعد الذی لایعد به الاذان اذاناًفی ذلك المسجد کماذکرناہ فی کلام الجلابی۔[1]اھ	دی جائے"کہ تحت قہستانی نے جو کہا وہ بھی واضح ہوگیا کہ اذان یمینِ منبر وامام اس کے بائیں جانب اس کے قریب ہو یا ان دونوں کے وسط میں ہو، یہ ان صورتوں کو شامل ہے جب اذان زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ میں ہوئی جو ان دوخطوط مذکورہ کی دو[2] جہات سے پیدا ہوا اھ تو یہاں قرب کا انکار نہیں اور اتصال پر دلالت نہیں، اس سے ان کا مقصد اس بُعد کا دُور کرنا ہے جس میں اذان کو اس مسجد کی اذان تصور نہ کیا جائے جیساکہ ہم نے اسے جلابی کے کلام میں ذکر کیا۔(ت)

غرض عامہ کتب معتمدہ مذہب کے خلاف اگر ایک آدھ غریب ونامتداول کتاب میں کوئی تصریح بھی ہوتی عقلاً وعرفاً وشرعاً قبول نہ ہوتی۔

الا تری ان العلامة الطحطاوی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة مافی القهستانی عن النظم ولم یعرج علی استدراکه اصلاعلما منه ان الاستدرك مستدرك لاینبغی نقلا۔	کیا آپ نے نہ دیکھا علامہ طحطاوی نے کس طرح اکتفا کیا اس حکم پر جو قہستانی نے نظم سے نقل کیا تھا اور اس کے استدراک کے بالکل درپے نہ ہوئے، انہیں علم تھا کہ استدراک فالتو ہے لہٰذا اس کا نقل کرنا مناسب نہیں۔(ت)

نہ کہ کوئی لفظ محتمل نہ صریح، صاف صاف لائق توجیہ وتصحیح ہو،

کما لایخفی علی ذی عقل نجیح هکذا ینبغی التحقیق والله سبحانه ولی التوفیق والحمدلله رب العٰلمین وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔ اٰمین۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	جیسا کہ ہر عاقل پر مخفی نہیں، تحقیق کا حق یہی تھا، اللہ سبحٰنہ توفیق کا مالک ہے، الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولٰنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین۔آمین۔ واللہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

---

[1] جامع الرموز فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

باب العیدین

(عیدین کا بیان)

مسئلہ نمبر ۱۴۱۲: از سہسرام محلّہ پرتلہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اعلم بالسنۃ پابندِ صلوٰۃ متقی نے اول خطبہ عیدالاضحیٰ پڑھ کر **لبیك** اور صلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تکبیر بآواز بلند خود کہا اور مصلیوں سے کہلایا پھر **بارك اللہ لنا ولکم** پڑھ کر بیٹھا پھر دوسرا خطبہ پڑھا بعد فراغ سوال کیا گیا یہ غیر مشروع فعل کیوں کیا اس نے جواب دیا میرا یہ فعل غیر مشروع نہیں حالتِ کیف میں صادر ہُوا مثل قول مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ **یاساریۃ الجبل** ہے، یہ دعوی مدعی کا کہاں تک صحیح ہے اور ایسے فعل کا مرتکب لائق ملامت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

لبیك و درود کہ اس نے خود کہا حرج نہیں البتہ مقتدیوں سے کہلانا بے محل وُہ خطبہ میں مامور بالسکوت ہیں، اگر حالتِ وجد میں ایسا ہُوا جیسا کہ اُس کا بیان ہے تو معذور ہے اور جب سائل اسے عالم سنّی متقدی کہتا ہے تو اس کا بیان کیوں نہ تسلیم کیا جائے معہذا مسئلہ شرعیہ معلوم کرلینا دوسری بات

وہ ضرور چاہئے مگر عوام کو سنّی عالم متقی پر اُس کی لغزش کے سبب ملامت کی اجازت نہیں ہوسکتی کما نص علیه الائمة واشارت الیه الاحادیث (جیساکہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث میں بھی اس پر رہنمائی ہے۔ت) یہ اس کے حق میں ہے جو سُنّی عالم ہو ورنہ آجکل بہت گمرہ بددین بلکہ مرتدین مثلاً وہابیہ دیوبندیہ اپنے آپ کو سُنی عالم کہتے ہیں وہ ملامت کیا اُس سے ہزاروں درجہ سخت ترکہ مستحق ہیں۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید ۱۳۳۹ھ

(نمازِ عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء مانگنے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ نمبر ۱۴۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالحیٰ صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی کی جلد ثانی میں یہ امر تحریر فرمایا کہ بعد دوگانہ عیدین یا بعد خطبہ عیدین دُعا مانگنا حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی طرح ثابت نہیں اب وہابیہ نے اس پر بڑا غل شور کیا ہے دعائے مذکور کو ناجائز کہتے اور مسلمانوں کو اس سے منع کرتے اور تحریر مذکور سے سند لاتے ہیں کہ مولوی عبدالحی صاحب فتوٰی دے گئے ہیں اُن کی ممانعتوں نے یہاں تک اثر ڈالا کہ لوگوں نے بعد فرائض پنجگانہ بھی دعا چھوڑ دی اس بارے میں حق کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ الحمدللہ الذی حبّبنا العید وجعله مقربا لکل بعید و امرنا بالدعاء فی الیوم السعید ووعدنا بالاجابة فی الکلام الحمید والصلٰوۃ والسلام علی من وجهه عید ولقاؤہ عید ومولدہ عید وای عید وعلٰی اٰله الکرام وصحبه	اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمارے لئے عید کو محبوب بنایا اور اسے ہر بعید کو قریب کرنیوالا بنایا، یومِ سعید میں دعا کا حکم دیا، کلامِ حمید میں قبولیت کا وعدہ فرمایا، اور صلوۃ وسلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جس کا چہرہ عید، دیدار عید، میلاد عید، آپ کی آل محترم اور صحابہ عظام

العظام مادعااللہ فی العید عبدسعید وتعانق النور والسرور غداۃ العید واشھدان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریك لہ وان محمد عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ من یوم اٰبدأ الٰی یوم یعید اٰمین اٰمین یاعزیز یامجید۵۔	پر بھی جب تک کوئی عبد سعید، عید کے موقع پر دعا کرنے والا ہے اور جب تک عید کی صبح کو نور وسرور باہم پائے جائیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ، لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں آپ کی ذات، آل اور صحابہ پر درود وسلام ابتدائی دن سے لے کر آخری دن تک ہو۔اے غالب اے صاحبِ مجد ! دعاقبول فرمادعاقبول فرما۔(ت)

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطافرمادے۔ت) نماز عیدین کے بعد دُعا حضراتِ عالیہ تابعین عظام ومجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت،

قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضاالمحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفراللہ لہ وحقق املہ. انبانا المولٰی [1]عبدالرحمٰن السراج المکی مفتی بلد اللہ الحرام ببیتہ عندباب الصفالثمان بقین من ذی الحجۃ سنۃ خمس وتسعین بعد الالف والمائتین فی سائر مرویاتہ الحدیثیۃ والفقھیۃ وغیرذلك [2]عن حجۃ زمانۃ جمال بن عبداللہ بن عمر المکی [3]عن الشیخ الاجل عابد السندی عن [4]عمہ محمد حسین الانصاری [5]اجازنی بہ الشیخ عبد الخالق بن علی المزجاجی [6]قراءۃ علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی [7]عن احمد النخلی عن [8]محمد الباھلی عن [9]سالم السنوری [10]عن النجم الغیطی [11]عن الحافظ زکریاالانصاری [12]عن الحافظ ابن حجر العسقلانی [13]انابہ ابو عبد اللہ الجریری [14]اناقوام الدین الاتقانی انا	فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالٰی اس کو بخش دے اور اسکی امید بر لائے) کہتا ہے کہ ہمیں [1]شیخ عبدالرحمٰن السراجی مکی مفتی بلداللہ الحرام نے باب صفاکے پاس اپنے گھر ۲۲ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ کو اپنی تمام مرویات کی اجازت دی خواہ وُہ حدیث کی صورت میں تھیں یا فقہ کی صورت میں یااس کے علاوہ تھیں انھیں مرویات کی اجازت حجتِ زمانہ [2]جمال بن عبداللہ بن عمر مکی نے دی انہیں [3]شیخ اجل عابد سندی نے انہیں ان کے چچا [4]محمد حسین انصاری نے دی،اس نے کہا مجھے ان کی اجازت شیخ [5]عبد الخالق بن مزجاجی نے، انھیں [6]شیخ محمد بن علاء الدین مزجاجی سے قرأۃ کے طور،انہیں [7]احمد نخلی نے انہیں [8]محمد باہلی نے انھیں [9]سالم سنوری نے انھیں [10]نجم غیطی نے انھیں [11]حافظ زکریا انصاری نے انہیں [12]حافظ ابن حجر عسقلانی نے انہیں [13]ابو عبداللہ جریری نے انہیں [14]قوام الدین اتقانی نے انہیں [15]برہان احمد بن

[15] البرھان احمد بن سعد بن محمد البخاری و الحاکم السفتاقی [16] قالاابنانا حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری ھوحافظ الدین الکبیر [17] ابنانا الامام محمد بن عبدالستار الکردری [18] ابنانا عمر بن عبد الکریم الورسکی [19] انا عبد الرحمٰن بن محمد الکرمانی [20] انا بوبکر محمد بن الحسین من محمد ھوالامام مخر القضاۃ الارشا بندی [21] انا عبداللہ الزوزنی انا [22] ابو زید الدبوسی انا ابو جعفر الاستروشنی ح وابنأنا عالیا عـــہ باربع درج شیخی وبرکتی وولی نعمتی ومولائی وسیدی و ذخری و سندی لیومی وغدی سیدناالانام الھمام العارف الاجل العالم الاکمل السید اٰل الرسول الاحمدی المارھری رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل الفردوس متقلبہ ومشواہ لخمس خلت من جمادی الاولٰی سنۃ اربع وتسعین بدارہ المطھرۃ بمارھرۃ المنورۃ فی سائر یجوزلہ روایتہ [2] عن استاذہ

سعد بن محمد البخاری اور حسام السفتاقی نے انہیں حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری نے [16] یہی حافظ الدین الکبیر ہیں انہیں [17] محمد بن عبدالستار الکروری نے انہیں [18] عمر بن عبد الکریم الورسکی نے انہیں عبدالرحمٰن بن محمد الکرمانی نے [19] انہیں [20] ابوبکر محمد بن الحسین بن محمد نے جو فخر القضاۃ الاشار بندی نے انہیں [21] عبداللہ الزورقی نے انہیں [22] ابوزید الدبوسی نے انہیں [23] ابوجعفرا لاستروشی نے "دوسری سند" جو چار درجے عالی ہے میرے شیخ، میری برکت، میرے دل، سیدی ذخری آج وکل کے لئے میرا اعتماد سیّدنا امام ہمام عارف اجل اصل العالم الاکمل السیّد آل الرسول الاحمدی المارہری رضی اللہ تعالٰی عنہ و ارضاہ اللہ تعالٰی (اللہ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں بنائے) نے مارھرہ منورہ میں اپنے آستانے پر ۵ جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ کو تمام روایات کی اجازت دی جو انہیں ان کے استاد شیخ [2] عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اپنے [3] والد گرامی سے انہیں شیخ [4] تاج الدین القلعی مفتی حنفیّہ نے انہیں شیخ ۵ حسن عجمی نے انہیں [6] شیخ خیرالدین رملی نے انہیں

عـــہ: انظر الی لطافۃ ھذاالسند الجلیل وجلالۃ شأنہ فان رجالہ کلھم من سیدنا الشیخ الی صاحب المذھب الامام الاعظم جمیعا من اجلۃ اعلام الحنفیۃ ومشاہیر واکثرھم اصحاب تالیفات فی المذھب ۱۲منہ (م)

اس سند جلیل کی لطافت اور شانِ جلالت مین غور کرو کہ اس کے رجال سیدنا شیخ سے صاحبِ مذہب امامِ اعظم تک سارے کے سارے معروف و مشہور حنفی ہیں اوران میں سے اکثر اصحاب کی مذہب میں تالیفات موجود ہیں ۱۲منہ (م)

عبدالعزیز المحدث الدهلوی [۳]عن ابیه [۴]عن الشیخ الدین القلعی مفتی الحنفیة [۵]عن الشیخ حسن العجمی [۶]عن الشیخ خیرالدین الرملی [۷]عن الشیخ محمد بن سراج الدین الخانوتی [۸]عن احمد بن الشبلی [۹]عن ابراهیم الکرکی یعنی صاحب کتاب الفیض [۱۰]عن امین الدین یحٰی ی بن محمد الاقصرائی [۱۱]عن الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحب فصل الخطاب [۱۲]عن الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاهری [۱۳]عن الامام صدر الشریعة یعنی شارح الوقایه [۱۴]عن جده تاج الشریعة [۱۵]عن والده صدرالشریعة [۱۶]عن والده جمال الدین المحبوبی [۱۷]عن محمد بن ابی بکر البخاری عرف بامام زاده [۱۸]عن شمس الائمة الزرتجی [۱۹]شمس ائمة الحلوانی کلاهما [۲۰]عن الامام الاجل ابی علی النسفی امام حلوانی فقالا عن ابی علی وذلك عنعن الی نهایة الاسناد واما لاستروشنی فقال انا ابوعلی الحسین بن خضر النسفی [۲۱]انا ابوبکر محمد بن الفضل البخاری هو الامام الشهیربالفضل [۲۲]انا ابومحمد بن عبدالله بن محمد بن یعقوب الحارثی یعنی استاذ السند مونی [۲۳]انا عبدالله محمد بن ابی حفص الکبیر [۲۴]انا ابی [۲۵]انا محمد بن الحسن الشیبانی اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال کانت

شیخ [۷]محمد بن سراج الدین الخانوتی نے انہیں [۸]احمد بن شبلی نے انہیں [۹]ابراہیم الکرکی صاحب کتاب الفیض نے انہیں [۱۰]امین الدین یحیٰی بن محمد قصرائی نے انہیں [۱۱]شیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحبِ فصل الخطاب نے انہیں شیخ [۱۲]حافظ الدین محمد بن محمد بن علی بخاری طاهری نے انہیں [۱۳]امام صدرالشریعۃ یعنی شارح الوقایہ نے انہیں ان کے جد [۱۴]تاج الشریعۃ نے اپنے والد [۱۵]صدر الشریعۃ سے انہیں ان کے والد [۱۶]جمال الدین محبوبی نے انہیں [۱۷]محمد بن ابی بکر بخاری المعروف امام زادہ نے انہیں [۱۸]شمس الائمہ الزرنجری نے انہیں [۱۹]شمس الائمہ حلوانی نے اوران دونوں کے امام [۲۰]اجل ابوعلی نسفی سے ان دونوں نے کہا عن ابی علی ،اسی طرح انہوں نے تمام سند کو عن کے ساتھ بیان کیا،استروشنی نے کہا ہمیں ابوعلی الحسین بن خضر النسفی انہیں [۲۱]ابوبکر محمد بن الفضل بخاری اور یہ امام فضل کے ساتھ مشہور ہیں انہیں [۲۲]ابو محمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السند مونی انہیں [۲۳]عبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انہیں ان کے [۲۴]والد نے انہیں [۲۵]محمد بن حسن الشیبانی نے انہیں امام ابو حنیفہ نے انھیں حماد نے انھیں ابراہیم نے بیان کیا کہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا ہوتی پھر نماز کے بعد امام سواری پر کھڑے ہو کر دُعا کرتا تھا۔

الصلٰوۃ فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یقیف الامام علی راحلیہ بعد الصلوۃ فیدعو ویصلی بغیر اذان ولا اقامۃ[1]۔	نماز اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔(ت)

یعنی سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مجھے امام اعظم الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کرکے نماز کے بعد دُعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی، یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہ، خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ اُنہوں روایت فرمایا لااقل اکابر تابعین کا معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنا ائمۂ تابعین کی سنّت ہُوا اور پُر ظاہر کہ راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنتِ دُعا کی نفی نہیں کرسکتا کمالایخفی، پھر ہمارے امام مجتہد امام محمد اعلی اللہ درجاتہ فی دارالابد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرما کر مقرر رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیۂ اہل عقیدۂ مضمون ووہابیہ اہل تثلیث قرون، دونوں کے حق میں جوابِ مسئلہ اسی قدر بس ہے مگر فقیر غفرلہ الولی القدیر ایضاح مرام واتمامِ کلام کے لئے اس مسئلہ میں مقال کو دو[2] عید پر منقسم کرتا ہے۔

عیدِ اوّل میں قرآن وحدیث سے اس دُعا کی اجازت اور ادعائے مانعین کی غلطی وشناعت۔

عیدِ دوم فتوائے مولوی لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کا ازالۂ تام والعون من اللہ ولی الانعام (مدد اللہ کی جو انعام عطا کرنے والا ہے۔ت) **العید الاول وعلی فضل اللہ المعول** (عید اول، اللہ ہی کے فضل پر بھروسا ہے۔ت) ظاہر ہے کہ شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثبات ممانعت اس کے ذمہ ہے جس سے ان شاء اللہ تعالٰی کبھی عہدہ برآنہ ہوسکے گا بقاعدہ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی، اور اسانید سائل کا مژدہ لیجئے تو جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائز ہُوا گوشِ ہوش استماع کیجئے۔

فاقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق ہے اور اس سے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ت) **اولا قال المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی:**

---

[1] کتاب الآثار للامام محمد باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۱

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۠ [1]	جب تو فراغت پائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین جرالامۃ عالم القرآن حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعا میں جدجہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دُعا میں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح وزاری کر۔ تفسیر شریف جلالین میں ہے:

فاذافرغت من الصلٰوۃ فانصب "تعب فی الدعاء ،والی ربك فارغب "تضرع"۔ [2]	جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

خطبہ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیرالامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من الاعتماد علی ارجح الاقول وترك التطویل بذکر اقول غیر مرضیۃ [3] اھ ملخصاً	یہ تفسیر امام جلال الدین محلّی کا تکملہ ہے جو انہیں کے طریقہ پر ہے یعنی راجح اقول پر اعتماد اور اقوال ضعیفہ کے ذکر سے بچتے اھ ملخصًا (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

ھوالصحیح فقد اقتصر علیہ الجلال وقد التزم الاقتصار علی ارجح الاقوال [4]۔	یہی صحیح ہے اسی جلال نے اکتفاء کیا ہے حالانکہ انہوں نے یہ التزام کررکھا کہ راجح اقوال ذکر کریں گے۔ (ت)

اور پُرظاہر کہ آیہ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض وواجب ونفل سب کو شامل تو بلاشبہہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل، یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کامطلقًا محلِ دُعا ہونا مستفاد، ولہذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دُعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اُس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۹۴/ ۷و۸

[2] جلالین کلاں سورہ الم نشرح میں مذکور ہے مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند ۲ /۵۰۲

[3] جلالین کلاں خطبۃ الکتاب مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند ۱/ ۴

[4] شرح الزرقانی علی مواہب اللدنیہ المقصد الثانی فی اسمائہ مطبوعہ مصر ۳/ ۱۹۵

والصلٰوۃ ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدھا[1]۔	یعنی آداب سے ہے کہ مطلب کی دعا بعد نماز ذات رکوع و سجود واقع ہو۔

پھر فرمایا:

حب مس ای رواہ الاربعۃ وابن حبان و الحاکم کلھم من حدیث الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ وابن حبان و حاکم نے صدیق اکبر رضی تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی وبیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اسکی تحسین کی۔ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع وسجود، نماز جنازہ کے سوا ہر فرض وواجب ونافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔ **ثم اقول:** وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولٰی جل وعلاہوتے ہیں اور رضائے مولٰی تبارک وتعالٰی موجبِ اجابتِ دُعااور اس کا محل عمل صالح سے فراغ پاکر کما قال تعالٰی فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝[3] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: پس جب آپ فارغ ہوں تو مشقت کرو۔ت) ولہذا حدیث میں آیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر الی العمال یعملون فاذافرغوامن اعمالھم وفوا اجورھم[4]۔رواہ البیہقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فی حدیث طویل۔	کیا تُو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔اسے بیہقی نے احادیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

[1] حواشی حصن حصین آداب الدعاء حاشیہ ۲۱۲ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص۹

[2] حواشی حصن حصین آداب الدعاء حاشیہ ۲۲ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص۹

[3] القرآن ۹۴/۷

[4] شعب الایمان باب فی الصیام۔حدیث ۳۶۰۳ ۳۶۰۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۰۳/۲

العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی عملہ[1] ۔رواہ احمد والبزار والبیھقی وابوشیخ فی الثواب عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث۔	عامل کو اُسی وقت اجرِکامل دیا جاتا ہے جب عمل تمام کرلیتاہے۔اسے امام احمد،بزار، بیہقی اور ابوالشیخ نے ثواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

تو سائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقع دعا ہے کہ مولٰی کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہذا وارد ہُوا کہ ہر ختمِ قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے بیہقی وخطیب وابونعیم وابن عساکر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ**[2]۔ہر ختم کے ساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔طبرانی معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ**[3]۔جو قرآن ختم کرے اس کے لئے ایک دُعا مقبولہ ہے۔اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے اس وقت اس کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔امام احمد، مسند اور ترمذی بافادہ تحسین جامع اور ابنائے ماجہ وحبان وخزیمہ اپنی صحاح اور بزاز مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاترد دعوتھم الصائم حین یفطر[4] الحدیث۔	تین[۳] شخصوں کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک اُن میں روزہ دار جب افطار کرے۔الحدیث

ابن ماجہ وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للصائم عند فطرہ لدعوۃ ماترد[5]۔	بیشك روزہ دار كے لئے وقتِ افطار بالیقین ایك دُعا ہے كہ رَد نہ ہوگی۔

امام حکیم ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُرنور

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۹۲

[2] شعب الایمان باب فی تعظیم القرآن حدیث ۲۰۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۷۴

[3] المعجم الکبیر مروی از عرباض بن ساریہ حدیث ۶۴۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸/ ۲۵۹

[4] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶

[5] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لکل عبد صائم دعوة مستجابة عندافطارہ اعطیھا فی الدنیا اوذخرله فی الآخرة [1]۔	ہر روزہ دار بندے کے لئے افطار کے وقت ایک دُعا مقبول ہے خواہ دنیا میں دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔

وفی الباب احادیث اُخر اور بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض واجب ونفل سب کو عام کہ نصوص میں قید وخصوص نہیں۔ ولہذا امام عبدالعظیم منذری نے دو حدیث پیشین کو الترغیب فی الصوم مطلقًا میں ایراد فرمایا، اور علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں زیرِ حدیث باب مروی عقیلی وبیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد لفظ **دعوة الصائم** (روزہ دار کی دعا۔ت) کے **ولو نفلا** [2] (اگرچہ وہ نفلی روزہ ہو۔ت) تحریر کیا تو بلاشبہہ نماز بھی کہ افضل اعمال واعظم ارکانِ اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یُونہی اپنے عموم واطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضورِ پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسانہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ ترمذی ونسائی وابن خزیمہ حضرت فضیل ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور احمد وابوداؤد وابن ماجہ حضرت مطلب بن ابی وداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلوة مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھا الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلك فھی کذاوکذا [3]۔	یعنی نماز نفل دو۲ دو۲ رکعت ہے ہر دو۲ رکعت پر التحیات اور خضوع وزاری وتذلّل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اُٹھا اور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کر عرض کر اے میرے رب اے رب میرے جو ایسا نہ کرے تو وہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔

مطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں مصرحًا آیا:۔ **فمن لم یفعل ذلك فھو خداج** [4] جو ایسانہ کرے اُس کی نماز میں نقصان ہے۔

---

[1] نوادر الاصول الاصل الستون فی ان للصائم دعوۃ الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۸۳

[2] تیسیر شرح الجامع صغیر حدیث ثلاث دعوات مستجابات مطبوعہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/۴۶۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۵۰و۵۱

[4] مسند احمد بنحنبل حدیث مطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۱۶۷

علامہ طاہر تکملہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فیہ ثم تقنع یدیك وھوعطف علی محذوف ای اذافرغت منھا فسلم ثم ارفع یدیك سائلا فوضع الخبر موضع الامر[1]۔	پھر ہتھیلیاں چہرے کے مقابل کرے اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی جب ان دو ۲ رکعتوں سے فارغ ہو اور سلام کہے تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کرے یہاں خبر امر کی جگہ مذکور ہے۔(ت)

تیسیر میں ہے:

ای اذافرغت منھما فسلم ارفع یدیك فوضع الخبر موضع الطلب[2] الخ۔	یعنی جب ان دو ۲ رکعات سے فارغ ہوں پس سلام کہے پھر ہاتھ اٹھائے یہاں خبر،طلب کی جگہ ہے الخ(ت)۔

لاجرم جبکہ حصن حصین میں اس حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف برمز ترمذی ونسائی نے اشارہ کیا کہ **قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاٰخرو دبر الصلوات المکتوبات**[3] (ہم نے عرض کی یارسول اللہ! کون سی دُعا زیادہ سُنی جاتی ہے،فرمایا رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد) مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُس کی شرح میں لکھا:

دبرالصلوات المکتوبات ای عقیب الصلوات المفروضات والتقیید بھا لکونھا افضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات[4]۔	دبرالصلوات المکتوبات کے معنی کہ فرض نمازوں کے بعد ،اور ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہ سب حالتوں سے افضل ہیں توان میں امیدِ اجابت زیادہ ہے۔

دیکھو صاف صریح ہے کہ نماز کے بعد محلیتِ دُعا کچھ فرضوں ہی سے خاص نہیں بلکہ اُن میں بوجہ افضلیت زیادہ خصوصیت ہے اور سائلین نے خود یہی پُوچھا تھا کہ سب میں زیادہ کون سی دُعا مقبول ہے لہذا اُن کی تقیید فرمائی گئی، بالجملہ جب تخصیصِ فرائض باطل ہوچکی تواخراج واجبات پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اُن پر دلائل مطلقہ

---

1 تکملہ بحار الانوار ملحق بمع البحار تحت لفظ قنع مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۴۷

2 تیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی الخ مکتبہ الامام الشافعی الریاض ۲ /۹۹

3 حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۲۲، جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۸۸/۲

4 حواشی حصن حصین صفحہ مذکورہ کا حاشیہ ۱۶ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۱۴

کے سوا حدیث نافلہ بر سبیل اولویت ناطق، کہ جب اد بار نوافل تک محل دُعا مظنۂ اجابت ہیں تو واجبات کہ اُن سے اعلیٰ و اعظم اور ارضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں کیونکر اس فضل سے خارج ہوں گے **ھل ھذا الا ترجیح المرجوح** (یہ ترجیح موجوع کے سوا کچھ نہیں۔ت)

ثم اقول: بلکہ واقع نفس الامر کو لحاظ کیجئے تو فریضہ و نافلہ کے لئے ثبوت، خاص بعینہٖ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے کہ واجب حقیقۃً کوئی تیسری چیز نہیں بلکہ انہیں دو۲ طرفوں سے ایک میں ہے جسے شبہہ فی الثبوت نے مجتہد کے نزدیک ایک امر متوسط کردیا صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس کے حضور روایۃً ودرایۃً ظنون و شبہات کو بار نہیں اگر اُس کے نزدیک شیئ مطلوب فی الشرع حقیقۃً مامور بہ ہے قطعاً فرض ورنہ یقینا نافلہ، **لاثالث لھما** (ان دو۲ کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں۔ت) تلویح میں زیر قول تنقیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمنھما مایقتدی بہ وھو مباح مستحب و واجب وفرض (آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کچھ افعال قابل اقتداء مباح، کچھ مستحب، کچھ واجب اور کچھ فرض ہیں۔ت) تحریر فرمایا:

ان فعله عليه الصلٰوة والسلام بالنسبة الينا يتصف بذلك بان جعل الوتر واجبا عليه لامستحبا اوفرضا والافالثابت عنده بدليل يكون قطعيا لا محالة حتى قياسه واجتهاده ايضاقطعى الخ [1]	یعنی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افعال ہماری نسبت ان سے متصف ہیں مثلاًوتر آپ پر واجب تھے نہ کہ مستحب یا فرض، ورنہ آپ کے ہاں دلیل ثابت شدہ امر یقینا قطعی ہوگا حتی کہ آپ کا قیاس واجتہاد بھی قطعی ہے الخ (ت)

امام محقق علی الاطلاق امامِ الفتح میں فرماتے ہیں:

اللزوم يلاحظ باعتبار ين باعتبار صدوره من الشارع وباعتبار ثبوته فى حقنافملاحظة باعتبار الثانى ان كان طريق ثبوته عن الشارع قطعيا كان متعلقه الفرض وان كان ظنياكان الوجوب ولذا لا يثبت ہذا القسم اعنى الواجب فى حق من سمع من النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم مشافهة	لزوم میں دو۲ اعتبار ہیں ایک یہ کہ وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کا ثبوت ہمارے حق میں ہوا تو دوسرے اعتبار سے اگر اس کا ثبوت شارع سے قطعی ہے تو اس کا تقاضا فرضیت ہے، اور اگر ثبوت ظنی ہے تو وجوب۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قسم (وجوب) اس شخص کے حق میں ثابت نہیں ہوسکتی جس نے براہ راست حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے

[1] التوضیح والتویح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۹۱

مع قطعیة دلالة المسموع فلیس فی حقه الا الفرض اوغیر اللازم من السنة فمابعدها وظھر بھذا ان ملاحظة باعتبار الاول لیس فیه وجوب بل الفرضیة اوعدم اللزوم اصلا[1] اھ ملخصا	سُنا حالانکہ مسموع کی دلالت قطعی تھی تو اس کے حق میں وہ فرض ہی ہوگا، یا لازم نہ ہوگا سنّت ہوگا یا اس سے نچلا درجہ،اس سے ظاہر ہوگیاکہ اول کے اعتبار سے وہاں وجوب نہیں بلکہ فرضیت ہے یا بالکل لزوم ہی نہیں اھ ملخصًا (ت)

پس بحمد اللہ لشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علماء ثابت ہوا کہ نماز پنجگانہ و عیدین و تہجد و غیر ہا ہر گونہ نماز کے بعد دُعا مانگنا شرعًا جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وھو المطلوب۔

ثانیًا اقول: وباللہ التوفیق دُعا بنصِ قرآن وحدیث واجماع ائمہ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہے اوراس کے مظانِ اجابت کی تحری مسنون ومحبوب ،قال جل ذکرہ : ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾[2] (حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی۔ت) حدیث میں ہے حضورپُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات،فتعرضوا له لعله ان یصیبکم نفخة منھا فلاتشقون بعدھا ابدا[3]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن محمد بن مسلمة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک تمہارے رب کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاو بخشش و تجلی و کرم وجود کے ہیں توانہیں پانے کی تدبیر کروشاید ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بد بختی تمہارے پاس نہ آئے۔اسے طبرانی نے کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور خود حدیث نے اُن اوقات سے ایک وقت اجتماع مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہو کر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں۔کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے:

عن حبیب بن مسلمة الفھری رضی اللہ تعالٰی عنه وکان مجاب الدعوة قال سمعت رسول اللہ	یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے،فرماتے ہیں کہ میں نے حضورپُرنور سید عالم

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۱

[2] القرآن ۳/۳۸

[3] المعجم الکبیر مروی از محمد بن مسلمہ حدیث ۵۱۹ مطبوعہ مکتبۃ فیصلیہ بیروت ۱۹/۲۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہوگا کہ اُن بعض دعا کریں بعض آمین کہیں، مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دعا قبول فرمائے گا۔	یقول لایجتمع ملؤ فیدعو بعضھم یؤمّن بعضھم الا اجابھم اللہ[1]۔

علماء نے مجمعِ مسلمان کو اوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔ حصن حصین میں ہے: واجتماع المسلمین[2] ع یعنی مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستّہ سے مستفاد ہے۔ علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

یعنی جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمع و عیدین و عرفات میں، اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔	ثم کل مایکون الاجتماع فیہ اکثر کالجمعۃ والعیدین وعرفۃ یتوقع فیہ رجاء الاجابۃ اظھر[3]۔

فقیر غفراللہ کہتا ہے پھر دُعائے نماز پر اقتصار ہرگز شرعًا مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت، خود حدیث سے گزرا حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا حکم دیا اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا، حالانکہ نماز میں دُعائیں ہوچکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قُربِ الٰہی کا ہے یعنی سجود جس میں بالتخصیص حکمِ دُعا تھا، حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔ اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔	اقرب مایکون العبد من ربہ وھوساجد فاکثروا الدعاء[4]۔رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل ذکر دعاء[5] (ہر ذکر دُعا ہے۔ت) امام حافظ الدین النسفی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء حبیب بن مسلمہ کان مجیب الدعوات مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۴۷

[2] حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۲۳

[3] حرز ثمین شرح حصن حصین

[4] سنن النسائی اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۷۰-۱۷۱

[5] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/ ۱۱۲

کافی شرح وافی کی فصل فی تکبیر التشریق میں فرماتے ہیں:

قال تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ[1] ۔	اللہ تعالٰی کافرمان مبارک ہے: تم اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور آہستہ (ت)

کل ذکر دعاء[2] (ہر ذکر دعا ہے۔ت) اس معنی پر فقیر نے اپنے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" (دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق۔ت) میں دلائل واضحہ ذکر کئے اور اس سے زیادہ کلام مستوفی فقیر کے رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء" (صبح کی ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وباء ٹل جاتی ہے۔ت) میں ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الدعوات میں باب الدعا اذاھبط وادیا (جب کسی نچلی جگہ اُترے تو دعا کرے۔ت) وضع کیا اور اس میں فرمایا: فیه حدیث جابر رضی الله تعالٰی عنه[3] (اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مروی ہے۔ت) ارشاد الساری میں ہے:

فیه ای فی الباب حدیث جابر الانصاری رضی الله تعالٰی عنه السابق فی باب التسبیح اذاھبط وادیا من کتاب الجهاد بلفظ کنا اذا صعدنا کبّرنا و انزلنا سبّحنا ھذا اٰخر الحدیث اھ بحذف السند۔	اس میں یعنی اس مسئلہ میں حضرت جابر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث ہے جو کتاب الجہاد کے باب التسبیح اذا ھبط وادیا میں گزری ہے الفاظ یہ ہیں: جب ہم بلند جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اُترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ یہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں اھ سند محذوف ہے۔(ت)

دیکھو امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے صرف تسبیح کو دُعا ٹھہرایا اور التسبیح اذاھبط وادیا والدعاء اذاھبط وادیا (جب نیچے اُترے تو تسبیح پڑھے اور جب نیچے اُترے تو دعا کرے۔ت) کا ایک مصداق بتایا تو باآنکہ ایسے قربِ اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہوچکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دُعا کی تاکید شدید کی۔ علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا کما بسط الائمة فی کتب الفقهیة (جیسا کہ ائمہ کرام نے کتب فقہیہ میں اس کی تفصیل بیان

[1] کافی شرح وافی فصل فی تکبیر التشریق

[2] صحیح البخاری کتاب الدعوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۴

[3] ارشاد الساری باب الدعاء اذاھبط وادیا الخ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۱۸/۹

کی ہے۔ت) اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگا چاہے اور طلب میں مظنۂ اجابت کی تحری کا حکم اور یہ وقت بحکم احادیث اعلیٰ مظّان اجابت سے،تو بلا شبہہ مجمع عیدین میں نماز دعا، خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہُوئی اور حکم فتعرضوالھاکی تعمیل ٹھہری وھوالمقصود۔ ثم اقول: اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تو اس عموم میں دخول ثابت تھا نہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیت عظیم ارشاد فرمائی اور اُس میں دُعا پر نہایت تحریص وترغیب آئی یہاں تک کہ حضورپُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس زمانۂ خیر وصلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک و منزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دُعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہوتا مصلّے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہوجائیں،امام احمد واصحابِ صحاح ستّہ حضرت امِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضورپُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین[1]۔	نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض سب عید گاہ کو جائیں اور حیض والیاں عید گاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت ان لفظوں سے ہے:

قالت کنا نومر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکرمن خدرھا حتی تخرج الحیض فیکنّ خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلك الیوم وطھرتہ[2]۔	یعنی ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن باہر جائیں یہاں تک کہ کنواری اپنے پردے سے باہر نکلے یہاں تک کہ حیض والیاں باہر آئیں صفوں کے پیچھے بیٹھیں مسلمانوں کی تکبیر پر تکبیر کہیں اور اُن کی دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں اس دن کی برکت پاکیزگی کی امیدیں۔

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت عبداللہ بن عباس [عہ] رضی اللہ تعالیٰ عنہما

عــہ: **اقول:** اس حدیث نفیس کا شاہد بروایت امام عقیلی حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرویات فقیر میں بندہ ضعیف سے حضورپُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند موجود ہے **الحمد للہ** ۱۲منہ (م)

---

[1] صحیح البخاری باب شھود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷ و ۱۳۴
[2] صحیح البخاری باب شھود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲

سے راوی:

انه سمع رسول لله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول اذاكانت غداة الفطر بعث اللهعزوجل الملئكة فى كل بلد(وذكر الحديث الى ان قال)فاذابرزوا الى مصلاهم فيقول الله عزوجل (وساق الحديث الى ان قال) ويقول ياعبادى سلونى فوعزتى وجلالى لاتسئلونى اليوم شيئا فى جمعكم لاٰخرتكم الااعطيتكم ولا لدنياكم الانظرت لكم، فوعزّتى لاسترن عليكم عثراتكم ماراقبتمونى وعزّتى وجلالى لااخزيكم ولاافضحكم بين اصحاب الحدود وانصرفوا مغفورا لكم قد ارضيتمونى ورضيت عنكم[1] (مختصر من حديث طويل)	یعنی حضور پر نور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: جب عید کی صبح ہوتی ہے مولٰی سبحٰنہ تعالٰی ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے(اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کا شہر کے ہر ناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عیدگاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولٰی سبحٰنہ تعالٰی فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایارب تبارک وتعالٰی مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنی عزت وجلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے میں تمہیں عطافرماؤں گااور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا(یعنی دنیا کی چیز میں خیر و شر دونوں کو متحمل ہیں اورآدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر سمجھ لیتا ہے،اور اللہ جانتا ہےاور تم نہیں جانتے لہٰذا دنیاکے لئے جو کچھ مانگو گے اُس میں بکمال رحمت، نظر فرمائی جائے گی، اگر وُہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوئی عطاہوگی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یادُعاروزِ قیامت کے لئے ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہر صورت سے بہتر ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھوگے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اہل کبائر میں فضیحت ورسوانہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہوئے، بیشک تم نے مجھے راضی کیااور میں تم سے خوشنود ہُوا۔

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل یاعبادی سلونی ہے یعنی میرے بندو! مجھ سے دعا کرو،اور آخر انصرفوا مغفورالکم گھروں کو پلٹ جاؤ تمہاری مغفرت ہوئی۔

[1] شعب الایمان ۲۳ باب فی الصیام فصل فی لیلۃ القدر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۳۴۳۔۳۳۶

توظاہر ہُوا کہ یہ ارشاد بعد ختمِ نماز ہوتا ہے ختم نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہر گز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزّت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے، پھر وائے بد بختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے روکے نسأل الله العفو والعافیة اٰمین (ہم اللہ سے فضل وبخشش طلب کرتے ہیں۔آمین۔ت)

ثالثًا اقول: وباللّٰہ التوفیق [۱]ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن حبان وحاکم باسانید صحیحہ جیّدہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [۲]ابوداؤد ودارمی وابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری ومسلم حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [۳]نسائی وطبرانی بسند صحیح و ابن ابی الدنیا اور حاکم بافادہ تصحیح حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [۴]نسائی وابن ابی الدنیا وحاکم وبیہقی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاجلس احدکم فی مجلس فلایبرحن منہ حتی یقول ثلث مرات سبحٰنک اللھم ربنا وبحمدک لاالٰہ الا انت اغفرلی وتب علی فان کان اتی خیرا کان کالطابع علیہ وان کان مجلس لغو کان کفارۃ لماکان فی ذلک المجلس[1]۔	جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے توزنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین [۳]بار یہ دعا نہ کرلے "پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچّا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے" کہ اگراس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دُعا اس پر مہر ہوجائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو تھا جوکچھ اس میں گزرا یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائے گی۔

یہ لفظ بہ روایت امام ابوبکر ابن ابی الدنیا حدیثِ جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں،اور ابوبرزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں یوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲ /۴۱۱،المعجم الکبیر مروی از جبیر بن مطعم مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲/ ۱۳۹،المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۵۳۷

اذاجلس یقول فی اٰخرہ اذا اراد ان یقوم من المجلس سبحٰنك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیک[1]۔	جلسہ فرماتے تو ختم اُٹھتے وقت یہ دعا کرتے "تیری پاکی بولتا اور تیری حمد وثنا میں مشغول ہوتا ہوں اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں میں تیری مغفرت مانگتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں"۔

اسی طرح رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ **اراد ان ینھض**[2] ہے یعنی جب اُٹھنا چاہتے یہ دُعا فرماتے۔اور انہوں نے بعدِ الفاظِ مذکورہ دُعا میں اتنے الفاظ اور زائد کئے:

عملت سوءً وظلمت نفسی انہ لا یغفر الذنوب الّا انت۔[3]	میں نے بُرا کیا اور اپنی ہی جان کو آزار پہنچایا اب میری مغفرت فرمادے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا میں مثل حدیث ابو برزہ ہے اُس میں بھی ارشاد ہوا: **قبل ان یقوم من مجلسہ**[4] کھڑے ہونے سے پہلے دُعا کرتے۔ غرض اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے برشرط مسلم صحیح اور منذری نے جیّد الاسانید کہا، حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عام ارشاد وہدایت قولی وفعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اُس سے اُٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی اور لغو تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہو جائے گا تو لفظ ومعنی دونوں کی رُو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دُعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا جہت لفظ

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن ابی داوٗد کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱، سنن الدارمی ۲۹۔ باب فی کفارۃ المجلس مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز) ۲/ ۱۹۵

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دعاء کفارۃ المجالس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۵۳۷، الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداوٗد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداوٗد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداوٗد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱، جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۱

سے تو یوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے عام ہوا، تلخیص الجامع الکبیر میں ہے:

النکرۃ فی الشرط تعم وفی الجزاء تخص کھی فی النفی والاثبات[1]۔	نکرہ مقامِ شرط میں عموم اور مقامِ جزا میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ نفی واثبات میں ہے۔(ت)

جامع صغیر میں ہے:

انہ نکرۃ فی موضع الشرط وموضع الشرط نفی والنکرۃ فی النفی تعم[2]۔	یہ موضع شرط میں نکرہ ہے اور مقام شرط نفی ہے اور نکرہ مقامِ نفی میں عموم کا مفید ہوتا ہے۔(ت)

معہذا اسمائے شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

اذا عام فی الصور علی ماھو حال اسماء الشرط[3]۔	ذا تمام صورتوں میں عام ہے جیسا کہ اسماءِ شرط کا حال ہوتا ہے۔(ت)

تو قطعًا تمام صلوات فریضہ وواجبہ ونافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود وباطل، اور جہت معنی سے یوں کہ جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دُعا کرنا اُس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو خیر جس قدر اکبر واعظم اُسی قدر اس کا حفظ ضروری واہم، اور بلاشبہہ خیر نماز سے سب چیزوں سے افضل واعلیٰ تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکد تر ہوا یارب، مگر نمازِ عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کے جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفس نفیس جلسۂ نماز کو اس حکم میں داخل فرمایا تخریج حدیث تو اوپر سُن چکے کہ نسائی وابن ابی الدنیا نے وحاکم وبیہقی نے روایت کی اب لفظ سنئے، سنن نسائی کی نوع من الذکر بعد التسلیم میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب

[1] تلخیص الجامع الکبیر
[2] الجامع الصغیر
[3] فتح القدیر

كان اذا جلس مجلسا او صلى تكلم بكلمات و سالته عائشة عن الكلمات فقال اى تكلم بخير كان تابعا عليهن يوم القيٰمة وان تكلم بشر كان كفارة له، سبحٰنك اللهم و بحمدك استغفرك و اتوب اليک۔[1]	کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پُوچھے، فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہوجائیں گے اور بُری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح وحمد بجالاتا ہوں اور تجھ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوگیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ لا یبرحن بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالٰی علٰی زوجہاالکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتارہی ہے کہ صلی زیر اذا، داخل تو ہر صورت نماز کو عام وشامل اور منجملہ صور نماز عیدین، تو حکم مذکور انہیں بھی متناول، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل۔
رابعًا اقول: وباللہ التوفیق ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقًا اعظم مندوباتِ دینیہ واجل مطلوبات شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں بے تقییدِ وقت و تخصیص ہیأت مطلقًا اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف دعوت فرمائی اور اسکی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی، مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط[2]۔	اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور فرماتا ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا[3]۔	قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب مجھے پکارے۔

حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

[1] سنن النسائی کتاب السہو نوع من الذکر بعد التسلیم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۹۷
[2] القرآن ۶۰/۳۹
[3] القرآن ۱۸۶/۲

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا دَعَانِیْ[1]۔ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ۔	میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔ اسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب عزوجل سے روایت کیا۔

اور فرماتا ہے:

یَااِبْنِ اٰدَمَ اِنَّكَ مَادَعَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰی مَاکَانَ مِنْكَ وَلَااُبَالِیْ[2]۔ رواہ الترمذی وحسنہ عن انس بن مالك عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تبارك وتعالٰی۔	اے فرزند آدم! تو جب تک مجھ سے دعامانگے جائے گا اور اُمید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ترمذی نے روایت کرکے اسے حسن قرار دیا ہے اور اسے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب تبارک وتعالٰی سے بیان فرمایا۔

اور فرماتا ہے عزوجل:

مَنْ لاَّیَدْعُوْنِیْ اَغْضِبْ عَلَیْہِ[3]۔ رواہ العسکری فی المواعظ بسند حسن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تعالٰی و تقدس۔	جو مجھ سے دعانہ کرے گا میں اس پر غضب فرماؤں گا اسے عسکری نے مواعظ میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے رب تعالٰی وتقدس سے بیان فرمایا۔

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۳۴۱و ۳۴۳و۳۵۴

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۶۲

[3] کنزالعمال بحوالہ العسکری فی المواعظ حدیث ۳۱۲۷ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/۶۳، سنن ابن ماجہ باب فضل الدعاء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۸۰

احادیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس باب میں سرحدِ تواتر پر خیمہ زن، ایک جملہ صالحہ اُن سے حضرت ختام المحققین سنام المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے رسالہ مستطابہ "احسن الوعا لاٰداب الدعا" میں ذکر فرمایا اور فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی شرح مسمّٰی بہ "ذیل المدعا لاحسن الوعا" میں اُن کی تخریجات کا پتا بتایا، باقی کتاب الترغیب امام منذری وحصن حصین امام ابن الجزری وغیرہما تصانیف علما ان احادیث کی کفیل ہیں، میں بخوف اطالت احادیث فضائل سے عطف عنان کرکے صرف ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں جن میں دعا کی تاکید یا اس کے ترک پر تہدید یا اس کی تکثیر کا حکم اکید ہے۔

حدیث ۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم عباداللہ بالدعاء[1]۔ رواہ الترمذی مستغربًا والحاکم وصححه۔	خدا کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

حدیث ۲: زید بن خارجہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علیّ واجتهدوا فی الدعاء[2]۔ رواہ الامام احمد والنسائی والطبرانی فی الکبیر وابن سعد وسمویه والبغوی والباوردی وابن قانع۔	مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں کوشش کرو۔ اسے امام احمد، نسائی اور طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، سمویہ، بغوی، باوردی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

حدیث ۳: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانه لن یهلك مع الدعاء احد[3]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحه والحاکم وصححه۔	دعا میں تقصیر نہ کرو جو دعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔ اسے ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔

حدیث ۴: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ لیلکم ونهارکم فان الدعاء	رواہ ابو یعلٰی۔ رات دن خدا سے دعا مانگو کہ دعا مسلمان کا

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹۳

[2] سنن النسائی باب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۹۰

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱/ ۴۹۴

سلاح المؤمن[1]۔	ہتھیار ہے۔اسے ابویعلٰی نے روایت کیا ہے۔

حدیث۵: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروالدعاء بالعافیة[2]۔ رواہ الحاکم بسند حسن۔	عافیت کی دعا اکثر مانگ۔ امام حاکم نے اسے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدیث۶: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم[3]۔ اخرج ابوالشیخ فی الثواب۔	دعا کی کثرت کرو کہ دعا قضائے مبرم کو رَد کرتی ہے۔اسے ابوالشیخ نے ثواب میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح فقیر کے رسالہ ذیل المدعامیں دیکھئے۔

حدیث۷و۸: عبادہ صامت وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے ایک بار حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی: اذا نکثر[4] ایسا ہے تو ہم دعا کی کثرت کریں گے، فرمایا: اللہ اکثر[5] اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے وفی الروایة الاخری (دوسری روایت میں ہے۔ت) اللہ اکبر اللہ بہت بڑا ہے،

رواہ الترمذی والحاکم عن عبادة وصححاہ واحمد والبزار وابویعلی باسانید جیّدة والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے صحیح قرار دیا، امام احمد، بزار اور ابویعلٰی نے اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔(ت)

حدیث۹و۱۰: سلمان فارسی وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے حضورِ والا صلی اللہ

---

[1] مسند ابی یعلٰی مروی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۸۰۶ مطبوعہ موسسة علوم القرآن بیروت ۳۲۹/۲

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵۲۹/۱

[3] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۱۲۰ مطبوعہ مکتبة التراث الاسلامی بیروت ۶۳/۲

[4] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۳/۲

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید الخدری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۸/۳

تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر من الدعا عند الرخاء[1]۔ رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ والحاکم عنہ وعن سلمان وقال صحیح واقروہ۔	جسے خوش آئے کہ اللہ تعالٰی سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے وہ نرمی میں دعا کی کثرت رکھے۔ اسے ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اور محدثین نے اس کی صحت کو برقرار رکھا۔

حدیث۱۱: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ[2]۔ رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ۔	جو اللہ تعالٰی سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالٰی اس پر غضب فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

ایہاالمسلمون تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سنے ان میں کہیں بھی تخصیص وتقیید کی بوہے، یہ تو بارہافرمایا کہ دعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کروگے میں سنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں وقت کروگے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دعا سے عاجزنہ ہو، دعامیں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دعامانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ توڈر سنایاگیاہے کہ جو دعا نہ مانگے گا اس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جومانگے گا اس سے اللہ تعالٰی ناراض ہوگا؟-اور جب کہیں نہیں تو خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھادوسرا اسے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۴/۲

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۴/۲، ادب المفرد باب ۲۸۶ حدیث ۶۵۸ مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ص ۱۷۱، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴۴۳/۲، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء حدیث ۹۲۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲۰۰/۱۰

مخصوص ومقید کرنے والا کون؟ خدا اور سول عزمجدہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اسے منع کرنے والا کون؟ قال تعالٰی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ [1]	اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلانہ ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ [2] حکم صرف خداہی کے لئے ہے۔جس چیز کو اس نے کسی ہیأتِ خاصہ محل معین سے مخصوص اور اس پر مقصور ومحصور فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں، جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا اور جس چیز کو اس نے ارسال واطلاق پر رکھا ہر گز کسی ہیأت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی جو اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا، ذکرودعا اسی قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے انہیں کسی قید وخصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً ومطلقاً ان کی تکثیر کا حکم دیا۔ دعا کے بارے میں آیات وحدیث سن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر ذکر جنہیں اس سلسلہ شمار میں (خامسًا) کہئے کہ ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے اور اس پر علمانے تنصیص بھی فرمائی، مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کلہ دعاء ذکر (ہر دعا ذکر ہے۔ت) تو اجازت عامہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ کے دلائل ہیں کہ تعمیم افراد اعم عـــہ یا مساوی، لاجرم تعمیم افراد اخص ومساوی ہے کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) ان دلائل جلائل کا وفور کامل حد احصا کا طرف مقابل، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء میں اس مدعا پر بکثرت آیات واحادیث لکھیں، از انجملہ حدیث حسن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عـــہ: ذکر اعم صرف بنظر کلیہ حاضرہ ہے ورنہ سابق گزرا کہ دوسری طرف سے یہی کلیہ ہے تو دعا وذکر قطعًا متساوی اور اب اتحاد ادلہ اور یہی واضح وجلی ۱۲منہ (م)

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶

[2] القرآن ۶/۵۷

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون [1]۔	ذکرِ الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

وحدیث حسن عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایزال لسانك رطباً من ذکر اللہ [2] ہمیشہ ذکر الٰہی میں تر زبان رہ۔

حدیث جیّد الاسناد ام انس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثری من ذکر اللہ فانك لاتاتین بشیئ احب الیہ من کثرۃ ذکرہ [3]۔	اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔

وحدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من لم یکثر ذکر اللہ فقد برئ من الایمان [4] جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہو گیا۔

وحدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علٰی کل احیانہ [5]۔	حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر وقت ذکر خدا فرمایا کرتے۔

الٰی غیر ذٰلك من الاحادیث والاٰثار (ان کے علاوہ متعدد احادیث وآثار ہیں۔ت) یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات واحوال میں نص ہیں: **آیت ۱: قال جل ذکرہ :**

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ [6]	اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکر الٰہی ودعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۹

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۳

[3] دُر منثور بحوالہ الطبرانی ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۵/ ۲۰۵

[4] دُر منثور بحوالہ المعجم الاوسط ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۵/ ۲۰۵، الترغیب والترہیب کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۰۱

[5] سنن ابی داؤد باب فی الرجل یذکر اللہ تعالٰی علٰی غیر وضوء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴

[6] القرآن ۴/ ۱۰۳

میں ہے:

داوموا علی الذکر فی جمیع الاحوال[1] ای داوموا علی ذکر اللہ تعالٰی فی جمیع الاحوال[2]	تمام احوال میں ذکر پر مدامت کرو۔(ت) یعنی تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر دوام اختیار کرو۔(ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

داوموا علی الذکر اللہ تعالٰی۔ حافظوا علی مراقبتہ ومناجتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال۔[3]	تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر مداومت کرو، اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرو۔(ت)

آیت ۲: قال عزّ اسمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ(۴۱)[4]	اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔

علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں: **یعم الاوقات والاحوال**[5] یہ آیت تمام اوقات واحوال کو عام ہے۔

آیت ۳: قال تعالٰی شانہ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًاؕ[6]	اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں: **ارید بہ ذکر اللہ تعالٰی فی الاوقات کلھا**[7] اس

[1] انوار التنزیل المعروف بتفسیر البیضاوی آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۰۴

[2] تفسیر النسفی المعروف بتفسیر المدارک آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۸

[3] تفسیر ارشاد العقل السلیم آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۸

[4] القرآن ۳۳/ ۴۱

[5] تفسیر ارشاد العقل السلیم آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۷/ ۱۰۶

[6] القرآن ۲/ ۲۰۰

[7] کافی شرح وافی

آیت سے یہ مراد کہ ذکر الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔

آیت ۴: قال تبارك مجدہ : وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا[1] اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔ معالم میں ہے: **فی جمیع المواطن علی السراء والضراء**[2] تمام مواضع میں خوشی وتکلیف میں۔

آیت ۵: قال تقدس اوصافہ :

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾[3]	خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں:

لایخفی ان الذکر والتسبیح والتہلیل والدعاء لاباس بہ لانہا مشروعۃ فی کل الامکنۃ والازمان[4]۔	پوشیدہ نہیں کہ ذکر و تسبیح و تہلیل و دعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں وہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔

اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگان خدا کو اس کی یاد ودعا سے روکتے ہیں حالانکہ اس نے ہرگز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی،

آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾[5]	اے حبیب! ان سے پوچھئے کہ اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔(ت)

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پس بحمد اللہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعًا جائز و مندوب، اور اس سے ممانعت محض بے اصل و باطل و معیوب،

---

[1] القرآن ۴۵/۸ و ۱۰/۶۲

[2] معالم التنزیل علی ھامش خازن پ۲۱ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۵

[3] القرآن ۳۵/۳

[4] ماثبت بالسنۃ خاتمہ کتاب ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۳۲۶

[5] القرآن ۱۰/ ۵۹

والحمدللّٰه هادی القلوب والصلٰوۃ والسلام علٰی شفیع الذنوب واٰله وصحبه عدیمی العیوب ماتناوب للشمس الطلوع والغروب اٰمین!	سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو دل کو رہنمائی عطا کرنے والا ہے اور صلٰوۃ وسلام ہو گناہوں کی شفاعت کرنے والے پر آپ کی آل واصحاب پر جن کے عیوب معدوم ہیں جب تلک شمس کے لئے طلوع وغروب ہے، آمین! (ت)

العیدالثانی وبجودالحبیب حصول الامانی (اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے مقاصد کا حصول ہے۔ت) پہلے وہ فتوٰی پیش نظر رکھ لیجئے کہ مستندین کا حاصل سعی و مبلغ وہم ظاہر ہو حاشا اس فتوے میں جواز وعدم جواز کی اصلاً بحث نہیں، نہ سائل نے اس سے پوچھا نہ مجیب نے ناجائز لکھا بلکہ **سوال** یوں ہے **ماقولهم رحمهم اللّٰه تعالٰی** (ان رحمہم اللہ تعالٰی کا کیا قول ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ جناب رسول مقبول علیہ الصلٰوۃ والسلام اور اصحاب وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بعد نماز عیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر یا بدون ہاتھ اٹھائے **بیّنوا وافتوا بسند الکتاب توجروا عنداللّٰه یحسن المآب** (کتاب کی سند کے ساتھ اسے بیان کرکے اللہ تعالٰی کے ہاں سے بہتر اجر وجزا پاؤ۔ت) **اور جواب یہ هوالمصوب** روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعین عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔ **واللّٰه اعلم**

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحٰی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبدالحٰی ابوالحسنات

اقول: وباللّٰه التوفیق وبه العروج علی اوج التحقیق (اللہ کی توفیق اور تحقیق کی بلندی پر اسی سے عروج ہے۔ت) قطع نظر اس سے محل احتجاج میں کہاں تک پیش ہوسکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید، نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام ورود وعدم ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا، صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ ان کے جو اکابر ماہران فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ **صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین** میں ذکر کیں پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیب، خاص اپنا بیان کر رہے ہیں نہ کہ ائمہ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے

عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے، خصوصًا جبکہ سائل درخواست کرچکا تھا کہ **بیّنوا و افتوا بسند الکتاب** (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوٰی دو۔ت) تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہوسکتا ہے آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیث صحیح سے اس کا نص صریح، ائمہ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کردیا **والحمدللّٰہ رب العٰلمین** پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجئے، جس کا التزام عقلًا ونقلًا کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا **والحمدللّٰہ والمنۃ**، پھر سوال میں تبع تابعین وائمہ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے ان کی نسبت اس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہرحال محل نظر واسناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں اور تقریب یہ کہ حدیثوں میں یہی وارد ہے کہ نماز کے متصل خطبہ اور خطبہ کے متصل معاودت فرماتے تو دعا کا وقت کون سا رہا، اس تقدیر پر ثبوتِ عدم کا ادعا ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ ومعاودت کا ذکر ہے دعا مذکور نہیں، یہ عدم ثبوت کا دعوٰی ہوگا، اور کلام مجیب سے یہی ظاہر ہے کہ ثابت نہیں، کہتے ہیں، نہ کہ نہ کرنا ہی ثابت ہے، اور لفظ "اسی قدر معلوم ہوتا ہے" بھی اسی طرف ناظر، کہ اگر اس سے اثبات عدم مقصود ہوتا تو طرز ادا یہ تھی، کہ حدیثوں سے صاف ثابت کہ نماز وخطبہ ومعاودت میں فصل نہ تھا، پس دعا نہ مانگنا ثابت ہوا، بایں ہمہ شاید حضرات مانعین اپنے نفع کے گمان سے کلام مجیب کو خواہ مخواہ محمل اول پر حمل کریں، لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر دونوں محمل پر کلام کرتا ہے **وباللّٰہ التوفیق**۔

محمل اول پر یہ کلام خود ہی بوجوہ کثیر باطل:

اوّلًا یہ تو اصلًا کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بفور حقیقی معًا خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فورًا واپس تشریف لاتے، غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے گا مگر وہ ہرگز اتصال حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو، فواتح شرح مسلم میں فرمایا:

الفاء للترتیب علٰی سبیل التعقیب من غیر مھلۃ وتراخ، یعد فی العرف مھلۃ وتراخیا[1]۔	فاء ترتیب کے لئے ہے یہ بغیر مہلت وتراخی کے تعاقب کے لئے ہے عرف میں اسے مہلت شمار کیا جاتا ہے اور تراخی بھی صحیح ہے۔(ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبعۃ امیریہ قم ایران ۱/ ۲۳۴

یاہذایہ، تدقیقات ضیقۂ فلسفیہ نہیں، محاورات صافیہ عرفیہ ہیں، اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دو حرفی دعاہر گز عرفاً یا شرعاً مبطل فور و موجب خلاف وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجود تلاوت صلاتیہ میں سنا ہی ہوگا کہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔

ثانیاً دعا تابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبات میں ضم سورت سنا ہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے، حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا:

معقبات لایخیب قائلهن[1]۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کچھ کلمات نماز کے ابعد بلافاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

بااینہمہ علما فرماتے ہیں اگر سنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سنن توابع فرائض سے ہیں دُر مختار میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الابقدر اللّٰھم انت السلام[2] الخ	سنتوں میں اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے زائد تاخیر مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقعد الابمقدار مایقول اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلٰوۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بہا قبل السنۃ	کیونکہ مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام کی مقدار ہی بیٹھتے تھے، اور دیگر روایات میں جو نماز کے بعد اذکار کا ذکر ہے اس میں یہ دلالت نہیں کہ وہ اذکار سنن سے پہلے ہوتے تھے بلکہ بعد میں بھی بجالائے جاسکتے ہیں

[1] سنن النسائی نوع آخر من عدد التسبیح مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۹۸

[2] درمختار فصل واذا اراد والشروع الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۹

بل یحمل علی الاتیان بها بعدها لان السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلن تكن اجنبية عنها فمايفعل بعدها يطلق عليه انه عقيب الفريضة[1]۔	کیونکہ سنّتیں فرائض کے لواحقات، توابع اور ان کی تکمیل کا سبب ہیں لہٰذا یہ فرائض سے اجنبی نہیں ہیں جو ان سنن کے بعد ہو اس پر یہ اطلاق کیاجاسکتاہے کہ وہ فرائض کے بعد ہوا۔ (ت)

ثالثًا مانا کہ مفاد "**فا**" اتصال حقیقی ہے تاہم خوب متنبہ رہناچاہئے کہ حضورپرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوبرس عید کی نمازیں پڑھی ہیں تواحادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگرایک حدیث صلٰوۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوع اتصال پر دلالت کرے اصلاً بکارآمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ، دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا، تو (یوں وہ) مقصود سے منزلوں دور ہے **کما لایخفی**۔

رابعًا مسلّم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظ دوام تواصلاً کوئی حدیث نہ آئی **ومن ادعی فعلیه البیان** (اور جو اس کادعوی کرتاہے وہ دلیل لائے۔ت) اور ایک آدھ جگہ **صلی فخطب فعاد** (نمازپڑھائی، پس خطبہ دیا اور لَوٹ گئے۔ت) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں **کمانصواعلیه** (جیسا کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے۔ت) اور ہم قائل وجوب ولزوم نہیں کہ ترک مرۃً ہمارے منافی ہو اور اگر لفظ **کان یصلی فیخطب فیعود** (آپ نماز پڑھاتے خطبہ دیتے اور لَوٹ جاتے۔ت) بھی فرض کرلیں توہنوز اس کا تکرار پر دلیل ہونا محل نزاع نہ کہ دوام، خود مجیب اپنے رسالہ غایۃ المقال میں کلام حافظ ابوزرعہ عراقی:

ان فی الصحیحین وغیرهما عن سعید بن یزید قال سألت انس بن مالك كان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی فی نعلیه فقال نعم وظاهره ان هذاکان شانه وعادته المستمرة دائما الخ[2]	بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھاکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نعلین کے اندر نماز ادافرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، اس کے ظاہر سے یہی محسوس ہوتاہے کہ آپ کا دائمی معمول تھاالخ (ت)

نقل کرکے لکھتے ہیں:

[1] ردالمحتار فصل واذاارادواالشروع الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۹۱

[2] رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحی فصل فی الصلٰوۃ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص۱۰۹

ماذکرہ من دلالۃ حدیث انس علی کون العادۃ النبویۃ مستمرۃ بالصلوۃ فی النعال منظور فیه لعدم وجود مایدل علیه فیه ولعله استخرجه من لفظ کان وھو استخراج ضعیف لما نص علیه الامام النووی فی کتاب صلٰوۃ اللیل من شرح صحیح مسلم من ان لفظ کان لایدل علی الاستمرار والدوام فی عرفھم اصلا[1]۔	حدیث انس سے ان کا اس پر استدلال کہ نعلین میں نماز ادا کرنا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عادت دائمی تھی محل نظر ہے کیونکہ الفاظِ حدیث میں ایسی کوئی شیئ موجود نہیں شاید انہوں نے لفظ کان سے استنباط کیا ہو حالانکہ یہ استنباط ضعیف ہے کیونکہ امام نووی نے شرح مسلم کے کتاب صلٰوۃ اللیل میں تصریح کی ہے کہ لفظ کان محدثین کے عرف میں ہرگز دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔(ت)

اس مسئلہ کی تمام تحقیق فقیر کے رسالہ التاج ۱۳۰۵ھ **المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل** میں ہے۔

خامسًا یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستہ وغیرہا خصوصًا صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ ومہلت چاہتا ہے تو ادعا کہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض غلط بلکہ حرفِ اتصال اگر دو ایک حدیث میں ہے تو کلمہ انفصال آٹھ دس میں، اب روایات سنئے:

حدیث۱: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

واللفظ لمسلم قال شھدت صلٰوۃ الفطر مع نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر وعمر و عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم فکلھم یصلیھا قبل الخطبۃ ثم یخطب[2]۔	مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی معیت میں نماز عید الفطر ادا کی ان سب نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یصلی فی الاضحی والفطر ثم یخطب بعد الصلٰوۃ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید الاضحٰی اور عید الفطر کی نماز پڑھاتے پھر نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے۔(ت)

[1] رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحی فصل فی الصلٰوۃ مطبع چشمہ فیض لکھنؤ ص۱۰۹

[2] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۹

[3] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

حدیث ۳: اسی کے باب استقبال الامام الناس فی خطبۃ العید میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم اضحی فصلی العید رکعتین ثم اقبل علینا بوجھہ وقال الحدیث[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اضحیٰ کے دن تشریف لائے پھر عید کی دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے ہماری طرف رخ انور کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔(ت)

حدیث ۴: اسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی یوم النحر ثم خطب الحدیث[2]۔	بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے روز نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث ۵: اسی میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

صلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم النحر ثم خطب ثم ذبح[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی(ت)

حدیث ۶: جامع ترمذی میں بافادۂ تحسین و تصحیح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابو بکر وعمر یصلون فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یخطبون[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے۔(ت)

حدیث ۷: سنن نسائی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یخرج یوم العید فیصلی رکعتین ثم یخطب[5]۔	بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کے دن باہر تشریف لاتے آپ دو رکعتیں پڑھاتے پھر خطبہ دیتے (ت)

---
[1] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳
[2] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴
[3] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴
[4] جامع الترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۰
[5] سنن نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۳۴

یہ سات حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق وفاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازِ عیدین کاسلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔

حدیث۸: صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ للبخاری کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیئ یبدؤ بہ الصلٰوۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم فان کان یرید ان یقطع بعثاقطعہ اویامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف[1]۔	الفاظ بخاری یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدالفطر اور اضحٰی کے دن باہر عیدگاہ میں تشریف لاتے سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے، اگرآپ نے کسی لشکر کو بھیجنا ہوتا تو روانہ فرماتے اور کسی کا حکم دینا ہوتا تو حکم فرمادیتے پھر آپ واپس تشریف لاتے۔(ت)

یہ حدیث خطبہ ومعاودت میں فصل بتاتی ہے۔

حدیث۹۹: بخاری ومسلم ودارمی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ حضرت حبرالامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ[2]۔	فرمایا میں فطر اور اضحٰی کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انہیں وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔(ت)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کااظہار کرتی ہے، سبحن اللہ! پھر کیونکر ادعا کرسکتے ہیں کہ نماز وخطبہ وخطبہ ومعاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدم دعاپر دلیل ہوا، اگر کہئے **ثم** کبھی مجازًا بحالتِ عدم مہلت بھی آتا ہے قال الشاعر:

کھزالردینی تحت العجاج
جری فی الانابیب ثم اضطرب[3]

(اس کی حرکت اس ردینی نیزے کی طرح ہے جو میدان کارزار میں اڑنے والے غبار میں حرکت کرتے ہوئے پوروں پر لگتا ہے تو جنبش کرتا ہے)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[3] اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک بحث لفظ ثمّ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ فرع سادس من الفصل الثانی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۸/ ۲۹

اقول: تم مستدل ہو اور مستدل کو احتمال کافی نہیں خصوصًا خلافِ اصل **کمالایخفی علی ذی عقل** (یہ کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں۔ت) معہذا **ف** بارہا مجرد ترتیب بے معنی اتصال وتعقیب کے لئے آتی ہے، امام جلال الدین سیوطی اتقان میں زیر بیان **ف** فرماتے ہیں:

قدتجیئ لمجرد الترتیب نحو فراغ الٰی اھلہ فجاء بعجل سمینo فقربہ الیھم فاقبلت امرأتہ فی صرّۃ فصکّت وجھھا۔ فالزاجرات زجراo فالتالیات[1]۔	کبھی کبھی فاء محض ترتیب کے لئے آتی ہے، مثلاً ان آیات میں (ترجمہ آیات) پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا۔ اس پر اس کی بیوی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا۔ پھر قسم ان کی کہ جھڑک کر چلائیں۔ پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں۔(ت)

بلکہ مسلم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولوفی الذکر[2]۔	فاء بطریق تعقیب ترتیب کے لئے آتی ہے خواہ وہاں ترتیب ذکری ہو۔

تو ایک **ف** کا مجرد ترتیب یا ترتیب فی الذکر مجاز پر حمل اولٰی ہے یا دس **ثمّ** کا مجاز پر۔

سادسًا یہ عدم فصل بطور سلب عموم لیتے ہو تو ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید کہ ہمیں ایجاب کلی کی ضرورت نہیں، کہ سلب جزئی ہمارے خلاف ہو، اور بطور عموم، سلب تو دونوں جگہ اس کا بطلان ثابت و واضح۔ صحیح حدیثیں تنصیص کر رہی ہیں کہ بالیقین دونوں جگہ فصل واقع ہوا، نماز وخطبہ میں وہ **حدیث** عـــہ **(۱۰)** کہ ابوداؤد و

عـــہ **اقول:** یہ حدیث صحیح ہے، رواہ ابوداؤد عن محمد بن الصباح البزار صدوق والنسائی عن محمد بن یحیی بن ایوب ثقۃ وابن ماجۃ عن ھدیۃ بن عبدالوھاب صدوق وعمر بن رافع البجلی	اس کو ابوداؤد نے محمد بن الصباح البزار سے (جو صادق ہیں) اور نسائی نے محمد بن یحیٰی بن ایوب سے (جو ثقہ ہیں) اور ابن ماجہ نے ہدیہ بن عبدالوہاب سے (جو کہ صدوق ہیں) اور عمر بن رافع البجلی (جو کہ ثقہ ہیں) تمام نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاتقان النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۶

[2] مسلم الثبوت مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص۶۱

نسائی وابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

واللفظ لابن ماجة قال حضرت العید مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فصلی بنا العید ثم قال قدقضینا الصلٰوة فمن احب ان یجلس للخطبة فلیجلس ومن احب ان یذهب فلیذهب[1]۔	ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں میں عید میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا حضور نے نماز عید پڑھائی پھر فرمایا ہم نماز توپڑھ چکے اب جو سننے کے لئے بیٹھنا چاہے بیٹھے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔

اگر ثم کا خیال نہ بھی کیجئے تو یہ کلام نماز وخطبہ کے درمیان فاصل تھا تو ہمیشہ اتصال حقیقی ہونا باطل ہوا اور خطبہ ومعاودت میں تو فصل کثیر اسی حدیث نہم سے ثابت جو عنقریب گزری جس کی ایک روایت بخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی کے یہاں یوں ہے:

صلی (یعنی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم) ثم خطب ثم اتٰی النساء ومعه بلال فوعظهن وذکرهن وامرهن بالصدقة فرایتهن یهوین بایدیهن یقذفنهن فی ثوب بلال ثم انطلق هو وبلال الٰی بیته[2]۔	یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نمازِ عید پڑھی پھر بعدہ، خطبہ فرمایا پھر بعد ازاں صفوف زنان پر تشریف لاکر انہیں وعظ وارشاد کیا اور صدقہ کا حکم دیا تو میں نے دیکھا کہ بیبیاں اپنے ہاتھوں سے گہنا اتار اتار کر بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثقة ثبت کلهم قالوا ثنا الفضل بن موسی ثقة ثبت ثنا ابن جریح عن عطاء وهما ماهما عن عبدالله بن السائب رضی الله تعالٰی عنهما له ولابیه صحبته فتصویب دس وابن معین ارساله غیرمتاثر عندنا بعد ثقة الرجال فالحدیث صحیح علٰی اصولنا ۱۲ منه (م)

کہا کہ ہمیں فضل بن موسٰی (جو ثقہ اور مضبوط ہیں) انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے عطاء سے (یہ دونوں مقام میں مسلم ہیں) نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالٰی عنہ (ان کو اور ان کے باپ کو صحبت ہے) پس ابوداؤد اور نسائی کی تصویب ہوئی اور ابن معین کا رجال کے ثقہ ہونے کے بعد اس کو مرسل بنانا متاثر نہیں کرے گا، پس ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] السنن لابن ماجہ ماجاء فی صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین، باب العلم بالمصلی مطبوعہ نور محمد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کاشانۂ نبوت کو تشریف فرما ہوئے۔ دیکھو خطبہ کے کتنی دیر بعد معاودت ہوئی یہ وعظ وارشاد کہ بیبیوں کو فرمایا گیا جزءِ خطبہ نہیں بلکہ اس سے جُدا ہے، صحیحین میں روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صاف فرماتے ہیں کہ:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن [1] الحدیث۔	یعنی پھر بعد نماز حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا، جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اُتر کر بیبیوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں تذکیر فرمائی، الحدیث۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں ناقل:

ھذہ الروایۃ مصرحۃ بان ذلک کان بعد الخطبۃ [2]۔	یہ روایت اس پر تصریح ہے یہ عمل خطبہ کے بعد تھا۔(ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں:

انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید [3]۔	آپ خواتین کے اجتماع میں خطبۂ عید کے بعد تشریف لے گئے تھے۔(ت)

پس بحمداللہ تعالٰی ماہ نیم ماہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ اس تقریر سے عدم دعا کا ثبوت چاہنا محض ہوس خام اور اس محمل پر یہ کلام خود باطل وبے نظام والحمدللہ ولی الانعام (سب تعریف اللہ کے لئے جو انعام کا مالک ہے۔ت)

اب **محمل دوم** کی طرف چلئے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول: یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدور پوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس

---

[1] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۸۹/۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ فرع سادس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۹/۸

[3] منہاج نووی شرح مسلم مع مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۸۹/۱

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتوی جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً عید اول میں گزرا کہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس دعا کا ثبوت فعلی بتارہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعلیٰ واتم ہے۔ اب عید اول کی تقریریں پھر یاد کیجئے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دعا فرمانا بتارہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے، اگر کہئے وہ حدیث ضعیف ہے **اقول:** فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثباتِ استحباب میں کافی ووافی ہے **کما نص علیہ العلماء الفحول** (جیسا کہ اکابر علماء نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ت) خود مجیب کے آخر جلد دوم کے فتاوٰی میں ہے:

حدیث ضعیف برائے استحباب کافی ست چنانچہ امام ہمام درفتح القدیر درکتاب الجنائز می نویسند والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع **انتھی**[1]۔	حدیث ضعیف استحباب کے لئے کافی ہوتی ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر کے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ حدیث ضعیف غیر موضوع سے مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے انتہی (ت)

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز واستحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یافرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو اور فردیت بے خصوصیت محال اور وجود عینی وتعین متساوق تو جس قدر خصوصیات وتعینات معقول ہوں سب بالیقین اسی حکم مطلق میں داخل، جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے ثابت نہ ہو، اس قاعدہ جلیلہ کی تحقیق مبین حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** میں افادہ فرمائی **من شاء فلیتشرف بمطالعتہ** (جو چاہے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرے۔ت) یہاں اسی قدر کافی کہ خود حضرات وہابیہ کے امام ثانی ومعلم اول میاں اسمٰعیل دہلوی رسالہ بدعت میں لکھتے ہیں:

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لاہور ۲۴۸/۱

درباب مناظرہ درتحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعوے جریان حکم مطلق درصورت خاصہ مبحوث عنہا می نماید ہمانست متمسک باصل کہ دراثبات دعوے خود حاجت بدلیلے ندارد ودلیل اوہماں حکم مطلق ست وبس[1]۔	مناظرہ میں کسی صورت خاصہ کے ثبوت کے لئے یہ دعوی کہ حکم مطلق ہےاور اس کااطلاق صورتِ خاصہ پر بھی ہوتا ہے اصل کے ساتھ استدلال ہے کیونکہ اصل کے ساتھ استدلال میں دلیل کی حاجت نہیں ہوتی یہی دلیل کافی ہے کہ حکم مطلق ہے۔(ت)

رابعًا ہم صدرجواب میں حضرت ائمہ تابعین سے اس دعاکا ثبوت روایت کرآئے پھر حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہونے کومانعین کس منہ سے منع ٹھہراسکتے ہیں کہ ان کے نزدیک تشریح احکام تابعین تک باقی رہتی اور ان کے بعد منقطع ہوتی ہے پھرقرن اول سے عدم ثبوت کیامضرومنافی ہے۔

خامسًا ہرعاقل جانتاہے کہ ادعائے ثبوت میں قابل جزم وتصدیق صرف عدم وجدان قائل ہے اور عدم وجدان، عدم وجود کومستلزم نہیں خصوصًا ابنائے زماں میں۔اورامرواضح ہےاورسبرفاضح۔اور گزرااشارہ اورآئےگادوبارہ۔ہم نے اس کاکچھ بیان اپنے رسالہ صفائح اللجین وغیرہامیں لکھا یہاں اتناہی بس ہے کہ خود مجیب اپنی کتاب السعی المشکور فی ردالمذھب الماثور میں لکھتے ہیں: "نفی رؤیت سے نفی وجود لازم نہیں، نظائراس کے بکثرت ہیں کم نہیں منجملہ ان کے حدیثِ عائشہ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے:

مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسبح سبحۃ الضحٰی وانی لاسبحہا[2] انتہی۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کونماز چاشت اداکرتے نہیں دیکھااور میں اداکرتی ہوں انتہی(ت)

جب ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے نزدیک عدم ثبوت عدم ثبوت واقعی کومستلزم نہ ہواتوزیدوعمرومن وتوکس شمار وقطارمیں ہیں۔

سادسًا عدم ثبوت مان بھی لیں تواس کاصرف یہ حاصل کہ منقول نہ ہواپھرعقلاء کے نزدیک عدم نقل نقل عدم نہیں یعنی اگرکوئی فعل بخصوصہ حضورپرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول نہ ہوتواس سے یہ لازم نہیں آتاکہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیابھی نہ ہو،امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] رسالہ بدعت میاں اسمٰعیل دہلوی

[2] کتاب السعی المشکور لعبدالحٰہ بحث اسکی کہ نفی رؤیت سے نفی وجودلازم نہیں مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص ۱۱۳

عدم النقل لاینفی الوجود[1] (عدم نقل نفی وجود کو مستلزم نہیں۔ت) خود مجیب اپنی سعی مشکور میں تنزیہہ الشریعۃ امام ابن عراق سے نقل کرتے ہیں: عدم الثبوت لایلزم منه اثبات العدم[2] (عدمِ ثبوت سے اثبات عدم لازم نہیں آتا۔ت)

سابعًا خادمِ حدیث جانتاہے کہ بارہا رواۃ حدیث امور مشہورہ معروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں اور ان کا وہ ترک، دلیل عدم نہیں ہوتا، ممکن کہ یہاں بھی بربنائے اشتہار حاجت ذکر نہ جانی ہو، اس اشتہار کا پتا اس حدیث صحیح سے چلے گا جو ہم نے صدر کلام میں روایت کی کہ جب تابعین عظام میں بعد نماز عیدین دعا کا رواج تھا تو ظاہرًا انہوں نے یہ طریقہ انیقہ صحابہ کرام اور صحابہ کرام نے حضور سید الانام علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا، حضرات مانعین اگر دیانت پر آئیں تو سچ سچ بتادیں گے کہ عیدین کے قعدہ اخیرہ میں خود بھی دعا و درود پڑھتے اور اسے جائز و مستحب جانتے ہیں، اس کی خاص نقل حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دکھادیں یا اپنے بدعتی ہونے کا اقرار کریں، اور اگر فرائض پر قیاس یا اطلاقات سے تمسک کرتے ہیں تو یہاں کیوں یہ طرق نامقبول ٹھہرتے ہیں **واللہ الموفق**۔

ثامنًا نقل عدم بھی سہی پر وہ نقل منع نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایاہے کہ **وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ**[3] جو رسول دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ ما فعل الرسول فخذوہ ومالم یفعل فانتھوا رسول جو کرے کرو اور جو نہ کرے اس سے بچو، کہ شرعًا یہ دونوں قاعدے منقوض ہیں۔ امام الوہابیہ کے عم نسب و پدرِ علم وجدِّ طریقت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

نکردن چیزے دیگرست ومنع فرمودن چیزے دیگر[4]۔	کسی چیز کا نہ کرنا اور شئی ہے اور منع کرنا اور شئی ہے۔(ت)

تاسعًا اگر مجرد عدمِ نقل یا عدم فعل مستلزم ممانعت ہو تو کیا جواب ہوگا، شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور صاحب زادے شاہ عبدالعزیز صاحب اور امام الطائفہ میاں اسمٰعیل اور ان کے

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰

[2] کتاب السعی المشکور فی رد المذہب المشہور لعبدالحہ ضعیف رواۃ وجہالت الخ مطبع چشمہ فیض لکھنؤ ص ۱۹۷

[3] القرآن ۵۷/۲۳

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

پیر سیّد احمد اور شیخ السلسلہ جناب شیخ مجدّد صاحب اور عمائد سلسلہ مرزا مظہر صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب وغیرہم سے جنھوں نے اذکار واشغال واوراد وغیرہا کے صدہا طریقے احداث وایجاد کئے اور ان کے محدث و مخترع ہونے کے خود اقرار لکھے پھر انھیں سبب قُربِ الٰہی و رضائے ربانی جانا کئے اور خود عمل میں لاتے اوروں کو اُن کی ہدایت و تلقین کرتے رہے۔ شاولی اللہ قول الجمیل میں لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولاتلك الاشغال[1]۔	نہ یہ تعیّن آداب ثابت ہے اور نہ یہ اشغال۔ (ت)

مرزا جان جاناں صاحب مکتوب ۱۱ میں فرماتے ہیں:

ذکر جہر یا کیفیاتِ مخصوصہ ونیز مراقبات نہ اطوار معمولہ کہ در قرونِ متأخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنّن ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت است وداخل دائرہ اباحت وفائدہ دراں متحقق وانکارآں ضرورتے۔[2]	ذکر بالجہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اس طرح اطوار معمول کے ساتھ مراقبات جو متاخرین کے دور میں رواج پاچکے ہیں یہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں بلکہ حضرات مشائخ نے بطریقِ الہام واعلام مبدء فیاض سے حاصل کئے ہیں، اور شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے اور یہ دائرہ اباحت میں داخل، اور ان کے فوائد ہیں نقصان کوئی نہیں۔ (ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ **انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار** (۱۳۰۵ھ) ذکر کی **وباللہ التوفیق۔**

عاشراً ان سب صاحبوں سے در گزریے، خود وہ عالم جن کا فتوٰی اس مسئلہ میں تمھارا مبلغ استناد ومنتہائے استمداد ہے یعنی مولوی لکھنوی مرحوم انھیں کے فتاوٰی کی تصریحات جلیہ تنصیصات قویہ دیکھئے کہ ان کے اصول، فروع کس درجہ تمھارے فروع واصول کے قاطع و قامع ہیں، پھر ان مسائل میں اُن کا دامن تھامنا، چراغِ خرد کا، صرصر جہل سے سامنا، عقل وہوش سے لڑائی ٹھاننا، نافع ومضر میں فرق نہ جاننا، نہیں تو کیا ہے۔ میں یہاں ان کی صرف دو۲ عبارتیں نقل کروں گا جو حضرات وہابیہ کے اسی مغالطہ عامۃ الورود یعنی حدوثِ خصوص اور قرون ثلٰثہ سے عدمِ ورود کو دلیل منع جاننے کی قاطع و فاضح ہیں اور وہ بھی صرف اسی مجموعہ فتاوٰی، نہ ان کے دیگر رسائل سے، تاکہ سب پر ظاہر ہو ع

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل فصل ۱۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب ۱۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

کہ باکہ باختہ عشق درشبِ دیجور
(تونے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی)

پھر ان میں بھی قصدِ استیعاب نہیں بلکہ صرف چند عبارتیں پیش کروں گا، بعض مفید ضوابط واصول اور بعض میں فروع قاطعہ اصولِ فضول واللہ المستعان علٰی کل جھول۔

الاصول___عبارت ۱: مجموعہ فتاوٰی جلد اول کے صفحہ ۵۶ پر علامہ سید شریف کے حواشی مشکوٰۃ سے استناداً نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حدیث:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو ردّ۔	جس نے ہمارے امر میں نئی ایجاد کی وہ اس میں سے نہ تھی وہ مردود ہوگی۔ (ت)

کی شرح میں فرمایا:

المعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاھر اوخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیه انتھی[1]۔	یعنی حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ جو شخص دین میں ایسی رائے پیدا کرے جس کے لئے قرآن وسنت میں ظاہر یا پوشیدہ، صراحۃً یا استنباطًا کسی طرح کی سند نہ ہو وہ مردود ہے انتہی۔

تو صاف ثابت ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ سے ورودِ خصوصیت، زنہار ضرور نہیں بلکہ عوام واطلاق اباحت میں دخول بسند کافی ہے کما ھو مذھب اھل الحق (جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے۔ ت)

عبارت ۲: اُسی کے صفحہ ۵۷ پر امام ابن حجر مکی کی فتح مبین شرح اربعین سے ناقل:

المراد من قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه ماینا فیه اولا یشھدله قواعد الشرع والادلة العامة انتھی[2]۔	یعنی حدیث کی مراد یہ ہے کہ وہی نو پیدا چیز بدعت سیئہ ہے جو دین وسنت کا رد کرے یا شریعت کے قواعد اطلاق ودلائل عموم تک اس کی گواہی نہ دیں۔

عبارت ۳: اُسی صفحہ میں خود لکھتے ہیں:

گمان نبری کہ استحسان شرعی صفت آن مامور بہ	یہ گمان نہ ہو کہ استحسان شرعی ایسے مامور بہ کی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/۸

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعی یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/۹

است کہ صراحۃً در دلیلے از دلائل اربعہ امر باو وارد شدہ باشد بلکہ استحسان صفت ہر مامور بہ است خواہ صراحۃً امر باو وارد شدہ باشد یااز قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ باشد[1]۔	صفت ہوگا جس پر دلائل اربعہ میں سے صراحۃً کوئی دلیل وارد ہوگی بلکہ استحسان ہر اس مامور بہ کی صفت بن سکتا ہے خواہ صراحۃً اس پر امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اس پر سند ہے۔(ت)

عبارت ۴: صفحہ ۵۸ پر لکھا:

ہر محدثیکہ وجودش بخصوصہ در زمانے از ازمنہ ثلثہ نباشد لیکن سندش در دلیلے ازادلہ اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد نمی بینی کہ بنائے مدارس[2] الخ۔	ہر وہ نئی شی جس کا وجود تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہ ہو لیکن اس پر ادلّہ اربعہ سے سند موجود ہو تو وہ بھی مستحسن ہوگی آپ مدارس وغیرہ کی ایجاد نہیں دیکھتے الخ (ت)

عبارت ۵: صفحہ ۵۳۱:

کتب فقہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا مگر بہ سبب اغراضِ صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا[3]۔

الفروع ___ عبارت ۶ : صفحہ ۶۲:

اگر تسلیم کنم کہ ذکرِ مولد در ازمنہ ثلثہ نبود ونہ از مجتہدین حکم او منقول شد لیکن چوں در شرع ایں قاعدہ ممہد شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب وذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوبیت اوداده خواہد شد[4]۔	اگر میں تسلیم کرلوں کہ ذکر مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔(ت)

عبارت ۷: صفحہ ۲۹۸:

بعد دو رکعت سنتِ ظہر و مغرب وعشاکے دو رکعت نفل پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

---

[1] مجموعہ فتاوی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۹

[2] مجموعہ فتاوی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۹

[3] مجموعہ فتاوی کتاب المساجد مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱/ ۹۱۳

[4] مجموعہ فتاوی کتاب المساجد مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۹۱۳

اب تک نظر سے نہیں گزرا لیکن جو شخص بقصدِ ثواب بدون اعتقاد سنیّت پڑھے گا ثواب پائیگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے:

الصلٰوۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر [1]۔	نماز سب سے بہتر عمل ہے جو چاہتا ہے کم کرے اور جو چاہتا ہے زیادہ کرے۔(ت)

اقول: سائل سے پوچھا تھا اصل اس کی سنت واجماع وقیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور ان میں بعض کے لئے ثبوت خاص احادیث سے نظرِ فقیر میں حاضر مگر کلام رد خیالات وہابیت میں ہے **وھو حاصل** (اور یہی حاصل ہے۔ت)

عبارت۸ : صفحہ ۲۹۴:

الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبہ سامعان ہوئے تو امیدِ ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں [2] الخ

عبارت۹: مجموعہ فتاوی جلد دوم صفحہ ۱۷۰ :

کسیکہ می گوید وجودیہ وشہودیہ از اہل بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست ومنشاء قولش جہل و ناواقفیت است از احوال اولیاء از معنے توحید وجودی وشہودی وشاعری کہ ذم ہر دوفرقہ ساختہ قابلِ ملامت است **واللہ اعلم** [3]۔	جو شخص یہ کہتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود والے اہل بدعت ہیں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی وجہ اس کا احوال اولیاء اور معنی توحید وجودی اور شہودی سے جہالت و ناواقفیت ہے اور وہ شاعر جو ان دونوں طبقات پر طعن کرتا ہے وہ قابلِ مذمت ہے **واللہ اعلم**۔(ت)

ذرا تقویۃ الایمان کی بالاخوانیاں یاد کیجئے۔

عبارت۱۰ : صفحہ ۴۲۱:

فی الواقع شغلِ برزخ اُس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت،

---

[1] مجموعہ فتاوی کتاب الصلوۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱/ ۱۵۳

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۲۵، ۲۴

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۵۸

ہاں افراط و تفریط اُس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوب مجدد الف ثانی میں جابجا موجود ہے **واللہ اعلم**[1]

سبحٰن اللہ وہ عالم کہ تمھارے مذہب نامہذب پر معاذاللہ صراحۃً مشرک و مجوز شرک ہوچکا اُس پر اعتماد اور اس کے فتوے سے استناد کس دین و دیانت میں روا۔

عبارت۱۱: اُسی کی جلد سوم صفحہ ۵۸ میں ہے:

سوال: وقت ختم قرآن در تراویح سہ بار سورہ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ۔ **جواب:** مستحسن است[2]۔	**سوال:** تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں؟ **جواب:** مستحسن ہے۔

عبارت ۱۲: صفحہ ۱۲۵:

اما جمیع میان تکلم بالفاظِ سلام و دست برداشتن و بر سر یا سینہ نہادن پس ظاہر الا باس بہ است[3]۔	لفظِ سلام کہتے ہوئے سر یا سینہ پر ہاتھ رکھنے میں ظاہرًا کوئی حرج نہیں۔ (ت)

عبارت ۱۳: صفحہ ۱۲۷:

سوال: بسم اللہ نوشتن بر پیشانی میّت از انگشت درست یانہ؟ **جواب:** درست است[4]۔	**سوال:** میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟ **جواب:** درست ہے۔ (ت)

عبارت ۱۴: صفحہ ۱۳۳:

سوال: قیامِ وقت ذکر ولادت باسعادت کے جواب میں قیام بالقصد کا قرون ثلثہ سے منقول نہ ہونا اور بعض احوال میں صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام نہ کرنا نقل و تحریر کرکے لکھتے ہیں:

لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا قیام می فرمایند امام برزنجی رحمۃ اللہ تعالٰی در رسالہ مولد	لیکن حرمین شریفین (اللہ تعالٰی ان کو اور شرف عطا فرمائے) کے علماء قیام کرتے ہیں، امام برزنجی رحمۃ اللہ

[1] مجموعہ فتاوٰی

[2] مجموعہ فتاوٰی باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۳/۵۷)

[3] مجموعہ فتاوٰی باب المصافحہ والمعانقہ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۳/۱۲۱

[4] مجموعہ فتاوٰی باب ما یتعلق بالموتی مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۳ / ۱۲۳

می نویسند وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتہی[1]۔	رسالہ مولد میں لکھتے ہیں صاحب روایۃ ودرایۃ ائمہ ذکرِ مولد شریف کے وقت قیام مستحسن تصور کرتے ہیں مبارک ہے ان علمائے کے لئے جس کا مقصد و منزل نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تعظیم ہے انتہی (ت)

یعنی ذکرِ ولادت شریف کے وقت قیام کرنے کو ان اماموں نے مستحسن فرمایا ہے جو صاحبِ روایت و درایت تھے تو خوشی وشادمانی ہو اسے جس کی نہایت مراد و مقصد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور خود مجیب لکھنوی حرمین طیبین کی مجالسِ متبرکہ میں اپنا حاضر و شریک ہونا بیان کرتے اور انھیں مجالس متبرکہ لکھتے ہیں حالانکہ بشہادت مجیب ومشاہدہ تواتران مجالس ملائک مآنس کا قیام پر مشتمل ہونا یقینی، مجیب موصوف اسی جلد فتاوٰی صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں:

در مجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحی تا آخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورہ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہد کردہ ام ہم درمکہ معظّمہ وہم درمدینہ منورہ وہم درجدہ[2]۔	مولد شریف کی مجالس میں سورہ والضحٰی سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہتے ہیں راقم الحروف مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور جدّہ میں ان مجالس مبارکہ میں شریک ہوا ہے۔(ت)

عبارت ۱۵: طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی ودر مصرف خود آرد یا تصدق نماید؟ **جواب:** ظاہرًا دراستعمال پارچہ مذکور بصرفِ خود وجہی کہ موجب ہزہ کاری باشد نیست واولے آنست کہ بمساکین وفقراء دہد[3]	**سوال:** سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے یا اسے صدقہ کردیا جائے؟ **جواب:** ظاہرًا اپنے استعمال میں لانے میں کوئی گناہ نہیں، ہاں بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء پر خرچ کردیا جائے۔(ت)

ذرا حضرات مخالفین اس اولٰی آنست (بہتر یہ ہے۔ت) کی وجہ بتائیں اور اسے اپنے اصول پر منطبق

[1] مجموعہ فتاوٰی باب قیامِ میلاد شریف مطبوعہ مطبع یُوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱۳۰/۳

[2] مجموعہ فتاوٰی باب القراءۃ فی الصلوٰۃ قراءۃ فاتحہ خلف الامام مطبوعہ مطبع یُوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۵۲/۳

[3] مجموعہ فتاوٰی باب ما یحل استعمالہ ومالا یحل مطبوعہ مطبع یُوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱۱۶/۳

فرمائیں ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم اس قسم کے کلام رسائل ومسائل مجیب میں بکثرت ملیں گے وفیما ذکرنا کفایۃ اللہ واللہ سبحٰنہ ولی الھدایۃ (جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ کافی ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی ذات پاک ہے اور وہی ہدایت کامالک ہے۔ت) بحمد اللہ جواب اپنے منتہی کو پہنچااور تحقیق حق تا ذزدۂ علیا اب نہ رہامگر سعی مانعین کا وہ پہلا رونما یعنی عوام کا بعد نماز فرائض بھی دعا سے دست کش ہونا، یہاں اگر میں نقل احادیث پر اتروں توایک مستقل رسالہ املا کروں مگر بحکم ضرورت صرف مولوی عبدالحٔ صاحب کاایک فتوٰی ملخصا نقل کرتا ہوں جس پر غیر مقلدین زمانہ کے امام اعظم نذیر حسین دہلوی کی بھی مہر ہے، مجموعہ فتاوٰی جلد دوم صفحہ ۴۷۷:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعا بعد نماز چنانکہ معمول ائمہ ایں دیارست ہر چند فقہا مستحسن می نویسند واحادیث در مطلق رفع یدین دردعا نیز وارد دریں خصوص ہم حدیثے وارد ست یانہ، بینوا توجروا۔	اس بارے میں علماء کیافرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا جیسا کہ اس علاقے کے ائمہ کا طریقہ ہے کیسا ہے؟ فقہاء نے اسے مستحسن لکھا ہے احادیث میں مطلقاً دُعا میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ بھی آیا ہے کیااس سلسلہ میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بیان کرکے اجر پاؤ۔
ھوالمصوب دریں خصوص نیز حدیثے وارد ست حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی در عمل الیوم واللیلہ می نویسند حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابواسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیالسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدا لرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب والہ جبرئیل و میکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی	ھوالمصوب، اس بارے میں خصوصًا حدیث بھی وارد ہے حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے احمد بن حسن انھیں ابواسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید الیالسی نے انھیں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی نے انھیں خصیف نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پھر عرض کیا: اے اللہ میرے معبود، سیدنا ابراہیم واسحٰق اور یعقوب کے معبود، جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے الہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول کیجئے، میں مضطر، مجھے میرے دین میں محفوظ رکھئے، میں مبتلاہوں مجھے

برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لایرد یدیہ خائبتین واللہ تعالٰی اعلم[1]	اپنی رحمت عطا کیجئے میں نہایت گنہگار ہوں میرے فقر کو دور کر دیجئے میں نہایت مسکین ہوں، تو اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

الجواب صحیح: ویؤیدہ ما رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ و دعاالحدیث فثبت بعد الصلٰوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما لا یخفی علی العلماء الاذکیاء۔	**جواب صحیح ہے:** اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے انھوں نے اپنے والد سے بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی آپ نے سلام پھیرا، ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی الحدیث، لہٰذا نماز فرض کے بعد سیّد الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ثابت ہے جیسا کہ علماء اذکیاء پر مخفی نہیں۔ (ت)

محمد سید نذیر حسین

لطیفہ: فقیر غفرلہ المولی القدیر نے وہابیہ کے اس خیال ضلال کے رَدّ و ابطال کو کہ جو کچھ بخصوصہ قرون ثلٰثہ سے منقول نہیں ممنوع ہے، مجیب کی پندرہ[۱۵] عبارتیں نقل کیں مگر لطف یہ ہے کہ خود ہی فتوے جس سے یہاں انھوں نے استناد کیا اس خیال کے ابطال کو بس ہے، مجیب کی عادت ہے کہ شروع جواب میں **ھوا لمصوب** (وہی درست کرنے والا ہے۔ت) یہی لفظ اُس فتوے کی ابتداء میں بھی لکھا **کما سمعت نصہ** (جیسا کہ اس کے الفاظ آپ پیچھے پڑھ چکے۔ت) اب حضرات مخالفین ثابت کر دکھائیں کہ حضور

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلوٰۃ رفع یدین در دعا بعد ادائے نماز پنجگانہ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱/۲۴۸

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ کرام وتابعین عظام علیہم الرضوان، اللہ جل وعلا کو مصّوب کہا کرتے ہوں خصوصًا بحالیکہ اسمائے الٰہیہ توقیفی ہیں،

واذ قد بلغنا الٰی ذکر التوقیف وقف القلم و کان ذلك اللیلة بقیت من اوسط عشرات شعبان المعظم سنة، الف(۱۳۰۷ھ) وثلثمائة و سبع من هجرة سید العالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحمد للہ علی ما الھم والصلٰوة والسلام علی المولی الاعظم واٰلہ وصحبہ سادات الامم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جب ہم لفظ توقیف پر پہنچ چکے قلم رک گیا اس کا اختتام ۱۳۰۷ھ میں شعبان المعظم کے وسط میں ہوا، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رہنمائی کرتا ہے صلوٰۃ وسلام مولی اعظم پر، آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو کہ امت کے سربراہ ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۱۴تا۱۴۱۵: بنارس محلّہ کنڈی گڑ تولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ از مولوی عبدالغفور صاحب ۶ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکۃ جامع معقول ومنقول حاوی فروع واصول جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مداللہ فیضانہ از جانب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، کچھ مسائل میں یہاں درمیان علماکے اختلاف ہے لہٰذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکۃ ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں

(۱) زید کہتا ہے نماز عیدین صحرا میں پڑھنی سنت ہے لیکن شہر میں بھی جائز ہے جس شخص نے نماز مذکور شہر میں پڑھی نماز اس کی ضرور ادا ہوئی البتہ ترک سنت اس نے کیا اور ثواب سنّت سے محروم رہا، عمرو کچھ روز تک قائل تھا نماز عیدین شہر میں جائز نہیں مگر چند روز سے بذاتِ خود یا بوجہ تعلم کسی غیر کے کہتا ہے گو نماز مذکور شہر میں جائز ہے لیکن پڑھنے والے گنہگار ہوں گے۔

(۲) زید کہتا ہے نمازِ عیدین مسجد پختہ چھت دار کے اندر جو صحرا میں واقع ہے پڑھنے سے ثواب صحرا میں پڑھنے کا نہ ملے گا عمرو کہتا ہے گو مسجد پختہ چھت دار ہے مگر چونکہ صحرا میں واقع ہے لہٰذا ثواب صحرا میں پڑھنے کا ملے گا، ان سب مسائل میں قول زید کا صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) قولِ زید صحیح ہے عامہ کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ نماز عیدین بیرون شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے، مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی

نہ ہو، واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقاً گناہ ہو، نقایہ وکنز ووافی وغرر واصلاح وملتقی وغیرہا متون میں بلفظ ندب[1]، وقایہ بکلمہ حبب[2]، ہدایہ میں بلفظ یستحب[3] تعبیر فرمایا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن ملک سے ہے:

الافضل اداؤھا فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکۃ خلاف[4]۔	تمام شہروں میں میدان میں عید ادا کرنا افضل ہے لیکن مکہ میں اختلاف ہے۔(ت)

متنِ تنویر وفتح القدیر ودرر وہندیہ ومضمرات وبزازیہ وغنیہ وخانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ظہیریہ وغیرہا میں ہے: الخروج الیھا سنّۃ[5] (عیدگاہ کی طرف نکلنا سنّت ہے۔ت)۔ بحر میں ہے:

التوجہ الی المصلی مندوب کما افادہ فی التجنیس وان کانت صلٰوۃ العید واجبۃ حتی لوصلی العید فی الجامع ولم یتوجہ الی المصلی فقد ترک السنۃ[6]۔	عیدگاہ کی طرف جانا مندوب ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اگرچہ نماز عید واجب ہے حتی کہ اگر کسی نے جامع مسجد میں عید پڑھی اور عیدگاہ کی طرف نہیں گیا تو اس نے سنّت کو ترک کیا۔(ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

الخروج الیہ یندب وان کان الجامع یسعھم فالخروج لیس بواجب[7]۔	عیدگاہ کی طرف نکلنا مندوب ہے اگر جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو البتہ نکلنا واجب نہیں۔(ت)

---

[1] کنزالدقائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۹

[2] شرح وقایہ باب العیدین مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۵

[3] الہدایہ باب العیدین مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۵۱

[4] مرقاۃ شرح المشکوٰۃ باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۹۸

[5] تنویر الابصار مع الدرالمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[6] بحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۹

[7] جامع الرموز فصل صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۱

غنیہ میں جامع الفقہ ومنیہ المفتی وذخیرہ سے ہے:

يجوز اقامتها فی المصر و فنائه و موضعين فاكثروبه قال الشافعی واحمد [1]۔	شہر اور فنائے شہر میں عید دو یا زیادہ مقامات پر ادا کی جاسکتی ہے، امام شافعی اور امام احمد کی یہی رائے ہے۔ (ت)

ہاں جو سنت مؤکدہ ہو اور کوئی شخص بلاضرورت بے عذر براہ تہاون وبے پروائی اس کے ترک کی عادت کرے اُسے ایک قسم اثم لاحق ہوگی نہ ترک سنت بلکہ اس کی کم قدری وقلّت مبالات کے باعث،

فی شرح المنية للعلامة ابراهيم الحلبی لا يترك رفع اليدين عند التكبير لانه سنة مؤكدة ولو اعتاد تركه يأثم لالنفس الترك بل لانه استخفاف وعدم مبالاة بسنة واظب عليها النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم مدة عمره اما لو تركه بعض الاحيان من غير اعتياد لا يأثم وهذا مطرد فی جميع السنن المؤكدة اھ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ [2]	شرح منیۃ میں علامہ ابراہیم حلبی کہتے ہیں کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر ترک کو عادت بنالیتا ہے تو گناہ گار ہوگا مگر نفسِ ترک کی وجہ سے نہیں بلکہ ایسی سنت کو ہلکا سمجھنے اور اس سے لاپروائی کی وجہ سے ہوگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تمام عمر ہمیشگی فرمائی، ہاں بغیر عادت کے بعض اوقات ترک کردے تو گنہگار نہ ہوگا اور یہی اصول تمام سنن مؤکدہ میں جاری ہوتا ہے اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

(۲) عمرو کا قول صحیح ہے اور زید کا دعوٰی بھی وجہِ صحت رکھتا ہے اگر صحرا سے اُس کی مراد فضائے خالی ہو۔

اقول: وبالله التوفیق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو۲ چیزیں ہیں ایک اصل سنت کہ نمازی عیدین بیرونِ شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اُس میں حکمت اظہار شعار اسلام وشوکت وکثرت مسلمین رکھی ہے یہ بات نفس خروج واجتماع سے حاصل اگرچہ صحرا میں کوئی عمارت بنالیں پس قولِ عمرو کہ جب مسجد صحرا میں ہے تو بیرونِ شہر جانے جنگل میں پڑھنے کا ثواب حاصل بلاشبہ صحیح ہے۔ دوم سنت، سنت کہ تکمیل وتاکید اصل سنت کے لئے ہے یعنی فضائے خالی بے عمارت میں پڑھنا کہ اس میں زیادت اظہار شعار وشوکت ہے، مسجد عیدگاہ واقع صحرا میں پڑھنے سے اگرچہ اصل اظہار شعار وصلوٰۃ فی الصحرا کا ثواب حاصل، مگر صلوٰۃ فی الفضا میں اتباع اتم پر جو ثواب ازید ملتا وہ نہ ہوا جبکہ جانب تعمیر کسی مصلحتِ شرعیہ سے مترجح نہ ہوا، اس معنی پر

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۰

قول زید بھی روبصحت ہے زمانہ اکرم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مصلائے عید کفِ دست میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی مدینہ طیبہ کے شرقی دروازے پر، کما فی المقصد التاسع من المواھب (جیسا کہ مواہب اللدنیہ کے نویں مقصد میں ہے۔ت) مسجد اطہر کے باب السلام سے ہزار قدم کے فاصلے پر، کما فی الزرقانی عن فتح الباری عن عمر بن شبھة فی الاخبار المدینة عن ابن غسان الکتانی صاحب مالك رضی اللہ تعالٰی عنه (جیسا کہ زرقانی میں فتح الباری سے ہے کہ عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ میں ابوغسان الکتانی جو صاحب مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں سے روایت کیا ہے۔ت) سنن ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ و مستخرج اسمٰعیل میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یغدو الی المصلی فی یوم عید والعنزة تحمل بین یدیه فاذا بلغ المصلی نصبت بین یدیه فصلی الیھا وذلك ان المصلی کان فضاء لیس فیه ما یسترہ[1]۔	بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید کے دن صبح سویرے عیدگاہ کی طرف نکلتے آپ کے آگے آگے کسی کے ہاتھ میں نیزہ اٹھایا ہوتا، جب آپ عیدگاہ میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا آپ اس کے سامنے ہو کر نماز پڑھاتے اور یہ عیدگاہ میدان میں تھی وہاں کوئی دیوار وغیرہ نہ تھی (ت)

اب صدہا سال سے اس کا احاطہ بن گیا، علامہ سید نورالدین سمہودی قدس سرہ استظہار فرماتے ہیں کہ یہ عمارت زمانہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تعمیر ہوئی، کما فی کتابه قدس سرہ فی تاریخ طیبه الطیّبة صلی اللہ تعالٰی علی طیب اطیب طیبھا بطیبه واٰله الطائب وبارك وسلم (جیسا کہ ان کی کتاب تاریخ طیبہ میں ہے تمام پاکوں سے پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو، اُن کی آلِ پاک پر ہو اور برکات وسلام ہو، ت) اور واقعی جب امیر المومنین ممدوح نے مسجد اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی تجدید تعمیر فرمائی ہے جہاں جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نماز پڑھنا معلوم ہو اُن سب کی بھی تعمیر جدید، خواہ تجدید فرمائی کما یستفاد من عمدة القاری للعلامة الامام البدر محمود العینی عن عمر بن شبھة عن ابی غسان عن غیر واحد من اھل العلم (جیسا کہ عمدۃ القاری علامہ بدرالدین محمود العینی نے عمر بن شبہہ سے انھوں نے ابوغسان سے اور انھوں نے متعدد اہل علم سے بیان کیا ہے۔ت) علمائے کرام کو عیدین کے لئے مصلی کو جانا مسنون و مستحب بتاتے ہیں وہی یہ بھی

[1] السنن لابن ماجہ باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

بحث فرماتے ہیں کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے یا صرف بعض میں، اور اس میں بول وبراز و وطی جائز ہیں یا نہیں کہ اگرچہ وہ سب احکام میں مسجد نہ سہی مگر بانی نے یہ عمارت اس لئے نہ بنائی، بحرالرائق میں ہے:

اختلفوا فی مصلی الجنازۃ والعید فصحح فی المحیط فی مصلی الجنائز انه لیس له حکم المسجد اصلا وصحح فی مصلی العید کذلك الا فی حق جواز الاقتداء وان لم تتصل الصفوف وفی النهایة وغیرها والمختار للفتوی فی المسجد الذی اتخذ لصلٰوۃ الجنازۃ والعید انه مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس وفیما عداذلك لیس له حکم المسجد اھ وظاھر ما فی النهایة انه یجوز الوطئ والبول والتخلی فی مصلی الجنائز والعید ولا یخفی ما فیه فان البانی لم یعدہ لذلك فینبغی ان لا تجوز هذه الثلثة وان حکمنا بکونه غیر مسجد وانما تظهر فائدته فی بقیة الاحکام التی ذکرناها وفی حل دخول للجنب والحائض [1] اھ	جنازہ گاہ اور عیدگاہ میں اختلاف ہے محیط میں اسے صحیح کہا کہ جنازہ گاہ کا حکم بالکل مسجد والا نہیں اور عیدگاہ کے بارے میں یہی صحیح ہے مگر جواز اقتدا کے حق میں مسجد والا ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، عنایہ وغیرہ میں ہے کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوٰی میں مختار یہ ہے کہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ جوازِ اقتدا کے حوالے سے مسجد کے حکم میں ہیں اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور ان کے علاوہ میں مسجد کا حکم نہیں اھ نہایہ کی عبارت سے یہی ظاہر ہے کہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ کے اوپر وطی اور بول وبراز جائز ہے اور یہ محل نظر ہے کیونکہ بانی نے اسے اس لئے نہیں بنایا لہذا اگرچہ انھیں ہم مسجد کا حکم نہیں دیتے مگر یہ تینوں چیزیں (وطی، بول وبراز) اس کے اوپر جائز نہیں اور اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوگا جو ہم ذکر کر رہے ہیں اور جنبی وحائضہ کا داخلہ بھی ہوسکتا ہے اھ (ت)

جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین میں ہے:

لوکان محراب المصلی عشرۃ اذرع وصف القوم مائة ذراع ولایتصل الصفوف جازت صلٰوۃ الکل [2]۔	اگر عیدگاہ کا محراب دس ذراع تھا اور لوگوں کی صف سَو ذراع، صفیں متصل نہ ہوں تو تب بھی تمام کی نماز جائز ہوگی۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶

[2] جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین غیر مطبوعہ نسخہ ص ۵۱

جامع الرموز میں ہے: **المصلی محوط بالفناء**[1] (عیدگاہ وہ ہے جو میدان میں احاطہ بنا ہو۔ت) صحیح بخاری شریف میں ایک باب وضع فرمایا: **باب العلم بالمصلی**[2] یعنی مصلائے عید میں شناخت کے لئے کوئی علامت امام بدر محمود نے اس علامت میں عمارت مصلے کو بھی داخل فرمایا: عمدۃ القاری میں ہے:

ص باب العلم الذی بالمصلی ش ای ھذا باب فی بیان العلم الذی ھو بمصلی العید والعلم بفتحتین ھو الشیئ الذی عمل من بناء او وضع حجر او نصب عمود ونحو ذلك یعرف به المصلی[3]۔	باب عیدگاہ کی علامت کے بیان میں ہے ش یعنی یہ باب اس علامت کے بیان میں ہے کہ یہ جگہ عیدگاہ ہے العلم عین اور لام دونوں پر زبر ہے اس سے مراد علامت ہے خواہ بنا کی صورت میں ہو یا پتھر ولکڑی وغیرہ نصب کرنے سے ہو جس سے اس کے عیدگاہ ہونے کا پتا چل سکے۔(ت)

بالجملہ تعمیر عیدگاہ جواز ظاہر، اگر افضل فضائے خالی ہو بلکہ امام تاج الشریعۃ کی تصحیح پر نظر کیجئے (کہ انھوں نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے) جب تو اس کی تعمیر ضروری ہوگی خصوصا بلاد ہندوستان میں جہاں کفار کا غلبہ ہے کہ یوں ہی رکھیں تو آدمی جانور، جنب، حائض سب اس میں چلیں گے، پیشاب کریں گے، مسجد کی بے حرمتی ہوگی، علامہ شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام میں فرماتے ہیں:

ذکر الصدر الشھید المختار للفتوی فی الموضع الذی یتخذ لصلٰوۃ الجنازۃ والعید انه مسجد فی حق جواز الاقتداء و ان انفصل الصفوف رفقا بالناس و فیما عدا ذلك لیس له حکم المسجد کذا ذکرہ الامام المحبوبی اھ ذکرہ الکاکی و مثله فی فتح القدیر ویخالفه ماقاله	صدر الشہید نے فرمایا کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوٰی کے لئے مختار یہ کہ وہ جگہ جو جنازہ یا عید کی نماز کے لئے بنائی گئی ہو اسے جواز اقتدا میں مسجد کا حکم دیا جائے گا اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور اس کے علاوہ اس کا حکم مسجد والا نہ ہوگا، امام محبوبی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اھ اسے کاکی نے ذکر کیا اور اسی کی مثل فتح القدیر میں ہے

[1] جامع الرموز فصل صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۷۱

[2] صحیح بخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب العلم بالمصلی مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶ / ۲۹۸

تاج الشریعة والاصح انه ای مصلی العید یاخذ حکمها ای المساجد لانه اعد لاقامة الصلٰوة فیه بالجماعة لاعظم الجموع علی وجه الاعلان الا انه ابیح ادخال الدواب فیها ضرورة الخشیة علی ضیاعها وقد یجوز ادخال الدواب فی بقعة المساجد لمکان العذر والضرورة اھ فقد اختلف التصحیح فی مصلی العید واتفق فی مصلی الجنازة [1]۔	اور تاج الشریعۃ نے اس کی مخالفت کی ہے اور اصح یہ ہے کہ عیدگاہ مسجد والا حکم رکھتی ہے کیونکہ عیدگاہ جماعتِ اعظم کے ساتھ اجتماعی صورت میں بطور اعلان اقامتِ نماز کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے البتہ اس میں چار پایوں کا داخلہ مباح اس لئے قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کا ضیاع نہ ہو اور عذر وضرورت کے پیش نظر مساجد کی جگہ میں چوپایوں کا داخلہ جائز ہوتا ہے، عیدگاہ میں تصحیح اقوال میں اختلاف ہے مگر جنازہ گاہ میں اتفاق ہے۔(ت)

اس قول پر زمانہ اقدس میں عمارت نہ ہونا وارد نہ ہوگا کہ مدینہ طیبہ میں روز اول سے بحمد اللہ تعالٰی اسلام ہی حاکم اسلام ہی غالب ہے عہد اطہر کے حضرات میں آداب شریعت کا جو تحفظ تھا روشن ہے۔ جمہور ائمہ ترجیح اگرچہ اس تصحیح کے خلاف پر ہیں تاہم قول مصحح ہے اور خلاف علماء کا لحاظ بالاجماع مستحب اگرچہ غیر مذہب میں ہو نہ کہ خود اپنے مذہب میں خلاف قوی باختلاف تصحیح، بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ اس تعمیر سے وہ جگہ صحرا سے نکل کر آبادی نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز صحرا ہی میں نماز رہے گی اور نماز صحرا کا ثواب ہاتھ سے نہ جائے گا، تو قولِ عمرو واضح الصحۃ ہے **هذا کله ماظهر لی والعلم بالحق عند العلیم العلی** (مجھ پر یہی واضح ہوا ہے اور حقیقت کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱۶تا۱۴۱۹: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب از آرہ شاہ آباد مدرسہ فیض الغربار ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

علمائے دین ان سوالوں میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نمازِ عید اور خطبہ کے درمیان یا خطبہ اول ودوم کے درمیان تحریک چندہ اور کسی (مسلمان جج) کی مدح وثناء، خوشامد وغیرہ (مثلاً امام نے جج کو قاضیِ وقت و قاضی شرع کہا اور یہ بھی کہا کہ قاضی (جج) صاحب کے ہوتے مجھے نماز پڑھانے کا حق نہ تھا لہٰذا ان کی اجازت سے نماز پڑھاتا ہوں قرآن و حدیث، اجماع مجتہد و تعامل علمائے ثقہ کسی سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) ثابت نہ ہونے کی صورت میں نماز اور خطبہ میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوئی یا نہیں؟

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر غرر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۱۱۰

(۳) امامت جمعہ وعیدین وامامت نماز پنجگانہ کا حکم ایک ہی ہے یا فرق ہے؟

(۴) قاضی شرع کسے کہتے ہیں، قاضی کے شرائط کیا ہیں، جج شرعی قاضی ہے یا نہیں، اگر ہے تو ہر جج یا صرف مسلمان جج، اگر صرف مسلمان جج تو کیوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چندہ کی تحریک اگر کسی امر دینی کے لئے ہو تو عین خطبہ میں اس کی اجازت اور خود حدیث میں ثابت ہے ایک بار خطبہ فرماتے ایک صاحب کو ملاحظہ فرمایا کہ بہت حالت فقر ومسکنت میں تھے، حاضرین سے ارشاد فرمایا: تصدقوا، صدقہ دو، ایک صاحب نے ایک کپڑا، دوسرے صاحب نے دوسرا کپڑا دیا، پھر ارشاد فرمایا: تصدقوا، صدقہ دو۔ یہ مسکین جن کو ابھی دو کپڑے ملے تھے اُٹھے اور ان دو کپڑوں میں سے ایک حاضر کیا، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم کہ تصدقوا حاضرین کے لئے عام ہے اور میں بھی حاضر ہوں اور اس وقت دو ۲ کپڑے رکھتا ہوں ایک حاضر کرسکتا ہوں، ان کو اس سے باز رکھا گیا تو تمھارے ہی لئے تصدّق کا حکم فرمایا جاتا ہے نہ کہ تم کو، مگر ہندوستان میں تحریک چندہ اگرچہ کیسے ہی ضروری کام کے لئے ہو زبان اردو میں ہوگی اور خطبہ میں غیر عربی کا خلط مکروہ وخلاف سنت ہے، لہٰذا اُس وقت نہ چاہئے بلکہ بعد ختم خطبہ عید جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ عید تمام فرما کر گروہِ نساء پر تشریف لے گئے اور ان کو تصدق کا حکم فرمایا وہ اپنے زیور اتار اتار کر حاضر کرتی تھیں اور بلال رضی اللہ تعالٰی اپنے دامن میں لئے تھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جو قاضی خلاف احکام شرعیہ حکم کرتا ہو، اگرچہ مسلمان ہو، اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا قاضی ہو، ہرگز اس کی مدح جائز نہیں خصوصا منبر پر خصوصا خطبہ جمعہ یا عیدین میں اس کے سبب خطبہ میں تو کراہت یقینی ہے **لاشتمالھا علی المحرم** (کیونکہ یہ حرام پر مشتمل ہے ۔ت) اور اگر خطبہ جمعہ میں ہو تو اس کی کراہت نماز کی طرف بھی سرایت کرے گی کہ جمعہ میں خطبہ شرائط نماز سے ہے اور نماز سے قبل ہوتا ہے، ہاں عیدین میں کہ نماز ہوچکی اور خطبہ نہ اس کی شرائط نہ اس میں فرض نہ واجب بلکہ ایک سنتِ مستقلہ ہے، خطبہ کی کراہت نماز کی طرف سرایت نہ کرے گی، یہ تو خطبہ ہے کہ خاص امر دین ہے اور منبر کہ خاص مسند سید المرسلین ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطلقاً مدح فاسق کی نسبت میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ عرش الرحمٰن[1]**۔ واللہ تعالٰی اعلم**	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔

[1] الکامل لابن عدی تحت اسم سابق عبداللہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۱۳۰۷/۳

شرعی احکام اور عرفی خیالات میں بہت تفاوت ہے، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ ہر حاکم پر فرض ہے کہ مطابق احکامِ الٰہیہ کے حکم کرے، اگر خلاف حکم الٰہی کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک عمداً اور ایک خطًا۔ عمداً کے لئے قرآن عظیم میں تین ارشاد ہوئے کہ:

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝[1] فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝[2] فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝[3]	جو لوگ اللہ تعالٰی کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ کافر ہیں، (ت)

قرآن مجید ایسے حکم کو فسق وظلم وکفر فرماتا ہے یعنی اگر عناداً ہو کہ حکم کو حق نہیں مانتا تو کافر ہے ورنہ ظالم وفاسق، اور اگر خطأً ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خطا بوجہ جہل ہو یعنی علم نہ رکھتا تھا کہ صحیح احکام سے واقف ہوتا، یہ صورت بھی حرام وفسق ہے، صحیح حدیث میں قاضی کی تین قسمیں فرمائیں: قاضی فی الجنة وقاضیان فی النار۔ ایک قاضی جنت میں ہے اور دو قاضی دوزخ میں، وہ کہ عالم وعادل ہو جنت میں ہے اور وہ کہ قصداً خلاف حکم کرے یا بوجہ جہل، یہ دونوں نار میں ہیں، بوجہ جہل پر ناری ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس نے ایسی بات پر اقدام کیا جس کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ جانتا تھا کہ میں عالم نہیں اور بے علم مطابقتِ احکام ممکن نہیں، تو مخالفتِ احکام پر قصداً راضی ہوا، بلکہ اُس سے اگر کوئی حکم مطابق شرع بھی صادر ہو جب بھی وہ مخالفتِ شرع کر رہا ہے کہ اس اتفاقی مطابقت کا اعتبار نہیں، ولہٰذا حدیث میں فرمایا:

من قال فی القراٰن برأیه فاصاب فقد اخطأ[4]۔	جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اگر ٹھیک کہا تو بھی غلط کہا۔

دوسری صورت خطا کی یہ ہے کہ عالم ہے احکام شرعیہ سے آگاہ ہے قابلیت قضار کھتا ہے احکامِ الٰہیہ کے مطابق ہی فیصلہ کرنا چاہا اور براہ بشریت غلط فہمی ہوئی۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں: اگر وہ مجتہد ہے اور اس کے اجتہاد نے خطا کی تو اس پر اُس کے لئے اجر ہے اور وہ فیصلہ جو اس نے

[1] القرآن ۵/ ۴۷
[2] القرآن ۵/۴۵
[3] القرآن ۵/ ۴۴
[4] السنن لابی داؤد کتاب العلم مطبوعہ آفتاب پریس لاہور ۲/ ۱۵۸

کیا نافذ ہے، اور اگر مقلد ہے جیسے عموماً قاضیانِ زمانہ، اور جدوجہد میں اس نے کمی نہ کی اور فہم حکم میں اس سے غلطی واقع ہوئی اور ہے پورا عالم اور اس عہدہ جلیلہ کے قابل، تو اس کی یہ خطا معاف ہے مگر وہ فیصلہ نافذ نہیں، یہ سب احکام قاضیان سلطنت اسلامیہ سابقہ کے لئے ہیں جو اسی کام کے لئے مقرر ہوئے تھے کہ مطابق احکام الٰہیہ فیصلہ کریں. بخلاف حال کہ اکثر اسلامی سلطنتوں کے جن میں خود سلاطین نے احکام شرعیہ کے ساتھ اپنے گھڑے ہوئے باطل قانون بھی خلط کئے ہیں اور قاضیوں کو ان پر فیصلہ کرنے کا حکم ہے ان کی شناخت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کے خلاف حکم کرنے ہی پر مقرر ہوئے، ان اسلامی سلطنتوں کے ایسے قاضیوں کو بھی قاضیِ شرع کہنا حلال نہیں ہوسکتا بلکہ اس کلمہ کی تہہ میں جو خباثت ہے قائل اگر اس پر آگاہ ہو اور اس کا ارادہ کرے تو قطعاً خارج از اسلام ہو جائے کہ اس نے باطل کا نام شرع رکھا، ولہذا ائمہ کرام نے اپنے زمانہ کے سلاطینِ اسلام کی نسبت فرمایا کہ:

من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر [1]۔	ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہنا کفر ہے۔

کہ وہ خلافِ احکام الٰہیہ حکم کرتے ہیں اور خلاف احکام الٰہیہ عدل نہیں ہوسکتا، عدل حق ہے، تو اسے عدل کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ خلافِ احکام الٰہیہ حق ہے، تو معاذاللہ احکام الٰہیہ ناحق ہوئے اور یہ کفر ہے، بہر حال جو قاضی خلاف احکام الٰہیہ حکم کرتا ہو، ہرگز قاضیِ شرع نہیں ہوسکتا، جب قاضیان سلطنت اسلامیہ کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری اس میں اگرچہ کوئی حکم نہیں مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر۔ اور فرمایا سب برابر ہیں۔

جمعہ وعیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامت پنجگانہ میں صرف اتنا

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۷

[2] سنن ابوداؤد باب فی آکل الربا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷

ضرور ہے کہ امام کی طہارت و نماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو، بدمذہب نہ ہو، فاسق معلن نہ ہو، پھر جو کوئی پڑھائے گا نماز بلاخلل ہو جائے گی بخلاف نماز جمعہ وعیدین کہ ان کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو **کما فی الدر المختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) دوسرا شخص اگر ایسا ہی عالم وصالح ہو ان نمازوں کی امامت نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲۰: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارہ میں کہ جمعہ مسجد میں نماز عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے مگر سنت یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ میں چاہئے جبکہ کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲۱: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو نماز عید کی خبر دی جائے اہل اسلام کو اور وُہ دعوی کرتا ہے اسلام کا اور اس کو فرصت بہت ہے، اگر وہ قصدًا نہ آئے تو اس کو کیا کیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے، قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزت کا سچا خوف ہو، نہ اس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجب ہو،

فی التنویر تجب صلٰوتھما ای العیدین علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا سوی الخطبۃ [1] اھ و فی جمعۃ الدر المختار	تنویر میں ہے عیدین کی نماز ان پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے، خطبہ کے علاوہ شرائط بھی وہی ہیں اھ تنویر میں ہے عیدین کی نماز ان پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے، خطبہ کے علاوہ شرائط بھی وہی ہیں اھ درمختار کے باب جمعہ میں ہے کہ

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

اس کی فرضیت کے لئے شہر میں مقیم ہونا اور صحتمند ہونا شرط ہے اور مریض کے ساتھ ممرض (مریض کا تیمار دار کہ یہ اسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے) شیخ فانی ملحق ہے، حریت، ذکورت، بلوغ، عقل، نظر کا ہونا، چلنے پر قدرت، نہ قیدی، نہ خوف، نہ شدید بارش، نہ کیچڑ، نہ برف وغیرہ ہو اھ ملخصًا، ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ ممرض یعنی مریض کا تیمار دار وہ کہ اسے چھوڑ کر گھر سے چلا جائے تو مریض ضائع رہ جائے، حلیہ و جوہرہ، اور ماتن کا قول عدمِ خوف، سلطان کا یا چور کا، منح، امداد میں ہے اس کے ساتھ مفلس بھی لاحق ہے جب اسے حبس کا خوف ہو جیسا کہ اس کے لئے تیمّم جائز ہے، ماتن کا قول ونحوہما یعنی دونوں کی مثل یعنی شدید سردی اھ ملتقطا۔ (ت)	شرط لافتراضها اقامة بمصر و صحة و الحق بالمريض الممرض والشيخ الفانى وحرية وذكورة وبلوغ وعقل ووجود بصروقدرته على المشى وعدم حبس و خوف ومطر شديد ودحل وثلج و نحوهما [1] اھ ملخصا فى ردالمحتار قوله الممرض، هذا ان بقى المريض ضائعا بخروجه فى الاصح حلية وجوهرة [2]، قوله وعدم خوف اى من السلطان اولص، منح، قال فى الامداد ويلحق به المفلس اذاخاف الحبس كما جاز التيمم به قوله ونحوهما اى كبرد شديد [3] اھ ملتقطا

جو شخص شہر میں ان صفات کا جامع اور ان موانع سے خالی ہو اور وہاں عید بروجہ شرعی ہو پھر نہ پڑھے تو گنہگار اور شرعًا مستحق سزا وتعزیر ہوگا لارتکابہ معصیۃ لا حد فیھا (کیونکہ یہ ایسی معصیت کا ارتکاب ہے جس میں حد نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲۲: از رام پور متصل مراد آباد محلّہ ملا ظریف گھیر فرنگن محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

اس بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی تکبیرات زائد کس سال شروع ہوئیں اور ان کی علت کیا ہے؟	چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ تکبیرات زوائد عیدین بکدام سال مشروع شدہ اند وعلتش چہ بود؟

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار مطلب فی شروط الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۲

[3] ردالمحتار مطلب فی شروط الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۳

الجواب:

تشریع نماز عید درسال اول از ہجرت ست فی الدر شرع فی الاولی من الھجرۃ واو معروف نہ شد درشرع مگر بھمیں نھج و وضع وحکمت در تکبیرات اظھار سرور دینی وامتثال قولِ اوتعالٰی ست عز جلالہ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ[1] ھذا فی عید الفطر وقولہ عزوجل لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝[2] فی عید الاضحی۔ واللہ تعالٰی اعلم	نماز عید ہجرت کے سال اول میں شروع ہوئی، در میں ہے کہ نماز عید ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی، اور وہ شرع میں معروف نہ ہوئی تھی، مگر اسی سلوب وطریقہ پر، اور تکبیرات میں حکمت دینی سرور کا اظہار اور اللہ تعالٰی کے اس فرمان پر عمل ہے کہ تم اس مدت (رمضان) کو مکمل کرو اور اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، یہ عید الفطر میں ہے، اور اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تم اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو اور محسنین کو بشارت دو، یہ عیدالاضحٰی کے بارے میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲۲: سائل مذکورہ بالا

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بلاعذر عید روز اول نہ پڑھیں تو روز دوم مع الکراہت جائز ہے جیساکہ بعض خطبوں میں لکھاہے یا اصلاً صحیح نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز عید الفطر میں جو بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر روا رکھی ہے وہاں شرط عذر صرف نفی کراہت کے لئے نہیں بلکہ اصل صحت کے لئے ہے یعنی اگر بلاعذر روز اول نہ پڑھے تو روز دوم اصلاً صحیح نہیں، نہ یہ کہ مع الکراہت جائز ہو، عامہ معتبرات میں اس کی تصریح ہے مصنف خطبہ کہ شخص مجہول ہے قابل اعتماد نہیں اُسے نماز عیدالاضحٰی سے اشتباہ گزرا کہ وہاں دو روز کی تاخیر بوجہ عذر بلاکراہت اور بلاعذر بروجہ کراہت رواہے۔

فی الدرلمختار وتأخر کمطر الی الزوال من الغد فقط واحکامھا احکام الاضحی لکن یجوز تاخیرھا الی اٰخر ثالث ایام النحر	درمختار میں ہے کہ عذر مثلاً بارش کی وجہ سے فقط دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جاسکتی ہے اور عید الفطر کے احکام عید الاضحٰی کی طرح ہیں لیکن عیدالاضحٰی

[1] القرآن ۲/۱۸۵

[2] القرآن ۲۲/ ۳۷

بلا عذر مع الکراھۃ وبہ ای بالعذر بدونھا فالعذر ھنا النفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ [1] اھ ملخصاً وفی نورالایضاح وشرحہ مراقی الفلاح کلاھما للعلامۃ الشرنبلالی تؤخر صلٰوۃ عید الفطر بعذر الی الغد فقط و قید العذر للجواز لالنفی الکراھۃ فاذا لم یکن عذر لاتصح فی الغد [2] اھ ملتقطاً وفی مجمع الانھر للفاضل شیخی زادہ العذر فی الاضحی لنفی الکراھۃ وفی الفطر للجواز [3] وفی شرح النقایۃ للشمس القھستانی لوترکت بغیر عذر سقطت کما فی الخزانۃ [4] اھففی شرح المنیۃ الکبیر للعلامۃ الحلبی صلٰوۃ عید الاضحٰی تجوز فی الیوم الثانی والثالث سواء اخرت بعذر اوبدونہ اماصلٰوۃ الفطر فلاتجوز الافی الثانی بشرط حصول العذر فی الاول [5] اھ وفی الفتاوی الخانیۃ ان فاتت صلٰوۃ الفطر فی الیوم الاول بعذر یصلی فی الیوم الثانی وان فاتت بغیر عذر لا یصلی فی الیوم الثانی	کو بلاعذر ایامِ نحر کے تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، ہاں کراہت ہے اور عذر ہوگا تو کراہت نہیں ہوگی، یہاں عذر کا ہونا نفی کراہت کے لئے ہے اور عید الفطر میں صحت کے لئے اھ تلخیصا نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے عید الفطر کو دوسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، عذر کی قید جواز کے لئے ہے نفی کراہت کے لئے نہیں، توجب عذر نہ ہو تو دوسرے دن میں نماز صحیح نہ ہوگی اھ ملتقطا، مجمع الانہر میں فاضل شیخی زادہ کہتے ہیں کہ اضحیٰ میں عذر نفی کراہت اور فطر میں جواز کے لئے ہے ، شرح نقایہ للشمس قہستانی میں ہے کہ اگر نمازِ عید بغیر عذر کے چھوڑدی تو ساقط ہوجائے گی، خزانہ میں بھی اسی طرح ہے اھ شرح منیہ کبیر للعلامہ حلبی میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے اور تیسرے دن بھی جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے موخر ہوئی یا بلاعذر، لیکن نماز عید الفطر اگر پہلے دن کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کی جاسکی تو فقط دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اھ فتاوٰی خانیہ میں ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۹۳

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۷۵)

[4] جامع الرموز فصل فی العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۷۵

[5] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب العیدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۱

فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر اوبغیر عذر لایصلی بعد ذلك واماعید الاضحی ان فاتت فی الیوم الاول بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثانی فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثالث فان فاتت فی الیوم الثالث بعذر او بغیر عذر لایصلی بعد ذلك[1] وفی الھندیۃ عن تبیین الامام الزیلعی، العذر ھھنا لنفی الکراھۃ حتی لواخروھا الی ثلاثۃ ایام من غیر عذرجازت الصلٰوۃ وقد اساؤ اوفی الفطر للجواز حتی لو اخروھا الی الغد من غیر عذر لا یجوز[2] انتھی ومثلہ فی رمزالحقائق للعلامۃ العینی۔	ادا کی جائے اور اگر عذر نہ تھا تو دوسرے دن نہیں پڑھی جاسکتی، اور اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکی خواہ عذر تھا یا نہیں، تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، باقی نماز عید الاضحیٰ اگر عذر یا بغیر عذر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن پڑھ لی جائے، اگر دوسرے دن فوت ہوگئی عذر تھا یانہ تھا تو تیسرے دن پڑھ لی جائے، اور اگر تیسرے دن بھی رہ گئی خواہ عذر تھا یانہ تھا تو اس کے بعد ادا نہیں کی جاسکتی، ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین سے ہے کہ یہاں عذر نفی کراہت کے لئے ہے، حتی کہ اگر بغیر عذر کے تین دن نماز موخر کردی تو اب بھی نماز جائز البتہ تاخیر کرکے بُرا کیا اور فطر میں عذر جواز کے لئے ہے حتی کہ اگر بغیر عذر کے نماز دوسرے دن تک مؤخر کی تو اب اس کی ادائیگی جائز نہ ہوگی انتہی، علامہ عینی کی رمزالحقائق میں اسی طرح ہے۔(ت)

بالجملہ اس کا خلاف کتب متداولہ میں فقیر کی نظر سے کسی روایت ضعیفہ میں بھی نہ گزرا۔

اللھم الا ما رأیت فی جواھر الاخلاطی من قولہ اذافاتت صلٰوۃ عید الفطر فی الیوم الاول بعذر اوبغیرہ صلی فی یوم الثانی ولم یصل بعدہ اھ فیظن ان یکون خلطا من الاخلاطی فانی رأیت لہ غیر ما مسئلۃ خالف فیھا الکتب المعتمدۃ والاسفار المعتبرۃ اویکون من خطأ الناسخ۔ واللہ تعالٰی اعلم	مگر یہ کہ میں نے جواہر اخلاطی میں یہ عبارت دیکھی کہ جب نماز عید الفطر پہلے دن فوت ہو خواہ عذر تھا یانہ تھا دوسرے دن ادا کی جائے اور اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی اھ تو گمان یہ ہے کہ اخلاطی کا خلط ہے کیونکہ میں نے متعدد مسائل میں دیکھا ہے کہ وہ کتب معتمدہ اور اسفار معتبرہ کے خلاف لکھتے ہیں یا یہ کاتب کی غلطی ہوسکتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۸

[2] فتاوٰی ہندیہ باب صلٰوۃ العیدین نوری کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۵۳

مسئلہ ۱۴۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ میں ایک دن ایک ہی خطبہ ہے دو امام نے دو جماعت نماز پڑھائی ان میں سے پہلے امام نے مع خطبہ نماز پڑھائی اور ثانی امام نے بدون خطبہ کے نماز ادا کی اب ان دونوں جماعتوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دونوں کی جائز ہوئی یا ایک کی، اور اگر ایک جائز ہوئی تو پہلے کی یا ثانی کی، اور اگر ناجائز ہے تو دونوں کی ناجائز ہے یا ایک کی؟ اگر ایک ہے تو پہلے کی یا ثانی کی؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب وتؤجروا یوم الحساب** (کتاب کے حوالے کے ساتھ بیان کرو اور حساب کے دن اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

اگر دونوں امام ماذون باقامت نماز عید تھے دونوں جائز ہو گئیں اگرچہ امام دوم نے ترک سنّت کیا کہ عیدین میں خطبہ ہے فرض و شرط نہیں تو اس کا ترک موجب ناجوازی نہ ہوگا البتہ موجب اساءت و کراہت ہے۔

فی الدرالمختار تجب صلٰوتھما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوی الخطبة فانها سنة بعدها [1] فی ردالمحتار قال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلاصح واساء لترك السنة [2] فی التنویر تؤدی بمصر بمواضع اتفاقا [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز ان لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم اور خطبہ کے علاوہ تمام شرائط بھی جمعہ والی ہی ہیں کیونکہ عید کے بعد خطبہ سنت ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں ہے حتی کہ اگر بالکل خطبہ دیا ہی نہیں تو نماز صحیح ہوگی لیکن ترک سنت کی وجہ سے برا کیا۔ تنویر میں ہے کہ شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۴۲۵ تا ۱۴۲۶: از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بدیعار بازار موضع قاضیہ گاؤں

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) جس جگہ میں عید کی نماز کے واسطے احتیاط نہیں بلکہ پنچ یا چھ ماہ تک پانی کے نیچے ڈوبا ہوا رہتا ہے

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۱

[3] تنویرالابصار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

اور باقی چھ ماہ بیل بکریاں اُسی جگہ میں چرتی ہیں اور وہ جگہ خراجی ہے وقفی نہیں، تواس جگہ کو شرع میں عیدگاہ کہتے ہیں یا نہیں اوراس میں نماز عید درست ہے یا نہیں؟

(۲) عید کے دن بعد نماز عید کے مصافحہ کرنا درست ہے یا نہیں؟اگر مصافحہ کریں تو حرام ہے یا نہیں؟اور معانقہ کرنا بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر وہ زمین کسی شخص کی ملک ہےاوراس نے نماز عید کے لئے وقف نہ کی تو وہ عیدگاہ نہ ہوگی،

فان مصلی العید عرفاھو عادی الارض المقرر من جھۃ سلطان الاسلام او جماعۃ مسلمی البلد لصلٰوۃ العید او للمملوك الموقوف لھا من جھۃ المالک۔	کیونکہ عیدگاہ عرفاً زمین کاوہ ٹکڑا ہے جسے بادشاہ اسلام یا مسلمانوں کی ایک جماعت نے نماز عید کے لئے چھوڑا ہو یا وہ مالک کی طرف سے نماز عید کے لئے وقف ہو۔(ت)

ہاں باجازت مالک اُس میں نماز درست ہے،

فانہ لیس المسجد ولاالوقف من جھۃ شرائط صحۃ صلٰوۃ اصلا، صلٰوۃ العید کانت او الجمعۃ اوغیر ذلك کما نصوا علیہ فی کتب المذھب۔ واللہ تعالٰی اعلم	کیونکہ نہ مسجد اور نہ صحت صلٰوۃ کے لئے شرائط وقف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ نماز عید ہو یا جمعہ یااس کے علاوہ کوئی نماز ہو جیساکہ کتبِ میں فقہاء نے تصریح کی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بعد نماز عید مصافحہ ومعانقہ دونوں درست ہیں جبکہ کسی منکر شرعی پر مشتمل یااس کی طرف منجر نہ ہوں جیسے خوبصورت امرد، اجنبی محلِ فتنہ سے معانقہ بلکہ مصافحہ بھی کہ بحالت خوف فتنہ اس کی طرف نظر بھی مکروہ ہے نہ کہ مصافحہ نہ کہ مضانقہ،

کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار وتفصیل المسائل موکول الی رسالتنا وشاح الجید فی تحلیل معانقہ العید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ درمختار جیسی معتبر کتب میں ہے اوراس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وشاح الجید فی معانقۃ العید" میں خوب ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۴۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اگرہلال شوال دن چڑھے تحقیق ہو اور بارش شدید ہو بعض اہل شہر نماز عید پڑھیں بعض بسبب بارش نہ پڑھیں تو جماعت باقیماندہ دوسرے دن

ادا کریں یا اب انھیں اجازت نہ دی جائے گی کہ نماز ہوچکی، اور قہستانی میں ہے:

اذا صلی الامام صلٰوته مع بعض القوم لایقضی من فاتت تلك الصلٰوۃ عنه لافی الیوم الاول ولامن الغد [1] انتھی بینوا توجروا۔	جب امام نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھادی تو جن کی نماز فوت ہوگئ وہ اسے قضا نہیں کرسکتے، نہ پہلے دن اور نہ دوسرے دن۔ انتہی (ت) بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی توفیق عطافرما۔ت) صورۃ مستفسرہ میں جماعت باقیماندہ بیشک دوسرے دن ادا کرے عید الفطر میں بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر جائز ہے اور بارش عذر شرعًا مسموع،

فی الدرالمختار و توخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط [2] انتھی	درمختار میں ہے عذر کی وجہ سے نماز فطر فقط دوسرے دن تک مؤخر کی جائے گی جیسے بارش۔ انتہی (ت)

اور صلٰوۃ عید میں جواز تعدد متفق علیہ ہے بخلاف جمعہ کہ اس میں خلاف ہے اور راجح جواز،

فی الدرلمختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا [3] اھ	درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے اھ (ت)

توادائے بعض اہل شہر سے بعض دیگر کو دوسرے روز پڑھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، کلام قہستانی وغیرہ اس صورت میں ہے جب عامہ اہل بلد پڑھ لیں اور ایک آدمی باقی رہ جائے کہ نماز عید بے جماعت مشروع نہیں ناچار پڑھنے سے باز رہے گا، ہدایہ کی تعلیل اس پر صاف دلیل،

قال من فاتته صلٰوۃ العید مع الامام لم یقضھا لان الصلٰوۃ بھذہ الصفة لم تعرف قربة الا بشرائط لاتتم بالمنفرد [4] اھ	فرمایا جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہوگئ وہ اسے قضا نہیں کرسکتا کیونکہ اس طرح کی نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ شرائط تنہا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں اھ (ت)

---

[1] جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۷۴

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[4] الہدایۃ باب العیدین المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۵۴

اور عبارت تنویر الابصار مورث تنویر الابصار امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی رحمۃ اللہ تعالٰی نے ابتداء اس مسئلہ کو ایسے پیرا میں ادا فرمایا وہم واہم، راہ نہ پائے،

حیث یقول ولایصلیھا وحدہ ان فاتت مع الامام [1] اھ	یہاں انھوں نے کہا تنہا نماز نہ پڑھے جب امام کے ساتھ فوت ہو گئی اھ (ت)

یونہی امام حافظ الدین ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ تعالٰی کا اپنے متن وشرح وافی وکافی میں ارشاد ازالہ اوہام ایقاظ افہام کے لئے کافی ووافی،

لم یقض ان فاتت مع الامام ای صلی الامام العید وفاتت من شخص فانھا لاتقضی لانھا ماعرفت قربۃ الابفعلہ علیہ الصلٰوۃ و السلام وما فعلھا الابالجماعۃ فلا تؤدی الابتلك الصفۃ [2] اھ ملخصا	نہ قضا کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو یعنی امام نے نماز عید پڑھادی اور ایک شخص کی فوت ہو گئی تو وہ اسے قضا نہ کرے کیونکہ یہ نماز حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے معمول کے مطابق ہی مشروع ہے اور آپ نے اسے جماعت ہی سے ادا فرمایا لہٰذا اب اس صفت کے علاوہ اسے ادا نہیں کیا جاسکتا اھ ملخصًا (ت)

علامہ بدرالدین محمود عینی رمز الحقائق میں فرماتے ہیں:

صلاھا الامام مع الجماعۃ ولم یصلھا ھو لایقضیھا الا فی الوقت ولابعدہ لانھا شرعت بشرائط لاتتم بالمنفرد [3] اھ	امام نے جماعت کروادی لیکن اس شخص نے نہیں پڑھی تو اب وہ قضا نہ کرے نہ وقت کے اندر نہ بعد میں کیونکہ یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروع تھی اور وہ اکیلا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں اھ (ت)

مستخلص میں زیر قول کنز، لم تقض ان فاتت مع الامام (قضا نہ کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو۔ ت) لکھتے ہیں:

معناہ لو لم یصل رجل مع الامام لم یقضھا منفردا [4]۔	معنٰی اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ نمازِ عید نہیں پڑھی تو وہ اب تنہا قضا نہ کرے (ت)

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] کافی شرح وافی

[3] رمز الحقائق باب فی احکام صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۵۸

[4] مستخلص الحقائق باب فی احکام صلٰوۃ العیدین کانشی رام پرنٹنگ پریس، لاہور ۱/ ۲۹۹

یا تو یہ معنی ہیں کہ امام معین ماذون من السلطان ادا کرچکا اور ان باقیماندہ میں کوئی مامور نہیں، اقامت کون کرے، فاضل محقق حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں اس طرف ناظر

اذ قال من فاتته الصلٰوۃ فلم یدرکھا مع الامام لا یقضیھا لانھا لم تعرف قربۃ الابشرائط لاتتم بدون الامام ای السلطان اومامورہ[1]۔	کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ جو نماز امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا وہ اب قضا نہ کرے کیونکہ یہ نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ امام یعنی سلطان یا اس کے نائب کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں(ت)

اس لئے فاضل سید احمد مصری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ای وقد صلاھا الامام اومامورہ فان کان مامورا باقامتھا لہ ان یقیمھا[2] اھ **اقول**: وقد یشیر الیہ تعریف الامام فی عبارۃ النقایۃ المذکورۃ وغیرھا کما لایخفی علی العارف باسالیب الکلام۔	یعنی امام یا اس کے نائب نے نماز پڑھادی پس اگر وہ امامتِ عید کے لئے مامور تھا تو وہ اسے پڑھا سکتا ہے(ت) **اقول**: اس کی طرف عبارت نقایہ وغیرہ میں ہیں جو امام نے تعریف کی ہے وہ بھی اشارہ کرتی ہے جیسا کہ کلام کے اسالیب کے ماہر پر مخفی نہیں۔(ت)

بہر طور عبارت جامع الرموز سے بدیں وجہ کہ نماز ایک بار ہوچکی باقیماندہ لوگوں کے لئے ممانعت تصور کرنا محض خطا اقول بلکہ اگر نظر سلیم ہو تو وہی عبارت بعینہا مانحن فیہ میں جواز پر دال، کہ اس میں صرف دوسرے ہی دن کی نسبت ممانعت نہیں بلکہ جب امام جماعت کرچکے تو اس روز بھی نہ پانے والے کو منع کرتے ہیں حیث قال لافی الیوم الاول ولا من الغد (نہ پہلے اور دوسرے دن۔ت) اور اول بیان ہوچکا کہ تعدد جماعت عیدین میں بالاتفاق جائز اور معلوم ہے کہ یہ تعدد تاخر سے خالی نہیں ہوتا اگر عبارت مفرح، نقایہ کے یہ معنی ہوتے کہ جب ایک جماعت پڑھ لے تو دوسروں کو مطلقًا اجازت نہیں تو یہ تعدد کیونکر روا ہوتا اور نماز عید کا بھی حکم اس امر میں اُس کے مذہب پر جو تعددِ جمعہ روا نہیں رکھتا، مانند نماز جمعہ ہوجاتا یعنی جماعت سابقہ کی تو نماز ہوگئی باقی سب کی ناجائز کما فی الدرالمختار علی المرجوح فی الجمعۃ لمن سبق تحریمتہ (جیسا کہ درمختار میں مرجوح قول کے مطابق ہے کہ جمعہ ان لوگوں کا ہے جن کی تحریمہ پہلے ہو۔ت) تو بالیقین معنی کلام وہی ہیں جو ہم نے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

بیان کئے اور قاطع شغب یہ ہے کہ درمختار میں درصورت فوات مع الامام تصریح کی:

لو امکنه الذهاب الی الامام الاخر فعل لانها تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[1]۔	اگر دوسرے امام کی طرف جانا ممکن ہو تو چلا جائے کیونکہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد جگہوں پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لوقدر بعد الفوات مع الامام علی ادراکها مع غیر فعل للاتفاق علی جواز تعددها[2] اھ	اگر ایک امام کے ساتھ فوت ہونے کے بعد دوسرے امام کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے تو نمازی وہاں چلاجائے کیونکہ متعدد مقامات پر عید کے جواز پر اتفاق ہے اھ (ت)

دیکھو نص فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے تو دوسرے امام کے پیچھے پڑھے اور حالِ عذر میں روز اول و دوم یکساں، آج پڑھے تو کل کون مانع، مگر یہ ضرور ہے کہ جو امام عیدین وجمعہ کے لئے مقرر ہو اسے بھی فوت ہوئی ہو کہ امامت کے لئے امام معین مل سکے اور اگر مقرر کردہ امام سب پڑھ چکے اور بعض لوگ رہ گئے تو یہ بیشک نہیں پڑھ سکتے نہ آج نہ کل واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ ۱۴۲۸تا۱۴۳۱: از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث جناب مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی رحمہ اللہ تعالٰی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) اگر حاکم وقت نے عام طور پر اجازت دے دی کہ تم لوگ فلاں زمیں پر اپنی عیدگاہ بنالو یا بلااجازت عیدگاہ بنانے کے، فقط دوگانہ ادا کرنے کی اجازت دی توان دونوں صورتوں میں نماز کا ثواب اسی قدر ملے گا جس قدر مسلمان کی وقف کردہ عیدگاہ میں ملتا ہے یااس سے کم؟

(۲) اور صورتِ اولٰی میں اگر مسلمانوں نے عیدگاہ بنالی تو وہ وقف سمجھی جائے گی اور احکام عیدگاہ اس کے لئے ثابت ہوں گے یا وہ زمین ملک حاکم پر باقی ہے اور وقف کے احکام جاری نہ ہوں گے؟

(۳) اگر بے اجازت گورنمنٹ گورنمنٹ کی زمین پر نمازِ عید پڑھی گئی تو نماز بلاکراہت ہو گئی یا نہیں؟

(۴) مصلی اعنی عیدگاہ کے مفہوم میں اس کا محاط ہونا داخل ہے جیسے کہ جامع الرموز کی عبارت سے واضح

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

ہے یا نہیں بلکہ جس جگہ نماز ہو محاط ہو یانہ ہو وہ عیدگاہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہاں اتنا ہی ثواب ہے، زمین وقف کردہ میں پڑھنا نہ عیدین کے سنن سے ہے نہ مستحبات سے، سنت اس قدر ہے کہ صحرا میں ہو،

وقد کان المصلی فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم و زمن الخلفاء الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم من عادی الارض بغیر وقف ولا بناء۔	کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں عیدگاہ افتادہ زمین تھی، نہ وقف تھی اور نہ تعمیر شدہ تھی۔ (ت)

(۲) صحراؤں جنگلوں کی افتادہ زمینیں بادشاہ کی ملک نہیں ہوتیں وُہ اصل ملک خدا اور رسول پر ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حدیث میں ہے:

عادی الارض لله ورسوله [1] رواه البیهقی فی الشعب عن طاؤس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما وقفا۔	افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہیں، اسے بیہقی نے شعب الایمان میں طاؤس سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہ موقوفًا روایت ہے (ت)

حاکمِ وقت نے جب اجازت دے دی اور استرداد کا خوف نہ رہا اور مسلمانوں نے وقف کردی وقف صحیح لازم ہوگئی احکامِ مصلی اس پر جاری ہوں گے۔ **(۳)** نماز بلا کراہت صحیح ہے،

لما مر ان الارض لله ورسوله جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	جیسا کہ گزرا کہ زمین اللہ جل وعلا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہے۔ (ت)

(۴) محاط ہونا مفہوم مصلی میں داخل نہیں،

لما قدمنا ان الصلٰوة فی زمنه و زمن الخلفاء کانت فی ارض بیضاء بدون بناء وما	پیچھے ہم نے بیان کیا کہ نماز عید سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء کے دور

[1] الجامع الرموز مع فیض القدیر بحوالہ بیہقی حدیث ۵۳۶۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۹۸

فی القھستانی فلہ علی العادۃ الحادثۃ بناء قصد بہ التعریف لااشتراط بناء ۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں چٹیل میدان میں بغیر کسی عمارت کے ہوتی تھی، اور قہستانی میں جو کچھ ہے وہ عادت معروفہ پر مبنی ہے یہ نہیں کہ بناء کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۳۲: قاضی عبدالحمید صاحب از قصبہ کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجدِ عیدگاہ میں جبکہ مسلمانوں میں رنج ہو اور مذہب غیر ہو تو اس صورت میں نماز عید کی دونوں گروہ اپنے اپنے امام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نماز و خطبہ ایک مسجد میں ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دو پروردگار اجر دے گا۔

الجواب:

نمازِ عید مثل نماز جمعہ ہے نمازِ پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کرسکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اس کا ماذون، اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامتِ جمعہ وعیدین کے لئے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو [۲] شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جوان میں مقرر نہیں ہے اسکی اور اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی اور یہاں اختلاف مذہب حنفیت وشافعیت عذر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر ایسا اختلاف مذہب ہے کہ ان میں ایک گروہ سُنّی اور دوسرا وہابی یا غیر مقلد، تو اس صورت میں اُس امام اور اُس کے مقتدیوں کی نماز باطل محض ہے، اور سنیوں پر لازم ہے کہ اپنا امام اپنے میں سے مقرر کریں انھیں کی نماز نماز ہوگی وبس واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۳: از شہر محلّہ بازار صندل خاں مرسلہ ہدایت اللہ صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید عید کی نماز سے پہلے درزی کا کام کرتا رہا، بکر نے کہا کہ زید نے نماز سے پہلے جتنی مزدوری کی وہ حرام ہے اس لئے کہ اس نے جتنا کام قبل از نماز کیا وہ ناجائز تھا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

بکر محض غلط کہتا ہے جبکہ زید نے ادائے نماز میں قصور نہ کیا تو نہ قبل نماز کام کرنا حرام تھا نہ بعد نماز نہ اُس اُجرت میں کوئی حرج ہے، ہاں اگر کام کے سبب نماز نہ پڑھتا تو وہ کام حرام ہوتا اُجرت پھر بھی حرام نہ تھی، یہ تو حلت وحرمت کا حکم ہے البتہ مستحب ہے کہ ضرورت نہ ہو تو عید کے دن نماز سے پہلے متعلقات عید کے سوا کوئی دنیوی کام نہ کرے کہ خوشی کا دن ہے نہ کہ محنت کا، اُس دن کا اور دنوں سے امتیاز چاہئے، اسی واسطے ہر گروہ میں اپنی اپنی عیدوں کے دن تعطیل کا معمول ہے پھر بھی یہ کوئی واجب نہیں، اور

ضرورت ہو جب تو کوئی گنجائش کلام ہی نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۴: نماز عید میں امام نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ شروع **الحمد للہ رب العٰلمین** کہنے کے بعد مقتدی کے یاد دلانے پر تکبیر ثلٰثہ کہیں اور بعد تکبیرات دوبارہ قرات شروع کی، اس شکل میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

پہلی صورت میں نماز نہ ہوئی دوسری میں ہو گئی، ایسا شخص احق بالامۃ نہیں ہو سکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۵: از پیلی بھیت محلّہ شیر مرسلہ حاجی حامد حسین صاحب و عزیز الدین صاحب ۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، زید نے ایک مسجد میں جو شہر میں واقع ہے مقتدی بن کر نماز عید الفطر پڑھی، بعد اس کے زید عیدگاہ کو گیا اور وہاں بکر امام تھا، اُس سے نماز پڑھاتے وقت اخیر رکعت میں تکبیریں چھوٹ گئی تھیں جس سے نماز فاسد ہو گئی، تب زید نے دوبارہ امام بن کر نماز عید الفطر پڑھائی حالانکہ وہ نماز مقتدی کی حالت میں پڑھ کر گیا تھا، ایسی حالت میں زید کو نماز پڑھانا چاہئے تھا یا نہیں؟ آیا زید کی نماز جو اس نے پیشتر مقتدی ہو کر پڑھی تھی صحیح ہے یا امام کی حالت میں ہے؟ اور دیگر مقتدیان کی نماز جنھوں نے زید کے پیچھے کہ جس نے دوبارہ حالتِ امام میں نماز پڑھائی اُن کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

زید کو امامت ہر گز جائز نہ تھی، جن لوگوں نے اُس کے پیچھے نماز پڑھی ان کی نماز باطل ہوئی، اُن میں جو ناواقف تھے ان کی نماز رہ جانے کا وبال بھی زید کے سر رہا، درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء مفترض بمتنفل ولاناذر بمتنفل [1]۔	فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں اور نہ نذر پوری کرنیوالے کی متنفل کی اقتدا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان النذر واجب فیلزم بناء القوی علی الضعیف [2]ح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ نذر واجب ہے لہٰذا قوی کی ضعیف پر بنالازم آئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۴/۱

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۴۲۹/۱

مسئلہ ۱۴۳۶: از سلہٹ ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند محلے کے لوگ مسجد میں جمعہ وعید کی نماز پڑھتے ہیں اور ہر شخص ازرُوئے تغافل وتکاسل وقتِ معیّن میں حاضر نہیں ہوتے لہٰذا بعض لوگوں کی نماز فوت ہوتی ہے اس لئے جھگڑا فساد لڑائی برپا کرتے ہیں اب سب محلّہ والے مل کر ایک صاحب علم سے مشورہ کیا اُس نے یہ امر کیا کہ تین بنگولہ جلانا مناسب ہے، یکے بعد دیگرے اگر تیسرے بنگولے کے متصل کوئی حاضر نہ ہو تو جھگڑا لڑائی نہیں، سب لوگوں نے اس بات پر متفق ہو کر یہ عمل شروع کیا کہ عید کے دن تین بنگولہ جلاتے ہیں اور کہتا ہے کہ یہ واسطے اعلام اور اعلان مصلیوں کے کرتے ہیں، اب یہ بات جب دوسرے کسی صاحب علم نے سنا تو کہا یہ آتشبازی فعل بدعت سیئہ محرمہ ہنود کا کام ہے وہ لوگ اپنے عیدوں تہواروں میں کیا کرتے ہیں، ہر گز جائز نہیں۔

الجواب:

فی الواقع یہ بدعت سیئہ ہے اور مشابہت کفار ہے، اس سے بچنا واجب، حدیث اذان میں اس کا فیصلہ ہوچکا، نارونا قوس سب رد کردئے گئے اور اذان مقرر فرمائی گئی جس سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور عیدین کے لئے تو اذان کا بھی حکم نہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیدین میں نہ اذان دلوائی نہ اقامت کہلوائی صرف الصلوٰۃُ جامعۃ دوبار پکارا جاتا ہے، اسی پر اختصار کریں اوراس سے زائد ہر گز کچھ نہ ہو، تغافل والوں کا وبال اُن پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۷: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں مسجد کے بستر وغیرہ لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۸: از تاراکاندی مدرسہ اسلامیہ پوسٹ پاکندیہ ضلع میمن سنگھ مسئولہ محمد عبدالحافظ صاحب مدرس اول تاراکاندی ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ ذیل کہ بعد نماز عیدین قبل الخطبہ یا بعد الخطبہ دعا خواستن جائز است یا نہ، بر تقدیر اول دلیلش چہ بحوالہ کتب حنفیّہ باظہار دلائل متعدد بیان فرمایند در بہشتی گوہر مصنفہ مولوی اشرف علی مرقوم است	کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز کے بعد قبل از خطبہ یا بعد از خطبہ دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حنفی کتب سے متعدد حوالہ جات سے بیان فرمائیں مولوی اشرف علی کی کتابِ بہشتی گوہر میں لکھا ہے

کہ باتباع سنت دعامانگنے سے دعانہ مانگنا بہتر ہے۔	کہ اس صورت میں سنت کی پیروی کرتے ہوئے دعانہ مانگنا بہتر ہے۔

الجواب:

| بہشتی گوہر و بہشتی زیور ہر دو تصنیف ہیچوکسے ست کہ ہمہ علمائے کرام حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً بالاتفاق تحریر فرمودہ اند کہ او مرتدست و آنکہ ہر کہ براقوال ملعونہ او مطلع شدہ در کفر او شک آرد خود کافراست وایں کتابہا بر بسیاری از مسائل فاسدہ واغلاط کاسدہ مشتمل ست دیدن آنہا حرام وموجب ضلالتِ عوام ودعا بعد نماز عید باتباع سنت عامہ وآثار خاصہ جائز و مستحب است والتفصیل فی رسالتنا سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید، واللہ تعالٰی اعلم۔ | بہشتی گوہر اور بہشتی زیور دونوں کتابیں اس شخص کی ہیں جس کے بارے میں علمائے حرمین (حرمین کو اللہ تعالٰی زیادہ شرف و تعظیم عطافرمائے) نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ شخص (اپنے کفریہ الفاظ کی وجہ سے) مرتد ہے، اور جو شخص اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہوگا، یہ بہت سے غلط اور فاسد مسائل پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے اور عوام کی گمراہی کا سبب ہے جبکہ عید کی نماز کے بعد سنت معروفہ اور آثار مخصوصہ کی اتباع میں جائز اور مستحب ہے، اور اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید" میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم |

مسئلہ ۱۴۳۹، ۱۴۴۰: از تین سوکیا ڈاک خانہ خاص ضلع ڈبروگڑھ ملک آسام مسئولہ عبداللطیف ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر تار کی خبر پر افطار کرنا جائز ہو تو عید کی نماز پانے کے سبب دور دراز کے آدمی کی خبر گیری کے لئے ایسے موقع پر ایک روز کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور مسلم جماعت کے سردار پرہیزگار نے کہا آج تار کی خبر سے افطار تو کرلیں گے اگر شرعاً جائز ہو، لیکن ایسے تنگ وقت پڑھنے سے دور دراز کے آدمی سب نماز سے محروم رہیں گے لہٰذا بہتر ہے کہ دوسرے روز نماز پڑھی جائے تاکہ سب لوگ شامل ہوں اور کوئی محروم نہ رہے، اب بغیر رضا سردار کے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) تار کی تو خبر معتبر ہی نہیں اگر شہادت شرعیہ ایسے وقت گزری کہ وقت تنگ ہے شہر میں اطلاع اور لوگوں کا اجتماع متعذر ہے تو دوسرے دن پڑھیں لانھا تؤخر بعذر الی الغد کما نصوا علیہ (کیونکہ عذر کی وجہ سے نماز عید کو دوسرے دن تک موخر کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس پر نص ہے۔ت) اور اگر شہر کے لئے وقت کافی ہے مگر دور دراز کے دیہات کو خبر جانا اور ان لوگوں کا آنا نہیں ہوسکتا تو واجب ہے کہ عید آج کرلیں، دیہاتوں کے لحاظ سے کل کے لئے تاخیر جائز نہیں کہ نماز عید الفطر کی تاخیر بلاعذر گناہ وممنوع ہے اور دیہاتوں کا نہ آسکنا کوئی عذر ہی نہیں۔ در مختار میں ہے:

تؤخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط و الاضحی یجوز تاخیرھا الی آخر ایام النحر بلاعذر مع الکراھۃ وبالعذر بدونھا فالعذر ھنا لنفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ[1]۔	عذر کی وجہ سے فقط دوسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے مثلاً بارش، اور نماز عید الاضحٰی کو بغیر عذر کے ایام نحر کے آخری دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے البتہ کراہت ہوگی، اور اگر عذر ہو تو کراہت بھی نہیں، تو یہاں عذر نفی کراہت کے لئے اور فطر میں عذر صحت کے لئے ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بعذر کمطر دخل فیہ مااذا لم یخرج الامام وما اذاغم الھلال فشھدوا بہ بعد الزوال اوقبلہ بحیث لایمکن جمع الناس[2]۔	ماتن کا قول کہ عذر ہو مثلاً بارش، تواس میں وہ صورت بھی شامل ہے جب امام نہ آیا ہو اور وہ صورت بھی جب چاند مخفی رہا، اور اس کے نظر آنے پر زوال کے بعد گواہی ملی یا اتنی پہلے کہ لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا۔(ت)

در مختار میں ہے:

تجب صلٰوتھما (ای العیدین) علی من تجب علیہ الجمعۃ[3]۔	عیدین کی نماز انھیں لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے۔(ت)

---

[1] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۸

[3] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

ردالمحتار میں برہان شرح مواہب الرحمٰن سے ہے:

وجوبھا مختص باھل المصر [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا وجوب اہل شہر کے لئے مخصوص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اوپر معلوم ہوا کہ تار پر افطار حرام ہے اور اس پر عید کرکے نماز پڑھنا بھی گناہ اور وہ نماز نہ ہوگی کہ سردار درکنار شریعت ہی کی رضا نہیں کہ پیش از وقت ہے، ہاں اگر شرعی ثبوت ہو جاتا تو دیہاتوں کے لئے تاخیر ناجائز تھی اور دوسرے دن پڑھتے تو نماز ہی نہ ہوتی، ایسی حالت میں سردار کے قول پر عمل ناجائز تھا اسی روز نماز عید پڑھ لینی واجب ہوتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴۱: از اُوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبہ للمتقین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین چہ می فرمایند علماوفضلائے دین دریں مسئلہ کہ نماز عیدین در قصبہ خواہ شہر باشد بجز عیدگاہ بشرط تکرار یا ہمیں در مساجد دیگر بگزارد درست ست یا ممنوع وبر تقدیر قاضی فاسق نماز راملک خود قرارداده نماز عید دیگر مساجد شہر را بجماعت حکام بند کنانیده دہد بدیں سبب کہ مردمان شہر پس من نماز ادا نمایند پس باقتدائے فاسق نماز درست ست یا نہ وحکم قضائے قاضی فاسق پیر وانِ او چیست بیان فرمایند بالتشریح بحوالہ کتب رحمہ اللہ اجمعین۔	سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور آخرت متقین کی ہے اور صلٰوۃ وسلام نازل ہو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل واصحاب تمام پر، علماء وفضلائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز قصبہ یا شہر میں عیدگاہ کے علاوہ بشرط تکرار یا انھیں دیگر مساجد میں ادا کی جاسکتی ہے یا ممنوع ہے، اگر قاضی فاسق نماز کو اپنی ملک سمجھتے ہوئے شہر کی دوسری مساجد میں حکام کو جماعت سے منع کردیتا ہے تاکہ تمام لوگ میرے پیچھے ہی نماز ادا کریں تو فاسق کی اقتداء میں نماز درست ہوگی یا نہ؟ قاضی فاسق کی قضا کا حکم اور اس کی پیروی کرنے والوں کا کیا حکم ہے، بحوالہ کتب تفصیلاً جواب عطا کریں رحمہ اللہ اجمعین۔ (ت)

الجواب:

رفتن عیدگاہ سنت ست فی الدر المختار الخروج	عیدگاہ کی جانب جانا سنت ہے درمختار میں ہے

[1] ردالمحتار، باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۱

الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ھوا لصحیح [1] اما واجب نیست اگر بہ مسجد شہر نماز گزارند قطعاً درست وبے خلل باشد اگرچہ ترک سنت کردہ باشند فی ردالمحتار الواجب مطلق التوجہ لاالتوجہ الی خصوص الجبانۃ [2] وتکرار نماز عید در مصر واحد بمواضع کثیرہ بالاتفاق جائز ست فی الدرالمختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا [3] واقتداء بفاسق معلن مکروہ تحریمی قریب بحرام ست وھو الذی یقتضیہ الدلیل ولایعدل عن درایۃ ما وافقتھا روایۃ. علامہ ابراھیم حلبی درغنیہ فرمودہ یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم وکذا المبتدع [4] پس تاوقتیکہ نماز پس مصالحے صحیح القراءۃ سلیم العقیدہ زنہار اقتدا بانکنند اما اگر ظلما نماز دیگر مساجد بند کردہ شود وجز باقتدائے اوراہے نیابند مجبور باشند ومعذور ووبال ایں ظلم وجبر بر گردن آں فاسق مغرور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا [5] نماز عید از اعظم شعائر اسلام ست بایں علت عارضہ ترکش نتواں گفت فی

جماعت عید کے لئے جبانہ (نماز کی وہ جگہ جو جنگل میں بنائی جائے) کی طرف نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو، اور یہی صحیح ہے لیکن نکلنا واجب نہیں، اگرچہ شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لی تو یقینا درست ہے اس میں کوئی کمی نہیں اگرچہ سنت کا ترک ہوا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ واجب مطلق نکلنا ہے نہ کہ مخصوص عیدگاہ کی طرف نکلنا، اور ایک شہر میں تکرارِ نماز عید بالاتفاق جائز ہے، درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے، فاسق معلن کی اقتداء مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے، اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس درایت سے عدول مناسب نہیں جو روایت کے موافق ہو، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح بدعتی کی، جب تک کسی صالح صحیح القراءۃ سلیم العقیدہ کی اقتداء میسر ہو ہر گز کسی فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اگر ظلماً دیگر مساجد نماز کے لئے بند کر دی گئی ہیں اور اس کی اقتداء کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تو اب مجبوری اور معذوری ہے، اس کا

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۲

[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۵۱۳

[5] القرآن ۲/ ۲۸۶

ردالمحتار عن المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول [1] واینا کہ بر نکاح وامامت جمعہ واعیاد از جانب نصاری وغیرہم حکام زمانہ مقرر باشند از عہدہ قضا جز اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی بہرہ ندارند پس حکم قضائے ایشاں چہ گفتہ آید حکم بر موجود باشد و قضائے ایشاں خود معدوم ست کہ حقیقت در کنار صورت قضاہم ندار دآرے اگر مراد آنست کہ فساق را بایں کارہا معین کردن جواب آنست کہ ہر گز نشاید حال امامت خود حالے شدو غرض از تولیت انکحہ توثیق واشہاد ست وآں خود از فاسق حاصل نباشد۔ واللہ تعالٰی اعلم	وہاں بھی اس فاسق پر ہی ہوگا اور اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا، نماز عید اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہے، اس عارضہ کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے، ردالمحتار میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا جمعہ کے علاوہ فاسق کی اقتداء نہ کی جائے کیونکہ دوسری نمازوں میں کسی دوسرے کی اقتداء ہو سکتی ہے اھ فتح میں ہے کہ اس بناپر جمعہ میں بھی اقتداء مکروہ ہے کیونکہ امام محمد کے مفتٰی بہ قول کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو سکتا ہے تو دوسرے مقام کی طرف چلے جانا ممکن ہوا اور یہ جو نصارٰی کی طرف سے نکاح، امامتِ جمعہ واعیاد کے لئے عہدہ قضاء پر مقرر لوگ ہیں، یہ اسم بے مسمّٰی اور لفظ بے معنی ہیں، ان کی قضا کیا حقیقت رکھتی ہے حکم موجود پر ہوگا اور ان کی قضا خود معدوم ہے جو درحقیقت قضا ہی نہیں، اگر سوال یہ ہے کہ ایسے فاسق لوگوں کو اس عہدہ پر مقرر کرنا کیسا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہرگز جائز نہیں، اور امامت کا معاملہ خود اہم ہے، والی بنانے سے مقصد ان کی توثیق واشہاد ہے جو فاسق سے حاصل نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۲: از دمن خرد ملک پرتگال محلّہ کھارا موڑ مرسلہ مولوی محمد ضیاء الدین صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ ایک چھوٹی سی بستی میں ۱۲۲۶ھ سے بنی ہوئی ہے، بعض مسلمان اہل شہر کو اپنے محلّہ سے ربع میل کے قریب مسافت طے کرکے جانا پڑتا ہے اور بعض اہل محلّہ ربع میل سے بھی کم چل کر داخل عیدگاہ ہو جاتے ہیں، سال مذکور سے جملہ اہل شہر اُسی عیدگاہ میں برابر

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

نماز عید ادا کرتے رہے، حال میں ان اشخاص نے جن سے بہت نزدیک عیدگاہ تھی بباعث نفسانیت دنیوی کے عیدگاہ میں نماز عید پڑھنا ترک کردیا حالانکہ ان کو کسی نے عیدگاہ سے ممانعت بھی نہیں کی، آخر صرف اسی نفسانیت کی بناپر یا کسی مفسد کے بہکانے سے یہ بات اپنی طبیعت سے گھڑلی کہ ہم بانیانِ عیدگاہ کی طرف والے عیدگاہ میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں بایں وجہ ہم نے عیدگاہ میں دوگانہ ادا کرنا ترک کردیا، دو تین سال سے میدان میں جو عیدگاہ کے قریب ہے نماز عید پڑھتے تھے امسال ان کا ارادہ اسی میدان میں دوسری عیدگاہ کی تعمیر کا ہے، تو آیا ان چند اشخاص کو صورتِ مذکورہ بالا میں اپنی جدید گاہ کا ایسے مختصر شہر میں تعمیر کرنا ازرُوئے شرع شریف درست ہے یا نادرست؟ اگر درست ہے تو اب دو ۲ عیدگاہوں کے ہوجانے سے قلّت جماعت عیدگاہ سابق موجب کمی ثواب ہے یا نہیں؟ اور باعث قلّت ثواب کے ایسی حالت میں بانیانِ عیدگاہ جدید ٹھہریں گے یا نہیں؟ اگر یہ لوگ ٹھہرے تو عیدگاہ سابق کو محض نفسانیتِ دنیوی کے سبب ترک کردینے والوں کی نیت اور ثواب کثیر کو قلیل کرنے والوں کی بابت ہماری شریعتِ مطہرہ کیا حکم کرتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز عید ایک شہر میں متعدد جگہ اگرچہ بالاتفاق روا ہے مگر ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ بیرون شہر مقرر کرنا زمان برکت نشان حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اب تک معہود نہیں نہ زنہار اس میں شرع مطہر ودین منور کی کوئی مصلحت خصوصًا ایسی چھوٹی بستی میں تو اگر اس میں اس کے سوا کوئی حرج نہ ہوتا تو اسی قدر اس فعل کی کراہت کو بس تھا کہ محض بے ضرورت شرعی ومصلحتِ دینی خلاف متوارث مسلمین ہے اور ایسا فعل ہمیشہ مکروہ ہوتا ہے، درمختار باب العیدین میں ہے: **لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم**[1] (کیونکہ یہ مسلمانوں کے ہاں متوارث ہے لہذا ان کی اتباع لازم ہے۔ت) ردالمحتار کتاب الذبائح میں غایۃ البیان سے ہے: **توارثہ الناس فیکرہ ترکہ بلا عذر**[2] (لوگوں کے ہاں متوارث ہے لہذا اس کا ترک بلاعذر مکروہ ہوگا۔ت) اور یہیں سے ظاہر کہ تعدد مساجد پنجگانہ پر اس کا قیاس نہیں ہوسکتا کہ وہ خود متوارث ومطلوب فی الشرع ہے، سنن ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۰۸

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء مساجد فی الدور وان تنظف وتطیب [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر علاقے میں مسجد کی تعمیر اور ان کی نظافت وطہارت کا حکم دیا۔(ت)

جب یہ تعمیر مصلحت دینی سے خالی ہوئی اور اس میں کوئی مصلحت دنیوی نہ ہونا بدیہی، تو محض عبث ہوئی اور ایسا ہر عبث ناجائز و ممنوع ہے، ہدایہ میں ہے:

العبث خارج الصلٰوۃ حرام فما ظنك فی الصلٰوۃ [2]۔	عبث کام نماز سے باہر حرام تو نماز میں کیا حال ہوگا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

الفرق بین العبث والسفه علی ماذکرہ بدر الدین الکردی ان السفه مالا غرض فیه اصلا والعبث فعل فیه غرض لکن ،لیس بشرعی وعبارۃ غیرہ العبث مالیس فیه غرض صحیح لفاعله [3]۔	عبث اور سفہ میں فرق بقول علامہ بدرالدین الکردی کے یہ ہے کہ سفہ وہ عمل جس میں کوئی غرض نہ ہو اور عبث وہ فعل جس میں غرض ہو لیکن شرعی نہ ہو، دیگر لوگوں کے الفاظ میں عبث وہ فعل ہے جس کے فاعل کی غرض صحیح نہ ہو۔(ت)

یہ عمارت بے حاجت کی تعمیر ہوئی اور ہر عمارت بے حاجت اپنے بنانے والے پر روز قیامت وبال ہے۔

کما وردت به احادیث عند البیهقی عن انس والطبرانی عن واثلة وفیه عن غیرهما رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	جیسا کہ اس پر بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس سلسلہ میں ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مرویات ہیں۔(ت)

جنگل میں بے حاجت شرعی ایک عمارت بنا کر کھڑی کر دینا اسراف ہوا اور اسراف حرام ہے قال اللہ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ [4] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور اسراف نہ کرو کہ اللہ تعالٰی اسراف

---

[1] سنن ابن ماجہ اتخاذ المساجد فی الدور مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ٦٦

[2] الہدایۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ١/١١٩

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] القرآن ،٦/ ١٤١ و ٧/ ٣١

کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ت) صورت مستفسرہ میں یہ سب شناعتیں خود اس فعل بے معنی میں موجود تھیں اگرچہ اس کی تعمیر براہِ نفسانیت نہ ہو اور جبکہ یہ بناء براہِ نفسانیت ہے جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر، تو اس کا مذموم و مردود ہونا خود واضح و روشن ہے کما لا یخفی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۳: از موضع مچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصیر الدین صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ عید قرباں میں مستحب ہے کہ جب تک نماز نہ پڑھی جائے کھانا نہ کھائے یعنی جو کہ نگاہ رکھے اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے اور جماع کرنے سے دن قربانی کے یہاں تک کہ پڑھی جائے نماز عید کی، اب مردمان اہل اسلام دن قربان کے دس ذی الحجہ کو اپنے مکان سے کھانا کھا کر اور حقہ پانی پی کر واسطے نماز عید کے عیدگاہ کو جاتے ہیں، یہ حکم نہیں مانتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں تو ان کے واسطے شرع شریف سے کیا ہے، پس اس امر میں اس سے کیا کہا جائے گا اور نماز ان کی صحیح طور پر ہوگی و یا کوئی نقصان ان کی نماز میں عائد ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی حدیث قولی جس طرح سائل نے ذکر کی وارد نہیں، ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل ثابت ہوا ہے کہ عید قرباں میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے بعد نماز گوشتِ قربانی سے تناول فرماتے۔

الترمذی وابن ماجۃ عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لا یخرج یوم الفطر حتی یأکل وکان لا یأکل یوما النحر حتی یصلی [1] ورواہ الدار قطنی فی سننہ حتی یرجع فیأکل من اضحیتہ [2] صححہ ابن قطان۔ وفی اوسط الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ	ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید الفطر کو کوئی چیز کھائے بغیر تشریف نہ لاتے اور یوم النحر کو نماز ادا کرکے تناول فرماتے، اسے دار قطنی نے سنن میں ذکر کیا اور اس سلسلہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہاں تک کہ نماز سے واپس لوٹتے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے، اسے

[1] جامع الترمذی باب فی صلٰوۃ العیدین مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۱

[2] سنن الدار قطنی کتاب العیدین حدیث ۷ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/۴۵

تعالٰی عنہما من السنۃ ان لایخرج یوم الفطر حتی یطعم ولایأکل یوم النحر حتی یرجع[1]۔	ابن قطان نے صحیح قرار دیا، طبرانی کی اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ سنت یہ ہے کہ یوم الفطر کو کھانے کے بغیر نہ نکلا جائے اور یوم النحر کو نماز سے واپسی پر کھایا جائے۔(ت)

بہر حال یہ امر استحبابی ہے یعنی کرے ثواب، نہ کرے تو حرج نہیں، ایسے امر کے ترک کو حکم عدولی نہیں کہہ سکتے اور نماز میں نقص کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، در مختار میں ہے:

یندب تاخیر اکلہ عنہا وان لم یضح ولو اکل لم یکرہ[2] اھ باختصار	یوم النحر میں کھانا مؤخر کرنا مندوب ہے اگرچہ قربانی نہ دینی ہو اور اگر کھا یا تو اس میں کراہت نہیں اھ اختصاراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای یندب الامساک عما یفطر الصائم من صبحہ الی ان یصلی قال فی البحر وھم مستحب ولا یلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بدلھا من دلیل خاص اھ وفی البدائع ان شاء ذاق وان شاء لم یزق والادب ان لایذوق شیأ الٰی وقت الفراغ من الصلٰوۃ حتی یکون تناولہ من القرابین[3] اھ اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم	یعنی نماز کی ادائیگی تک ہر اس شی سے رکنا مندوب ہے جس سے صائم کا روزہ افطار ہوتا ہے، بحر میں فرمایا: یہ مستحب ہے اور ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ اس کے لئے مستقل دلیل ضروری ہے اھ بدائع میں ہے اگر چاہے تو چکھ لے اور نہ چاہے نہ چکھے، اور ادب یہی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی شے نہ کھائے یہاں تک کہ اس کا تناول قربانی کے جانور سے ہو۔ اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۴: زید بغیر کچھ اپنی رائے ظاہر کرے علمائے حاضرہ کی تحقیق و ثبوت شہادت صحیح جان کر سہ شنبہ کو دس ذی الحجہ یقینی جان کر عید الاضحٰی کی امامت کراتا ہے لیکن شب سہ شنبہ کو ایک بڑے متدیّن مستند عالم

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والاوسط باب الاکل یوم الفطر الخ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۱۹۹

[2] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[3] ردالمحتار باب العیدین مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۸

تشریف لائے اور انھوں نے ثبوت رؤیت صحیح نہ جان کر سہ شنبہ کو عید نہیں کی، لوگوں سے کوشش کرائی گئی کہ کسی صورت سے مجھ کو ثبوت رؤیت معلوم ہو جائے تو میں بھی عید کروں مگر کسی سے پتا نہیں چلا جن کے پاس ثبوت گزرا وہ اس قدر فرما کر گئے کہ مجھے سچّا جانتے ہیں تو عید کریں ورنہ جواب کچھ نہیں، اس وجہ سے ایک عالم صاحب نے عید نہیں کی ان کے موافق موجود علماء میں سے ایک عالم اور ہوگئے زید امامت و خطبہ سے فارغ ہو کر یوں کہتا ہے کہ دینی بھائیو! آج عید ہے، اور نماز بھی پڑھئے مگر قربانی جو دس گیارہ بارہ کو جائز ہے بجائے سہ شنبہ کے چہار شنبہ کو کرو احتیاطًا تو بہتر ہو، اس آخری فقرہ پر سوال ہوتا ہے لوگوں کی جانب سے کہ کیا مطلب احتیاط کا، تو زید جواب دیتا ہے کہ اگر آج قربانی کرو تو جن علماء نے عید نہیں وہ فرمائیں گے کہ قربانی نہیں ہوئی اور اگر چہار شنبہ کو کروگے تو سب بالاتفاق فرمائیں گے کہ صحیح ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ، زید کا اس فقرہ کے تلفظ سے مجرم شرعی ہے یا نہیں، اور جو لوگ مشورہ کرکے اور لوگوں کو فراہم کرکے اپنے زعم میں زید کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں کوشش بلیغ کرتے ہیں کہ جرم ثابت ہو، یہ لوگ اچھا کام کرتے ہیں یا نامحمود؟

الجواب:

زید اس فقرہ کے سبب مجرم شرعی نہیں کہ احتیاط کرنے اور اختلاف معتبر شرعی سے بچنے کا حکم شرع مطہر میں ہے اتنی بات پر جو اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اچھا کام نہیں کرتے بلکہ گناہ کے ساعی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل المسلم علی المسلم حرام ماله وعرضه ودمه حسب امرئ من الشرع ان یحقر اخاه المسلم [1]۔ رواه ابوداؤد و ابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اُس کا مال، اُس کا آبرو، اس کا خون، آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

البتہ وہ نماز کہ پڑھی اس میں بہت شقوق ہیں جن میں سے ملخص یہ کہ اگر وہ جن کو علمائے حاضرہ کہا رسمی علماء ہیں نہ کہ فقیہ ماہر جن کے فتوے پر اعتماد جائز ہو، ان کی تحقیق پر وثوق جائز نہ تھا اور اگر اس وقت تک ان کی بات زید کے حق میں لائق وثوق تھی اور جب دوسرے عالم جن کو بڑے متدین مستند عالم کہا ہے انھوں نے وہ ثبوت صحیح نہ جانا تو زید کو اگلوں کے بیان پر وثوق نہ رہا، اور سہ شنبہ کو دسویں ہونا بے ثبوت ہوگیا، پھر نماز پڑھی تو نماز ہی نہ ہوئی کہ نماز کے لئے جس طرح وقت شرط ہے یونہی اعتقاد مصلی میں وقت آجانا شرط ہے مثلًا اگر صبح کی نماز پڑھی اور اسے طلوعِ صبح میں شبہ تھا، نماز نہ ہوئی اگرچہ واقع میں صبح ہوگئی ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ باب حرمۃ المومن ومالہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۰

وکذا یشترط اعتقاد دخول فلو شك لم تصح صلوته وان ظھر انه قد دخل[1]۔	اسی طرح اس کے دخول کا اعتقاد بھی شرط ہے لہذا اگر شک ہوا تو نماز صحیح نہ ہوگی اگرچہ ظاہر یہی ہو کہ وقت شروع ہوچکا ہے۔(ت)

اور اگر وہ قابل وثوق تھے اور اسے وثوق ہی رہا تو قربانی میں احتیاط کی کیا حاجت تھی، اور تھی تو کیا نماز میں احتیاط درکار نہ تھی، عیدالاضحٰی کی نماز بھی بارھویں تک ہوسکتی ہے اگرچہ بلاعذر تاخیر مکروہ ہے، تنویرالابصار میں ہے:

یجوز تاخیرھا الی ثالث ایام النحر بلا عذر مع الکراھة وبه بدونھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	عذر کے بغیر نماز عیدالاضحٰی کو ایام نحر کے آخر تک مؤخر کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور عذر کی صورت میں بغیر کراہت کے جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴۵: از کانپور محلّہ نئی سڑک مرسلہ حاجی فہیم بخش عرف چھٹن ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عمرو نے نماز عیدالاضحٰی اپنی امامت سے کثیر التعداد مقتدیوں کے ساتھ ادا کی، نماز خطبہ کے بعد عمرو نے بوجہ اختلاف رؤیت قربانی کے لئے بخیال مزید احتیاط ممانعت کی، بکر نے دوسرے روز نماز عیدالاضحٰی مع قلیل التعداد مقتدیوں کے شہر کی ایک مسجد میں پڑھی عمرو نے جو ہنگام ادائے نماز وہاں موجود تھا بکر کی اقتداء میں تکرار نماز کی، پس ایسی صورت میں عمرو کی کون سی نماز واجب اور کون سی نفل ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب: پہلے دن اگر عمر کو روز عید ہونے میں شک تھا یا بلاثبوت شرعی عید مان کر نماز عید پڑھی تھی تو وہ نماز ہی نہ ہوئی یہ دوسری ہی واجب واقع ہوئی اور اگر یہ ثبوت شرعی بلاتردد پہلے دن پڑھی تو وہی واجب تھی دوسری بلاوجہ رہی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۶: از ملک بنگالہ ضلع کمرلہ موضع چاندپور مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب غرہ ۱۳ صفر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز عیدالاضحٰی کی نیت میں عیدالاضحٰی کہے یعنی یوں کہے نویت ان اصلی للہ تعالٰی رکعتی صلوٰۃ العید الاضحی الخ (میں نے نیت کی کہ میں اللہ تعالٰی کو راضی کرنے کے لئے نماز عیدالاضحٰی پڑھ رہا ہوں الخ۔ت) تو نماز اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۲۹۶

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

بینوا توجروا عند اللہ۔

الجواب:

اگرچہ یہ لفظ غلط ہے صحیح صلٰوۃ عید الاضحیٰ ہے مگر نہ نیت زبانی کی نماز میں حاجت ہے نہ وہ نماز کے اندر ہے نہ اس میں فساد معنی ہے، تو اس غلطی کا صحتِ نماز پر اصلاً اثر نہیں ہوسکتا، دل میں عید الاضحیٰ ہی کا قصد ہے اگرچہ نام میں غلطی کی بلکہ دل میں نماز عید الاضحیٰ کا ارادہ کرتا اور زبان سے عید الفطر بلکہ مثلاً نماز تراویح کا نام نکلتا جسے اس نماز سے کوئی مناسبت ہی نہیں، جب بھی صحت نماز میں شبہ نہ تھا کہ نیت فعل قلب ہے۔ جب قلب کا ارادہ ہے زبان کا کچھ اعتبار نہیں، در مختار میں ہے:

المعتبر فیھا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لانیۃ [1]۔	یہاں اعتبار فعل دل کا ہے جو ارادہ کو لازم ہے لہٰذا زبان کے ذکر کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ اس نے دل کی مخالفت کردی ہو کیونکہ وہ تو کلام والفاظ ہیں نیت نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو قصد الظھر وتلفظ بالعصر سھوًا اجزأہ کما فی الزاھدی قھستانی [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ارادہ ظہر کا تھا مگر سہواً عصر کہہ دیا تو نماز ہوجائیگی جیسا کہ زاہدی میں ہے قہستانی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴۷: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ منشی ہدایت یار خاں صاحب قیس　　۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ مثل مساجد قابل حرمت ووقعت ہے یا نہیں؟ اس کا حکم حکمِ مسجد ہے یا نہیں؟ اس احاطہ کے اندر غیر قومیں جوتے پہنے ہوئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس چار دیواری کے اندر خرید وفروخت ہوسکتی ہے؟ خطبہ کے وقت دکانداروں یا خوانچہ والوں کا گشت اس میں جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بالتشریح اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

عیدگاہ ایک زمین ہے کہ مسلمانوں نے نمازِ عید کے لئے خاص کی، امام تاج الشریعۃ نے فرمایا صحیح یہ ہے

---

[1] در مختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۵

کہ وہ مسجد ہے اس پر تمام احکام مسجد ہیں نہایہ میں اگرچہ مختار للفتوی یہ رکھا کہ وہ عین مسجد نہیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ اس کی تنظیف و تطہیر ضروری نہیں، غیر وقت نماز و خطبہ میں اس میں خرید وفروخت قولِ اول پر مطلقًا حرام ہے اور خرید فروخت کے لئے اس متعین کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

اذ لا یجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فضلا عن ضیعتہ کما فی الھندیۃ وغیرھا [1]۔	وقف کی ہیئت وحالت میں تبدیلی جائز نہیں چہ جائیکہ اسے ضائع کرنا جائز ہو ہندیہ وغیرہ۔ (ت)

اور یوں کہ اتفاقًا غیر وقت نماز خطبہ میں ایک کے پاس کوئی شے ہو وہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے، قول دوم پر اس میں حرج نہیں، وقت نماز یا خطبہ میں خوانچہ والوں کا گشت بلاشبہ ممنوع و واجب الانسداد ہے کہ مخل استماع و ناقض ہے اور ان کے غیر اوقات میں وہی اختلاف قولین، یونہی کفار کی آمد و رفت خصوصًا جوتا پہنے کہ یہ نجاست سے خالی نہیں ہوتے نہ وہ جنابت سے کما حققہ فی الحلیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس کی تحقیق حلیہ میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوی میں اسے تفصیلًا بیان کیا ہے۔ت)

درمختار میں ہے:

اما المتخذ لصلٰوۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نھایۃ [2]	لوگوں کی سہولت کی وجہ سے عیدگاہ اور جنازہ گاہ جواز اقتداء کے حق میں مسجد ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، ہاں اس کے علاوہ میں یہ حکم نہیں، اسی پر فتوٰی ہے۔ نہایہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھرہ انہ یجوز الوطئ والبول والتخلی فیہ ولا یخفی مافیہ فان البانی لم یعدہ لذلك فینبغی ان لایجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد وانما تظھر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام و حل دخولہ للجنب والحائض [3] انتھی	بحر میں ظاہر عبارت بتارہی ہے کہ وطی اور بول وبراز جائز ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ بانی نے اس کے لئے نہیں بنائی لہٰذا یہ جائز نہیں ہونا چاہیے اگرچہ ہم اسے مسجد کا حکم نہیں دیتے اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس میں جنبی اور حائضہ کے دخول کا جواز بھی انتہی (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۶

اسی میں ہے:

صحح تاج الشریعة ان مصلی العید له حکم المساجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تاج الشریعۃ نے عید گاہ کے لئے مسجد کے حکم کی تصحیح کی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید کو امام نے اس طور ادا کیا کہ پہلی رکعت میں بعد ثناء کے اول قرأت سے چار تکبیریں کہیں، دوسری رکعت میں قبل از قرأت کے چار تکبیریں کہیں اور قرأت کرکے نماز تمام کی پہلی رکعت میں بعد ثناء کے تین تکبیریں کہیں بعد کو قرأت اور دوسری رکعت میں اول میں تین تکبیریں کہیں اور قرأت ادا کرکے نماز تمام کی، تو اس صورت سے نماز عید ہو گئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلی صورت میں دو باتیں خلافِ اولٰی کیں چار چار تکبیریں کہنی اور دوسری رکعت قبل قرأت تکبیر ہونی، اور دوسری صورت میں یہی بات خلاف اولٰی ہوئی، مگر دونوں صورتوں میں نہ نماز میں نقصان آیا نہ کسی امر ناجائز وگناہ کا ارتکاب ہوا، ہاں بہتر نہ کیا، درمختار میں ہے:

ھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه ماثور[2]۔	یہ ہر رکعات میں تین تکبیرات ہیں اگر امام اضافہ کردے تو سولہ تک اس کی اتباع کی جائے کیونکہ یہاں تک منقول ہیں،(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البحران الخلاف فی الاولویة ونحوه فی الحلیة[3]۔	بحر میں ہے کہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے، اور اسی طرح حلیہ میں ہے(ت)

درمختار میں ہے: یوالی ندبا بین القرأتین[4] (دونوں رکعتوں کی قرأت کو تکبیراتِ زائدہ کے فصل کے بغیر ادا کرنا مستحب ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۵

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۵

[4] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۵

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انه لوکبر فی اول رکعته جاز لان الخلاف فی الاولویة[1]۔	اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ رکعت کی ابتداء میں تکبیر کہہ لی تو جائز ہے کیونکہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۹: از اورنگ آباد ضلع گیا مرسلہ محمد اسمٰعیل مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عید الاضحٰی میں بعد اختتام نماز منبر پر گیا اور خطبہ شروع کیا، اثنائے خطبہ اولٰی میں مستمعین سے ہی آپ لوگ ذرا زور سے سبحان اللہ پڑھیں۔ سب چپ رہے، پھر دوبارہ سہ بارہ کہہ کر لوگوں کو مجبور کیا کہ کیوں نہیں پڑھتے، تم لوگوں کا منہ کیوں بند ہوگیا، تب لوگوں نے بآواز بلند سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا پھر لبیّك واللہ اکبر کہلوایا پھر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھوایا پھر نعتیہ خطبہ پڑھ کر منبر پر بیٹھا اور اٹھ کر خطبہ شروع کیا، ابھی خطبہ ثانیہ تمام ہونے نہ پایا تھا کہ لوگوں کو کھڑے ہو کر یا نبی سلام علیك یا رسول سلام علیك پڑھنے کو کہا، چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر زور زور سے یا نبی سلام علیك مع اشعار اردو کتب میلاد مروجہ ترنم سے پڑھا اور زید نے پھر کچھ اردو میں دعا مانگی اور خطبہ ثانیہ کو اسی طرح ناتمام چھوڑ دیا آیا یہ فعل موافق سنتِ متوارثہ ہوا یا خلاف سنت سراسر عبث اور ایسا کرنے والے پر عند الشرع کیا حکم لگایا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب:

حالت خطبہ میں کلام اگرچہ ذکر ہو مطلقاً حرام ہے اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولاکلام[2] (جب امام آجائے تو صلٰوۃ وکلام نہیں، ت) امام نے جو کچھ کیا سب بدعت شنیعہ سیئہ ہے، اُن جاہلوں کا وبال بھی اس پر بغیر اس کے کہ ان کے وبال میں کمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من	جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اس کو اتباع کرنے کے اجر کی مثل اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۶

[2] نصب الرایۃ کتاب الصلوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ المکتبہ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۲۰۱، فتح الباری کتاب الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳۸

اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیه من الاثم مثل اثام من تبعه لاینقص ذلك من اثامھم شیئا[1] رواہ الائمة احمد ومسلم والاربعة عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم	نہ ہوگی اور جس نے برائی کی طرف بلایا اس پر گناہ ہوگا اتباع کرنے والوں کی مثل، اور ان کے گناہ میں بھی کمی نہ ہوگی، اسے امام احمد، مسلم اور چار ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] صحیح مسلم باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۴۱/۲

وِشاحُ الجید فی تحلیل معانقۃ العید ۱۳۱۲ھ

(نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی عید رحمتہ وسع کل قریب و بعید، وجعل اعیاد المؤمنین مُعَانَقَۃ بصفر الوعد وعفو الوعید، وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی من تعانق عید جمالہ بِعید نوالہ، فوجھہ عید، ویدہ عید، یسعد بھما کُلُّ سعید، وعلٰی حزبَیِ الاٰل والاصحاب الذین ھما العید ان لایّام الایمان، وعلی کل من عانق جیدہ وِشاح الشھادتین بجمّان الایقان ماتعانق الملوان، وتوارد العیدان، ھَنّأھم اللہ بأعیاد الاسلام، وعیدالرویۃ فی دارالسلام، ولدَیہ مزید، وانّہ یبدئ ویعید،	تمام تعریف اللہ کے لئے جس کی عید رحمت ہر دور نزدیک کو محیط ہے، اور جس نے اہل ایمان کی عیدوں کو صفائیِ وعدہ اور معافی وعید سے بغلگیر کیا، اور بہتر درود اور کامل ترین سلام ہو ان پر جن کی عید جمال (ان کی) عیدِ جود ونوال سے ہم آغوش ہے، جن کا چہرہ زیبا بھی عید اور دست عطا بھی عید، ہر خوش نصیب ان دونوں سے فیروز مند ہے، ان کی آل واصحاب دونوں جماعتوں پر جو ایام ایمان کی دو عیدیں ہیں اور ہر اس شخص پر جس کی گردن گوہر یقین سے آراستہ قلادہ شہادتین سے ہمکنار ہے، (یہ درود سلام ہوں) جب تک روز وشب باہم بغلگیر اور دونوں عیدیں یکے بعد دیگرے ورود پذیر رہیں، اللہ انھیں عید ہائے اسلام اور جنت میں عید دیدار کی مبارکباد سے نوازے۔ (ت)

اَمَّا بَعْدُ چند سال ہوئے کہ روز عید الفطر بعض تلامذہ مولوی گنگوہی نے بعض اہلسنت پر دربارہ معانقہ طعن وانکار کیا کہ: "شرع میں معانقہ صرف قادمِ[ف1] سفر کے لئے وراد ہوا، بے سفر بدعت، ناروا، میں نے اپنے اساتذہ سے یوں ہی سنا"۔ان سنیوں نے اس باب میں فقیر حقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سُنی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفراللّٰہ لہ **وحقّق اَمَلہ** سے سوال کیا فقیر نے ایک مختصر فتوٰی لکھ دیا کہ احادیث میں معانقہ سفر وبے سفر دونوں کا اثبات اور تخصیصِ سفر تراشیدہ حضرات[ف2]۔ بحمد اللّٰہ اس تحریر کا یہ نفع ہوا کہ ان صاحب نے اپنے دعوی سے انکار کردیا کہ: "نہ میں اس تخصیص کا مدعی تھا نہ اپنے اساتذہ سے نقل کیا"۔

خیر یہ بھی ایک طریقہ توبہ ورجوع ہے اور الزام کذب بھی زائل ومدفوع ہے کہ جب اپنے معبود کا کذب ممکن جانیں، کیا عجب کہ اپنے واسطے فرض وواجب مانیں[ف3]۔

ف1 قادم سفر: سفر سے آنے والا۔ (مترجم)

ف2 یعنی میں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ سفر سے آنے کی حالت اور اس کے علاوہ احوال میں بھی احادیث سے معانقہ کا جائز ہونا ثابت ہے۔ اور معانقہ کا جواز محض آمد سفر کی حالت سے خاص کرنا ان حضرات کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، حدیث فقہ سے اس پر کوئی معتبر دلیل ہرگز نہیں۔ (مترجم)

ف3 جب انھوں نے اپنے دعوے سے انکار کردیا تو اتنا ظاہر ہوگیا کہ وہ اپنے پہلے قول پر نہ رہے اور جواز معانقہ بلا تخصیص تسلیم کرلیا___ البتہ ان پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے دروغ گوئی سے کام لیا کہ پہلے ایک بات کہی پھر کہنے سے انکار کرڈالا___ مگر دیوبندی حضرات جب اپنے معبود کے لئے جھوٹ بولنا ممکن مانتے ہیں، تو خود ان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے، بعید نہیں کہ وہ اسے اپنے لئے فرض وواجب مانتے ہوں، استاد محترم حافظ ملّت مولانا عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ رحمۃ بانی الجامعۃالاشرفیہ مبارکپور فرمایا کرتے تھے کہ علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں" اگر خود ان کا بھی یہی حال ہو کہ "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" تو ان کے عقیدے کی رو سے شرک اور خدا کے ساتھ اس وصف میں برابری لازم آجائے گی، اس لئے ان کے اپنے عقیدہ وقاعدہ پر "فرض اور ضروری ہے کہ وہ جھوٹ بولیں"۔ اگر "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" کی منزل میں رہ گئے تو مشرک ٹھہریں گے۔ (مترجم)

اب اس عیدالاضحیٰ ۱۳۱۱ھ میں بعض علمائے شہر کے ایک شاگرد بعض اہلسنت سے پھر اُلجھے، انھوں نے پھر وہی فتوائے فقیر پیش کیا، خیالات کے پکے تھے ہرگز نہ سلجھے، انھوں نے ان کے استاذ کو فتوی دکھایا، تصدیق نہ فرمائیں تو جواب چاہا، مدت تک انکار پھر بعد اصرار وعدہ واقرار، باآخر مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب صفحہ ۵۳۹ جلد اول پر نشانی رکھ کر ارسال فرمایا، اور بعض عباراتِ ردالمحتار ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف سے حاشیہ چڑھایا، سائل مُصِر ہوئے کہ "جواب ضرور ہے آخر تحقیق حق نامنظور ہے" فقیر نے چند ورق لکھ کر بھیج دیے اور رسالہ میں فتوی سابقہ کے ساتھ جمع کئے کہ ناظر دیکھیں، نفع پائیں، فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں وباللّٰہ التوفیق وھِدَایۃ الطریق۔

اس رسالہ کا بلحاظ فتوی سابق وتحریر لاحق دو ۲ عید پر انقسام۔ اور بنظر تاریخ کہ بستم ۲۰ محرم ۱۳۱۲ھ لکھا گیا "وَشَاحُ الجِیْدِ فِی تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ العِید" نام [ف۱] والحمد للّٰہ ولی الانعام (اور تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو احسان کا مالک ہے۔ت)

عید اوّل میں فتوی اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۴۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ حالتِ سفر کا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جو اُسے قدوم مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے، قول اس کا شرعًا کیسا ہے؟

الجواب:

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور برّ وکرامت واظہار محبت۔ بے فساد نیت وموادِ شہوت، بالاجماع جائز جس کے جواز پر احادیث کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق، اور تخصیص سفر کا دعوی محض بے دلیل، احادیثِ نبویہ وتصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد، اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرک شرعی تقیید وتخصیص مردود باطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے، کما لا یخفی [ف۲] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

ف۱: معانقہ کی تائے مدوّرہ حسب قاعدہ "ہ" مانی گئی ہے اس لئے اس کا عدد ۴۰۰ نہیں بلکہ ۵ ہوگا اور پورے نام کا عدد ۱۷۰۷ نہیں بلکہ ۱۳۱۲ ہوگا۔ (مترجم)

ف۲: ان ہی سطور میں اعلیحضرت نے پورے فتوے کا ماحصل اور تمام اعتراضات کا جواب ذکر کردیا، ان جامع سطور کی قدرے تشریح درج ذیل ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

ابن ف^ابی الدنیا کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس اور ابو جعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للعقیلی:

انہ قال سألت رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم و	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا، فرمایا: تحیّت ہے امتوں کی، اور ان

جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

(۱) معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔

(۲) نیکی، اعزاز اور اظہار محبت کے طور پر ہو۔

(۳) خرابی نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔

مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔

دلیل: اس کا ماخذ وہ روایات واحادیث ہیں جن میں قیدِ سفر کے بغیر معانقہ کا ثبوت ہے، جو لوگ صرف آمدِ سفر کے بعد معانقہ جائز بتاتے ہیں ان کا جواب یہ ہے:

تمام احادیث وروایات میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے، یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز__ بلکہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۴) شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم، مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اسے مطلق ہی رکھنا واجب وضروری ہے،

(۵) معانقہ کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قید سفر کے بغیر ہے، تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہوگا۔

(۶) ہاں اگر کسی حکم میں خود شریعت کی جانب سے تخصیص اور تقیید کا ثبوت ہو تو اس حکم کو مخصوص اور مقید ضرور ماننا جائے گا__ مگر معانقہ کے بارے میں سوااُن شرائط کے جو ابتدا میں ذکر کی گئیں آمد وسفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

لہٰذا جواز معانقہ کے بارے میں بے دلیل شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔ (مترجم)

ف: یہاں سے دلیل کی تفصیل فرمائی، سب سے پہلے ایک حدیث ذکر کی جس سے معانقہ کی تاریخ آغاز معلوم ہوتی ہے، پھر فقہ حنفی کے مستند مآخذ سے وہ نصوص تحریر فرمائے جن کا حاصل ابتداءً رقم فرماچکے۔ (مترجم)

صالح وُدِّھم وانّ اول من عانَقَ خلیل اللہ ابراھیم[1]۔	کی اچھی دوستی، او بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقۃ من فوقِ قمیصٍ او جُبّۃٍ جاز عند الکل اھ[2] ملخصاً۔	اگر معانقہ کُرتے یا جُبّے کے اوپر سے ہو توسب کے نزدیک جائز ہے اھ ملخصًا (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذا کان علیھما قمیص اوجبۃ جاز بالاجماع[3] اھ ملخصاً۔	گر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے اھ ملخصا (ت)

ہدایہ میں ہے:

قالوا الخلاف فی المعانقۃ فی ازار واحدٍ واما اذا کان علیہ قمیص اوجُبۃ فلا باس بھا بالاجماع وھو الصحیح[4]۔	طرفین (امام اعظم وامام محمد) اور ابویوسف میں اختلاف ایک تہبند کے اندر معانقہ کے بارے میں ہے لیکن جب معانقہ کرنے والا کُرتا یا جبہّ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لوکان علیہ قمیص او جبۃ جاز بلاکراھۃ بالاجماع وصححہ فی الھدایہ وعلیہ المتون[5]۔	اگراس کے جسم پر کرتا یا جبہ ہو تو بلا کراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متون فقہ میں یہی ہے۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

عِناقُہ اذاکان معہ قمیص او جبۃ	اس کا معانقہ جب اسی طرح ہو کہ کُرتا یا جبّہ

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ نمبر ۱۱۴۱ عمر بن حفص بن محبر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۵۵/۳
[2] فتاوٰی خانیہ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۷۸۳/۴
[3] مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ مطبوعہ بیروت ۵۴۱/۲
[4] ہدایہ کتاب الکراہیۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴۶۶/۴
[5] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

او غیرہ لم یُکرہ بالاجماع وھو الصحیح [1] اھ ملخصا۔	یا کچھ حائل ہو تو بالاجماع مکروہ نہیں، اور یہی صحیح ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر مولٰی خسرو وغیرہا میں جزم کیا، اور یہ وقایہ و نقایہ و اصلاح وغیرہا متون کا مفاد، اور شروح ہدایہ و حواشی درمختار وغیرہا میں مقرران سب میں کلام مُطلق ہے کہیں تخصیص سفر کی بُو نہیں۔ اَشِعَّۃُ اللّمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست خصوصًا نزد قدوم از سفر [2]۔	معانقہ میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو جائز و مشروع ہے خصوصًا جب سفر سے آرہا ہو۔ (ت)

یہ "خصوصًا" بطلانِ تخصیص پر نصِّ صریح __ رہیں احادیث نہی، ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق۔ پھر اطلاق پر رکھے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق پر چلئے تو علماء کرام فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔ اور اوپر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی مصافحہ بھی ممنوع، تابمعانقہ چہ رسد فا ۔

فا: یہ اُن احادیث سے استدلال کا جواب ہے جن میں معانقہ سے ممانعت آئی ہے۔ توضیح جواب یہ ہے کہ احادیث میں ممانعت مذکور ہے۔ اب اگر ان سے مطلقًا ہر حال میں ممانعت مراد لیں تو سفر، غیر سفر ہر جگہ معانقہ ناجائز ہوگا جب کہ سفر سے آنے کے وقت مانعین بھی معانقہ جائز مانتے ہیں۔ اس لئے وہ اگر احادیث نہی ہمارے خلاف پیش کریں تو خود ان کے بھی خلاف ہوں گی __ لامحالہ جوازِ معانقہ اور ممانعتِ جواز دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنا ہوگی، اور دونوں کے ایسے معنی لینے ہوں گے جن سے تمام احادیث پر عمل ہوسکے __ اور تطبیق یوں ہے کہ جہاں معانقہ سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بطور شہوت مراد ہے __ اور جہاں جواز معانقہ کا ثبوت ہے وہاں معانقہ بے شہوت و فساد نیت مراد ہے جیسا کہ ہم نے ابتداءً ذکر کیا __ اور ظاہر ہے کہ معانقہ بطور شہوت تو سفر سے آنے کے بعد بھی ناجائز ہے بلکہ اس طرح تو معانقہ کیا مصافحہ بھی ناجائز ہے۔ احادیث جواز منع کے درمیان تطبیق مختلف فقہاء کرام نے فرمائی ہے اعلٰیحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے ان کا حوالہ کتاب میں پیش کردیا ہے۔ (مترجم)

---

[1] شرح نقایہ (ملّا غازی) کتاب الکراہیۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۹

[2] اشعۃ اللمعات باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سیدی امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر اور مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں، اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاکمل، قال وَفّق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنۃ وسید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقہ ماکان علی وجہ الشھوۃ وعبر عنہ المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقولہ ازار واحدٍ فانہ سبب یفضی الیھا فاما علی وجہ البِر والکرامۃ اذاکان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ[1]۔	(یہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ ہیں) انھوں نے فرمایا شیخ ابو منصور (ماتریدی، اہل سنت کے امام اور حنفیّہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز و منع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انہوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطور شہوت ہو۔اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ) نے اسی کو ایک تہبند میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سبب شہوت ہو سکتا ہے، لیکن نیکی او راعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیر میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایا ف ا۔

ف ا: یہاں سے استدلال نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، اعلیٰحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے سولہ احادیث ان کے حوالوں کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن میں اُسی معانقہ کا ذکر ہے جو نیکی، اعزاز اور اظہار کے طور پر ہے___ خرابی نیت اور مواد شہوت سے ہر طرح دور ہے___ مگر بے حالت سفر ہے___ لہٰذا احادیث سے صراحۃً یہ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ صرف قدوم سفر کے بعد ہی نہیں بلکہ دیگر حالات میں بھی معانقہ بلاشبہ جائز درست ہے۔اور جب خود سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان تمام احوال میں معانقہ کا ثبوت حاصل ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا اسے "بدعت و ناروا" کہنے کا کیا حق رکھتا ہے! (مترجم)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر شرح ہدایہ کتاب الکراھیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۵۸

حدیث اول[۱]: بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ بطُرقِ عدیدہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وھذا لفظ مؤلّف منھا دخل حدیث بعضھم فی بعض (آئندہ الفاظ ان متعدد روایات کا مجموعہ ہے، بعض کی احادیث بعض میں داخل ہیں۔ت)

قال خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فقال اُدعی الحسن بن علی فحبستہ شیئا فظننت انھا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد وفی عنقہ السخاب فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ ھکذا فقال الحسن بیدہ ھکذا حتی اعتنق کل منھما صاحبہ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم اِنیّ اُحبُّہ، فَاَحِبَّہ، وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہ،[1]۔	یعنی ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں ہار پڑا تھا، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھائے حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے، حضور نے "گلے لگا کر" دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی حِبّہٖ وبارک وسلم۔

حدیث دوم[۲]: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خُذ بیدی فیُقعدنی علی فخِذِہٖ ویقعد الحسین علٰی فخِذِہٖ الاُخرٰی ویَضُمُّنَا ثم یقول رب انی ارحمھما فار حمھما[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو، اور ہمیں "لپٹا لیتے" پھر دعا فرماتے: الٰہی! میں ان پر رحم کرتا ہوں تو ان پر رحم فرما۔

حدیث سوم[۳]: اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے:

[1] الصحیح للمسلم باب فضل الحسن والحسین مطبوعہ راولپنڈی ۲/ ۲۸۲

[2] الصحیح البخاری باب وضع الصبی فی الحجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۸

ضَمَّنِي النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی صدرہ۔ فقال اللھم علمہ الحکمۃ [1]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعافرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔

حدیث چہارم [۴]: امام احمد اپنی مُسنَد میں یعلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان حسنًا وحُسینا رضی اللہ تعالٰی عنھما یستبقا الٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضمّھما الیہ [2]۔	ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو "لپٹالیا"

حدیث پنجم [۵]: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ہے:

سُئِلَ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای اھل بیتك احبّ الیك قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما ویضمھما [3]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہل بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: حسن اور حسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر "سینے سے لگالیتے" اور ان کی خوشبو سُونگھتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم [۶]: امام ابوداؤد اپنی سُنن میں حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاحٌ بینما یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصًا ولیس علیّ قمیص فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی عیہ وسلم عن قمیصہ	اس اثنا میں کہ وہ باتیں کررہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجئے، فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کرتا اُٹھایا

[1] الصحیح البخاری مناقب ابن عباس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

[2] مسند احمد بن حنبل مناقب ابن عباس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۷۲

[3] جامع ترمذی مناقب الحسن والحسین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۴۰-۵۳۹

فا حتضنه و جعل يقبّل كشعه قال انما اردت هذا يارسول الله [1]۔	انھوں نے حضور کو اپنی "کنار میں لیا" اور تہیگاہِ اقدس کو چُومنا شروع کیا پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔

ع دلِ عشّاق حیلہ گر باشد

(عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل من احبہ وبارک وسلم۔

حدیث ہفتم ۷: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

مالقيته صلى الله تعالٰى عليه وسلم قط الاصافحنى وبعث الى ذات يوم ولم اكن فى اهلى فلما جئت اخبرت به فاتيته وهو على سرير فالتزمنى فكانت تلك اجود واجود [2]۔	میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے "گلے سے لگالیا" تو زیادہ جیّد اور نفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم ۸: ابویعلٰی اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالت رأيت النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم التزمَ عليًّا وقبّله، وهو يقول بأبى الوحيد الشهيد [3]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولٰی علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

حدیثِ نہم ۹: طبرانی کبیر اور ابن شاہین کتاب السُّنّۃ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم واصحابه غديرا فقال ليسبح كل رجل الى صاحبه فسبح كل رجل منهم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے، حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پَیرے۔ سب نے

[1] سنن ابوداؤد باب قُبلۃ الجسد (کتاب الادب) مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی المعانقۃ (کتاب الادب) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] مسند ابویعلٰی مسند عائشہ مطبوعہ موسسہ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۱۸

الٰی صاحبه حتی بقی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابوبکر فسَبَّحَ رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الٰی ابی بکر حتی اعتنقه فقال لو کنت متخذا خلیلا لا اتخذت ابا بکر خلیلا ولکنّه صاحبی [1]	ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق باقی رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کی طرف پَیر کے تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی صاحبہٖ وبارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق الله بعدی احدا خیرا منه ولا افضل وله شفاعة مثل شفاعة النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقبّله والتزمه [2]۔	ہم خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالٰی نے میرے بعد اس سے بہتر وبزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت شفاعتِ انبیاء کے مانند ہوگی، ہم حاضر ہی تھے کہ ابو بکر صدیق نظر آئے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صدیق کو پیار کیا اور "گلے لگایا"

حدیث یازدہم ۱۱: حافظ عمر بن محمد ملّا اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واقفًا مع علی بن ابی طالب اذااقبل ابوبکر فصاَفحه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعانَقه، و قبّل فاه فقال علی اتقبل فاابی بکر فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم یا ابا الحسن منزلة	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر ہوئے، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کی: کیا حضور

[1] طبرانی کبیر حدیث ۱۱۶۷۶ و ۱۱۹۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۱ و ۳۳۹

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۱۱۴۱ محمد بن عباس ابوبکر القاص مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۳/ ۲۴۔ ۱۲۳

ابی بکرٍ عندی کمنزلتی عند ربی[1]۔	ابوبکر کا مُنہ چومتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم ۱۲: ابن عبدِ ربہ کتاب بہجۃ المجالس میں مختصراً اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مطوّلاً، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام اور کفار سے حرب وقتال فرمانا، اور ان کے چہرۂ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، یہ حدیث ہماری کتاب **مَطْلَعُ الْقُمَرَیْن فی اَبَانَةِ سَبْقَةِ الْعُمَرَیْن** (۱۲۹۷ھ) میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذا ھدأت الرجل وسکن الناس خرجتابه یتّکی علیھا حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فانکبّ علیه فقبّله وانکب علیه المسلمون ورقّ له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رقّة شدیدة[2]۔الحدیث۔	یعنی جب پچل موقوف ہوئی اور لوگ سورہے ان کی والدہ اُم الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہما انھیں لے کر چلیں، بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی "پروانہ وار شمع رسالت پر گر پڑے" (پھر حضور کو بوسہ دیا) اور صحابہ غایت محبت سے ان پر گرے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے نہایت رقت فرمائی۔

حدیث سیزدہم ۱۳: حافظ ابوسعید شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المنبر ثم قال این عثمان بن عفان؟ فوَثَبَ وقال انا	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بے تابانہ اُٹھے اور عرض کی: حضور! میں یہ

[1] سیرت حافظ عمر بن محمد ملّا

[2] الریاض النضرۃ ذکر امام الخیر مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱/ ۷۶

ذا یا رسولَ اللہ فقال اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَا مِنْہُ فَضَمَّہ اِلٰی صَدْرِہٖ وقَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ [1] الخ	حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

حدیث چہاردہم ۱۴: حاکم صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور ابویعلٰی اپنی مسند اور ابو نعیم فضائل صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّی بالماء المَعِین اور عمر بن محمد ملّا سیرت میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

قال بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نفر من المہاجرین منہم ابوبکر وعمر و عثمان وعلی و طلحۃ والزبیر و عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لِیَنْھَضْ کُلُّ رَجُلٍ الی کفوہ ونَھَضَ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی عثمان فاعتنقہ، وقال اَنْتَ وَلِیِّیْ فِی الدُّنْیاَ والْاٰخِرَۃ [2]۔	ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے حاضرین میں خلفائے اربعہ و طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے اور خود حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اُٹھ کر تشریف لائے ان سے "معانقہ" کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دُنیا و آخرت میں۔

حدیث پانزدہم ۱۵: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبٰی وُہ اپنے والد ماجد مولٰی علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عَانَقَ عثمان بن عفان وقال قد عَانَقْتُ اَخِیْ عثمان فَمَنْ کَانَ لَہ اَخ فَلْیُعَانَقْہُ۔ [3]	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہئے اپنے بھائی سے "معانقہ کرے"

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقًا حکم بھی ارشاد ہوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے۔

---

[1] شرح المصطفٰی (شرف النبی) باب بیست ونہم میدان انقلاب تہران ص ۲۹۰

[2] المستدرک باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ بیروت ۳/ ۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۶۲۴۰ مطبوعہ دار الکتب الاسلامی حلب ۱۳/ ۵۷

حدیث شانزدہم[۱۶] : کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے "گلے لگالیا اور فرمایا: ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ[1] (یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے۔ت) **او کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وبارك وسلم** (یا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وارد ہے۔ت) بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد۔ بلکہ سفر وبے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحًا نہی ثابت نہ ہو، یہاں تک کہ خود امام الطائفہ مانعین اسمٰعیل دہلوی رسالہ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہوا صاف مُقر کہ معانقہ روز عید گو بدعت ہو بدعت حسنہ ہے۔ **حیث قال** (یوں کہا۔ت)[ف۱]:

ہمہ وقت از قرآن خوانی فاتحہ خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاہ وامثال دعا واستغفار واُضحیہ بدعت ست	کُنواں کھودنے۔اور اسی طرح حدیث میں سے ثابت دوسری چیزوں، اور دعا استغفار، قربانی کے سوا تمام طریقے، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا

ف۱: مولوی اسمٰعیل دہلوی پیشوایان علماء دیوبندی کی اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوانا، دعا، استغفار، قربانی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بدعت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہیں۔

(۲) قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا اور اس طرح کے دوسرے طریقے بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ ہیں۔

(۳) اس سے بدعت کی دو قسمیں معلوم ہوئیں: ۱بدعتِ حسنہ۔ ۲بدعتِ سیئہ۔ لہٰذا ہر بدعت بُری نہیں۔ اور ہر نیا کام صرف بدعت ہونے کے باعث ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا بلکہ بعض کام بدعت ہوتے ہوئے بھی حسن اور اچھے ہوتے ہیں

(۴) روزِ عید کا معانقہ، اور ہر روز فجر وعصر کے بعد مصافحہ بدعت حسنہ جائز اور اچھا ہے ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

منکرین اعلٰیحضرت کا پورا رسالہ نہ مانیں، تمام احادیث وفقہی نصوص سے آنکھیں بند کرلیں مگر انھیں اپنے "پیشوائے اعظم" کے اقرار صریح اور کلام واضح سے ہرگز مفر نہ ہونا چاہئے۔ (مترجم)

[1] القرآن ۳/۳۴

بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر [1]۔	سب بدعت ہیں۔ مگر خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ۔ اور نماز فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (بدعتِ حسنہ ہے)۔ (ت)

والله تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامیّ صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم

سنی حنفی قادری عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں ۱۳۰۱ھ

اس کے معارضے میں جو فتوی مولوی عبدالحہ صاحب کا پیش کیا گیا اس کی عبارت یہ ہے: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد خطبہ عیدین کے جو مصافحہ و معانقہ لوگوں میں مروّج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت؟ بَیِّنُوا تُؤجَرُوْا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

ھو المُصَوِّب (وہی درستی تک پہنچانے والا ہے۔ت) بعد عید مصافحہ و معانقہ مسنون نہیں، اور علماء اس باب میں مختلف ہیں، بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ علیٰ کل تقدیر ترک [عہ] اس کا

عــــہ: اس کے بعد فتوی مذکور میں چار [۴] عبارتیں نقل کیں:

(۱) عبارت اذکار کہ اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) عبارت درمختار کہ یہ بدعتِ مباحہ بلکہ حسنہ ہے کما ھو موجود فی الدر وان اقتصر المجیب فی النقل (یہ درمختار میں موجود ہے اگرچہ مجیب نے صرف نام پر کفایت کی ہے۔ت)

(۳) عبارت ردالمحتار کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمیشہ بعد نماز کئے جاؤ تو جاہل سنت سمجھ لیں گے۔ اور ابن حجر شافعی نے اسے مکروہ کہا ہے۔

(۴) عبارت مدخل ابن حاج مالکی المذہب کہ غیبت کے بعد ابن عیینہ نے جائز رکھا، اور عید میں ان لوگوں سے جو اپنے ساتھ حاضر ہیں، نہیں [ف۱]۔ اور مصافحہ بعد عید مجھے معروف نہیں مگر (باقی برصفحہ آیندہ)

ف۱: یعنی عید میں ان لوگوں سے معانقہ جائز نہیں جو اپنے ساتھ حاضر ہیں۔ (مترجم)

[1] مجموعہ زبدۃ النصائح

اولٰی ہے (ف ۱) الخ۔ ابوالحسنات محمد عبدالحہ عبارات کہ حاشیہ پر لکھ کر پیش کی گئیں بحُرُوفہٖ یہ ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترك السنۃ راجحًا علٰی فعل البدعۃ ۱۲ ردالمحتار [1]	جب حکم سنت وبدعت کے درمیان مُتَرَدِّد ہو تو ارتکاب بدعت پر ترک سنت کو ترجیح دی جائیگی۔ ف ۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عبداللہ بن نعمان فرماتے ہیں میں نے مدینہ خاص میں جبکہ وہاں علماء صالحین بکثرت موجود تھے، دیکھا کہ وہ نماز عید سے فارغ ہو کر آپس میں مصافحہ کرتے، تو اگر سلف سے نقل مساعد ہو تو کیا کہنا ورنہ ترک اولٰی ہے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف ۱: مولانا عبدالحہ صاحب فرنگی کے اس فتوے کا حاصل یہ ہے کہ بعد عید مصافحہ ومعانقہ حدیث سے ثابت نہیں__ رہے علماء وفقہاء___ تو ان میں اختلاف ہے کچھ بدعت مباحہ کہتے ہیں کچھ بدعت مکروہہ۔ بہر تقدیر اسے نہ کرنا بہتر ہے۔ ("نہ کرنا بہتر ہے" سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ کر لیا تو جائز ہے) مولانا فرنگی محلّی کا یہی فتوی (جو ان کے مجموعہ فتاوٰی طبع اول کے ج ا ص ۵۲۸ پر ہے) بریلی کے ان عالم نے بھیجا جن سے اعلیحضرت اپنے جواب میں خطاب کر رہے تھے، ساتھ ہی انھوں نے اس مجموعہ فتاوٰی کے حاشیہ پر معانقہ عید کی ممانعت کے ثبوت میں وہ عبارتیں بھی لکھ دیں جنھیں کتاب "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" میں اعلیحضرت نے بعینہٖ نقل فرمایا اور التماس چہارم سے ان پر بحث کی۔ (مترجم)

ف ۲: یعنی جب معاملہ ایسا ہو کہ کرے تو کسی بدعت کا مرتکب ہوتا ہے، نہ کرے تو کوئی سنت چھوٹتی ہے، ایسی صورت میں یہی حکم ہے کہ نہ کرے اس سے سنت اگرچہ چھوٹ جائے گی مگر بدعت کا مرتکب تو نہ ہوگا۔ معانقہ عید کا بھی یہی حال ہے، لہٰذا اس سے بھی ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا۔ اعلیحضرت نے التماس نہم میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بری بدعت ہے، اور معانقہ عید ایسا ہر گز نہیں، بلکہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے سنت اور خصوصیت بعد عید کے لحاظ سے مباح، اور قصد حسن کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے۔ لہٰذا آپ کی عبارت مذکورہ معانقہ عید پر منطبق (فٹ) ہو ہی نہیں سکتی۔ (مترجم)

[1] ردالمحتار مطلب اذاتردد الحکم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸۲

نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکرہ المصافحة بعد اداء الصلٰوۃ بکل حال لان الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلٰوۃ ولانها من سنن الروافض اھ ثم نُقِل عن ابن حجر من الشافعیة انها بدعة مکروھة لااصل لها فی الشرع وانه ینبه فاعلها اولًا و یعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیه لافی ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها فینھٰی عن ذلك و یزجرفا عله لماأتی به من خلاف السنة اھ ردالمحتار **قوله**[عــه] لایخرج الخ ولایخفی ان فی کلام الامام نوع تناقض لانّ

ردالمحتار میں ہے کہ تبیین المحارم میں ملتقط سے منقول ہے کہ ادائے نماز کے بعد مصافحہ بہر حال مکروہ ہے (۱)اس لئے صحابہ نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا، (۲) اس لئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اھ پھر علامہ ابن حجر شافعی سے منقول ہے کہ یہ مصافحہ بدعتِ مکروہہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اس کے مرتکب کو اولًا متنبہ کیا جائے گا۔ نہ مانے تو سرزنش کی جائے گی، پھر فرمایا کہ ابن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ بدعت ہے (۳) اور شریعت میں مصافحہ کا محل مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے۔ نمازوں کے بعد اوقات مصافحہ کا شرعی محل نہیں، شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے اسے وہیں رکھے، تو نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے والے کو روکا اور زجر کیا جائے گا اس لئے کہ وہ خلاف سنت فعل کا مرتکب ہے اھ ردالمحتار (حاشیہ ذیل میں مندرج امام نووی کی عبارتِ اذکار پر

عــه: کتبه المعترض حاشیة علی مانُقل فی الفتاوی المکنویة فی عبارۃ الاذکار للامام النووی رحمه الله تعالٰی من قوله "لابأس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال اوا کثرها لایخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها" اھ ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنوی میں امام نووی کی کتاب اذکار سے منقولہ عبارت پر بریلی کے معترض مولوی صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے امام نووی کی عبارت یہ ہے: "اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اکثر حالات میں لوگ مصافحہ کے اندر کوتاہی کرنے کے ساتھ صرف بعض حالات میں اگر مصافحہ کی پابندی کرتے ہیں تو اس سے بعض حالات والا مصافحہ (مثلًا مصافحہ بعد نماز) اس مصافحہ جائزہ کے دائرے سے خارج نہ ہوگا جس کی اصلیت شرع سے ثابت ہے۔(ت)

اتیان السنة فی بعض الاوقات لایسمی بدعة مع ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین لیس علی وجه الاستحباب المشروع، لان محل المصافحة المذکورة اوّل الملاقاة وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة ویتصاحبون بالکلام وبمذاکرة العلم وغیره مدة مدیدة ثم اذا صلوا یتصافحون فاین هذا من السنة المشروعة وبهذا صرح بعض العلماء بانها مکروهة عه وح انها من البدع المذمومة [1] کذافی المرقاة۔	اعتراض کرتے ہوئے مولوی صاحب مذکور نے حاشیہ لکھاہے)ظاہر ہے کہ امام نووی کے کلام میں ایک طرح کا تعارض ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ بعض اوقات "سنت کے مطابق" مصافحہ کرتے ہیں تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن فجر وعصر کے بعد کا عمل استحبابِ مشروع کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ جائز مشروع مصافحہ کا محل بس اول ملاقات ہے، اور یہاں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ملاقات بلامصافحہ کرتے ہیں اور دیر تک گفتگو و علمی بحث وغیرہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، یہ سنت مشروعہ کہاں! اسی لئے تو بعض علماء نے صراحۃً فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اس کا شمار مذموم بدعتوں میں ہے، یہی عبارت مرقاۃ میں ہے۔ (ت)

عید ثانی میں

تحریر جواب و تقریر صواب وازالۂ اوہام وکشفِ حجاب___یعنی اس تحریر کی نقل جو برسم جواب مولوی معترض کے پاس مرسل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا! دام مجد کم، بعد ماھو المسنون ملتمس، فتوٰی فقیر دربارۂ معانقہ کے جواب میں مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحٔ صاحب لکھنوی جناب نے ارسال فرمایا اور اس کی جلد اول صفحہ ۵۲۸ طبع اول میں جو فتوٰی معانقہ

عــہ: ھکذا بخطه ولیست بهذه الحاء فی عبارة المرقاة ولا لها محل فی العبارة کما لا یخفی ۱۲منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	صاحب موصوف کی تحریر میں اسی طرح یہ "ح" بنی ہوئی ہے مگر یہ عبارۃ مرقاۃ میں نہیں ہے، عبارت میں اس کا موقع بھی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

[1]

مندرجہ ہے پیش کیااور اس کے حاشیئے پر تائید کچھ عبارت ردالمحتار مرقاۃ بھی تحریر فرمادی، سائل مُظہر کہ جب جناب سے یہ گزارش ہوئی کہ آیا یہ مجموعہ آپ کے نزدیک مُستَنَد ہے تو فرمایا: "ہمارے نزدیک مستند نہ ہوتا تو ہم پیش کیوں کرتے"۔ اور واقعی یہ فرمانا ظاہر وبجا ہے، فقیر کو اگرچہ ایسے مُعارضہ کا جواب دینا ضرور نہ تھا مگر حسبِ اصرار سائل، محض بغرض احقاقِ حق وازہاق باطل چند التماس ہیں، معاذاللہ کسی دوسری وجہ پر حمل نہ فرمایئے فقیر ہر محسن مسلمان کو مستحق ادب جانتا ہے خصوصًا جناب تو اہل علم سادات سے ہیں، مقصود صرف اتنا ہے کہ جناب بھی بمقتضائے بزرگی حسب ونسب وعمر وعلم ان گزارشوں کو بنظر غور تحقیق حق استماع فرمائیں، اگر حق واضح ہو تو قبول مرجوح ومامول کہ علماء کے لئے رجوع الی الحق عارض نہیں بلکہ معاذاللہ اصرار علی الباطل ___ **قال تعالٰی**:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ[1] ف۱۔	تو خوشی سناؤاُن بندوں کو جو کان لگا کر بات سُنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ (ت)

التماس اوّل: اس مجموعہ فتاوٰی سے استناد الزامًا ہے یا تحقیقًا؟ علی الاول فقیر نے کب کہا تھا کہ کسی مُعاصر کی تحریر مجھ پر حجت ہے، علی الثانی پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب خادمان علم پر احتجاجًا پیش کرنے کے قابل ہے ف۲۔

ف۱: حاصل یہ ہے کہ ہم نے معانقہ عید کا جواز احادیث کریمہ سے ثابت کیا، مستند فقہی عبارتیں پیش کیں، اس احادیث اور نصوص سے مدلل فتوے کے جواب میں آپ مولوی عبدالحہ صاحب کا فتوٰی مستند بنا کر پیش کر رہے ہیں، ایسی مخالف دلیل کا جواب تو کوئی ضروری نہ تھا مگر سائل کے اصرار پر حق کو حق دکھانے اور باطل و ناحق کو مٹانے کی خاطر آپ کی خدمت میں چند التماس ہیں، ان التماسوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ بنگاہ غور دیکھیں اگر حق واضح ہو تو آپ سے اسے قبول کرلینے کی امید ہے اس لئے کہ حق کی طرف رجوع اور اسے قبول کرلینا علماء کے لئے عار نہیں بلکہ معاذاللہ باطل و ناحق بات پر اڑے رہنا شانِ علماء کے خلاف ہے۔ (ت)

ف۲: توضیح: آپ نے میرے فتوے کے جواب میں مولوی عبدالحہ صاحب کا مجموعہ فتاوٰی مستند بنا کر پیش کیا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) یا تو مجھے الزام دینا مقصود ہے کہ دیکھئے آپ کی مستند اور مانی ہوئی کتاب میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن ۳۹/ ۱۸

دوم: شاید جناب نے اس مجموعہ کو اِستیعَابًا ملاحظہ نہ فرمایا اس میں بہت جگہ وہ مسائل وکلمات ہیں جو آج کل کے فرقہ مانعین کے بالکل مخالف و قالع اصل مذہب ہیں۔ تمثیلًا ان میں سے چند کا نشان دوں۔

جلد اول صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں: "کتب فقہیہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں اُن کا وجود نہ تھا مگر بسبب اَغراض صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا"۔ [1]

صفحہ ۲۹۴ پر ہے: "الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعث ندامت وتوبہ َسامعان ہوئے توامید ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں [2]

جلد دوم صفحہ ۱۷۰ میں ہے:

کسے کہ می گوید کہ وجودیہ وشہودیہ از اہل بدعت اند قولش قابل اعتبار نیست ومنشاء قولش جہل وناواقفیت است از احوالِ اولیاء واز معنی توحید وجودی وشہودی وشاعرے کہ ذم ہر دوفرقہ ساخت قابل ملامت ست [3]۔	جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعت سے ہیں اس کا قول قابل اعتبار نہیں، اور اس کے قول کی بیناد یہ ہے کہ وہ اولیاء کے احوال اور توحید وجودی وشہودی کے معنی سے جاہل وبے خبر ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں (وجودیہ وشہودیہ) کی مذمت کی ہے وہ قابل ملامت ہے۔ (ت)

صفحہ ۴۲۱ پر ہے: شغل برزخ اس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت۔ ہاں افراط و تفریط اس میں منجر ضلالت کی طرف ہے۔ تصریح اس کی مکتوبات مجدد الف ثانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آپ کے خلاف ہے، مگر میں نے کب کہا کہ اس زمانے کے کسی عالم کی تحریر مجھ پر حجت ہے۔

(۲) یا یہ کہ آپ نے خود تحقیقی طور پر اُسے سب کے لئے معتمد اور مستند جان کر پیش کیا ہے۔ توآپ کو پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب قابل استدلال اور علماء پر حجت وسند بنا کر پیش کرنے کے لائق ہے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں تو اس مجموعہ فتاوٰی کو یہاں پیش کرنا ہی بے محل ہے۔ (مترجم)

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحٰہ

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحٰہ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۴۔۲۵

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحٰہ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۵۸

میں جابجا موجود ہے[1] ف[۱] جلد سوم صفحہ ۸۵ میں ہے:

سوال: وقتِ ختم قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ؟ **جواب:** مستحسن ست[2]۔	**سوال:** تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار سورہ اخلاص پڑھتے ہیں یہ مستحسن ہے یانہیں؟ **جواب:** مستحسن ہے۔ (ت)

صفحہ ۱۲۷ پر ہے:

سوال: بسم اللہ نوشتن برپیشانی میت از انگشت درست ست یانہ؟ **جواب:** درست ست[3]۔	**سوال:** انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا درست ہے یانہیں؟ **جواب:** درست ہے۔ (ت)

صفحہ ۱۵۲ میں ہے:

درمجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحی تاآخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورۃ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرک بودہ ایں امر رامشاہدہ کردم ہم درمکہ معظّمہ وہم درمدینہ منورہ وہم درجدہ[4]۔	میلاد شریف کی محفلوں میں سورۂ والضحی سے آخر قرآن تک پڑھتے ہیں ہر سورۃ ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، راقم نے ان متبرک محفلوں میں شریک ہو کر اس امر کا مشاہدہ کیا ہے مکہ معظّمہ میں بھی، مدینہ منورہ میں بھی اور جدہ میں بھی۔ (ت)

طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

ف۱: ارواح سے توجہ طلبی، تصور شیخ، شغلِ برزخ وغیرہ سے متعلق اعلیحضرت قدس سرہ ایک مدلل رسالہ ہے الیاقوت الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (۱۳۰۹ھ) جس میں نصوص علماء اور مستندینِ مانعین کی عبارتوں سے اس کا جواز ثابت فرمایا ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔ (مترجم)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۷

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ باب مایعلق بالموتی مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۲۳

[4] مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۲

سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی در مصرف خود آرد یا تصدق نماید:	**سوال:** سید سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لائے یا صدقہ کردے؟
جواب: ظاہرًا در استعمال پارچہ مذکور بصرف خود وجہے موجب بزہ کاری باشد نیست واولی آنست کہ بمساکین وفقرا دہد[1]۔	**جواب:** مذکورہ کپڑا اپنے مصرف میں لانے کے اندر بظاہر گناہ کی کوئی وجہ نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء کو دے دے۔(ت)

جناب سے سوال ہے کہ مولوی صاحب کے یہ اقوال کیسے؟ اور ان کے قائل ومعتقد کا حکم کیا ہے؟ خصوصًا شغلِ برزخ کو جائز جاننے والا معاذاللہ مشرک یا گمراہ ہے یا نہیں؟ اور جس کتاب میں ایسے اقوال مندرج ہوں مستند ومعتمد ٹھہرے گی یا پایہ احتجاج سے ساقط ہوگی؟ **بینوا توجروا**

سوم: مولوی صاحب نے اس فتوٰی میں معانقہ عید کی نسبت صرف اتنا حکم دیا ہے کہ "ترک اس کا اولٰی ہے" اس سے ممانعت درکنار اصلًا کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی "اَوْلَوِیّت ترکہ نہ مشروعیت واباحت کے منافی نہ کراہت کو مستلزم "ف۱۔ ردالمحتار میں ہے:

الا قتصاد علی الفاتحۃ مسنون لاواجب فکان الضم خلاف الاولٰی وذلك لاینافی المشروعیۃ والاباحۃ بمعنی عدم الاثم فی الفعل والترك[2]۔	نمازِ فرض کی تیسری چوتھی رکعتوں میں سورہ فاتحہ پر اکتفا کرنا صرف مسنون ہے، واجب نہیں، تو ان رکعتوں میں سورہ ملانا خلافِ اولٰی ہوگا اور یہ اس کے جائز ومباح ہونے کے منافی نہیں، اباحت بایں معنٰی کہ کرنے نہ کرنے دونوں میں کوئی گناہ نہیں۔(ت)

ف۱: فقہاء اگر یہ حکم کریں کہ فلاں امر کا ترک بہتر ہے تو اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ چیز ناجائز ہے بلکہ مکروہ ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ یہ ایک عظیم قاعدہ ہے جو حفظ کرلینے کے قابل اور بہت سے مقامات میں مفید ہے۔ اس قاعدے کے پیش نظر مولانا عبدالحہ صاحب نے معانقہ عید کے متعلق جب صرف اتنا لکھا کہ اس کا نہ کرنا بہتر ہے تو اس سے معانقہ مذکورہ کا ناجائز یا مکروہ ہونا بالکل ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر ممانعتِ معانقہ کے بارے میں فتوٰی مذکور سے استدلال ہی بالکل بیکار اور اپنے خلاف استدلال ہے۔(ت)

[1] مجموعہ فتاوٰی باب مایحل استعمالہ ومالایحل مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار مطلب کل صلوٰۃ مکروھۃ تجب اعادتہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۵۹

اسی میں ہے:

صَرَّحَ فی البحر فی صلوۃ العید عند مسئلۃ الاکل بانہ لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ "اذلا بُدّلھا من دلیل خاص" اھ واشار الی ذلك فی التحریر الاصولی بان خلاف الاولی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترك صلوۃ الضحٰی بخلاف المکروہ تنزیھا [1]۔	بحرالرائق میں جہاں یہ مسئلہ کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے وہیں ہے کہ اس مستحب کو اگر کسی نے ترک کردیا تو وہ فعلِ مکروہ کا مرتکب نہ ہوگا، کیونکہ ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں، اس لئے کہ مکروہ ہونے کے لئے کوئی خاص دلیل ضروری ہے، اور اس کی طرف تحریر اصولی میں بھی اشارہ کیا ہے کہ "خلاف اولٰی وہ ہے جس میں ممانعت اور نہی کا صیغہ نہ ہو" جیسے نماز چاشت کا ترک بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ اس میں نہی وممانعت کا صیغہ ہوتا ہے۔(ت)

پھر اگر جناب کے نزدیک بھی حکم وہی ہے جو مولوی صاحب نے اپنے فتوٰی میں لکھا تو تصریح فرمادیجئے کہ عید کا معانقہ شرعًا ممنوع نہیں، نہ اس میں اصلًا کوئی حرج ہے، ہاں نہ کرنا بہتر ہے کرلے تو مضائقہ نہیں،

چہارم: آپ نے جو عبارات ردالمحتار ومرقات نقل فرمائیں ان میں معانقہ عید کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں ان میں تو مصافحہ بعد نماز فجر وعصر یا نماز پنجگانہ کا بیان ہے، اور جناب کو منصب اجتہاد حاصل نہیں کہ ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس فرماسکیں، اگر فرمائے کہ "جو دلائل اس میں لکھے ہیں یہاں بھی جاری"

اقول: یہ محض ہوس ہے اُن عبارتوں میں تین دلیلیں مذکور ہوئیں:

(۱) محلِ مصافحہ ابتدائے ملاقات ہے نہ بعد صلوات۔

(۲) یہ مصافحہ مخصوصہ سنت روافض ہے۔

(۳) صحابہ کرام نے یہ خاص مصافحہ نہ کیا۔

یہ تینوں تعلیلیں اگرچہ فی اَنفُسِھا خود ہی علیل اور ناقابل قبول ہیں کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی مدد سے اپنے فتوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) ولہٰذا قول اصح یہی ٹھہرا کہ وہ مصافحہ مخصوصہ بھی جائز ومباح ہے کما سنذکر ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ

[1] ردالمحتار مطلب لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۷

ہم ان شاء اللہ تعالٰی آگے ذکر کریں گے۔ت) مگر ہمارے مسئلہ دائرہ یعنی معانقہ عید سے دو دلیل پیشیں کو تو اصلاً علاقہ نہیں۔ محلِ "مصافحہ" خاص ابتدائے لقا ہو تو بھی "معانقہ" کی اس وقت سے تخصیص ہر گز مسلم نہیں ومن ادعٰی فعلیہ البیان (جو مدعی ہو بیان اس کے ذمہ۔ت)

مولوی صاحب لکھنوی کا بے دلیل وسند لکھنا مسموع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ معانقہ مثل تقبیل اظہار سرور وبشاشت وو داد و محبت ہے جیسے تقبیل خاص ابتدائے لقا سے مخصوص نہیں، یوں ہی معانقہ۔

جناب نے فتوی فقیر میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مروی کتاب السنۃ ابن شاہین ومعجم کبیر امام طبرانی ملاحظہ فرمائی ہو گی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تالاب پیرنے میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گلے لگایا___ ونیز حدیث اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی سُنن ابی داؤد کہ انھوں نے باتیں کرتے کرتے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کُرتا اٹھانے کی درخواست کی حضور نے قبول فرمائی، وہ حضور کے بدن اقدس سے لپٹ گئے اور تہی گاہ مبارکہ پر بوسہ دیا___ ونیز حدیث صحیح مستدرک کہ اثنائے مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ذی النورین سے معانقہ فرمایا___ ونیز حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: عورت کے لئے سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی: یہ کہ کوئی نامحرم اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے گلے سے لگالیا___ ان سب صورتوں میں ابتدائے لقا کا وقت کہاں تھا کہ معانقہ فرمایا گیا،___ یوں ہی پیار سے اپنے بچوں۔ بھائیوں، زوجہ کو گلے لگانا شاید اول ملاقات ہی پر جائز ہو گا۔ پھر ممانعت کی جائے گی؟

یوں ہی مصافحہ بعد نماز فجر وعصر اگر کسی وقت کے روافض نے ایجاد کیا اور خاص ان کا شعار رہا ہو، اور بدیں وجہ اس وقت علماء نے اہلسنت کے لئے اسے ناپسند رکھا ہو تو معانقہ عید کا زبردستی اسی پر قیاس کیونکر ہو جائے گا، پہلے ثبوت دیجئے کہ یہ "رافضیوں کا نکالا اور انھیں کا شعار خاص ہے" ورنہ کوئی امر جائز کسی بدمذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلسنت وروافض بلکہ مسلمین وکفار سب شریک ہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی؟

بحر الرائق ودر مختار ورد المحتار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ "بدمذہبوں سے مشابہت اُسی امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہٖ شرعا مذموم یا [۲]اس قوم کا شعار خاص یا [۳]خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں"

رہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کانہ کرنا، یہ دلیل منع نہیں ہوسکتا، آپ تینوں کتب مُستَنَدہ اعْنِی مجموعہ فتاوٰی وردالمحتار و مرقاۃ شریف اوران کے سواصد ہا کتب معتمدہ اسکے بطلان پر گواہ ہیں، فقہاء کرام سیکڑوں چیزوں کو یہ تصریح فرما کر کہ نو پیدا ہیں، جائز بلکہ مستحب و مستحسن بلکہ واجب بتاتے اور مُحدَثات کو اقسامِ خمسہ کی طرف تقسیم فرماتے ہیں۔ مجموعہ فتاوٰی کی عبارتیں گزریں۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله ای صاحب بدعة ای محرمة والا فقد تكون واجبة كنصب الادلة للرد على اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم الكتاب والسنة ومندوبة كا حداث نحو رباط ومدرسة وكل احسانٍ لم يكن فی الصدر الاول ومكروهة كزَخْرَفَةِ المساجد ومباحة كالتوسع بلذ يذالمآكل والمشارب و الثياب كما فی شرح الجامع الصغير للمناوی عن تهذيب النووی ومثله فی الطريق المحمدية للبركوی[1]۔	شارح کا قول "جو صاحب بدعت" یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے، ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے، جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا علم نحو سیکھنا جس سے کتاب وسنت سمجھ سکیں، مستحب بھی جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں تعمیر کرنا، اور ہر وہ نیک کام جو زمانہ اول میں نہ رہا ہو، مکروہ بھی جیسے مسجدوں کو آراستہ و منقش کرنا۔ مباح بھی جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت وفراخی کی راہ اختیار کرنا، جیسا کہ علّامہ مناوی کی شرح جامع صغیری میں علّامہ نووی کی کتاب تہذیب سے منقول ہے ، اور اسی طرح علامہ برکوی کی کتاب "الطريق المحمديه" میں مذکور ہے۔(ت)

مرقاۃ شریف میں ہے:

احداث مالاينازع الكتاب والسنة كما سنقرره بعدليس بمذموم[2]۔	ایسا فعل ایجاد کرنا جو کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو برا نہیں، جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔(ت)

پھر ایک صفحہ کے بعد بدعت کا واجب وحرام ومندوب ومکروہ ومباح ہونا مفصلاً ذکر فرمایا۔ عالمگیری میں ہے:

لاباس بكتابة اَسَامی السور وعدد الآی	مصحف شریف میں سورتوں کے نام، اورآیتوں کی

[1] ردالمحتار باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۶۰

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۱۵

وھوان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ [1]۔	تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور وہ اگرچہ نئی ایجاد اور بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نوایجاد تو ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔(ت)

امام ابن الہمام فتح القدیر میں رکعتیں قبل مغرب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونا ثابت کرکے بتاتے ہیں:

ثم الثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیۃ اما ثبوت الکراھۃ فلا الاان یّدُلَّ دلیل اخر [2]۔	پھر اس ساری بحث کے بعد صرف یہ ثابت ہوا کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں مندوب ومستحب نہیں لیکن مکروہ ہونا ثابت نہیں، ہاں اگر ثبوتِ کراہت پر کوئی اور دلیل ہو تو البتہ۔ (ت)

مع ہذا حضرات مانعین زمانہ تین قرن تک اختیار تشریع مانتے، اور مُحدثاتِ تابعین کو بھی غیر مذموم جانتے ہیں تو صرف فعل صحابہ سے استدلال ان کے طور پر بھی ناقص وناتمام ہے[ف۱]۔ کلام ان مباحث میں طویل ہے کہ ہم نے اپنے رسائل عدیدہ میں ذکر کیا یہاں بھی دو حرف مجمل کافی ہیں **وباللہ التوفیق**۔

پنجم: ردالمحتار ومرقات کی یہ عبارتیں اگر جناب نے دیکھیں تو درر وغرر وکنزالدقائق ووقایہ ونقایہ ومجمع وملتقی واصلاح وایضاح وتنویر وغیرہا عامہ متونِ مذہب کے اطلاق ملاحظہ فرمائے ہوتے جنھوں نے مطلقًا بلاتقیید وتخصیص مصافحہ کی اجازت دی، درمختار وحاشیہ علامہ طحطاوی وشرح علامہ شہاب شلبی و

ف۱: مانعین کسی چیز کی ایجاد اور جائز ومشروع قرار دینے کا اختیار صرف تین زمانوں تک محدود مانتے ہیں:

(۱) زمانہ رسالت (۲) زمانہ صحابہ (۳) زمانہ تابعین

ان کے اس نظریہ سے اتنا ثابت ہے کہ زمانہ تابعین کی ایجادات بھی بری نہیں، تو مصافحہ مذکورہ کی ممانعت کے ثبوت میں صرف صحابہ کرام کے نہ کرنے سے استدلال ناقص وناتمام ہے، اپنے ہی نظریہ کے مطابق یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ زمانہ تابعین میں بھی اس کا وجود وثبوت نہیں۔(ت)

---

[1] عالمگیری (فتاوٰی ہندیہ) باب آداب المسجد مطبوعہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

فتح اللہ المعین حاشیہ کنز وغنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر و حاشیہ مراقی الفلاح ونسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض و مجمع بحارا لانوار و مطالب المومنین و مسوی شرح مؤطا و تکملہ شرح اربعین علامہ برکوئی للعلامہ محمد آفندی و حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ للعلامۃ النابلسی و فتوی امام شمس الدین بن امام سراج الدین حانوتی وغیرہم علمائے حنفیّہ کی تصریحات جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحہ مذکورہ اور اسی طرح مصافحہ عید کو بھی جائز بلکہ مستحسن بلکہ سنت بتاتے ہیں۔ در مختار میں ہے:

اطلاق المصنف تبعاللدرر والکنز والوقایۃ و المجمع والملتقی وغیرھا یفید جوازھا مطلقا ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔[1]	درر، کنز، وقایہ، مجمع، ملتقی، وغیرہا کے اتباع میں مصنف نے بھی یہاں مصافحہ کا ذکر مطلق رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ہے خواہ بعد عصر ہی کیوں نہ ہو، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ بدعت ہے تو اس سے مراد بدعت مباحہ حسنہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے اذکار میں اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں افادہ فرمایا ہے۔(ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

کُرہ تقبیل الرجل وعناقہ فی ازار واحد وجاز مع قمیص کمصافحتہ[2]۔	آدمی کا بوسہ دینا اور معانقہ کرنا ایک ازار میں مکروہ ہے اور کرتا پہن کر ہو تو جائز ہے۔ جیسے مصافحہ جائز ہے۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

بعض المتاخرین من الحنفیۃ صرّح بالکراھۃ فی ذلك ادعاء بانہ بدعۃ مع انہ داخل فی عموم سنۃ المصافحۃ مطلقا۔[3]	بعض متاخرین حنفیّہ نے اس مصافحہ کے بدعت ہونے کا دعوی کرتے ہوئے اسے صراحۃً مکروہ بتایا ہے باجودیکہ وہ مطلق مصافحہ کے عموم میں داخل ہو کر مسنون ہے۔(ت)

[1] در مختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۸۱

[2] اصلاح وایضاح

[3] الحدیقۃ الندیہ الخلق الثامن والاربعون الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۰

مجمع البحار میں ہے: هِيَ مِنَ الْبِدَعِ الْمبَاحَةِ[1] (یہ مصافحہ ان بدعتوں سے ہے جو مباح ہیں۔ت) آپ کی اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت امام نووی ہے:

قال الشیخ ابو الحسن البکری وتقییده بما بعد الصبح والعصر علی عادة کانت فی زمنه والافعقب الصلوات کلها کذلک، کذا فی رسالة الشُّرُنْبُلاَلِی فی المصافحة ونُقِلَ مثله عن الشمس الحانوتی وانه اَفتٰی به مستدلا بعموم النصوص الواردة فی مشروعیتها وهو الموافق لما ذکره الشارح من اطلاق المتون[2]۔	شیخ ابو الحسن بکری فرماتے ہیں امام نووی نے بعد فجر وعصر کی قید کے ساتھ مصافحہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ بعد فجر وعصر کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے اس رسالہ میں ہے جو انھوں نے مصافحہ کے بارے میں لکھا ہے اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے۔ انھوں نے جوازِ مصافحہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث اور نصوص سے استدلال فرماتے ہوئے اس مصافحہ کے بھی جائز ہونے کا فتوی دیا ہے۔ اور یہی اس کے موافق ہے جو شارح (صاحب درمختار علاء الدین حصکفی) نے متونِ فقہ کا اطلاق ذکر کیا ہے۔ (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی مسوّٰی میں کلامِ امام نووی نقل کرکے کہتے ہیں:

اقول: وهکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العید[3]۔	**میں کہتا ہوں** جس طرح امام نووی نے مصافحہ بعد فجر وعصر کے جواز میں استدلال کیا ہے یہی استدلال مصافحہ روز عید میں بھی جاری ہونا چاہئے۔ (ت)

اور بعض نسخِ مسوی میں "**والمعانقة یوم العید ایضاً**" (اور روز عید کے "**معانقه**" میں بھی۔ت) بھی ہے۔

---

[1] مجمع البحار الانوار تحت لفظ صفح مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۲/ ۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۸۱

[3] مسوّٰی باب استحباب المصافحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۱

"مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ" میں تکملہ شرح اربعین سے ہے:

لاوجه لجواب ابن حجر الشافعی وقد سُئل عن المصافحة بعد الصلٰوة فقال هی بدعة انتهی، لان حالة السلام حالة اللقاء لان المصلی لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا علی الله تعالٰی، فلما ادی حقه قیل له ارجع الی مصالحك وسلم علی اخوانك لقدومك عن غیبتک، و لذلك ینوی القوم بسلام كما ینوی الحفظة واذاسلم یندب المصافحة اوتسن كالسلام، كما اجاب شیخ الاسلام شیخ مشائخنا شمس الدین محمد بن سراج الدین الحانوتی وقد رفع له هذا السؤال فقال نص العلماء علی ان المصافحة للمسلم لا للكافر مسنونة من غیر ان یقیدوها بوقت دون وقت لقوله علیه الصلٰوة والسلام من صافح اخاه والمسلم وحرّك یده تناثرت ذنوبه و نزلت علیها مأة رحمة تسعة وتسعون منها لاسبقهما وواحدة لصاحبه

علامہ ابن حجر شافعی نے مصافحہ بعد نماز سے متعلق جواب دیتے ہوئے اسے بدعت کہا ہے، ان کے اس جواب کی کوئی قابل قبول وجہ نہیں، اس لئے کہ مصافحہ بعد نماز بھی مصافحہ اول ملاقات ہے کیونکہ سلام نماز کی حالت، حالتِ ملاقات ہے۔ اس لئے کہ جب مصلی نے تحریمہ باندھ لیا تو انسانوں سے غیر حاضر اور خدا کی طرف متوجہ ہوگیا، پھر جب حقّ اللہ کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اب اپنے کاموں اور مصالح کی طرف واپس ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سلام کر، کیونکہ تو اپنی غیر حاضری اور غیبت سے آرہا ہے اسی لئے تو اپنے سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے گا، جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا، اور جب سلام کیا تو مصافحہ اس کے لئے مندوب یا مسنون ہے، جیسے سلام، اسی طرح شیخ الاسلام ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا ہے، ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے فرمایا علماء نے کافر سے تو نہیں مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے، اسی لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں، اور دونوں پر کل سو ۱۰۰ رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے ۹۹ اس کے لئے جس نے مصافحہ میں سبقت وپیش قدمی کی اور

وقال ایضا مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا فالحدیث الاول یقتضی مشروعیة المصافحة مطلقا اعم من ان تکون عقب الصلوات الخمس والجمعة و العیدین او غیر ذلک۔ لان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یقیدها بوقت دون وقت والدلیل العام عند الحنفیة اذا لم یقع فیه تخصیص من الادلة الموجبة للحکم قطعا، کالدلیل الخاص وقالوا لدلیل العام یعارض الخاص لقوته۔ والدلیل ههنا عام لان صیغة"مَن"من صیغ العموم وکذانقل عن شیخ مشائخنا العلامة المقدسی حدیث"من صافح مسلما وقال عند المصافحة اللهم صل علی محمد وعلٰی آل محمد لم یبق من ذنوبه شیئ"فصیغته ایضا من صیغ العموم ذکره الشُّرُنبُلَالی فی رسالته المسماة"بسعادة اهل الاسلام"[1]	ایک اس کے دوسرے ساتھی کے لئے"اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ"جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے"پہلی حدیث کا مقتضٰی ہے کہ مصافحہ مطلقًا جائز ومشروع ہو، خواہ نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مصافحہ کو کسی خاص وقت سے مقید نہ فرمایا، اور حنفیّہ کے نزدیک دلیل عام کا بھی وہی رتبہ ہے جو دلیل خاص کا ہے جبکہ دلیل عام کا حکم کو قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو، بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ دلیل عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیل خاص کے معارض اور اس پر ترجیح یافتہ ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلیل مصافحہ بھی عام ہے، اس لئے کہ حدیث میں کلمہ "مَن" ہے جو صِیَغِ عموم سے ہے، یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے"جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اور بوقت مصافحہ (درود شریف) اللھم صل علٰی محمد وعلٰی آل محمد"پڑھا تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا"اس حدیث کا صیغہ بھی عموم کا صیغہ ہے۔ اسے علامہ شرنبلالی نے اپنے رسالہ"سعادۃ الاسلام"میں ذکر کیا ہے۔(ت)

علامہ سید ابوالسعود ازہری حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں؛

[1] مناصحۃ فی تحقیق مسألۃ المصافحہ

فی شرح لشهاب الشلبی وما اعتاده الناس بعد صلٰوۃ الصبح والعصر فلا اصل له لکن لابأس به [1] الخ۔	شہاب الدین شلبی کی شرح میں ہے: نماز فجر وعصر کے بعد جو مصافحہ رائج ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مگر اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔(ت)

غنیہ حاشیہ غرر ودرر باب صلٰوۃ العیدین میں ہے:

المستحب الخروج ماشیا والرجوع من طریق اٰخر والتهنئة بتقبل الله منا و منکم لاتنکر کما فی البحر وکذا المصافحة بل هی سنة عقب الصلوات کلها عند کل لقی ولنا فیها رسالة سمیتها سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلٰوۃ والسلام"[2]۔	عید کے دن عیدگاہ کو پیادہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا یہی مستحب ہے۔ اور بالفاظ تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَ مِنْکُمْ (اللہ ہمارے تمہارے عمل قبول فرمائے) مبارکباد پیش کرنا کوئی منکر اور بُرا نہیں، جیسا کہ بحرالرائق میں ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وہ تو تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنت ہے اور اس بارے میں "سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلٰوۃ والسلام" نامی ہمارا ایک رسالہ ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین علٰی شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے:

من المستحب اظهار الفرح والبشاشة (الی قوله) والتهنئةبتقبل الله منا ومنکم وکذا المصافحة بل هی سنة عقب الصلٰوۃ کلها و عند کل لقی۔ شرنبلالیة[3]۔	عید کے دن مسرت و خندہ روئی ظاہر کرنا اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، شرنبلالیہ۔(ت)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نورالایضاح میں فرماتے ہیں:

کذا تطلب المصافحة فهی سنة	اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں

[1] فتح المعین حاشیہ علی شرح ملا مسکین کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۰۲

[2] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ غرر باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ احمد مصر ۱/ ۱۴۲

[3] فتح المعین علی شرح العلامہ الملا مسکین باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۵

عقب الصلوات کلھا[1]	کے بعد سنت ہے۔(ت)

حاشیہ در مختار میں ہے:

تستحب المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، ابو السعود عن الشُّرُنْبُلَالیة[2]۔	مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے۔ابوالسعود عن الشرنبلالیہ۔(ت)

افسوس کہ دو۲ عبارتیں جناب نے دیکھیں، اور اتنی عباراتِ کثیرہ جو کہ جناب کے خلاف تھیں نظر سے رہ گئیں۔ خیر مانا کہ اس میں اکثر کتب مطالعہ سامی میں نہ آئی ہوں، آخر در مختار اور ردالمحتار تو پیش نظر تھیں، در مختار کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ مصافحہ مذکورہ بدعت حسنہ ہے۔ ردالمحتار میں رسالہ علامہ شرنبلالی کا کلام اور علامہ شمس الدین حانوتی کا فتوی دیکھا ہی ہوگا، سب جانے دیجئے، یہ فتاوٰی لکھنؤ جو استناداً پیش فرمایا اسی میں یہیں یہیں یہ الفاظ موجود کہ علماء اس باب میں مختلف ہیں بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ مسئلہ مصافحہ کا اختلافی ہونا پایا نہیں؟ بہت واضح راہ تھی کہ ترجیح تلاش فرمائی جاتی، جو قول مرجّح نکلتا اُسی پر عمل کرنا تھا، اگر جناب کی نظر ترجیح تک نہ پہنچتی تو فقیر سے سنئے علامہ شہاب الدین خُفاجی حنفی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ھی بعد الصّلٰوۃ بدعة عندنا، والاَ صَحُّ انھا مباحة لما فیھا من الاشارۃ الی انه کانّ قدم من غیبة لانه کان عند ربه یناجیه فافھم[3]۔	یہ مصافحہ، نماز کے بعد ہمارے نزدیک بدعت ہے، اور صحیح تر یہ ہے کہ مباح ہے کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غَیبت اور غیر حاضری سے آیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے رب کے حضور مصروفِ مناجات تھا۔اسے سمجھو۔(ت)

ملاحظہ فرمایئے کیسی صاف تصریح ہے کہ مصافحہ مذکورہ کی اباحت ہی قولِ اصح ہے، پھر اگر بالفرض دوسری طرف بھی تصحیح پائی جاتی، تاہم، یہی قول مرجّح رہتا کہ خود باقرار ردالمحتار "مذہب اباحت ہی موافقِ اطلاقِ مُتون ہے"۔ اور خود انھیں کی تصریح ہے کہ "اختلافِ فتوی کے وقت اُسی قول پر عمل اولٰی جو

[1] حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب العیدین مطبوعہ نور محمد کراچی ص ۲۸۸

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب العیدین دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۵۳

[3] نسیم الریاض شرح شفاء

اِطلاقِ مُتون کے موافق ہو"۔

حیث قال قد اختلف التصحیح والفتوی کما رأیت والعمل بما وافق اطلاق المُتُونِ اَوْلی۔ بحر [1]۔	اُنھوں نے یُوں فرمایا کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو تصحیح اور فتوی میں اختلاف ہوگیا، اور عمل اُسی پر اولٰی ہے جو اطلاق متون کے موافق ہو، بحر (ت)

درمختار میں ہے:

علی المعتمد لانہ متی اختلف الترجیح رجح اطلاق المتون، بحر [2]۔	یہ حکم بربنائے مُعتمد ہے، اس لئے کہ اختلاف ترجیح کے وقت اطلاقِ متون ہی کو ترجیح ہے، بحر (ت)

اور جب کہ ترجیح صرف اسی طرف ہے تو اب اس قول کا اختیار فقاہت سے بالکل برطرف ہے، درمختار میں ہے:

امانحن فعلینا اتباع مارجّحوہ و صحّحوہ۔ [3]	ہم عام مقلدین پر تو بس اُسی کی پیروی کرنا ہے جسے ان بزرگوں نے راجح و صحیح قرار دے دیا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الحکم والفُتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع [4]۔	مرجوح قول پر حکم اور فتوی دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

الحمدﷲ اب حق باحسن وجوہ واضح ہوگیا، اُمید کرتا ہوں کہ جناب بھی اب تو مصافحہ مذکورہ ومعانقہ عید کے جواز واباحت پر فتوٰی دیں گے اور اپنے تلامذہ کو ان امور جائزہ کے طعن وانکار سے باز رہنے کی ہدایت کریں گے واللہُ الھادی وولیّ الاَیادی۔

ششم: الحمدﷲ کہ ضمنِ تقریر میں مسئلہ مصافحہ بعدِ صلوٰۃ بھی صاف ہوگیا، اور تعلیلاتِ ثلٰثہ کا علیل ہونا بھی منکشف ہولیا، ثالث پر کلام تو صراحۃً گزرا اور اول کا جواب عبارتِ تکملہ شرح اربعین ونسیم الریاض سے واضح ہوا کہ بعد ختم نماز ملنا بھی ابتدائے لقاہے، ولہٰذا اس وقت سلام مشروع ہوا، تو مصافحہ کیوں

[1] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۲

[2] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۷

[3] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۴

[4] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۴

نامشروع ہونے لگا۔ رہی تعلیل ثانی اس کے جواب کا اشارہ کلامِ فقیر میں گزرا مشابہت صرف ان تین صورتوں میں مذموم ہے ورنہ نہیں۔

تکمیلِ کلام: اتنااور سُن لیجئے کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنت جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے، اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز کیوں مطلوب ہوگا، مصافحہ بعد نماز اگر سنتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں نہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اولِ لقاء پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اعدائے سُنن کو سنن سے کچھ کام ہی نہ رہا، تو ایسی حالت میں وہ علت سرے سے مُرتفع ہے۔ درمختار میں ہے:

یجعله لبطن کفّه فی یده الیسرٰی ، وقیل الیمنٰی الا انه من شعار الروافض فیجب التحرز عنه، قهستانی وغیره. قلت ولعله کان وبان فتبصر [1]۔	(مرد) انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے، اور کہا گیا دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے، تو اس سے بچنا ضروری ہے، (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای کان ذلك من شعارهم فی الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فی هذه الازمان فلا ینهٰی عنه کیفما کان [2]۔	یعنی وہ گزشتہ زمانے میں ان کا شعار تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا تو اب اس سے ممانعت نہ ہوگی، جیسے بھی ہو ۔(ت)

اب تو بحمد اللہ سب شکوک کا ازالہ ہوگیا، فاحفظ واحمد وکن من الشاکرین والحمد ﷲ ربّ العلمین (تو اسے یاد رکھو اور حمد کرو اور شکر گزار بنو اور ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

ہفتم: سخت افسوس کا مقام ہے کہ عبارتِ مرقات کی نقل میں بہت تقصیر واقع ہوئی، مرقاۃ شریف میں اُس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے:

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۶۱/۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۶۱/۶

نعم لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلٰوۃ اوعلی ارادۃ الشروع فیھا فبعد الفراغ لوصافحھم لکن بشرف سبق السلام علی المصافحۃ فھذا من جملۃ المصافحۃ المسنونۃ بلاشبھۃ[1]۔	ہاں اگر کوئی مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز میں، یا نماز شروع کرنے والے ہیں، تو فارغ ہونے کے بعد اگران سے مصافحہ کرے بشرطیکہ مصافحہ سے پہلے سلام ہولے تو بلاشبہہ مصافحہ مسنونہ ہی کے مجموعہ میں شامل ہوگا۔(ت)

ان میں صاف تصریح تھی کہ وہ کراہت صرف اس صورت میں ہے کہ نماز سے پہلے مل لئے، باتیں کرچکے، ملاقات ہوئی، اُس وقت مصافحہ نہ ہوانہ کچھ اور، اب بعد سلام آپس میں مصافحہ کرنے لگے اور اگرایسانہ ہو بلکہ یہی وقت ابتدائے لقاکا ہو کہ یہ اس وقت آیا کہ نماز شروع ہوگئی تھی یا شروع کاارادہ تھا، اب بعد سلام مصافحہ کرے تو یہ یقینا مصافحہ مسنونہ ہے کہ خاص اول لقاپر واقع ہوا، ظاہر ہے کہ جماعاتِ عید میں اکثر لوگوں کی باہم یہی حالت ہوتی ہے کہ بعد سلام ان کی لقااول ہوتی ہے، تو مرقاۃ کے طور پر بھی انھیں معانقہ سے اصلاً ممانعت نہیں ہوسکتی، پھر معانقہ عید شرکائے جماعت واحدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ تمام احباب جنھوں نے مختلف مساجد میں نمازیں پڑھیں اس دن بلکہ اس دن تک دوسرے دن تک اولِ ملاقات بعد الصلٰوۃپر باہم معانقہ کرتے ہیں، یہ معانقے تو یقینا ابتدائے پر ہوتے ہیں، جو عبارت مرقات سے بر سبیل قیاس جناب اور عبارت فتاوٰی لکھنؤ سے صراحۃً ٹھیک موقع پر درست وبجا واقع ہیں، حالانکہ مانعین زمانہ کا منع مصافحہ بعد نماز اور معانقہ عید دونوں میں سب صورتوں کو عام و مطلق اور وہ آپ ہی کی عبارات مستندہ کی رو سے باطل و ناحق، پس اگرانھیں عبارتوں پر عمل فرمادیجئے کہ نماز عید سے پہلے جو لوگ مل لیتے ہیں صرف وہ بعد نماز معانقہ نہ کریں، اور جو ہنوز نہیں ملے انھیں معانقہ بلاکراہت جائز و مباح ہے، یوں ہی ایک دوسرے کے پاس جو ملنے جاتے یا راہ میں ملتے ہیں وہ بھی بلاتامّل معانقہ کریں خواہ پیش از نماز یا بعد از نماز مل لئے ہوں یا نہ ملے ہوں کہ اس وقت تو ابتدائے لقا ہے، ان سب صورتوں کا جواز آپ ہی کے مُستَنَدات سے ثابت۔ لاجرم آپ کو اس کی تصریح کرنا ہوگی، اس کے بعد دیکھئے کہ حضرات مانعین آپ کو کیا کہتے ہیں، واللہ المُستعانُ علٰی جھالاتِ الزمان (اور اللہ ہی وہ ہے جس سے زمانے کی جہالتوں کے خلاف مدد طلبی ہے۔ت)

ہشتم: اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ان لفظوں کے متصل ہی مرقات میں اور تحقیق جلیل ونافع،

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۹/ ۷۴

خیالات مانعین پر سیف قاطع تھی وہ بھی نقل میں نہ آئی، فرماتے ہیں:

ومع هذا اذا مَدَّ مسلم یدہ للمصافحة فلاینبغی الاعراض عنه بجذب الید لما یترتّب علیه من اَذًی یزید علی مُراعاة الادب فحاصله ان لاابتداء بالمصافحة حینئذ علی الوجه المشروع مکروہ لا المجاذبة وان کان قد یقال فیه نوعُ معاونه علی البدعة[1] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم	یعنی باآنکہ اُس صورت خاصّہ میں کہ ملاقات پیش از نماز کرچکیں، اور مصافحہ تحیت بعد نماز کریں، کراہت مانی جاتی ہے، پھر بھی اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو ہاتھ نہ کھینچنا چاہئے بلکہ مصافحہ کرلیا جائے، اگرچہ اسے مُعاونتِ بدعت کہا جائے کہ اس حالت میں مصافحہ نہ کرنا صرف ایک ادب واَوْلیٰ تھا، اور اب اس کے ترک میں مسلمان کی ایذا ہے کہ وہ تو ہاتھ بڑھائے اور ہم ہاتھ کھینچ لیں، مسلمان کی خاطر داری اُس ادب کی مراعات پر مقدم ہےف۱، لہٰذا اس صورت میں کراہت نہیں بلکہ مصافحہ کرنا ہی چاہئے (ت)

للہ انصاف ! اس منصفانہ کلام کو مانعین زمانہ کے خیالات سے کتنا بُعد ہے، یہ حضرات تو خواہی نخواہی اپنی مَشِیخَت بنانے اور شہرت پیدا کرنے کے لئے جماعات کی مخالفت کو ذریعہ فخر اور غایت تَشَرُّع سمجھے ہوئے ہیں مگر علمائے محققین مسلمان کا دل رکھنے کو رعایت آداب اور ترک مکروہات پر بھی مقدم جانتے اور ان کے رسوم وعادات میں مخالفت کو مکروہ وباعث شہرت مانتے ہیں، ولہٰذا تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی نہی صریح، غیر قابل تاویل نہ آئی ہو، عادات اُناس میں موافقت ہی کرکے ان کا دل خوش کیا چاہے اگرچہ وہ فعل بدعت ہو، عین العلم میں ارشاد ہوا:

اَلْاِسْرَارُ بِالْمُسَاعَدَةِ فِیْمَا لَمْ یَنْهُ وَصَارَ مُعْتَادًا فِیْ عَصْرِهِمْ	اُن امور میں لوگوں کی موافقت کرکے انھیں خوش کرنا اچھا ہے جن (امور) سے شریعت میں ممانعت نہیں ہے۔

ف۱: یعنی ادب واَولیٰ چھوڑنے سے مسلمانوں کی خاطر داری ہوتی ہے تو ادب واَولیٰ کی رعایت نہ کرے، دل مسلم کی رعایت کرے، دل مسلم کو تکلیف پہنچانا اور اسے شکستہ کرنا ترک اولیٰ ومخالف ادب سے زیادہ بُرا ہے، البتہ جہاں رعایت ادب واَولیٰ اور مومن کا پاس خاطر دونوں جمع ہوسکتے ہیں وہاں بلاشبہہ ترک ادب کا حکم نہیں، ہاں اگر کسی امر سے صراحۃً ممانعت آئی ہے تو محض مسلمان کی خاطر داری کے لئے اُس امرِ ممنوع کا ارتکاب نہ کرے۔ (مترجم)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۹/ ۷۴

حَسَن وَّاِنْ کَانَ بِدْعَةً [1]۔	اور لوگوں کے عہد میں وہ رائج ہو چکے ہیں خواہ بدعت اور نوایجاد ہی ہوں۔(ت)

امام حُجۃ الاسلام محمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہُ العَالی اِحیاءُ العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی ھذا الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة و لکل قوم رسم لا بدّ من مخالقة الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیّما اذاکانت اَخلاقافیھا حسن العشرة و لمجاملة وتطییب القلب بالمساعدة وقول القائل انّ ذٰلك بدعة لم یکن فی الصحابة رضی الله تعالٰی عنھم وانما المحذور بدعة تراغم سنة مامورًا بھا ولم ینقل النھی عن شیئ من ھذا (الی قولہ) وکذلك سائر انواع المساعدات اذقُصِدَبھا تطییب القلب واصطلح علیھا جماعة فلابأس بمساعدة الّافیما ورد فیه نھی لایقبل التاویل [2]۔	یعنی ان امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حُسن صحبت اور معاشرت سے ہے اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا حکم آیا خصوصًا وہ عادتیں جن میں حُسن معاشرت اور باہم اچھا برتاؤ اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہو اور کہنے والے کا کہنا یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں ہی نہ تھا، تو کیا جو کچھ مباح کہا جائے سب صحابہ سے ہی منقول ہوتا ہے، بُری تو وہ عادت ہے جو کسی سنت مامور بِہا کارَد کرے اور اس فعل سے شرع میں کہیں ممانعت نہ آئی۔ اس طرح تمام مساعدت کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، ایک گروہ کی رسم ہو گئی تو ان کی موافق کرنا کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اُس صورت میں کہ صاف نہی وارد ہو جو قابل تاویل نہ ہو۔(ت)

دیکھئے اطبّائے قلوب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشاد یہ ہیں، اللہ عزّوجل جسے نیک توفیق دے وہی ان نفیس الٰہی ہدایتوں پر عمل کرے۔ حضرات مانعین ان سے منزلوں دور ہیں ولاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم

بالجملہ اگر آپ کو مرقات پر عمل ہے تو صاف تصریح فرمادیجئے کہ بعد عید جو شخص معانقے کو ہاتھ بڑھائے

---

[1] عین العلم الباب التاسع فی الصمت الخ مطبوعہ امرت پریس، لاہور ص ۴۱۲

[2] احیاء العلوم آداب السماع والوجد مطبوعہ قاہرہ، مصر ۲/ ۳۰۵

اس سے انکار ہر گز نہ کیا جائے بلکہ فوراً معانقہ کرلیں، افسوس کہ مرقاۃ سے سند لانا تو بالکل الٹا پڑا۔ مجھے جناب کی بزرگی سے امید ہے کہ شاید مرقاۃ شریف خود ملاحظہ نہ فرمائی ہو بلکہ مانعین زمانہ عبارات میں قطع وبرید وسرقہ کے عادی ہیں، کسی سارق نے آدھی عبارت کہیں نقل کردی ہے آپ کے اعتماد پر اسناد کرلیا، اب کہ پوری عبارت پر مطلع ہوئے ضرور حق کی طرف رجوع فرمائے گا **وَاللہُ الْمُوَفِّق**۔

نہم: بحمد اللہ تعالٰی ہماری تحقیقات رائقہ سے آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ معانقہ عید کو بدعتِ مذمومہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ سنت مباح کے اندر دائر ہے، یعنی من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص مباح، اور بقصد حسن محمود مُستحسَن، توظاہر ہوا کہ عبارت ردالمحتار:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَّبِدْعَۃ الخ [1]	جب حکم کسی سنت وبدعت کے درمیان دائر ہو تو ترک سنت کو ارتکاب بدعت پر ترجیح حاصل ہے۔(ت)

کو اسی مسئلہ سے اصلاً تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعتِ مذمومہ ہے۔ جب تو اس سے بچنے کے لئے سنت کا چھوڑنا تک گوارا کیا ورنہ بدعت مباحہ سے بچنا خود ہی مطلب نہیں، نہ کہ اس کے لئے سنت چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، وھذا ظاھر علٰی کل من لہ حظٌّ من عقل صفی (یہ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے پسندیدہ اور خالص عقل سے کچھ حصہ ملا ہے۔ت)

دہم: فتوٰی فقیر میں میاں اسمٰعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی جس میں معانقہ عید کے مستحسن ہونے کی صاف تصریح ہے، اس سے جناب نے کچھ تعرض نہ فرمایا بلکہ مجموعہ فتاوٰی وعباراتِ ردالمحتار ومرقاۃ پیش فرمائیں۔ اس میں دو احتمال ہیں: ایک وہ، طائفہ مانعین جس کے خوگر ہیں یعنی ہفواتِ باطلہ وخرافات عاطلہ میں دہلوی مذکور کا امام اکبر مانتے ہیں اور جو باتیں وہ بعلت مناقضت جس کا اس کے یہاں حد سے زائد جوش وخروش ہے اصول وفروعِ طائفہ کے خلاف لکھتا ہے دیوار سے مارتے ہیں۔

دوم یہ کہ جناب کو اس سے کچھ کام نہیں جو کلام اس کا تصریحاتِ امثال مرقات وردالمحتار حتی کہ مولوی صاحب لکھنوی کے خلاف ہو قابل قبول نہیں۔ اگر شق اخیر مختار ہے اور جناب کی انصاف پسندی سے یہی مامول، تو صراحۃً اس کی تصریح فرمادیجئے کہ جو مسائل تقویۃ الایمان وصراطِ مستقیم وایضاح الحق وغیرہا تصانیف شخص مذکور، مولانا علی قاری وعلّامہ شامی یہاں تک کہ مولوی صاحب لکھنوی اور ان کے امثال کی

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تردّد الحکم مطبوعی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸۲

تصریحات سے رد ہوتے ہیں ان کا بطلان تسلیم فرماتے جایئے، امید کرتا ہوں کہ بہت مسائل نزاعیہ جن میں جہلائے مانعین کو بے حد شور وشغب ہے یوں بِاَحْسَنِ وُجُوہ انفصال پائیں گے اور ہم آپ بتوفیقہٖ تعالٰی شخص مذکور کی ضلالتِ عقائد وبطالت مکائد پر متفق ہو کر حقِ ناصح کے اعلان میں باہم مُمِدّ ومعاون یک دیگر ہو جائیں گے۔

وباللّٰہ التوفیق والوصول الٰی سواء الطریق، واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین، والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدن المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین!	اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق اور سیدھی راہ تک رسائی ہے، اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود وسلام ہو رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ خداوند قبول فرما۔ (ت)

کتبہ، عبدہ المذنب **احمد رضا** البریلوی عُفِیَ عنہ بمحمد المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

باب الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

مسئلہ ۱۴۵۱: از محلّہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مظہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

نماز استسقاء نماز ہے یا دُعا، اور استسقاء کیسے وقت میں ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز استسقاء صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور اسی پر عمل ہے اور اُس وقت ہونا چاہیے جبکہ حاجت شدید ہو اور امید منقطع ہوچکی ہو اور لوگ اس کے آداب کے طور پر اسے بجالائیں خشیت وخشوع اس کی اصل ہے اور وہ آج کل اکثر قلوب سے مرتفع الّا ماشاء اللہ اس ملک میں ہمسایہ کفار ہیں ہماری بے طوریوں کے باعث کہ نہ دعا کے طور پر کرتے ہیں نہ نماز کے طور پر نماز پڑھتے، اگر اجابت نہ فرمائی جائے تو کفار کے مضحکہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں کی حالت کے مناسب تر اس عمل پر اقتصار رہے جو قرآن عظیم میں نزول بارانِ رحمت کے لئے ارشاد ہوا یعنی کثرت استغفار و توجہ عزیز غفار **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ لا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾**[1] (تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۷۱/۱۰و۱۱

مآخذومراجع

	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	آلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّدالابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملاعلی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطاالدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الهدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بھجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود الفروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبّی)	۲۳۹

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۷۲۔ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔ ردعلی الجهمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔ رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔ رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔ رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔ رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔ رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔ رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔ رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔ رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔ رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔ رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔ رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔ رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔ الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔ رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔ رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔ رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳
ز		
۱۹۰۔ زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔ زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔ زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔ زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔ زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔	شرح الھدایة	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۷۔	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۸۔	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۳۹
۲۴۹۔	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔	شرح حاشیة الکنز ملامسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۶۔	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷۔	شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	۹۸۷
۲۶۸۔	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰۔	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱۔	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲۔	الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳۔	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴۔	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵۔	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸۔	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹۔	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰۔	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف بیرکلی	۹۸۱
۲۸۱۔	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲۔	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳۔	العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴۔	عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۳۰۶۔ فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔ فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔ فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔ فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔ فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔ فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔ فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔ فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔ فتاوٰی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔ فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۳۱۶۔ فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔ فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔ فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔ الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔ فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔ الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔ فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔ فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔ فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔ فضائل القرآن لابن ضریس	ابو عبد اللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔ فوائد الخلعی	ابو الحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔ فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔ فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔ فتح المغیث	امام محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔ فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحلیم لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الهدیة لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطهور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقه	ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسة	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامة المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایة	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجه	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخة	امام محمد ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالك ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجه علی تارك الحجه	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایة الطالب الربانی شرح لرساله ابن ابی زہر القهروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمه	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	السند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحی	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱ ۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابو الفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۸۳۔	کشف الغطاء ما لزم للموتی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابو الشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبد الغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابو الحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبد الرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۹۷۔	لباب المناسك	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبد الوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۳۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹